از
صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

شرح

غزلیاتِ غالبؔ (فارسی)

از

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

ترتیب

پیش لفظ

غالب کی فارسی غزلیات کی شرح کا پہلا حصہ ، جس میں ردیف الف سے ح تک کی ۱۱۰ غزلوں کی شرح کی گئی تھی ، آپ کی نظر سے گزر چکا ہے ۔ حصہ دوم جو اب پیشِ خدمت ہے ردیف د سے ی تک کی غزلیات کا احاطہ کرتا ہے اور اس میں دو سو (۲۰۰) سے کچھ اوپر غزلوں کی تشریح کی گئی ہے ۔

یہاں اس بات کا اعادہ بے مورد نہ ہوگا کہ غالب کی غزلوں کی شرح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا ۔ ہمعصر دانشوروں میں سے معدودے چند ہی غالب کے خیال کی گہرائی اور نزاکت کو پا سکتے ہوں گے ۔ یہ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم مرحوم ہی کی ہمت تھی کہ برسوں کی لگا تار محنت سے اس ادق اور طویل کام کو انجام تک پہنچا ۔ شرح کے پہلے حصے میں پانچ سو سے کچھ کم صفحے تھے لیکن یہ دوسرا حصہ ایک ہزار صفحوں کے قریب جا پہنچا ہے ، جس سے دو جلدوں کا حجم کچھ غیر متوازن سا ہو گیا ہے ۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس سے معانی و مطالب پر ، جو اصل چیز ہیں ، کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ افسوس ہے کہ صوفی صاحب اپنی اس شرح کی طباعت تک زندہ نہ رہے لیکن ان کا یہ گراں مایہ کام زندۂ جاوید ہے ۔ یہ پوری قوم پر ، لیکن خصوصاً

غالب کی زبان و بیان کے طالب علم پر ، ایک بہت بڑا احسان ہے ۔ خدا کا شکر ہے کہ پیکجز نے اسے چھپوا کر صوفی صاحب کی امانت کو اس کی منزل تک پہنچا دیا ہے ۔

پیکجز ، لاہور (ڈاکٹر) سید نذیر احمد

۱۷ جون ۱۹۸۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح غزلیات فارسی غالب

ردیف د

غزل نمبر ۱

دگر فریب بہارم سرِ جنون ندهد
گل است و جامۂ آلی که بوے خوں ندهد

لغت: ''جامۂ آلی'' = جامۂ سرخ - ''آل'' = سرخ یا بعض کے نزدیک نیم سرخ ہے۔

فارسی میں ایک لفظ ''آلغونہ'' ہے جو آل گونہ کا معرب ہے اور جو غازہ کو کہتے ہیں یعنی وہ سرخی جو عورتیں آرائش کے لیے چہرے پر ملتی ہیں۔ گویا آل گونہ، سرخ رنگ یا سرخی ہے، چنانچہ سرخی کا لفظ غازہ کے لیے بھی مستعمل ہے (جیسے اُس نے چہرے پر سرخی ملی ہوئی ہے)۔ بہر حال رنگِ آل رنگ سرخ ہے۔

صائب کا ایک خوبصورت شعر ہے:

رحمے بہ شیشہ خانۂ دلہاے خلق کن
از مے مکن دو آتشہ این رنگ آل را

اب ذرا شعر غالب کی طرف آئیے :

''اب میں بہار کا فریب کھا کر جوشِ جنوں میں نہیں آتا۔
اب میرے لیے بہار ایک گل سرخ اور جامہ آلی (جامہ سرخ) ہے
کہ جس میں بوے خوں نہیں ہوتی''۔

جب بہار بے کیف ہو تو پھر اس آمد بہار سے جنوں کا انداز کیسے
پیدا ہو (اپنی افسردہ خاطری کا تذکرہ کیا ہے)۔

گسستہ تارِ امیدم ، دگر بخلوت اُنس
بزخمۂ گلہ ، سازم ، نوا بروں ندھد

لغت : ''زخمہ'' = مضراب۔

میری امید کے سب تار ٹوٹ چکے ہیں۔ اب خلوتِ محبت شکایتوں
کے مضراب چلاؤں بھی تو میرے ساز (ساز سخن) سے کوئی سر نہیں
ابھرتا۔ اب طبیعت بجھ چکی ہے۔ اب یہ عالم ہے کہ محبت میں
معشوق سے شکوہ کرنے کی سکت یا چاہت نہیں رہی۔

ز قاتلے بعذابم کہ تیغ و خنجر را
بحکم وسوسہ زہراب بے شگوں ندھد

میں تو ایک ایسے قاتل کے ہاتھوں عذاب میں پڑا ہوں ، جو
میرے قتل کرنے کے بارے میں وسوسے میں ہے اور اس کے لیے فال یا
شگون تلاش کرتا ہے اور بغیر شگون کے (تیغ و خنجر کو آب دینا تو
در کنار) زہر آب سے بھی تر نہیں کرتا کہ جس سے موت ناگزیر ہوتی ہے۔

وسوسہ اس بات کا ہے کہ شاید یہ سخت جاں عاشق تیغ و خنجر
سے مرے گا بھی کہ نہیں۔ ہاں شگون ہو تو شاید وہ ہاتھ اٹھائے۔

بداں پری است نیازم کہ بہرِ تسخیرش
زمہر، دل بہ زباں رخصتِ فسوں ندہد

لغت: ''فسوں'' = جادو۔

کہتے ہیں سحر و افسوں سے پری کو شیشے میں اتارا جا سکتا ہے (رام کیا جا سکتا ہے)۔ مجھے اس پری (محبوب) سے نیاز مندی ہے جسے تسخیر کرنے کے لیے میری محبت آڑے آتی ہے اور میرا دل میری زباں کو اجازت نہیں دیتا کہ میں کوئی افسوں پڑھ کر پھونکوں۔

جنوں، مگو، ادبش نیست، بلکہ خودداری است
کہ تن بہ ہمدمیِ عقل ذو فنوں ندہد

لغت: ''عقل ذو فنوں'' = عیار چالاک اور صاحبِ فن، عقل۔

یہ مت کہہ، جنوں بے ادب ہے، اسے عقل کا پاس یا احترام نہیں۔ یہ میری خود داری ہے جو عقل کی طرف توجہ نہیں دیتی اور اس کے آگے نہیں جھکتی۔

کفیلِ ہوش خودم وقت مے، بہ بزم حبیب
بشرطِ آنکہ ز یک قلزمم فزوں ندہد

محبوب کی بزم میں، مے نوشی کرتے ہوئے، میں اپنے ہوش میں رہنے کا ذمہ لیتا ہوں، بشرطیکہ وہ مجھے پلائیں اور شراب کا صرف ایک سمندر پلا دیں اور اس سے زیادہ نہ دیں۔

ببوے گنج گزیدم خرابہ ورنہ جنوں
بہ ہرزہ ذوقِ دل آویزی سکوں ندھد

لغت : ''خرابہ'' = ویرانہ ، بیابان ۔

قدیم زمانے میں لوگ اپنے خزانے کو کسی برباد ویران جگہ میں دفن کر دیتے تھے ۔ دیوانے لوگ ، شہر اور آبادی سے بھاگ کر جنگل بیابان میں نکل جاتے تھے ، جس سے ان کے جوشِ جنوں کو تسکین ملتی تھی ۔

میں نے خزانے کی کشش (بُو) سے ویرانے کو انتخاب کیا ہے ورنہ دیوانگی یونہی (بہ ہرزہ) دیوانے کے قلب کو سکون کی لذت عطا نہیں کرتی ۔

شریکِ کار نیاورد تاب سختی کار
جواب نالۂ ما غیر بے ستوں ندھد

لغت : ''شریک کار'' = ہمدم ۔

فرہاد نے ''بے ستوں'' کو کاٹ کر جوئے شیر بہائی تھی اور وہیں تیشہ مار کر جان دی تھی ۔

ہمارا ہمدم محبت کے کٹھن مصائب کی تاب تو نہیں لا سکا ، وہ ہمارے نالوں کو سنتا ہے اور اس کا کوئی اور جواب نہیں دیتا سوائے اس کے کہ ''بے ستوں'' کا حوالہ دے کر کہتا ہے کہ فریاد کرنے سے کیا ہوتا ہے ، فرہاد کی طرح سر پھوڑ لو اور مر جاؤ ۔

وہ سمجھتا ہے کہ نالہ و فریاد کوئی سخت کام نہیں ۔ حالانکہ وہ اس کی خود تاب نہیں لا سکتا ۔

شریک کار سے مقصود محبوب بھی ہو سکتا ہے ۔

بمن گرا و وفا جو که ساده برہمنم
به سنگ هر که دهد دل ، به غمزه چوں ندهد

''گرائیدن'' کا مفہوم ہے جھکنا ، مائل ہونا ۔

میری طرف مائل ہو اور وفا کو تلاش کر کیونکہ میں ایک ساده لوح برہمن (بتوں کا پجاری) ہوں ۔ جو شخص پتھر کو دل دے سکتا ہے وہ ناز و ادا کو کیوں نہیں دے سکتا ۔

ترا به حربه چه حاجت ، نه آں بود غالب
که جاں به لذت آویزش دروں ندهد

مجھے مارنے کے لیے تجھے ظاہری حربے استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔ میں (غالب) وہ شخص نہیں کہ جو آویزشِ دروں (یعنی پوشیدہ جنگِ محبت) کی لذت میں جان نہ دے سکے ۔

غزل نمبر ۲

نگاہش ار بسرِ نامۂ وفا ریزد
سواد صفحه کاغذ چو توتیا ریزد

اگر اس کی نظر میرے نامۂ وفا پر پڑ جائے تو کاغذ کے صفحے کی سیاہی ، سرمے کی طرح گر پڑے ۔

یعنی وہ اتنا ستمگر بے وفا ہے کہ اس کی نظرِ عتاب سے وفا کے نقش مٹ جاتے ہیں ۔

بفرقِ ما اگرش ناگہاں گزار آفتد
چو گرد ، سایہ ز بال و پر ہما ریزد

اگر وہ اچانک ہمارے سر پر سے گزر جائے تو ہما کا سایہ اس کے پروں سے یوں گر جائے جیسے گرد جھڑ جاتی ہے۔

اپنی بدبختی کا رونا رویا ہے کہ ہما کا سایہ بھی ہم بدنصیبوں کو فائدہ نہیں دے سکتا۔

خوشا بریدن راہِ وفا کہ در ہر گام
جبیں ز پائے بانداز نقشِ پا ریزد

''براہ بریدن'' = راہ طے کرنا۔

وفا کی راہ کو طے کرنا کتنا کیف انگیز ہے کہ ہر قدم پر چلنے والے کی پیشانی ، یوں زمین پر گرتی ہے جیسے نقشِ پا۔ یعنی راہِ وفا یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہر قدم پر ہماری جبیں سجدہ ریزیاں کرتی چلی جا رہی ہے۔

ز نالہ ریخت جگر پارہ ہائے داغ آلود
چو برگ لالہ کہ در گلشن از ہوا ریزد

فریاد کرنے سے جگر کے داغ آلود ٹکڑے یوں اِدھر اُدھر بکھر گئے جیسے باغ میں ، ہوا سے لالے کے پتے گر پڑتے ہیں۔

تبسمیست ببالینِ کشتگانِ خودت
کہ گل بجیبِ تمنائے خوں بہا ریزد

''خوں بہا'' = خون بہانے کا صلہ۔

''گل بجیب ریختن'' = جیب کو پھولوں سے بھر دینا ۔ نشاط اور خوشی بخشنا ۔

اپنے کشتگانِ محبت کی بالیں پر بیٹھ کر تیرا اس انداز سے مسکرا دینا ، خوں بہا کی تمنا کی جھولی کو پھولوں سے بھر دیتا ہے ۔

یعنی تیرا یوں مسکرانا کشتگانِ محبت کا بہترین خوں بہا ہے جو موت کو لذت عطا کرتا ہے ۔

دماغ ما ز بلا می رسد ، مگر ساقی
گداز زہرۂ ما در ایاغ ما ریزد

''دماغ رسیدن'' = سرخوش و سرشار ہونا ۔
''زہرہ'' = پتا ۔ ''ایاغ'' = پیالہ ۔

ہر سخت مصیبت (بلا) سے ہم سرشار ہوتے ہیں ، شاید ساقی ہمارے جام میں ہمارے پتے کو پگھلا کر ڈال دیتا ہے ۔

یعنی ہمارے پیالے میں شاید ہمارا خون جگر ہے جو ہمیں مزا دیتا ہے اور ہم ہر مصیبت کو بھول جاتے ہیں ۔

خوش آنکہ عجزِ منش برسرِ عتاب آرد
خسک بہ پیرہن شعلۂ جفا ریزد

لغت : ''خسک'' = تنکا ، کانٹا ۔
''خسک در پیرہن ریختن'' = کسی کے پیراہن میں تنکا یا کانٹا ڈالنا ، مراد بے تاب اور بے چین کر دینا ۔

اگر میرا محبوب میرے عجز و نیاز سے برہم ہو جاتا ہے تو نہایت اچھی بات ہے ۔ اس سے اُس کا شعلۂ جفا اور بھڑک اٹھتا ہے ۔

بہشتِ خویش توانی شدن اگر داری
دلے کہ خوں شود و رنگِ مدعا ریزد

اگر تیرے سینے میں ایسا دل ہے جو خون ہو جائے ، لیکن خواہشات کو ترک کر دے تو تُو اپنی جنت آپ ہو سکتا ہے ۔

بروزِ وصل در آغوشم آنچناں بفشار
کہ بے من از لب من شکوۂ تو وا ریزد

وصل کے دن تو مجھے اپنے آغوش میں لے کر مجھے اس طرح بھینچ لے کہ میرے لبوں سے تیرا شکوہ خود بخود دور ہو جائے ۔

بہ چارہ دردِ تو اکسیر بے نیازی ہاست
کہ دل گدازد و در قالب دوا ریزد

تیرے درد محبت کی چارہ گری میں بہترین چارہ گری یہ ہے کہ چارہ سازہوں یکسر بے نیاز ہو جائے تا کہ درد دل کو گداز کر کے اور اسے دوا کے سانچے میں ڈھال دے ۔

یعنی درد محبت کی دل گدازی ہی بہترین دوا ہے ۔

بروے عقدۂ کارم بہ شکلِ برگِ خزاں
ز لرزہ ناخنِ دستِ گرہ کشا ریزد

لغت : ''عقدہ'' = گرہ ، مشکل ۔ ''گرہ کشا'' = گرہ کھولنے والا ۔ عقدہ حل کرنے والا ۔

خزاں زدہ پتے ہوا کی ہلکی سی لرزش سے گر پڑتے ہیں ۔

جب میرے گرہ کشا کا ہاتھ ، میرا عقدۂ مشکل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اُس کا ہاتھ گرہ کے اوپر لرز کر خزاں کے پتے کی طرح گر پڑتا ہے ۔

غبار شوق بہ خوننابۂ امید سرشت
دمے کہ خواست قضا طرح ایں بنا ریزد

جب قضا و قدر نے عشق و محبت کی بنیاد رکھی تو شوق کی مٹی کو امید کے خون میں ملا دیا ۔

یعنی محبت میں انسان کو سب امیدوں سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

شباب و زہد چہ نا قدر دانی ہستی است
بلا بہ جان جوانانِ پارسا ریزد

جوانی اور پھر زہد ، زندگی کی سخت نا قدر دانی ہے ۔ خدا ان پارسا نوجوانوں پر آفت نازل کرے ۔

یعنی انھیں قدرت کی طرف سے اس بے قدری کی سزا ملنی چاہیے اور دوسرے یہ کہ نازل شدہ بلا ان کے دل کو راہ راست پر لے آئے اور انھیں معلوم ہو جائے کہ زندگی زہد و تقویٰ کے جمود کا نام نہیں ، کشمکش کا نام ہے ۔

بسجدہ بر درِ یار اوفتیم تا غالب
خط جبیں چو غبار از جبینِ ما ریزد

لغت : ''خط جبیں'' = خط پیشانی ، مقدر ۔

غالب ! ہم در یار پر اس لیے سجدے کے لیے گر پڑتے ہیں کہ جو کچھ ہماری پیشانی پہ لکھا ہے (مقدر) ، وہ گرد و غبار کی طرح جھڑ جائے ۔

غزل نمبر ۳

به بند پرسش حالم نمی توان افتاد
توان شناخت ز بندے که بر زبان افتاد

''به بند پرسش حال افتادن'' = پرسش حال کے پیچھے پڑنا۔

لغت: ''بند بر زبان افتادن'' = زبان کا بند ہونا، خاموش ہونا۔

میرے حال کی پرسش کی کیا ضرورت ہے۔ میری خاموشیِ زبان سے میری حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

فغانِ من دلِ خلق آب کرد ورنہ ہنوز
نگفتہ ام که مرا کار با فلاں افتاد

میری فریادوں نے لوگوں کے دلوں کو تڑپا دیا ہے (آب کردہ است)، ورنہ ابھی تک میں نے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ میرا (محبت میں) کس سے واسطہ پڑا ہے۔

من آں نیم که بتانم کنند دلجوئی
خوشم ز بخت که دلدار بدگماں افتاد

میں وہ نہیں ہوں کہ دوسرے حسین میری دلجوئی کریں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میرا محبوب (دلدار) اس بارے میں بدگماں واقع ہوا ہے۔ وہ دوسروں کی دلجوئی پر شبہ کرتا ہے اور کسی کو پاس آتے دیکھنا گوارا نہیں کرتا، میری خود دلداری کرتا ہے اور اسی لیے میں اپنے بخت پر نازاں ہوں۔

ز رشکِ غیر بدل خوں فتاد ناگه و من
بخوں تپم که چه افتاد تا چناں افتاد

اچانک میرے دل میں رقیب کے متعلق رشک کا جذبہ اتنی شدت سے ابھرا کہ دل خون ہوکر رہ گیا اور میں اس بات پہ پیچ و تاب کھا رہا ہوں کہ آخر کیا حادثہ ہوا کہ میری یوں حالت ہوگئی ہے۔ رقیب پہ پہلے رشک آتا تھا، لیکن اب جو رشک کے باعث عاشق کی حالت خراب ہو رہی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ رقیب اور محبوب کا اختلاط کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا ہے۔

ہم از تصرف بے تابی زلیخا بود
بچاه یوسف اگر راهِ کارواں افتاد

لغت: ''راه کارواں افتاد'' = قافلے کا گزر ہوا۔

اس شعر میں یوسف کے کنویں میں گرنے اور سوداگروں کے ایک قافلے کے وہاں سے گزرنے اور یوسف کو خریدنے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کو صنعت تلمیح کہتے ہیں۔

''اگر قافلے کا گزر یوسف کے کنویں کے پاس سے ہوا تو یہ بھی زلیخا کی محبت کی بے تابی کا اثر تھا''۔

زلیخا نے حضرت یوسف کو خواب میں دیکھا تھا اور خواب میں دیکھی ہوئی صورت کا مجسم ہو کر سامنے آ جانا اور اس کا ملاپ نصیب ہونا بڑی بات تھی۔ شاعر کے نزدیک یہ زلیخا کے شدید جذبۂ محبت کا اثر تھا، جس کی بدولت کارواں کا گزر چاہ یوسف پر ہوا۔

حدیثِ مے بہ دف و چنگ درمیان داریم
کنوں کہ کار بہ شیخِ نہفتہ داں افتاد

لغت : ''دف'' = طبلہ ، ڈھولک ۔ ''چنگ'' = ایک ساز کا نام ۔
''شیخِ نہفتہ داں'' = وہ پارسا بزرگ جنھیں پوشیدہ باتوں کا پتا ہو ۔

پہلے ہم چھپ کر پیتے تھے ۔ اب ہمارا معاملہ شیخ نہفتہ داں سے آ پڑا ہے ، اب شراب پینے کی باتیں دف و چنگ سے ہم آہنگ ہو کر کرتے ہیں یعنی علانیہ ۔ جب راز فاش ہو گیا تو پھر پردہ داری کیسی ۔

فرو نیامدم از بسکہ بے خودم بطلب
ہزار بار گزارم بر آشیاں افتاد

چونکہ میں طلب و تلاش و جستجو میں بہت بے خود ہو گیا ہوں ، میں بلندیوں پر پرواز کرتا رہا اور نیچے نہیں آیا ، اگرچہ ہزار بار آشیانے پر میرا گزر ہوا ۔

یہ شعر غالب کی بلند نظری اور عالی ظرفی کو ظاہر کرتا ہے ، جس کا اظہار اُن کے بیشتر شعروں میں ہوتا ہے ۔

بکوے یار ز پا افتم و کنم فریاد
بداں دریغ کہ دانند ناگہاں افتاد

میں (ارادۃً) کوئے یار میں گر پڑتا ہوں اور اس غم انگیز انداز میں فریاد کرتا ہوں ، گویا اچانک گر پڑا ہوں (تا کہ کسی کو شبہ نہ ہو) ۔

شب ارچه با تو بدعوئ نما نمائی داشت
به روز طشت مه از بام آسماں افتاد

اگرچہ رات کو چاند تیرے مد مقابل ہونے کا دعوی دار تھا لیکن دن کو وہ بام آسماں سے گر پڑا ۔

چاند کا حسن صرف رات بھر کے لیے تھا اور حسن محبوب دن رات کا پابند نہیں ۔

نفس شراره فشان است و نطق شعله درو
ز حرفِ خوے که باز آتشم بجاں افتاد

لغت : ''شرارہ فشاں'' = چنگاریاں بکھیرنے والا ۔
''شعلہ درو'' = شعلے کاٹنے والا ۔

کسان چھوٹے چھوٹے بیج کھیت میں بکھیرتا ہے اور پھر فصل کاٹتا ہے ۔

شاعر کا آتشیں سانس ، شرر فشانی کر رہا ہے اور اُس کا نطق شعلے کاٹ رہا ہے ، یعنی سانس کی چنگاریاں بات کرتے وقت شعلے بن جاتی ہیں ۔ کہتا ہے :

نفس شرارہ فشاں ہے اور نطق شعلوں سے لبریز ہے ۔ یہ کس کی آتش خوئی نے (تند مزاجی کی آگ نے) مجھے آتش بجاں کر دیا ۔

غریبم و تو زباں دان من نهٔ غالب
به بند پرسش حالم نمی تواں افتاد

میں اجنبی ہوں اور غالب تو میری زبان کو نہیں جانتا ۔ میری پرسش حال کی کوشش بے سود ہے ۔

غزل نمبر ۴

غم چو بہم در افگند رو کہ مراد می دہد
دانہ ذخیرہ می کند ، گاہ بباد می دہد

''رو'' مصدر رفتن سے فعل امر ہے بمعنی جا ، یہاں محاورۃً آیا ہے
مفہوم ہے ، فکر نہ کر ۔

''غم اگر انتہا کو پہنچ کر تمھیں عاجز کر دے تو کیا ہے
کیونکہ اس سے مقصود حاصل ہوگا''۔

یہ دانے جمع کرتا ہے اور تنکوں (کاہ) کو اڑا دیتا ہے ۔
غم سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے ۔

آخرِ منزلِ نخست خوے تو راہ می زند
اولِ منزلِ دگر بوے تو زاد می دہد

لغت : ''راہ زدن'' = راستہ میں لوٹ لینا ۔ ''زاد'' = زاد راہ
توشہ ۔ ''بو'' = مجازاً سراغ ۔

پہلی منزل کے آخری مرحلے پر تیری خوے برہم آڑے آتی ہے
دوسری منزل کے آغاز میں تیرا سراغ زاد راہ بن جاتا ہے ۔

یعنی اول اول راہ عشق میں دشواریاں پیش آتی ہیں اور پھر رفتہ
رفتہ تیرا سراغ ملنے لگتا ہے اور رہرو کی رہنمائی ہوتی ہے ۔

اے کہ بدیدہ نم ز تست ، وے کہ بسینہ غم ز تست
نازشِ غم کہ ہم ز تست ، خاطرِ شاد می دہد

ہماری آنکھوں میں آنسو بھی تیرے ہی دیے ہوئے ہیں ، ا

ہمارے سینے میں جو غم ہے ، وہ بھی تیرا ہی عطا کردہ ہے (اس غم پر ہمیں ناز ہے) اور یہ نازشِ غم جو تیرا ہی عطیہ ہے ، دل کو خوشی اور سکون بخشتا ہے ۔

شوخی دلکشا تنت برگ نبات می نہد
سختی بے وفا دلت رزق جماد می دھد

لغت : ''نبات'' = نباتات ، سبزہ ۔ ''جماد'' = جمادات ، پتھر ۔

تیرے تن دلکشا کی شوخی ، سبزہ و روئیدگی کا سرو سامان بہم پہنچاتی ہے ۔

تیرے بے وفا دل کی سختی ، جمادات کا رزق ہے ۔
محبوب کا جسم سرتاپا لطافت ہے اور دل پتھر کی طرح سخت ۔

مستِ عطائے خود کند ساقیِ ما ، نہ مستِ مے
دادہ ز یاد می برد ، بسکہ زیاد می دھد

ہمارا ساقی ہمیں اس فراخدلی سے شراب دیتا ہے کہ اس کی بخشش ہی سے ہم مست ہو جاتے ہیں ۔

آنچہ بہ من نبشتۂ نیست ز نامہ بر نہاد
شوخیِ نامہ در کفش نامہ کشاد می دھد

''کشاد می دہد'' = کھول دیتا ہے ، ظاہر کر دیتا ہے ۔
''نبشتۂ'' = نوشتۂ کی صورت ہے یعنی تو نے لکھا ہے ۔

محبوب سے خطاب کر کے کہتا ہے:

جو کچھ تو نے اپنے خط میں لکھا ، قاصد سے چھپا ہوا نہیں ۔ اس کی ہتھیلی پر (ہاتھ میں) خط کی شوخی خط کے پوشیدہ مضمون کو فاش کر دیتی ہے ۔

می دہیم به خلد جا ، رحم کجاست اے خدا
آب و ہوائے ایں فضا کوے که یاد می دهد

''می دہیم به خلد جا'' = مرا به خلد جا می دہی، مجھے تو جنت میں جگہ دیتا ہے ۔

تو مجھے جنت میں بھیج رہا ہے ، اے خدا ، تجھے رحم نہیں آتا (تیرا رحم کہاں ہے) ، تجھے معلوم ہے کہ یہ فضائے خلد مجھے کس کے کوچے کی یاد دلاتی ہے ؟

جنت ، کوچۂ یار کی یاد تازہ کرتی ہے اور عاشق کے دل کو تڑپاتی ہے ۔ اس لیے اسے اللہ تعالیٰ کی بے رحمی سے منسوب کیا ۔

خو بجفا گرفته را تازه کند خراشِ دل
ورنه بہانه جوے من چیست که داد می دهد

لغت : ''خو بجفا گرفته'' = جفا برداشت کرنے کا عادی ۔ عاشق ۔ ''بہانه جو'' = بہانے تلاش کرنے والا ، معشوق ۔ جفا کرنے کے لیے بہانے کی تلاش کرنے والا ۔

میرا معشوق جو جور و ستم کرنے کے لیے موقعے تلاش کرنے کا عادی ہے ، جفا برداشت کرنے پر مجھے داد دیتا ہے تو کس بات پر ؛ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ جفا کے عادی یعنی عاشق کے لیے یہ داد

بھی خراش دل کا باعث ہوتی ہے ، یعنی یہ بھی ایک طرح کی جفا ہے ۔

توسنِ کلک غالبا مصرعِ فیضی اش عنان است
صبح چو ترکِ مستِ من شیشه کشاد می دهد

لغت : ''توسن'' = گھوڑا ۔ ''کلک'' = قلم ۔
''شیشه کشاد می دہد'' = صراحی کو کھولتا ہے ۔

شعر کا دوسرا مصرعہ ، جیسا کہ شعر میں اشارہ ہوا ہے ، فیضی کا ہے ۔

غالب ، فیضی کی غزل کا مصرعہ میرے اسبِ قلم کے لیے عنان کا کام دے رہا ہے ۔

''صبح کو جب مست محبوب صراحی کو کھولتا ہے''۔

غزل نمبر ۵

دل اسبابِ طرب گم کردہ در بندِ غم ناں شد
زراعت گاہِ دہقاں می شود چو باغ ویراں شد

میرے دل نے خوشیوں کے تمام ذرائع کھو دیے اور روٹی کی فکر میں پڑ گیا ۔ جب باغ ویران ہو جائے تو کسان کی زراعت گہ بن جاتا ہے ۔

شاعر زندگی کو ایک باغ تصور کرتا ہے ، جس کی شادابیاں طرب بخشتی ہیں ۔ لیکن وہی باغ جب ویران ہو جاتا ہے تو وہاں ہل چلاتا

ہے اور کھیتی باڑی کا کام کرتا ہے ۔ جب انسان غم روزگار میں ڈوب جائے تو اس کی زندگی ایک باغ ویران بن جاتی ہے ۔

یہ شعر غالب کے بہترین شعروں میں سے ہے اور صائب کے رنگ میں ہے ۔

گرفتم کز تغافل طاقت ما باج می گیرد
حریف یک نگاہ بے محابائے تو نتواں شد

لغت : ''گرفتم'' = (محاورۃ) میں نے فرض کر لیا ۔

''تغافل'' = مصنوعی غفلت ، جان بوجھ کر غفلت کرنا ۔

فرض کیا کہ تیرے تغافل سے ہماری طاقت (طاقت تحمل) بڑھتی ہے ۔ لیکن ہم تیری ایک نگاہ بے محابا کے حریف نہیں ہو سکتے ۔ (تاب نہیں لا سکتے) ۔

عاشق حسن کی بے باکانہ نگاہوں کا متحمل نہیں ہو سکتا ۔ اس کے لیے معشوق کا تغافل ہی خوب ہے ۔

تو گستردی بصحرا دام و از رشک گرفتاری
کف خاکم برنگ قمری بسمل پرافشاں شد

تو نے صحرا میں جال بچھایا اور میری کف خاک ، رشک گرفتاری کے ہاتھوں زخمی قمری کی طرح پر پھڑپھڑانے لگی ۔

رشک گرفتاری سے مراد یہ رشک ہے کہ اس دام میں کوئی اور اسیر نہ ہو جائے ۔ اس لیے وہ گرفتاری کے لیے بے حد بے تاب ہے ۔

جنوں کردیم و مجنوں شہرہ گشتیم از خرد مندی
بروں دادیم راز غم بہ عنوانے کہ پنہاں شد

ہم نے دیوانگی اختیار کر لی اور دیوانے مشہور ہو گئے - ہم نے راز غم کو بڑی عقلمندی سے اس انداز میں ظاہر کیا کہ چھپ گیا - دیوانگی کا باعث غم عشق ہی تھا لیکن دیوانگی کے پردے میں چھپ گیا -

بدیں رنگ است گر کیفیت مردن خوشا حسرت
لب از ذوقِ کفِ پائے تو عشرت خانۂ جاں شد

تیرے کف پا کو چومنے کے ذوق میں میرے لب سرتاپا جان بن گئے - اگر موت میں ایسی ہی لذت ہے تو مرنے کی حسرت کے کیا کہنے -

سراپا زحمتِ خویشیم از ہستی چہ می پرسی
نفس بر دل دم شمشیر ، دل در سینہ پیکاں شد

کیا پوچھتا ہے ، ہم اس زندگی کے ہاتھوں اپنے لیے سرتاپا زحمت ہیں - ہمارا سانس دل کے لیے تلوار کی دھار اور دل سینے میں پیکاں کی طرح ہے -

فراغت بر نتابد ہمتِ مشکل پسندِ من
ز دشواری بجاں می افتدم کارے کہ آساں شد

ہماری مشکل پسند ہمت ، فراغت اور سہولت کی تاب نہیں لا سکتی -

جو کام آسان ہو وہ میرے لیے دشوار ہو جاتا ہے اور جان کا وبال
بن جاتا ہے۔

چہ پرسی و چہ حیرانی کہ ہنگامِ تماشایت
نگاہ از بیخودی‌ها دست و پا گم کرد و مژگان شد

تو کیا پوچھتا ہے اور کیوں حیران ہو رہا ہے۔ تجھے دیکھنے
کے وقت، میری نگاہیں بے خود ہو جاتی ہیں اور اس بے خودی کے
باعث (ہاتھ پاؤں کھو بیٹھتی ہیں) پریشان ہو کر مژگاں بن جاتی ہیں۔

نگاہوں کا مژگاں ہونے سے مطلب یہ ہے کہ اتنی سمٹ جاتی ہیں
کہ مژگاں سے آگے نہیں بڑھتیں۔ مراد یہ ہے کہ عاشق، معشوق کو
سامنے پا کر، اتنا بے خود ہو جاتا ہے کہ نظر اٹھا کر دیکھ نہیں
سکتا۔

ز ما گرم است این ہنگامہ، بنگر شورِ ہستی را
قیامت می دمد از پردۂ خاکے کہ انسان شد

زندگی کے زور شور کو دیکھ، ہماری ہی بدولت یہ ہنگامہ گرم
ہے۔ اس خاک کے پردے سے جو انسان بن گئی ہے، کیا کیا قیامتیں
ابھرتی ہیں۔

نشاط انگیزیِ اندازِ سعیِ چاک را نازم
بہ پیراہن نمی گنجد گریبانے کہ دامان شد

''بہ پیراہن نمی گنجد'' = جامے میں پھولے سے نہیں سماتا۔
سعی چاک سے مراد گریبان کو چاک کرنے کی کوشش۔

گریباں کے دامن ہونے سے مقصود یہ ہے کہ وہ اتنا پھٹ جائے کہ دامن بن جائے۔

میں گریبان کو چاک کرنے کی لذت کو کیا بیان کروں (مجھے اس پر بڑا ناز ہے) - جو گریبان چاک ہوکر دامن بنا ہے، وہ میرے پیراہن میں پھولے سے نہیں سماتا -

جب سرے سے گریباں ہی چاک ہو جائے تو اُس کی جامے (پیراہن) میں سمانے کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے -

شبِ غربت ہمانا شیوهٔ غم خواریٔ دارد
که ہم در ماتم صبح وطن زلفش پریشاں شد

شب غربت میں بھی ایک اندازہ غم خواری پایا جاتا ہے کہ صبح وطن کے ماتم میں اس شام غربت کی زلفیں پریشاں ہوگئی ہیں -

شب غربت کی افسردگی اور اداسی ضرب المثل ہے - شاعر کہتا ہے کہ ہماری شب غربت ہماری غم خواری کرتی ہے، یعنی ہمارے غم میں شریک ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ بھی صبح وطن کا ماتم کر رہی ہے - دیکھ لو اس ماتم میں اس کے بال کیسے بکھرے ہوئے ہیں -

شب کی زلفوں کی پریشانی سے مقصود اس کی انتہائی تاریکی ہے گویا شب غربت بھی شاعر کے غم میں شریک ہے -

قضا از ذوق معنیِ شیرهٔ می ریخت در جاں ها
نمے از لاے پالائش چکید و آب حیواں شد

لغت: ''ذوق معنی'' = حقیقت شناسی کی لذت -

''لاے پالا'' = آلودۂ درد ، تلچھٹ ۔

قضا و قدر نے روح انسانی میں ذوق معنی کا رس ڈالا ۔ اسی رس کا درد ٹپک کر آب حیات (آب حیواں) بن گیا ۔

ابدی زندگی انسانی روح کے خمیر میں ہے ۔

دلم سوز نہاں دارد ، ولے در سینہ کوبی ھا
چراغے جستہ از چشمش اگر داغے نمایاں شد

میرے دل میں سوز پنہاں ہے لیکن درد و کرب کے عالم میں سینہ پیٹتے وقت اگر کوئی داغ نمایاں ہوتا ہے تو یہ سمجھیے کہ یہ ایک چراغ درخشاں ہے جو غم کی آنکھوں سے لپک کے باہر آ گیا ہے ۔

چو اسکندر ز نادانی ، ھلاکِ آب حیوانی
خوشاسوھن کہ ھرکس غوطہ زد دروے تنش جاں شد

سوہن = مخففِ سوہان ، ریتی جس سے لوہے کو تراش کر صاف شفاف کرتے ہیں ۔ یہاں مجازاً خراش ، درد و کرب غم مقصود ہے ۔

تو نادانی سے سکندر کی طرح آبِ حیات کے لیے اپنی جان دے رہا ہے ۔ ریتی کے کیا کہنے کہ جس نے اس میں غوطہ لگایا ، اس کا تن سرتاپا جان بن گیا ۔ غم کی خراش اور اس کے درد و کرب ہی سے تزکیۂ نفس اور روح کی جلا ہوتی ہے اور اصل آب حیات یہی ہے ۔

خدا را اے بتاں گردِ دلش گردیدنی دارد
دریغا آبروے دیر ، گر غالب مسلماں شد

لغت : ''گردیدنی'' = گردیدن (گھومنا) مصدر سے مشتق ہے ۔ گردیدنی میں ''یـا'' یاے قابلیت ہے ، یعنی گھومنے کے قابل ، یعنی قابل طواف ۔ ''گردِ دلش گردیدنی دارد'' = اُس کا (یعنی غالب کا) دل قابلِ طواف ہے ۔

بتوں سے خطاب کر کے کہتا ہے :

خدا کے لیے غالب کے دل کے گرد طواف کرو کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوگیا تو بت خانے کی آبرو خاک میں مل جائے گی اور یہ بڑے افسوس کی بات ہوگی ۔ تم غالب کے دل کو پھر راہ راست پر لا سکتے ہو ۔

غزل نمبر ٦

داغم از پردۂ دل رو بقفا می آید
تا به بینم که ازیں پرده چہا می آید

میرے دل کے پردے سے جو داغ بھی ابھر کر باہر آتا ، اُس کا رخ پیچھے کی طرف ہوتا ہے، تا کہ میں دیکھ سکوں کہ اس پردے سے کیا کیا نمایاں ہوتا ہے ۔

عاشق کا دل تو دکھوں کا ایک خزانہ ہوتا ہے ۔ دل کے نہاں خانے سے ایک داغ تو ابھر آیا لیکن نہ جانے اس داغ کے پیچھے اور کیا کیا چھپا ہوا ہے ۔

همچو رازے که به مستی ز دل آید بیروں
در بہاراں همه بویت ز صبا می آید

بدمستی کے عالم میں بہت سی باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں جو ہوش میں انسان نہیں کرتا اور چھپا کے رکھتا ہے - کہتا ہے :

''اُس راز کی طرح جو مستی میں دل سے باہر آ جاتا ہے، فصل بہار میں تیری بو صبا کے ذریعے پھیل جاتی ہے - بہار کی شگفتگی محبوب کے حسن کی یاد دلاتی ہے''۔

جلوه اے داغ که ذوقم ز نمک میخیزد
مژده اے درد که ننگم ز دوا می آید

زخم پر نمک چھڑکیں تو زخم کا درد تیز ہو جاتا ہے لیکن اس میں بھی ایک لذت محسوس ہوتی ہے - اے داغ نمایاں ہو جا کہ نمک کو دیکھ کر میرا احساسِ ذوق ابھر رہا ہے - اے درد! تجھے خوش خبری ہو کہ مجھے دوا سے عار آ رہی ہے -

یہ شعر غالب کے اس اردو شعر کا ترجمان ہے :

درد منت کشِ دوا نہ ہوا　میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

سودِ غارت زدگی هاے غمت را نازم
که نفس می رود و آهِ رسا می آید

لغت : ''غارت زدگی'' = غارت گری ، لوٹ - ''نفس'' = سانس - ''نفس می رود'' = سانس تو چلا جاتا ہے ، ضائع ہو جاتا ہے - (سانس کے ضائع ہونے سے زندگی کا کم ہو جانا مقصود ہے) -

"تیرے غم عشق کی غارت گریوں کے سود مند ہونے پر نازاں ہوں کہ سانس چلا جاتا ہے اور آہ رسا آ جاتی ہے"۔

ہر سانس پر زندگی کا لمحہ گھٹ جاتا ہے لیکن غم میں اتنی اثر انگیزی ہوتی ہے کہ یہی سانس جو ضائع ہوتا ہے آہ رسا بن جاتا ہے ، اور یہی اس کی سود مند ہونے کی دلیل ہے ۔

زیستم بے تو و زیں ننگ نہ کشتم خود را
جاں فدائے تو ، میا ، کز تو حیا می آید

میں تیرے بغیر (تیرے فراق میں) زندہ رہا اور یوں زندہ رہنا میرے لیے باعث ننگ تھا ۔ میری جان تجھ پر فدا ہو ، مت آ کیونکہ تیرے آنے سے مجھے شرم آتی ہے (کہ یہ شخص زندہ کیسے رہا ، جدائی کے عالم میں مر کیوں نہ گیا) ۔

جان فدا کرنا گویا مر جانا ہے ۔ چنانچہ "میری جان تجھ پر فدا ہو" کے الفاظ اس سیاق و سباق میں بڑے موزوں اور شعر کی جان ہیں ۔

راز از سینہ بہ مضراب نہ ریزم بیروں
سازِ عاشق ز شکستن بہ صدا می آید

لغت : "مضراب" = ضرب سے اسم آلہ ہے ۔ ضرب لگانے کا آلہ ۔ وہ چھلا نما آلہ جس سے ساز کے تار کو چھیڑ کر اس سے آواز نکالی جاتی ہے ۔ "ساز عاشق" = یعنی ساز دل عاشق ۔

مجھے اپنے راز محبت یا راز غم کو آشکار کرنے کے لیے کسی مضراب کی ضرورت نہیں ۔ عاشق کے دل کے ساز کی آواز تو اس کے ٹوٹنے سے خود بخود باہر آ جاتی ہے ۔

بوے گل پردۂ ساز است تمناے ترا
بو کہ در یافتہ باشی ، چہ نوا می آید

لغت : ''پردہ'' = کا ایک معنی ''سُر'' بھی ہے ، یہاں وہی معنی مراد ہیں ۔ ''نوا'' = آواز ، نغمہ اور ایک خاص سر کا نام بھی ہے ۔ ''بو'' = بود کا مخفف ہے ۔ شاید ، ہو سکتا ہے ۔
''بو کہ دریافتہ باشی'' = شاید تجھے معلوم ہو گیا ہوگا ۔

بوئے گل تیری تمنا کے ساز کا سر ہے ۔ غالباً تو سمجھ گیا ہوگا کہ اس سر سے کیا نغمہ ابھر رہا ہے ۔
بوئے گل میں محبوب کی تمنا پوشیدہ ہے ۔ کاش محبوب آ جائے ۔

درہم افشردن اندام تو چوں ما میخواست
خندہ بر تنگیِ آغوشِ قبا می آید

لغت : ''اندام'' = جسم ، بدن ۔
''قبا'' = ایک چست و تنگ لباس ۔

مجھے قبا کے آغوش کی تنگی پر ہنسی آتی ہے کہ اس نے ہماری طرح تیرے جسم نازنیں کو بھینچنے کی کوشش کی ۔
معشوق ، عاشق کے آغوش کشادہ میں تو سما نہیں سکا ، قبا کی تنگ آغوشی میں کیا سما سکے گا ۔

رفتہ در حسرتِ نقشِ قدمے عمر بسر
جادۂ را کہ بسر منزلِ ما می آید

لغت : ''جادہ'' = پگڈنڈی ، راستہ ۔

اس شعر کی نثر یوں ہے : 'عمر جادۂ کہ بسر منزل ما می رسد در حسرتِ نقش قدمے بسر رفتہ'۔

یعنی جو راستہ ہمارے گھر تک آتا ہے اُس کی ساری عمر اس حسرت میں گزر گئی کہ اُس پر کوئی ایک نقشِ قدم پڑے ، یعنی محبوب کا نقش قدم -

محبوب کا انتظار کرتے کرتے اور راہ تکتے تکتے ، عاشق تو درکنار خود راہیں پریشان ہوگئیں -

نہ جانے کس کے نشانِ قدم سے ہیں محروم
کہ ایک عمر سے سونے پڑے ہیں راہگزار

اتفاقِ سفر افتاد بہ پیری غالب
آنچہ از پاے نیامد ز عصا می آید

"عصا" سے مراد عصاے پیری جس کے سہارے بوڑھے لوگ راہ طے کرتے ہیں -

غالب ! بڑھاپے میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا ، جو کام پاؤں سے نہ ہو سکا ، اُس کام کو اب عصا سر انجام دے رہا ہے -

یعنی جب پاؤں میں سکت تھی اور خود اپنے بل پہ چل سکتے تھے تو سفر کا موقع نہ ملا - اب بڑھاپے میں عصا کا سہارا لے رہے ہیں -

غالب کو بڑھاپے میں سفر کلکتہ کرنا پڑا تھا اور اس سفر میں بہت سی تکلیفوں کا سامنا ہوا تھا -

لیکن اگر اس شعر کو سفر زندگی تصور کریں تو اس کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے -

غزل نمبر ۷

خوش است آنکه با خویش جز غم ندارد
ولے خوشتر است آنکه ایں ہم ندارد

وہ شخص خوش نصیب ہے جس کے پاس غم کے سوا کچھ نہ ہو، لیکن اس سے زیادہ وہ خوش بخت ہے جس کے پاس یہ بھی نہیں۔

قوی کردہ پیوندِ ناسور پشتش
گرانمایہ زخمے کہ مرہم ندارد

لغت: ''پشت قوی کردن'' = مضبوط سہارا دینا۔
''ناسور'' = مندمل نہ ہونے والا زخم۔

وہ زخم، بڑا قیمتی زخم ہے جس کا کوئی مرہم نہ ہو کیونکہ ناسور کا پیوند اس کی پیٹھ کو سہارا دیتا ہے۔

یعنی وہ زخم جو اچھا نہ ہو سکے اور ناسور بن جائے، وہی اصل زخم ہے، مراد زخم محبت۔

سرابے کہ رخشد بویرانہ خوشتر
ز چشمے کہ پیرایۂ نم ندارد

جو سراب ویرانے میں چمکتا ہے، بہتر ہے اس آنکھ سے جس میں آنسوؤں کی چمک (آرائش) نہ ہو۔ سراب خشک ریت ہوتا ہے لیکن اس میں پانی کی سی چمک تو ہوتی ہے لیکن جس آنکھ میں آنسو کی ایک بوند نہ ہو وہ کیا ہے۔

بجوش عرق رنگ در باخت رویت
گل از نازکی تاب شبنم ندارد

لغت : ''عرق'' = پسینہ ۔ ''رنگ در باخت'' = رنگ اڑ گیا ۔

پسینے سے تیرے (خوبصورت) چہرے کا رنگ اڑ گیا ۔ پھول نزاکت کے باعث شبنم کے بوجھ کی بھی تاب نہ لا سکا ۔

گلت را نوا ، نرگست را تماشا
تو داری بہارے کہ عالم ندارد

تیرے پھول کو نغمہ اور تیری نرگس کو نظر حاصل ہے ۔ تو ایسی بہار رکھتا ہے کہ دنیا کو نصیب نہیں ۔

بہار حسن میں پھول نغمہ سرا ہوتے ہیں اور نرگس دیدہ ور ہوتی ہے ۔

چہ ناکس شمرد آنکہ خون ریخت ما را
بہ تیغے کہ ترکیب او خم ندارد

محبوب نے ہمیں کتنا گھٹیا خیال کیا کہ اس نے ایسی تلوار سے ہمارا خون بہایا کہ جس میں کوئی خم نہیں تھا ۔ خم ایک تواضع کی یا دوسرے کی عزت افزائی کی نشانی ہوتی ہے ۔ معشوق کی تلوار سیدھی تو یہ بھی نہ تھا ۔ گویا اس نے عاشق کو اس قابل بھی خیال نہ کیا کہ اگر خود نہیں جھکتا تھا تو کم از کم ایسی تلوار تو استعمال کرتا جس میں خم ہوتا تاکہ مقتول کی کچھ نہ کچھ قدر شناسی ہو جاتی ۔

ز ماتم نباشد سیہ پوش زلفت
کہ ہندو بدیں گونہ ماتم ندارد

لغت : ''ہندو'' = سیاہ ، سیاہ فام ، اور ہندو شخص ۔

زلف سیاہ ہوتی ہے ، اس رعایت سے شاعر نے اسے ہندو کہا اور ہندو سے دوسرا معنوی پہلو بھی نکالا ۔

تیری زلفیں کسی کے ماتم میں سیاہ پوش نہیں ہوتیں کیونکہ ہندو لوگ سیہ پوش ہوکر ماتم نہیں کرتے (آن کے یہاں اس کا دستور نہیں) ۔

یعنی معشوق پر کسی کے غم کا اثر نہیں ہوتا ۔ اس کی زلفیں اگر سیہ ہیں تو وہ ماتم کی وجہ سے نہیں ، بلکہ یہ رنگ قدرتی ہے اور یہی اس کا حسن بھی ہے ۔

نگہدار خود را ، ز آئینہ بگذر
نگاہِ تو پروائے خود ہم ندارد

اپنے آپ میں مگن رہ ، آئینے کو چھوڑ دے ۔ تیری نظر تو اپنے آپ سے بھی بے نیاز ہے ، آئینے کی کیا حاجت ۔

سخن نیست در لطفِ ایں قطعہ غالب
بہشتے بود ہند کادم ندارد

لغت : ''سخن نیست'' = کوئی شک نہیں ۔

اس قطعے کے پر لطف ہونے میں کوئی شک نہیں کہ ہند ایک بہشت ہے جس میں آدمی نہیں ۔

غزل نمبر ۸

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

فارسی میں فعلِ ماضی صیغۂ جمع غائب بالعموم محاورے کے اسلوب میں آتا ہے اور اس کے ساتھ فاعل نہیں آتا۔ جیسا کہ اوپر کے مطلع اور اس غزل کے باقی اشعار میں، یہ فعل آیا ہے۔ شمع کشتند، ردیف دادند کی اخیر تک یہی صورت ہے۔

صرف و نحو کے سلسلے میں جب ایسے افعال کے فاعل کا سراغ نہیں ملتا، تو شارحین صرف و نحو کہہ دیتے ہیں کہ اس فعل کا فاعل ''حاملانِ قضا و قدر'' ہے۔ ایک مثال سنیے:

ابر آمد و بگریست بر اطراف چمن ہا
شستند بہ شبنم رخِ گل ہا و سمن ہا

''ابر آیا اور چمن کے مختلف گوشوں میں برسا۔ گلاب اور چنبیلی کے منہ شبنم سے انھوں نے (یعنی حاملانِ قضا و قدر نے) دھو ڈالے''۔ در اصل، یہ ایک بامحاورہ اسلوب بیان ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ ایسے موقع پر ایسے افعال کا ترجمہ افعال مجہول کے انداز میں کیا جاتا ہے، یعنی بجائے اس کے کہ فاعل کا ذکر کریں، جو عبارت میں مذکور نہیں، ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام کیا گیا۔ چنانچہ شستند بہ شبنم رخ گل ہا و سمن ہا کا ترجمہ یہ ہوگا:

گلاب اور چنبیلی کے منہ دھل گئے

اس لیے مرزا غالب کے شعر کا ترجمہ یوں ہوگا:

ان سیاہ راتوں میں مجھے مژدۂ صبح دیا گیا، شمع بجھا دی گئی ور مجھے خورشید کی نشان دہی کی گئی۔

یہ غزل مسلسل ہے۔ اس غزل کے اشعار سے پتا چلتا ہے کہ مرزا غالب کو اپنی منفرد طبیعت، شخصیت اور شاعرانہ عظمت کا شدید احساس تھا جس کا اظہار وہ جگہ جگہ کرتے ہیں۔ اس غزل میں یہ احساس خصوصیت سے بہت نمایاں ہے۔ ہر چند کہ اس غزل میں شاعرانہ تعلی اور مبالغہ آمیزی کا عنصر شامل ہے، اس میں صرف حسن بیان ہی نہیں بلکہ شعر کہنے والے کے دل و دماغ اور اس کی سوچ کی گہرائی اور وسعت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

اسلوب بیان کی فنکارانہ مہارت اور ندرت نے اشعار میں بڑا حسین لطف پیدا کیا ہے۔

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

ان سیاہ راتوں میں مجھے صبح کی بشارت دی گئی۔ شمع کو بجھا دیا اور سورج کی نشان دہی کی گئی۔

رخ کشودند و لب ہرزہ سرایم بستند
دل ربودند و دو چشم نگرانم دادند

مجھے اپنا جلوہ دکھا کر میرے بیہودہ گو لبوں کو سی دیا گیا، میرا دل چھین لیا اور اس کے عوض، دیکھنے والی دو آنکھیں عطا کر دی گئیں۔

یعنی جلوۂ معشوق حقیقی نے مجھے حیرت زدہ کر کے خاموش کر دیا، محبت میں دل کے عوض مجھے حقیقت شناس نگاہیں میسر آ گئیں۔

سوخت آتش کدہ ز آتش نفسم بخشیدند
ریخت بتخانہ ز ناقوس فغانم دادند

آتش کدہ جل کر راکھ ہوا تو اس کی آگ میرے سانس کو مل گئی ۔ بت خانہ گرا تو اس کے ناقوس کی فریاد مجھے عطا ہوئی ۔

گہر از رایتِ شاہانِ عجم بر چیدند
بعوض خامۂ گنجینہ فشانم دادند

شاہان عجم کے جھنڈوں کے موتی اتار لیے گئے اور اس کے عوض وہ قلم عنایت ہوا جو خزانہ لٹانے والا ہے ۔

افسر از تارکِ ترکانِ پشنگی بردند
بسخن ناصیۂ فرِّ کیانم دادند

لغت : ''افسر'' = تاج ۔ ''تارک'' = سر ۔ ''پشنگ'' = افراسیاب شاہ توران کے باپ کا نام تھا ۔
پشنگی سے مراد تورانی ہے ۔ ''ترکان پشنگی'' دلیر بہادر ترک ۔
فر کیان = شاہی دبدبہ ۔ ایران کا ایک قدیم خاندان کیانی خاندان تھا ۔
ترکوں کے سر سے تاج اتار لیا گیا اور مجھ کو شاعری میں اقبال کیانی مرحمت ہوا ۔

گوہر از تاج گسستند و بدانش بستند
ہرچہ بردند بہ پیدا ، بہ نہانم دادند

تاج سے موتی توڑ لیے گئے اور انہیں علم و دانش میں جڑ دیا گیا ۔ جو کچھ علی الاعلان لوٹا تھا (یعنی موتی) ، وہ مجھے خاموشی سے اور پوشیدہ طور پر دے دیا ۔

هرچہ در جزیہ ز گبران، مےِ ناب آوردند
بشب جمعۂ ماہِ رمضانم دادند

آتش پرستوں (گبراں) سے جو شراب جزیے کے طور پر لی گئی، وہ ماہ رمضاں کی شب جمعہ کو مجھے عنایت ہوئی۔

هرچہ از دستگہِ پارس بہ یغما بردند
تا بنالم ہم ازآں جملہ زبانم دادند

غرض کہ پارس کی جو پونجی لٹ گئی تھی، اس میں سے زبان مجھے دے دی تا کہ میں فریاد کروں۔

مولانا حالی مرحوم نے یادگار غالب میں ۶ اشعار (۲ سے ۸ تک) کی جو شرح فرمائی ہے، وہ کم و بیش انہی کے الفاظ میں اوپر درج کر دی گئی۔ انھوں نے اس شرح سے پہلے حسب ذیل نوٹ لکھا ہے:

''قضا و قدر نے جو کچھ عرب کی فتوحات کے وقت عجم سے چھینا تھا، اس کے عوض میں مجھ کو، کہ میں عجمی الاصل ہوں، کچھ نہ کچھ دیا''۔

خادم اس سلسلے میں صرف اتنا کہنے کی جسارت کرتا ہے کہ مجھے مولانا کے الفاظ ''عرب کے فتوحات'' سے اختلاف ہے۔ مرزا صاحب اپنے آپ کو ایرانی اور تورانی، تہذیبی روایت کا وارث سمجھتے تھے اور اس پر نازاں تھے، اور اس بات کو قدرت کی طرف منسوب کرتے تھے۔ قدیم ایرانی شوکت و جاہ سے انھیں جو کچھ ملا، وہ تاج و گوہر کی صورت میں نہیں بلکہ ادب پاروں کی شکل میں ملا۔ (ملاحظہ ہوں کلیات غالب ابتدائی قطعات)۔

دل زغم مردہ و من زندہ ہمانا ایں مرگ
بود ارزندہ بماتم کہ امانم دادند

میرا دل تو مر چکا ہے لیکن میں زندہ ہوں ۔ اس کی وجہ لازماً یہی ہے کہ موت میرے ماتم کے مناسب تھی ، اس سے مجھے محفوظ رکھا اور اسے سلامت رکھا تا کہ وہ میرا ماتم کرتی رہے ۔

غزل نمبر ۹

تاکیم دود شکایت ز بیان بر خیزد
بزن آتش کہ شنیدن ز میاں بر خیزد

''کیم'' کی ''م'' کا مرجع بیان ہے یعنی بیانِ من ۔

میرے بیان سے کب تک شکایت کا دھواں اٹھتا رہے گا ، اسے آگ لگا دے تا کہ سننے کا سلسلہ ہی درمیان سے اٹھ جائے ۔

جب آگ پوری نہیں جلتی تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے ۔ شعلہ بھڑک اٹھے تو دھواں ختم ہو جاتا ہے ۔ گویا عشق کے درد و کرب میں فریاد اس وقت لبوں پر آتی ہے جب درد و کرب اپنی انتہا تک نہ پہنچا ہو ، جب دل غم سے جل اٹھے تو پھر فریاد کی کیا گنجائش اور دوسروں کے سننے کی زحمت اور نہ سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

می رمی از من و خلقے بہ گماں است ز تو
بے محابا شو و بنشیں کہ گماں بر خیزد

تو مجھ سے بھاگتا ہے اور لوگوں کو تیرے بارے میں شبہ ہوتا

ہے (کہ ایسا کیوں ہے) ۔ بے دھڑک ہو کے پاس آ بیٹھ کہ شک اور گماں کا سلسلہ ختم ہو جائے ۔

گر دہم شرح عتابے کہ بہ دلہا داری
دود از کارگہِ شیشہ گراں بر خیزد

لغت : ''کارگہ شیشہ گراں'' = شیشہ سازوں کا کارخانہ یا دکان ۔
''دود برخاستن'' = دھواں اٹھنا ، فریاد ابھرنا ، آہ و بکا ۔

انسانی دل شیشے کی طرح نازک ہوتے ہیں ۔ کہتا ہے :
جو عتاب تیرے ہاتھوں ، تیرے چاہنے والوں پہ نازل ہوتا ہے اگر میں اس کو مفصل بیان کروں تو شیشہ گر توبہ توبہ پکار اٹھیں ۔

با قدت سروچو شخصے ست کہ ناگہ یکبار
بے خود از جا ز ہجومِ خفقان بر خیزد

لغت : ''خفقان'' = شدید بخار یا بیماری کی حالت میں دماغی دیوانگی کی سی حالت ۔

تیرے قد (بلند) کے رو برو سرو ایک ایسے شخص کی طرح ہے جو خفقان کے عالم میں اچانک اٹھ کھڑا ہوتا ہے ، گویا سرو محبوب کے قد کو دیکھتا ہے تو اس پر خفقان غالب آ جاتا ہے ۔

بچہ گیرند عیار ہوس و عشق دگر
رسم بیداد مبادا ز جہاں بر خیزد

پھر عشق و ہوس کو کس طرح پرکھا جائے گا ۔ اللہ کرے کہ یہ جور و ستم کی رسم جہان سے ختم نہ ہو ۔

عشق دکھ برداشت کر سکتا ہے ، ہوس نہیں کر سکتی ۔ دونوں میں امتیاز جور و ستم ہی سے ہو سکتا ہے ۔

کشتۂ دعوت پیدائیِ خویشیم ہمہ
وائے گر پردہ ازیں راز نہاں بر خیزد

تصوف کا شعر ہے ۔ انسان اپنے وجود کے غلط وہم میں مبتلا ہے حالانکہ اس کی ہستی کی کچھ حقیقت نہیں ۔ سب کچھ اللہ ہی ہے ۔

ہم اپنی (ظاہرا) نمود کے طلسم کے مارے ہوئے ہیں ۔ اگر اس راز نہاں سے پردہ اٹھ جائے تو افسوس (یہ طلسم ٹوٹ جائے گا) اور ہمیں اپنی ہستی سے مایوسی ہوگی ۔ یہ بات پردۂ راز ہی میں رہے تو اچھا ہے ۔

زینہار از تعب دوزخِ جاوید مترس
خوش بہارے است کزو بیمِ خزاں برخیزد

دوزخِ جاوید کے عذاب سے ہرگز خوف زدہ نہ ہو ۔ کتنی اچھی ہے وہ بہار جسے خزاں نہ آئے (خزاں کے خوف سے آزاد ہو) ۔

دوزخ کا عذاب بھی مسلسل چلے جانے کے باعث عذاب نہیں راحت بن جاتا ہے ۔

نالہ برخاست دم جستن از آتش ز سپند
کوشگرفی کہ چو ما از سرجان برخیزد

سپند (ہرمل) آگ میں جل کے ابھرتا ہے تو فریاد کرتا ہوا ابھرتا

ہے - کیا عجب بات ہو اگر وہ ہماری طرح آرام سے زندگی کو خیرباد
کہتا ہوا اٹھے -

جزوے از عالمم و از ہمہ عالم بیشم
ہمچو موئے کہ بتاں را ز میاں برخیزد

معشوقوں کی کمر کو باریک بال سے تشبیہ دی جاتی ہے گویا
اس کا وجود ہی نہیں ہوتا ۔

میں اس کائنات کا ایک حصہ ہوں اور اس ساری کائنات سے کچھ
بڑھ کر ہوں - اس بال کی طرح جو معشوقوں کی کمر سے ابھرتا ہے -
کائنات کا کوئی وجود نہیں ، وہ معشوق کی کمر کی طرح ہے کہ
ہے اور نہیں بھی ہے -

انسان اسی ایک وجود وہمی کا حصہ ہے بلکہ اس اعتبار سے
ساری کائنات سے بڑھ کر ہے - یہ اس بال کی طرح ہے جو کمر معشوق
سے اگتا ہے - جب کمر کا کوئی وجود نہیں تو پھر بال کا کیا وجود -
کائنات کی ہستی موہوم اور انسان کی ہستی اس سے زیادہ موہوم -

عمر ہا چرخ بگردد کہ جگر سوختۂ
چوں من از دودۂ آذر نفساں بر خیزد

لغت : ''دودہ'' = خاندان - ''آذر نفس'' = آتشیں فریاد
کرنے والا -

جگر سوختہ انسان روز روز پیدا نہیں ہوتا ، اس کے لیے مدتیں
درکار ہیں کہ آتشِ نفس انسانوں کے خاندان سے کوئی میرے جیسا
جنم لے -

گر دہم شرحِ ستم ہائے عزیزاں غالب
رسمِ امید ہمانا ز جہاں بر خیزد

غالب! اگر میں عزیزوں کے جور و ستم (جو مجھ پر ہوئے) بیان کروں تو یقیناً امید کی رسم ہی دنیا سے اٹھ جائے۔

کوئی انسان، دوسرے انسان سے کسی طرح کی امید نہ رکھے۔

غزل نمبر ۱۰

گویم سخنے گرچہ شنیدن نشناسد
صبحے است شبم را کہ دمیدن نشناسد

میں ایک بات کہتا ہوں، اگرچہ وہ بات سننے سے آشنا نہیں (یعنی اسے کوئی نہیں سنتا)۔ میری رات کی ایک ایسی صبح ہے جو کبھی طلوع نہیں ہوتی۔

از بند چہ بکشاید و از دام چہ خیزد
مائیم و غزالے کہ رمیدن نشناسد

قید و بند کا کیا فائدہ اور جال کا کیا حاصل، ہم ہیں اور ایک ایسے غزال (معشوق) کو دام میں لانا چاہتے ہیں جو بھاگنے سے آشنا نہیں۔

غزال کا رم بہت مشہور ہے۔ اس کے باوجود لوگ اسے اسیر کر ہی لیتے ہیں، لیکن معشوق ایک ایسا غزال ہے کہ بھاگ بھی نہیں جاتا، لیکن پھر بھی کسی دام میں نہیں آتا۔ کسی کے دل کا رام کرنا مشکل ہوتا ہے۔

گوہر چہ شکایت کند از بے پرو بالی
مائیم و سرشکے کہ چکیدن نشناسد

موتی اپنے بے پر و بال ہونے کی کیا شکایت کرتا ہے۔ ہمیں دیکھو، واسطہ ایسے آنسو سے آ پڑا ہے جو ٹپکنا ہی نہیں جانتا۔ موتی بھی اشک کی طرح تابدار ہوتا ہے، لیکن دونوں ہی بے پر و بال ہیں۔ گوہر کی چمک میں پرواز نہیں اور عاشق کا آنسو عجز ضبط سے بے بس ہے۔

ساقی چہ شگرفی کند و بادہ چہ تندی
خوں باد دماغے کہ رسیدن نشناسد

لغت: "دماغ رسیدن" = سرشار و سرمست ہونا۔

ساقی کیا کرشمہ دکھائے اور شراب کیا تیزی دکھائے۔ ہمیں تو وہ دماغ ملا ہے جو سرشار اور مست ہونا ہی نہیں جانتا، اللہ کرے یہ خون ہوکر رہ جائے۔

عالی ظرف لوگ کبھی تسکین حاصل نہیں کرتے۔

غالب کے دو ایک اردو شعر دیکھیے:

میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں
مانا کہ ترے رخ سے نگہ کامیاب ہے

بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

ما لذت دیدار ز پیغام گرفتیم
مشتاقِ تو دیدن ز شنیدن نشناسد

ہمیں تیرا پیغام ملا (وہ پیغام کیا تھا) اس پیغام سے لذت دیدار حاصل ہوئی - تیرا عاشق دیکھنے اور سننے میں فرق نہیں کرتا - گویا معشوق کا پیغام ہی اتنا دل آویز ہے کہ محسوس ہوتا ہے جیسے وہ سامنے آ گیا ہے -

اس شعر میں لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی انسان کی ایک حس دوسری حس کا منصب اختیار کر لیتی ہے -

اس شعر میں حس سامعہ ، حس باصرہ کا کام دے گئی -

مومن کا مشہور شعر ہے :

آس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

" آواز تو دیکھو" کے الفاظ پر غور کیجیے - آنکھیں آواز کو دیکھنے لگی ہیں -

اہل زبان اس دیکھنے کو مجازی استعمال کہیں گے ، لیکن شاعر نے اس میں خوبی پیدا کی ہے - اور اس نفسیاتی حقیقت کو آشکارا کیا ہے ، جہاں انسانی ذہن آواز مغنیہ کو شعلے میں تبدیل کر کے اسے مجسم صورت میں دیکھنے لگتا ہے -

یہ آواز کا معجزہ بھی ہے اور انسانی ذہن کا کرشمہ بھی -

بے پردہ شو از ناز و میندیش کہ ما را
چوں آئنہ چشمے است کہ دیدن نشاسد

آئینے کو آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں مگر ایسی آنکھ جو بصارت سے عاری ہے -

ناز کے عالم میں رخ سے پردہ اُٹھا دے اور ہم سے نہ گھبرا ، اس لیے کہ ہمیں آئینے کی طرح وہ آنکھ ملی ہے جو بینائی سے آشنا نہیں ، یعنی عاشق جلوہ گر حسن کی تاب نہیں لا سکتا۔

(تصوف) اگر محبوب حقیقی جلوہ گر بھی ہو جائے تو پھر بھی ہماری مادی آنکھیں اسے کہاں دیکھ سکتی ہیں ۔

بینم چه بلا بر سرِ جیب و کفن آرد
دستے که بجز جامه دریدن نشناسد

جو ہاتھ (جنوں میں) کپڑے پھاڑنے کے سوا کچھ نہیں جانتا ، نہ جانے اس سے جیب و کفن کا کیا حشر ہوگا ۔

پیوسته روان از مژه خون جگرستم
رنگے است رخم را که پریدن نشناسد

میں خونِ جگر ہوں جو لگاتار مژگاں سے بہتا رہتا ہے ۔ اس خون کی بدولت میرے چہرے کو وہ رنگ نصیب ہے جو کبھی نہیں اُڑتا ۔

شوقم مے گلگوں بسبو می زند امشب
پیمانه ز ساقی طلبیدن نشناسد

میرا شوق مستی خود شراب کو سبو میں ڈال رہا ہے ۔ اُسے ساقی سے پیمانہ طلب کرنے کی حاجت نہیں ۔ میں شوق کے عالم میں مست و سرشار ہوں ، ساقی و جام کی ضرورت نہیں ۔

با لذت اندوه تو در ساختہ غالب
گوئی ہمہ دل گشت و طپیدن نشناسد

غالب نے تیرے غم عشق کو گوارا کر لیا ہے - یوں کہو
کہ سر بسر دل بن گیا ہے - اب وہ تڑپ سے آشنا نہیں -

غزل نمبر ۱۱

ہر دم ز نشاطم دلِ آزاد بجنبد
تا کیست دریں پردہ کہ بے باد بجنبد

میرا دل آزاد ہر وقت خوشی سے رقص کرتا ہے - آخر اس پردے
میں کون چھپا بیٹھا ہے کہ یہ پردہ بغیر ہوا چلنے کے ہل رہا ہے -

برہم زدنِ کار من آسان تر ازاں است
کز بادِ سحر طرۂ شمشاد بجنبد

صبح کی ہوا آتی ہے تو شمشاد کی زلفیں (اُس کی نرم نرم ٹہنیاں
اور پتے) ہلنے لگتے ہیں - میرے کام (جذباتِ محبت) کو درہم برہم
کرنا ، اُس سے بھی زیادہ آسان ہے -

خواہم ز تو آزردگیِ غیر چو بینم
عرقِ حسدِ خاطر ناشاد بجنبد

میں یہ گوارا نہیں کرتا کہ میرے دل غمزدہ کی رگِ حسد
پھڑکتی رہے - میں رقیب سے تیرا بگاڑ چاہتا ہوں -

مردم به دم و داغم از آں صید که در دام
لختے پے مشغولیِ صیاد بجنبد

میں نے ایک لحظے میں جان دے دی لیکن مجھے اُس صید عشق پر رشک آتا ہے جو دام میں صیاد کے دل بہلانے کے لیے بھی تھوڑا سا تڑپتا ہے۔

ہاں شیخ پری خواں مےِ گلگوں به قدح ریز
تا در نظرت بالِ پریزاد بجنبد

لغت: ''پری خواں'' = وہ شخص جو دم پھونک کر غیب سے جن یا پری کو بلا لے۔

''پری زاد'' = حسینہ (معشوق)۔ ''بال پری زاد'' = زلفِ محبوب۔

اے شیخ پری خواں، تو پریوں کو کیا بلاتا ہے۔ پیالے میں شراب انڈیل، تجھے اس میں معشوق کی زلفیں لہراتی نظر آئیں گی۔ گویا اصل پری تو معشوقۂ دلنواز ہے۔

برقے بفشار آرم و ابرے بتراوش
ز آں دشنه که اندر کفِ جلاد بجنبد

لغت: ''دشنه'' = خنجر۔

اس خنجر سے جو دست جلاد میں ہلتا ہے، میں برق کو بھینچ لیتا ہوں اور بادل کا سینہ چیر کر اس سے بارش برساتا ہوں، یعنی مجھے وہ خنجر برق سے زیادہ تپاں اور ابر سے بڑھ کر باراں ریز (خونریز) نظر آتا ہے۔

از رشک بخوں غلتم و از ذوق برقصم
زاں تیشه که در پنجهٔ فرهاد بجنبد

جب میں فرہاد کے ہاتھ میں تیشے کو چلتا دیکھتا ہوں (جس سے اس نے پہاڑ کاٹا تھا) تو مجھے اس پر رشک آتا ہے اور میں اس رشک سے خون میں تڑپنے لگتا ہوں، اور اتنی لذت آتی ہے کہ رقص کرنے لگتا ہوں۔

اے آں که در اصلاحِ تو هرگز ندهد سود
چوں طبعِ کجت را رگِ بیداد بجنبد
هر پویه که گرد دلِ آگاه بگردد
هر چاره که در خاطرِ استاد بجنبد

لغت : ''پویہ'' = نرم رفتاری۔

اوپر کے دونوں شعر قطعہ بند ہیں، یعنی ان دونوں شعروں کا مفہوم ایک ساتھ مل کے واضح ہوتا ہے۔

شاعر معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ

جب تو اپنی طبیعت کی کجی کے باعث جور و ستم پر اتر آئے تو اس کی اصلاح کے لیے کوئی چیز فائدہ نہیں دیتی، نہ تو کوئی نرم گفتاری جو کسی دانا کے دل سے ابھرتی ہے اور نہ ہی کوئی چارۂ کار جو کسی تجربہ کار شخص (استاد) کے ذہن میں آتا ہے۔

وصلِ تو به نیروے دعا نیست ازیں بعد
خوں باد زبانے که باوراد بجنبد

لغت : ''اوراد'' = ورد کی جمع، دعا وظیفہ وغیرہ۔

اب صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ اس کے بعد تیرا وصال دعاؤں سے حاصل نہیں ہو سکتا ۔ اس سلسلے میں جو زبان بھی ورد خوانی کرے بے کار ہے ۔

غالب قلمت پردہ کشائے دم عیسیٰ است
چوں بر روشِ طرز خدا داد بجنبد

غالب! جب تیرا قلم اپنے طبعی انداز (طرز خدا داد) میں حرکت کرنے لگتا ہے تو وہ حضرت عیسیٰ کے معجز نما سانس کی طرح ہوتا ہے (اس کی پردہ کشائی کرتا ہے) ۔

غزل نمبر ۱۲

خوباں نہ آں کنند کہ کس را زیاں رسد
دل برد تا دگر چہ ازآں دلستاں رسد

مولانا حالی اس شعر کی وضاحت یوں کرتے ہیں :
یعنی دل لیا ہے تو ضرور اس کے عوض میں کچھ اس سے وصول ہوگا ، کیونکہ اچھے لوگ (خوباں) ایسا کام نہیں کرتے کہ کسی کو نقصان پہنچے ۔

دارد خبر دریغ و من از سادگی ہنوز
سنجم ہمی کہ دوست مگر ناگہاں رسد

وہ تو پیغام (تک) بھیجنے سے گریز کرتا ہے اور میں ابھی تک اپنی سادگی کی وجہ سے یہ سوچتا ہوں کہ وہ (دوست) خود ہی کسی وقت اچانک آ جائے گا ۔

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
هر جا کنیم سجدہ بداں آستان رسد

دیر و حرم سے ہمارا مقصود سوائے محبوب کے اور کچھ نہیں ۔
جہاں بھی سجدہ کریں ، اسی آستاں پہ پہنچتا ہے ۔

دردی کشاں بہ میکدہ درہم فتادہ اند
نازم بخواری کہ بمن زیں میاں رسد

مے خانے میں تو تلچھٹ پینے والے ایک دوسرے سے الجھے ہوئے ہیں ۔ اس سلسلے میں اگر مجھے کوئی ذلت نصیب ہو تو مجھے اس پر ناز ہے ۔

گویا شراب کے لیے سب کچھ گوارا ہے ۔

گم شد نشانِ من چو رسیدم بہ کنج دیر
مانند آں صدا کہ بگوشِ گراں رسد

لغت : ''گوش گراں'' = بہرا کان ۔

''میں جب دیر میں پہنچا تو میرا نشان گم ہوگیا ، اس آواز کی طرح جو کسی بہرے کان میں پہنچتی ہے''۔

مولانا حالی کہتے ہیں :

شعرائے متصوفین ، دیر و خرابات اور میکدے سے اکثر خانقاہ یا وہ مقام ، جہاں فقر و فنا کی تعلیم دی جاتی ہے ، مراد لیتے ہیں ۔ اپنا نشان دیر میں پہنچ کر گم ہو جانے سے مراد فنا ہے ۔ اس کی تشبیہ اس صدا سے جو بہرے آدمی کے کان تک پہنچ کر گم ہو جاتی ہے ، کس قدر بلیغ تشبیہ ہے ۔

در دام بهر دانه نیفتم مگر قفس
چنداں کنی بلند که تا آشیاں رسد

مولانا حالی یوں شرح فرماتے ہیں:

اپنے اعزازِ نفس کا اظہار ہے، یعنی اگر عزت کے ساتھ قید کرو تو مجھے قید ہونے سے انکار نہیں، پس یہ امید نہ رکھو کہ میں دانے کے لالچ سے جال میں آ پھنسوں گا، نہیں بلکہ قفس کو اتنا اونچا کرو کہ میرے گھونسلے تک پہنچ جائے۔ میں قفس میں فوراً چلا جاؤں گا۔

اسی قسم کے اعزاز نفس کا اظہار ایک شاعر نے یوں کیا ہے:

التفاتِ بے غرض تسخیر ماست
صید ما خواہی بروں از دام باید دانہ ریخت

راہے که تا من است ہمانا نه ایمن است
خوں می خورم که چوں بخورم مے چساں رسد

مجھ تک پہنچنے کی راہ محفوظ نہیں ہے۔ اگر شراب پیوں تو وہ مجھ تک کیسے آئے گی۔ اسی غم میں اپنا خون پیتا ہوں۔ شاعر اپنی بدنصیبی اور محرومی کا رونا روتا ہے۔

رفتیم سوے وے و مژہ اندر جگر خلید
زاں پیشتر که سینه بنوکِ سناں رسد

حسن کی اثر انگیزیوں کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

میں اس کی طرف گیا اور اس کی مژگاں جگر میں چبھ گئیں، پیشتر اس کے کہ میرا سینہ نیزے کی نوک تک پہنچتا (زد میں آتا)۔

تیرِ نخست را غلط انداز گفته ام
اے وائے گر نہ تیرِ دگر بر نشاں رسد

مولانا حالی نے اس شعر کی بڑی وضاحت سے شرح کی ہے ۔ لکھتے ہیں :

"غلط انداز اُس تیر کو کہتے ہیں جو خطا کر کے غیر مقصود جگہ جا لگے ۔ چونکہ عشاق ، معشوق کے تیر کے مشتاق ہوتے ہیں ، اس لیے کہتا ہے کہ ایک تیر تو اُس کا آ کر لگا ہے ، مگر اُس کو اپنی نحوست طالع کے خیال سے غلط انداز سمجھتا ہوں ۔ اب اگر دوسرا تیر بھی اُسی جگہ آ کر لگا تو میں سمجھوں گا کہ پہلا بھی ارادے سے لگایا گیا تھا ۔ ورنہ میرا خیال جو پہلے تیر کی نسبت تھا ، صحیح ہو جائے گا اور امید بالکل باقی نہیں رہے گی ۔

امید غلبہ نیست بہ کیشِ مغاں در آ
مے گر بہ جزیہ دست نداد ، ارمغاں رسد

لغت : "کیش" = مذہب ۔

"مغاں" = مغ کی جمع ، مراد پارسی لوگ (جن کے ہاں شراب حلال ہے) ۔ "ارمغاں" = تحفہ ۔

اگر پارسیوں پر غلبے کی (حکومت کی) امید نہیں تو اُن کا مذہب اختیار کر لے ، کیونکہ اگر شراب جزیے کے طور پر نہ آئے تو تحفے کے طور پر تو ملے گی ۔

خوارم نہ آنچناں کہ دگر مژدۂ وصال
باور کنم اگر ہمہ از آسماں رسد

اگر کسی انسان کو کوئی خوشخبری دی جائے اور وہ پوری نہ

ہو تو وہ ذلیل و خوار ہو جاتا ہے ۔ شاعر کہتا ہے مجھے جھوٹا مژدۂ
وصال دیا گیا اور میں خوار ہوا لیکن ''میں اتنا خوار نہیں کہ پھر
ایک بار مژدۂ وصال کا اعتبار کر لوں خواہ وہ آسمان ہی سے کیوں نہ
بھیجا گیا ہو ۔

صاحبقران ثانی اگر در جہاں نماند
گفتارِ من بہ ثانی صاحبقران رسد

لغت : ''صاحبقران ثانی'' = شاہجہان بادشاہ کا لقب تھا ۔
''ثانی صاحبقران'' = مراد بادشاہ ظفر ۔

اگر اب دنیا میں صاحبقران ثانی (شاہجہاں) نہیں ہے تو کیا ہوا ۔
میرا کلام اس کے ثانی تک تو پہنچتا ہے ، یعنی وہ میرے کلام کی
داد اور صلہ دے سکتے ہیں ۔

چوں نیست تاب برق تجلی کلیم را
کے در سخن بہ غالبِ آتش بیاں رسد

کلیم (موسیٰ) میں برق تجلی کو برداشت کرنے کی تاب نہیں ۔ وہ
گفتار میں غالبِ آتش بیاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے ۔

غزل نمبر ۱۳

عاشق کہ گفتی اش کہ برو ؛ زود می رود
نازم بخواجگی غضب آلود می رود

لغت : ''خواجگی'' = غرور و تمکنت ۔

عاشق سے تو نے کہا کہ چلے جاؤ ، وہ جا رہا ہے اور فوراً جا رہا ہے لیکن اس بات پر ناز ہے کہ وہ بڑی تمکنت سے غصے بھرے انداز میں جا رہا ہے ۔

امشب به بزم دوست کسے نامِ ما نه برد
گوئی سخن ز طالع مسعود می رود

آج رات ، بزم دوست میں کسی نے بھی ہمارا نام نہیں لیا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ خوش بختیوں اور اچھے نصیبے پر باتیں ہو رہی تھیں ۔ (ہم تو بدنصیب ہیں ، ہمارا تذکرہ کیسے ہوتا) ۔

از نالہ‌ام مرنج که آخر شد است کار
شمع خموشم و ز سرم دود می رود

لغت : ''شمع خاموش'' = بجھی ہوئی شمع ۔
''دود از سر رفتن'' = انتہائی رنج و تعب ۔

جب کوئی شمع یا چراغ بجھے تو اس کے سر سے کچھ دیر تک دھواں اٹھتا ہے ۔ یہ اس کے ختم ہونے کی علامت ہوتی ہے ۔

''میری فریاد سے پریشان نہ ہو ، اب تو بات ہی ختم ہو گئی ۔ میں تو ایک بجھی ہوئی شمع ہوں اور میرے سر سے دھواں اٹھ رہا ہے''۔

گویا عاشق کی فریاد اس دھوئیں کی طرح ہے جو شمع کے بجھنے پر اٹھتا ہے اور عارضی ہوتا ہے ۔

شادم به بزم وعظ که رامش اگرچه نیست
بارے حدیث چنگ و نے و عود می رود

لغت : ''چنگ ، نے ، عود'' = تین مختلف سازوں کے نام ہیں ۔
''رامش'' = نغمہ و آہنگ ۔

''میں بزم وعظ سے خوش ہوں کہ اگرچہ اس بزم میں نغمہ نہیں ہے ، لیکن چنگ ، نے اور عود کا ذکر تو ہوتا ہے''۔

واعظ تو ان سازوں کی برائیاں بیان کرتا ہے لیکن نغمہ و آہنگ کے شیدائی اس ذکر سے بھی خوش ہوتے ہیں ۔

فردوس جوے عمر به وسواس داده را
سرمایه نیز در ہوسِ سود می رود

لغت : ''فردوس جو'' = جنت کا طلب گار ۔
''عمر به وسواس داده'' = وہ جس نے محض وسوسوں میں زندگی گزاری ہو ۔

یہ دونوں باتیں ایک ہی شخص یعنی زاہد کے لیے آئی ہیں کہ اس کی زندگی ، جنت کی موہوم امید میں بسر ہوتی ہے ۔ کہتا ہے ، جنت کے طلب گار اور وسوسوں کے گرفتار انسان (زاہد) کا سرمایہ سود حاصل کرنے کے لالچ میں ضائع ہو جاتا ہے ۔

جنت تو ملے نہ ملے زندگی (سرمایہ) رائگاں چلی جاتی ہے ۔

نخوت نگر که می خلد اندر دلش ز رشک
حرفے که در پرستشِ معبود می رود

محبوب کا غرور و نخوت دیکھو کہ وہ الفاظ جو پرستشِ معبود

میں کہے جاتے ہیں، اُسے ناگوار گزرتے ہیں۔ اُسے اس بات کا رشک ہوتا ہے کہ میرے سوا کسی اور کے لیے کیوں استعمال ہوں۔

ما ہم به لاغ و لابه تسلی شویم کاش
ناداں ز بزم دوست چه خوشنود می رود

لغت: ''لاغ و لابہ'' = خوشامد اور مصنوعی باتیں۔

کاش ہمیں بھی محبوب کی مصنوعی اور ظاہرا باتوں سے اطمینان ہو۔ رقیب کتنا ناداں ہے کہ اُس کے کوچے سے ایسی بات سن کر اور درست مان کر خوش خوش جا رہا ہے۔

نظیری کا شعر ہے:

چو می بینم کسے از کوئے اُو دلشاد می آید
فریبے کز وے اول خوردہ بودم یاد می آید

رشکِ وفا نگر که به دعویٰ گه رضا
هر کس چگونه در پے مقصود می رود

فرزند زیر تیغ پدر می نہد گلو
گر خود پدر در آتش نمرود می رود

صوفیا کے نزدیک، عاشقان محبوب حقیقی کا بہترین طریق شیوۂ تسلیم و رضا ہے، اور وہ اس میں ایک دوسرے سے رشک کرتے ہیں کہ وہ آگے بڑھ کر مقصود حاصل کریں۔

کہتا ہے:

عاشقانِ محبوب حقیقی کا باہمی رشک وفا دیکھو کہ اُن میں سے

ہر ایک کس انداز میں اپنے مقصود کے حصول کے لیے رواں دواں ہے۔ اگر باپ (سرتاپا تسلیم و رضا بن کر) آتشِ نمرود میں کود پڑتا ہے تو بیٹا بھی اسی رضا و رغبت کے ساتھ باپ کی تلوار کے نیچے اپنا سر رکھ دیتا ہے۔

باپ سے حضرت ابراہیمؑ اور بیٹے سے حضرت اسمعیلؑ مراد ہیں۔ یہ دونوں واقعے معروف ہیں۔

شعر میں اس طرح سے کسی واقعہ کی طرف اشارہ کرنا علم بدیع میں ایک صنعت ہے جسے صنعت تلمیح کہتے ہیں۔

غالب خوش است فرصت موہوم و فکرِ عیش
تارے کہ نیست در سر ایں پود می رود

لغت : ''فرصت'' = موقع ، نوبت ، نصیب۔
''تار و پود'' = تانا بانا۔

غالب ! موہوم فراغت اور اس میں عیش کا تصور بھی خوب ہے۔ یہ ایک تار جس کا وجود نہیں ، اس پود کے پیچھے لپکتا ہے۔

انسانی زندگی میں فراغت کا میسر آنا ایک موہوم شے ہے اور پھر فراغت کے لمحے میں عیش کا تصور کرنا محض خود فریبی ہے۔ انسان اپنا جی خوش کرنے کے لیے ، ایک موہوم سا تانا بانا بنا لیتا ہے ورنہ اس کا وجود کہاں ہے۔

غزل نمبر ۱۴

دانست کز شہادتم امید حور بود
بر گشتنم ز دیں دم بسمل ضرور بود

لغت: ''دمِ بسمل'' = جانکنی کے وقت۔

میں نے اس کی محبت میں جان دی۔ وہ سمجھا کہ میں حور کی خواہش میں مرا ہوں چنانچہ اس عالم جانکنی میں مجھے اپنے دین سے برگشتہ ہونا پڑا۔

دین سے پھر جانے سے جنت میں جانے اور حور کے ملنے کا امکان جاتا رہا۔

رفت آں کہ ما ز حُسن مدارا طمع کنیم
سر رشتہ در کفِ ارنی گوے طور بود

لغت: ''ارنی گوے طور'' = حضرت موسیٰ۔

طور پر حضرت موسیٰ نے محبوب حقیقی کے دیدار کی التجا کی اور کہا ارنی (مجھے اپنا جلوہ دکھا)۔ جواب ملا ''لن ترانی'' (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا)۔ چنانچہ محبوب کو دیکھنے اور اس کے حسن سے سرشار ہونے کا امکان وہیں ختم ہوگیا۔ اب حسن سے ایسی مدارات کی خواہش یا توقع نہیں کی جا سکتی۔

مجرم مسنج رند انا الحق سرائے را
معشوقہ خود نما و نگہبان غیور بود

''رندِ انا الحق گو کو مجرم نہ سمجھ، اس کا کیا قصور۔ معشوقہ خود نما تھی اور نگہبانِ حسن غیور تھا''۔

سالک ، نگفته ایم که منزل شناس نیست
بے جاده ماند راه ، از آں رو که دور بود

لغت : ''از آں رو'' = اس وجہ سے ، اس لیے ۔

ہم نے یہ نہیں کہا کہ سالک منزل شناس نہیں ، لیکن یہ راہ (راہ سلوک) طے نہ ہو سکا کہ راستہ دور دراز تھا ۔ انسان کو منزل مقصود (محبوب حقیقی) کو پانے کی خواہش اور پہچان تو ہے لیکن سفر کٹھن ہے ۔

نازم به امتیاز که بگذشتن از گناه
با دیگراں ز عفو بما از غرور بود

خدا کی نظر میں سب بندے ایک جیسے ہیں ، لیکن وہ آن میں امتیاز بھی کرتا ہے ۔ شاعر کہتا ہے کہ مجھے اس امتیاز پر ناز ہے کیونکہ خدا نے بندوں کے گناہوں سے درگزر کرنے میں دوسرے گناہگاروں کو رحم کھا کے چھوڑ دیا اور ہمیں ہمارے غرور کے باعث ۔ ہمیں غرور تھا کہ ہم نے گناہ کیے ہیں اور یہ ادا خدا کو پسند آئی ۔

اے آنکه از غرور بهیچم نمی خری
زاں پایه باز گوے که پیش از ظهور بود

خدا سے خطاب ہے :

اے کہ تو غرور کے باعث ، مجھے مفت میں بھی نہیں خریدتا ، اُس مقام کی بات کر جو ظہور سے پہلے تھا ۔

دردِ دلم بحشر ز شدت نہفتہ ماند
خوں باد نالۂ کہ ہم آہنگِ صور بود

”محشر میں ہمارا درد دل ، اپنی شدت کے باعث چھپا رہا ۔ غارت ہو یہ نالہ کہ جو صور قیامت کا ہم آواز تھا “۔

محشر میں فریاد کرتے تو کس طرح ، ہمارے نالہ و فغاں میں صور قیامت کا شور تھا ، اس لیے ضبط کیا ، خاموش رہے ، اور درد دل آشکار نہ ہو سکا ۔

دل از تو بود و تو پےِ الزامِ ما ز ما
بردی نخست آنچہ ز جنسِ شعور بود

ہمارا دل تیرا تھا اور تو نے ہمیں الزام دینے کی خاطر ، ہم سے جنسِ شعور کا جو سرمایہ بھی تھا ، چھین لیا ۔

محبوب نے اپنے جلوۂ حسن سے عاشق کے ہوش اور شعور کو چھین لیا ، پھر اس پر اس بات کا الزام لگایا کہ تم نے دل جو ہماری امانت تھی ، گنوا دیا ۔ حالانکہ دل چھیننے یا چرانے والا تو ہی تھا ۔

قطع پیام کردی و دانستم آشتی است
دلالہ خوبرو و دلم نا صبور بود

”تو نے پیام کا سلسلہ منقطع کر دیا اور میں نے سمجھا کہ یہ بڑی نرمی اور مہربانی کی ۔ دلالہ خوبصورت تھی اور دل میرا سخت بے تاب تھا “۔

دادی صلائے جلوہ و غالب کنارہ کرد
کو بخشِ آں گدا کہ ز غوغا نفور بود

''تو نے جلوہ نمائی کی دعوت عام دی اور غالب کنارہ کش ہوگیا ۔ اب اس گدا یعنی غالب کا حصہ کہاں ہے جو اس ہنگامۂ عام سے بھاگنے والا تھا (محترز تھا) ''۔

محبوب نے جلوۂ عام کا اعلان کیا اور غالب نے اس عام ہجوم میں شریک ہونا اپنی کسر شان سمجھا ۔ اب وہ اپنا حصہ مانگ رہا ہے ، یعنی خلوت میں محبوب سے ملنے کا طلب گر ہے ۔

غزل نمبر ۱۵

ز گرمیِ نگہت خونِ دل بجوش آمد
ز شادیِ ستمت سینہ در خروش آمد

تیری نگاہ کی گرمی سے خونِ دل جوش میں آیا اور تیرے جور و ستم کی خوشی سے سینہ پرجوش ہوا ۔

بہ جاں نوید کہ شرم از میانہؑ ہم رفت
بہ عیش مژدہ کہ وقتِ وداعِ ہوش آمد

روح کو خوشخبری ہو کہ عاشق و معشوق کے درمیان سے شرم و حجاب اٹھ گیا ۔ عیش و نشاط کو مژدہ کہ اب عاشق کے ہوش کھو دینے کا وقت ہے ۔

خیال یار در آغوشم آنچناں بفشرد
کہ شرم امشبم از شکوہ ہائے دوش آمد

خیال دوست کچھ اس طرح سے میرے آغوش میں سما گیا کہ آج رات مجھے کل کے کیے ہوئے شکووں پر ندامت ہوئی ۔

بہ آستیں بفشان و بہ تیغ خوش بردار
کہ جاں غبار تن و سر وبال دوش آمد

"میری جان ، میرے تن کا غبار بنی ہوئی ہے اور میرا سر وبالِ دوش ہے ۔ تو اپنی آستین سے اس غبار کو جھاڑ دے اور تلوار سے اس سر کو آرام سے الگ کر دے ۔"

فدائے شیوۂ رحمت کہ در لباسِ بہار
بہ عذر خواہیِ رندانِ بادہ نوش آمد

"ذات الٰہی کی رحمت کے نثار جو رندانِ بادہ خوار کی عذر خواہی کے لیے بہار کا لباس پہن کر آ گئی ہے ۔"
عذر خواہی یہ ہے کہ بہار رندوں کے لیے باد نوشی کی فضا پیدا کرتی ہے ۔

ز وصل یار قناعت کنوں بہ پیغامست
خزانِ چشم رسید و بہارِ گوش آمد

"اب ہم نے وصلِ یار کو ترک کر کے صرف اُس کے پیغام پر قناعت کر لی ہے ۔ اب آنکھوں کی خزاں کا دور ہے اور کانوں کی بہار ۔"
یعنی آنکھیں دیدار سے محروم ہیں اور کان پیغام دوست سے سرفراز ۔

زمامِ حوصله نگرفت و کوهکن جان داد
چه نرم شانه گذشت و چه سخت کوش آمد

لغت : ''نرم شانہ'' = وہ شخص کہ جو کچھ اس سے کہا جائے قبول کر لے ، مراد کمزور طبیعت ۔

کوہکن حوصلے کی باگ ڈور نہ تھام سکا اور بے دل ہو کر جان دے دی ۔ کتنا سخت کوش تھا اور کس بزدلی سے جان دے دی ۔

ظہوری نے بھی کوہکن کو نرم شانہ کہا ہے :

از ظہوری است سخت بازوئی
کوہکن نرم شانۂ بودہ است

شہیدِ چشمِ تو گشتم که خوش سخن گوے است
هلاکِ طرزِ لبم شو که پر خروش آمد

میں تری آنکھوں پر فدا ہوا ہوں کہ کیسی کیسی میٹھی باتیں کرتی ہیں ۔ تو میرے لبوں کے انداز پر فریفتہ ہو کہ کتنے پر خروش ہیں (فریادیں کرتے ہیں) ۔

یعنی ہم تمہارے حسن پر مرتے ہیں تو تو کم از کم میری فریادوں کی داد تو دے ۔ خود شاعر کی اپنی سخنوری بھی مراد ہو سکتی ہے جیسا کہ اس آنے والے شعر سے ظاہر ہے ۔

ترا جمال و مرا مایۂ سخن سازی است
بهار زینتِ دکانِ گلفروش آمد

تجھے حسن ملا ہے اور شاعری میرا سرمایہ ہے ۔ بہار (حسن یار) پھول بیچنے والے کی دکان کی زینت ہے ۔

مپرس وجه سوادِ سفینه ها غالب
سخن بمرگِ سخن رس سیاه پوش آمد

لغت : ''سخن رس'' = شعر کی داد دینے والا ۔

سیاہ پوشی ماتم کی علامت ہوتی ہے ۔

''سفینہ'' = کشتی ، بیاضِ شعر ۔ ''سواد سفینہ ہا'' بیاضوں میں لکھے ہوئے شعروں کی سیاہی ۔ گویا بیاض اشعار نے سیاہ ماتمی لباس پہنا ہوا ہے ۔ کہتا ہے :

غالب سفینہ ہائے شعر کی سیاہی کی وجہ مت پوچھ ۔ شاعری ، سخن شناس انسانوں کی موت کا ماتم کر رہی ہے ۔

غزل نمبر ١٦

به عشق از دو جهان بے نیاز باید بود
مجاز سوز ، حقیقت گداز باید بود

عشق میں دونوں جہان سے بے نیاز ہونا چاہیے ۔ مجاز سوز بھی اور حقیقت گداز بھی ہونا چاہیے ۔ یہاں مجاز اور حقیقت تو دونوں جہان تصور کیا گیا ہے یعنی عشق میں عاشق کو مجازی اور حقیقی عالم سے آزاد ہونا پڑتا ہے ۔

به جیب حوصله ، نقدِ حیات باید ریخت
به جان شکوه تغافل طراز باید بود

اپنی زندگی کے سرمائے کو ، حوصلے کے جیب میں ڈالنا چاہیے اور شکوہ و شکایت کے بارے میں تغافل برتنا چاہیے ۔

یعنی تلخیوں کو نظر انداز کر کے زندگی حوصلہ مندی سے بسر کرنی چاہیے ۔

چو لب ز ہرزہ سرایانِ شوق نتواں شد
چو دل ز پردہ سرایانِ راز باید بود

لغت : ''پردہ'' = حجاب بھی ہے اور سر اور نغمہ بھی ۔

''لب کی طرح ، محبت میں ہرزہ سرائی نہیں کی جا سکتی ۔ دل کی طرح راز ہائے محبت کے نغمے الاپنے چاہئیں ۔

فرطِ شوق میں کیا کیا بے کار باتیں لب پر آ جاتی ہیں مگر دل رازِ محبت کو چھپائے رکھتا ہے اور اس سے تسکین پاتا ہے ۔

چو بزمِ عشرتیاں تازہ رو تواں جوشید
چو شمعِ خلوتیاں جاں گداز باید بود

لغت : عشرتیاں عشرتی کی جمع اور خلوتیاں خلوتی کی جمع ہے ۔

''عشرتیاں'' = عیش پرست اور ''خلوتیاں'' خلوت نشین لوگ جن کی خلوت میں شمع بھی جاں گداز ہوتی ہے ۔ عیش پرستوں کی محفل کی طرح شگفتہ رو اور تازہ دم ہونا چاہیے اور خلوت نشینوں کی شمع کی طرح جان و دل کو سوزِ عشق میں گداز کر دینا چاہیے ۔

کمر ، نہفتہ ، بہ تاراجِ خویش باید بست
شریکِ مصلحتِ سعیِ ناز باید بود

لغت : ''کمر بستن'' = آمادۂ کار ہونا ۔

نازِ حسن عاشقوں کے دل کو تاراج کرتا ہے ۔ کہتا ہے :
انسان کو در پردہ اپنے دل کو لوٹنا چاہیے اور حسن کی سعی ناز و ادا میں شریک ہو جانا چاہیے ۔

چو شوق بال کشاید ، تواں بخود بالید
چو ناز جلوہ گر آید نیاز باید بود

جب عشق میں شوق پرواز کرے تو اپنے آپ پہ ناز اور فخر کرنا چاہیے ۔ جب حسن جلوہ گر ہو اور ناز و ادا کا مظاہرہ کرے تو اس کے روبرو سرتاپا نیاز بن جانا چاہیے ۔

بہ صحنِ میکدہ سرمست میتواں گردید
بہ کنج صومعہ وقفِ نماز باید بود

صحن میکدہ میں سرمست و سرشار گھومنا اور گوشۂ خانقاہ میں محوِ نماز ہونا لازمی ہے ۔

بخوں تپیدۂ ذوقِ نگاہ نتواں زیست
شہید آں مژہ ہائے دراز باید بود

فقط اپنے خون میں تڑپتے ہوئے ذوقِ نگاہ کو لیے زندہ نہیں رہا جا سکتا ۔ محبوب کی مژہ ہائے دراز پر فدا ہو جانا چاہیے ۔
خالی ذوقِ نگہ سے کیا حاصل جب تک اس سے کام نہ لیا جائے ۔

نگہ ز دیدۂ بیدار جُو کہ سائل را
بہ گدیہ طالبِ در ہائے باز باید بود

لغت: ''گدیہ'' = گدائی ، بھیک ۔

''دیدۂ بیدار'' = لفظی معنے جاگتی ہوئی آنکھ ، کھلی آنکھ ، مراد اندرونی بصیرت رکھنے والی آنکھ ۔

چشم بیدار سے نگاہ تلاش کر ۔ سائل جب گدائی کے لیے نکلے تو اسے کھلے ہوئے دروازوں کا طالب ہونا چاہیے ۔

بصیرت افروز آنکھوں کو در ہائے باز سے تشبیہ دی ہے جو نہایت خوبصورت اور موزوں ہے ۔

چہ بر ز راحتِ آزادگی خوری غالب
ترا بہ ایں ہمہ با برگ و ساز باید بود

لغت: ''برخوردن'' = پھل کھانا ، بہرہ ور ہونا ۔

اوپر کے شعروں میں مرزا غالب نے انسانی زندگی کے مختلف روپ اجاگر کیے ہیں ۔ ان تمام مخمصوں اور جھمیلوں کے ہوتے ہوئے انسان کیونکر آزادانہ زندگی کی راحتوں سے فیضیاب ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ کہتا ہے :

غالب ! تجھے راحتِ زندگی کیسے نصیب ہو سکتی ہے ۔ تجھے تو اتنا بڑا زندگی کا ساز و سامان درکار ہے ۔

غزل نمبر ۱۷

نفس از بیم خویت ریشهٔ پیچیدہ را ماند
نگه از تاب رویت موے آتش دیدہ را ماند

لغت : ''موے آتش دیدہ'' = جلا ہوا بال ۔

''سانس تیری تندیِ طبع کے باعث سینے میں سمٹ کر رہ جاتا ہے اور نگہ تیرے آتشیں رخساروں کی تابناکی سے جل جاتی ہے اور بل کھا کر رہ جاتی ہے ۔

ز جوش دل ہنوزش ریشہ در آب است پنداری
بہ مژگاں قطرۂ خوں ، غنچهٔ نا چیدہ را ماند

لغت : ''ریشہ'' = جڑ ۔

ہماری مژگاں پر خون کے قطرے (خونی آنسو) ایک ننھی کلی معلوم ہوتے ہیں جیسے ابھی (شاخ سے) توڑا نہ گیا ہو۔ گویا جوش دل سے اس کی جڑیں ابھی پانی ہی میں ہیں ۔

خون کے آنسو ابھر کر مژگاں تک تو آ گئے لیکن بہتے نہیں ، گویا وہ ابھی ہمارے دل سے پیوست ہیں جہاں ایک طوفانِ گریہ بپا ہے ۔

ز بس کز لالہ و گل حسرت ناز تو می جوشد
خیاباں محشرِ دلہاے خوں گردیدہ را ماند

لالے اور گلاب کے سرخ پھولوں کے چہروں پر تیرے حسن کے ناز کی حسرت جوش مار رہی ہے (نمایاں ہے) ۔ پھولوں کی کیاری ، دلوں کا ہجوم ہے جو خون ہو کر رہ گئے ہیں ۔

یعنی پھولوں کو محبوب کے نازِ حسن سے محروم رہنے کا شدید احساس ہے جو اُن کے چہروں سے عیاں ہے۔

خوشا دلدادۂ چشمِ خودش بودن در آئینہ
ز سرگرمی نگہ ، صیادِ آہو دیدہ را ماند

لغت: ''دلدادہ'' = فریفتہ۔ ''صیادِ آہو دیدہ'' = وہ صیاد جس کی نظر ہرن پر پڑگئی ہو (وہ بڑی بے تابی اور تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے ہرن کو دیکھتا چلا جاتا ہے)۔ ''سرگرمی'' = محویت۔

محبوب کا آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر، اپنی آنکھوں کا گرویدہ ہو جانے کا منظر بھی کیسا دلکش ہے! اُس کی نگہ، اس عالم محویت میں اس صیاد کی مانند ہے جس نے جنگل میں ہرن کو دیکھ لیا ہو۔ ہرن تیز دوڑتا ہے اور صیاد کی نظریں اسی تیزی سے اُس کے ساتھ ساتھ گھومتی ہیں۔ محبوب آئینہ میں اسی محویت کے عالم میں اپنی نظروں کی دلکشی کو دیکھ رہا ہے۔ اُس کی نظریں بھی تیزی سے گھومتی ہیں اور وہ بھی عکس کے ساتھ ساتھ صیاد کی طرح گھومتا ہے۔

مرزا غالب نے حیرت زدہ اور بے تاب نظروں کو ''صیاد آہو دیدہ'' کہا ہے جو ایک متحرک اور نادر تشبیہ ہے۔

غبار از جادہ ، تا اوجِ سپہرِ سادہ ، می بالد
ز جوشِ وحشتم ، صحرا ، دلِ رنجیدہ را ماند

راستے کا گرد و غبار، فلک سادہ و صاف کی بلندی تک پھیل گیا ہے۔ میرے جوشِ جنوں (وحشت) سے صحرا کی حالت ایک دلِ رنجیدہ کی سی ہے۔

یعنی بیاباں میں ، میری وحشت و جنوں سے یوں غبار اُٹھتا جیسے بیاباں کا دل بھی میری طرح غمزدہ اور پریشان ہے اور اس کی آہیں غبار بن کر آسماں تک جاتی ہیں -

به هرجا می خرامی ، جلوه ات در ماست ، پنداری
دل از آئینه داری هائے شوقت ، دیده را ماند

لغت : ''آئینہ' داری'' = آرائش کے وقت جو عورت سامنے آئینہ لے کے بیٹھتی تھی ، وہ آئینہ دار کہلاتی تھی -

''آئینہ داری'' کا مفہوم عکس کو ظاہر کرنا یا عکاسی کرنا ہے -

''پنداری'' = لفظی معنے ہیں تو خیال کرے ، تو سمجھے - یہ لفظ گویا ، کا مفہوم دیتا ہے جس کے لفظی معنے ''تو کہے'' ہے -

''از آئینہ داری ہائے شوقت'' = تیری محبت کی آئینہ داریوں (عکس) سے -

''تو جہاں بھی خرام کرے ، تیرا جلوہ ہمارے اندر (دل میں) ہوتا ہے - یوں کہہ لو کہ ہمارا دل تیری محبت کی آئینہ داریاں کرتے کرتے آنکھ بن گیا ہے -

محبوب کی صورت سامنے ہو تو، اُس کا عکس آنکھ میں پڑتا ہے - یہاں کیفیت یہ ہے کہ محبوب سامنے ہو نہ ہو (کہیں بھی ہو) ، اُس کا عکس دل میں موجود رہتا ہے - یوں سمجھ لو کہ دل بھی آنکھ کا کام کر رہا ہے - اس شعر کا **خطاب محبوب** حقیقی سے بھی ہو سکتا ہے -

چه غم ز افتادگی ها ، چوں روان پالاست اندوہت
تن از مستی ، به کویت ، جانِ آرامیده را ماند

لغت : ''افتادگی'' = بے بسی یا عجز سے گرے پڑے ہونے کی حالت ۔ ''روان پالا'' = روح سے لپٹا ہوا ۔

''جانِ آرامیدہ'' = وہ جان جو نہایت آرام اور چین میں ہو ۔

اگرچہ عاشق محبوب کے کوچے میں ، بے بسی کے عالم میں گرا پڑا ہے ۔ تاہم اُس کی روح کو سکون حاصل ہے کہ محبوب کی گلی میں ہونے سے اُس کے قرب کا احساس ہو رہا ہے ۔ کہتا ہے :

مجھے ان افتادگیوں کا کیا فکر ، جب تیرا غم میری روح سے ہم آغوش ہے ، میرا جسم مستی بھری حالت کے باعث ، اس جان کے مشابہ ہے جسے سکون حاصل ہو ۔

بہار از رنگ و بو در پیشگاہِ جلوۂ نازش
گدایانِ نثار از رهگذر برچیده را ماند

لغت : ''پیشگاہ'' = کسی محل یا مکان کی ڈیوڑھی یا اگلے حصے کو کہتے ہیں ۔

''نثار'' = جو چیز ، نذر یا صدقے میں لٹائی جائے ۔ عام طور پر یہ چیز جب کسی کے سر پر سے وار کر بکھیری جاتی ہے تو سڑک کے کنارے بیٹھے فقیر آ کے اُٹھا لیتے ہیں ۔ ان گداؤں کو شاعر نے ''گدایانِ نثار از رہگذر برچیدہ'' کہا ہے یعنی وہ گدا جنھوں نے سڑک پر سے نثار کی ہوئی چیزیں یا مال اُٹھایا ہو ۔

غزل نمبر ۱۸

شادم به خیالت که ز تابم بدر آورد
از کشمکشِ حسرتِ خوابم بدر آورد

تیرے خیال (یاد) سے خوش ہوں کہ جس نے مجھے پیچ و تاب سے نجات دلائی اور حسرت خواب کی کشمکش سے فارغ کر دیا ، یعنی تصور میں بیٹھ کر رات گزارنا ، نیند کو ترسنے سے بہتر ہے ۔

فریاد که شوقِ تو به کاشانه زد آتش
وانگاه پےِ بُردن آبم بدر آورد

افسوس تیری محبت نے میرے کاشانے کو پہلے آگ لگائی اور پھر مجھے پانی لانے کے لیے گھر سے باہر بھیج دیا ۔
پانی سے مقصود آنسو بہانا ہے ۔

رسوائی من خواست مگر ، کاینهمه سرمست
دور فلک از بزمِ شرابم بدر آورد

گردش فلک نے مجھے اتنی سرمستی کے عالم میں ، بزم شراب سے نکال دیا ، شاید اس کا مقصد مجھے رسوا کرنا تھا ۔

افگنده به جیهون فلک از وادی و شادم
کز پیچ و خم موجِ سرابم بدر آورد

آسمان نے مجھے زمین (وادی) سے اٹھا کر سمندر میں ڈال دیا

اور میں خوش ہوں کہ اس موج سراب کے پیچ و تاب (دنیا) سے تو مجھے نجات مل گئی -

دنیا کو موج سراب کہا ہے جو ایک دھوکا ہے - اس سراب سے تو غرق آب ہونا ہی اچھا ہے -

جاں بر سر مکتوبِ تو از شوق فشاندن
از عہدۂ تحریر جوابم بدر آورد

میں نے فرط شوق میں تیرے خط پر اپنی جان قربان کر دی ، اور اس سے میں تیرے خط کے جواب لکھنے کی تکلیف سے بری ہو گیا -

نازم بہ نگاہت کہ ز سرمستیِ انداز
از تفرقۂ مہر و عتابم بدر آورد

تیری نگہ پر قربان جاؤں کہ اس کے انداز مستانہ نے مجھے مہر و عتاب کے تفرقے سے آزاد کر دیا ہے ، یعنی تیری نگہ کے انداز کچھ ایسے ہیں کہ یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ یہ محبت کی نظر ہے یا عتاب کی - اس لیے عاشق مہر و عتاب کے جھنجھٹ میں پڑنے سے فارغ ہے -

ساقی نگہے تا بشناسم زچہ جام است
آں بادہ کہ از بندِ حجابم بدر آورد

اے ساقی کوئی ایسی نظر ڈال کہ میں یہ پہچان سکوں کہ وہ شراب کس جام سے لی گئی ، جس نے میری آنکھوں سے سب حجاب اٹھا دیے -

اس شعر میں لطیف نکتہ یہ ہے کہ وہ شراب درحقیقت ساقی کی نگاہ لطف ہی ہے اور اسی کے اثر سے حجاب اٹھے ہیں۔

نازم بہ گرانمائگیِ سعیِ تحیر
کز سرحد ایں دیر خرابم بدر آورد

لغت: "تحیر" = حیرت۔ صوفیا کے نزدیک ایک ایسا مقام جہاں آدمی اپنے آپ سے کھو جاتا ہے۔

اس حیرت کے مقام بلند پر ناز کرتا ہوں جو مجھے ان دنیاوی حدود (دیر خراب) سے باہر نکال لایا ہے۔

آں کشتیِ اشکستہ ز موجم کہ تباہی
افگند در آتش، گر از آبم بدر آورد

مولانا حالی لکھتے ہیں:

جب کشتی موج کے تھپیڑوں سے ٹوٹ جاتی ہے تو اس کے تختوں کو پانی سے نکال کر آگ میں ایندھن کی جگہ جلاتے ہیں۔ اپنے تئیں کہتا ہے کہ

میری مثال بھی اسی کشتی کی سی ہے کہ ڈوبنے سے بچا تو آگ میں جھونکا گیا۔

غالب! ز عزیزانِ وطن بودہ ام، اما
آوارگی از فردِ حسابم بدر آورد

غالب! میں بھی عزیزان وطن میں شمار ہوتا تھا، لیکن میری آوارگی نے مجھے اس شمار سے خارج کر دیا۔

غزل نمبر ۱۹

نفس به گردِ دل از مهر می تپد به فراقت
چو طائرے که بسوزانی آشیانش و لرزد

لغت: ''نفس'' = سانس ہے اور سانس کی حرکت کے مطابق
دل حرکت کرتا ہے۔ کہتا ہے:

میرا سانس تیرے فراق میں محبت کے جوش میں اس پرندے کی
طرح تڑپ رہا ہے، جس کا گھونسلا جل گیا ہو اور وہ لرز رہا ہو۔

یہاں فراق میں تڑپتے ہوئے دل کو جلے ہوئے آشیانے سے، اور
سانس کو آشیانے میں رہنے والے پرندے سے تشبیہ دی ہے جو بڑی
خوبصورت اور موزوں ہے۔ اس سے شعر پڑھنے والے کے ذہن میں ایک
زندہ تصویر ابھر آتی ہے۔

منم به وصل به گنجینه راه یافته دزدے
که در ضمیر بود بیم پاسبانش و لرزد

وصل میں میری کیفیت اس چور کی سی ہے کہ جس کی کسی
خزانے تک رسائی ہوگئی ہو اور خزانے کے پاسبان سے کانپ رہا ہو
(کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں)۔

ز جنبش مژه، مانی، دم نگه، به مستے
که بے اراده جهد تیر از کمانش و لرزد

دیکھتے وقت تیری مژگاں یوں حرکت کرتی ہیں جیسے کسی

مست کی کمان سے بے ارادہ کوئی تیر نکل گیا ہو اور وہ لرز رہا ہو۔
بڑی متحرک تشبیہ ہے۔ اس میں جذباتی محاکاتی کیفیت پائی جاتی ہے۔

ز شیخ وجد به ذوقِ نشاطِ نغمه نیابی
مگر به دل گزرد مرگِ ناگهانش و لرزد

شیخ کے دل میں نغمہ سن کر وجد کی حالت (کیفیت) کیونکر
پیدا ہو سکتی ہے (یعنی نہیں ہوتی)۔ شاید اسے مرگ ناگہانی کا خیال
آیا ہے اور وہ اس کے خوف سے کانپ رہا ہے۔
شیخ پارسا کے مصنوعی وجد پر طنز کی ہے۔

فغاں ز خجلتِ صرّافِ کم عیار که ناگاه
بر آورند زرِ قلب از دکانش و لرزد

اس گھٹیا صراف کی ندامت کس قدر المناک ہے کہ جس کی دکان
سے اچانک کھوٹا سونا برآمد ہو اور وہ لرز رہا ہو۔

گر از فشاندن جاں شور نیست در سر غالب
چرا به سجده نهد سر بر آستانش و لرزد

اگر غالب کے سر میں جان نثار کرنے کا سودا نہیں سمایا ہوا تو
وہ معشوق کے آستاں پر سجدہ کرتے وقت لرز کیوں رہا ہے۔ (یہ لرزنا
خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ محبوب کے آستانے پر جان فدا کرنے کی
عظیم سعادت نصیب ہونے کے باعث ہے، گویا یہ اضطراب کی کیفیت
ہے)۔

غزل نمبر ۲۰

آنانکه وصلِ یار ہمی آرزو کنند
باید که خویش را بگدازند و او کنند

وصل یار کے طالبوں کو چاہیے کہ پہلے وہ اپنے آپ کو گداز کر دیں (ترک خودی کریں) اور سرتاپا وہ (یار) بن جائیں۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

وقت است کز روانی مے ، ساقیان بزم
پیمانہ را حسابِ لبِ آب جُو کنند

مناسب ہے کہ ساقیان بزم ، شراب کو اس روانی سے بہائیں کہ ان کے پیمانے (جس سے وہ شراب ناپ کر دیتے ہیں) ایک ندی کے کنارے کی طرح وسیع ہوں۔

یعنی ساقی شراب ندی کی طرح بہائیں جہاں لوگ پیتے جاتے ہیں اور وہ ختم نہیں ہوتی۔

می نالی از نئے کہ بہ ناخن شکستہ اند
اے وائے ، ناخنے بہ دلت گر فرو کنند

لغت : "نے" = قضب۔

اگر چھلتر تیرے ناخن میں چبھ جائے تو تو فریاد کرنے لگتا ہے۔ اگر کوئی ناخن تیرے دل میں چبھے تو پھر کیا ہو۔

ناخن کا دل میں "اتر جانا" انتہائی درد کی علامت ہے۔ جو

شخص معمولی دکھ سہہ نہیں سکتا ، وہ عشق کا درد کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ اس میں تو دل میں ناخن چبھونا ہوتا ہے۔

دیوانه وجه رشته ندارد ، مگر ہماں
تارے کشد ز جیب که چاکے رفو کنند

دیوانے کے پاس دھاگے کی کہاں گنجائش؟ ہاں یہی ہے کہ گریباں سے کوئی تار کھینچ لے اور کوئی چاک (مثلاً چاک دامن رفو کرا لے) ، یعنی چاک عشق رفو نہیں ہو سکتا ، بلکہ رفو کی کوشش ایک اور چاک پیدا کر دیتی ہے۔

خون هزار ساده به گردن گرفته اند
آنانکه که گفته اند نکویان نکو کنند

لغت : ''سادہ'' = محبوب کو کہتے ہیں۔ یہاں بھولا بھالا عاشق مراد ہے۔ ''نکویاں'' = حسین رو۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ معشوق وفا کرتے ہیں وہ ہزار سادہ لوح بھولے بھالے لوگوں کے خون کو اپنی گردن پر لے لیتے ہیں۔ (کیونکہ ان کے کہنے پر کئی نادان اعتبار کر کے اپنی جانیں عشق میں گنوا دیتے ہیں)۔

لب تشنه جوے آب شمارد سراب را
می زیبد ار به ہستی اشیا غلو کنند

ایک پیاسا سراب کو جوئے آب سمجھ لیتا ہے ، چنانچہ اگر کائنات کی اشیاء کے وجود کے بارے میں مبالغے سے کام لیا جائے تو بالکل جائز ہوگا۔

انسان فطرتاً حقیقت کی تلاش میں سخت بے تاب رہتا ہے اور یہ تشنگی اُسے سراب کو پانی سمجھنے پر مجبور کرتی ہے - اسی جستجو اور تڑپ کے باعث وہ مادی کائنات کے مظاہرات کو حقیقت سمجھ کر دھوکا کھا جاتا ہے -

عرفی نے اسی تشنگی اور بے تابی کے بارے میں کمال کا شعر کہا ہے :

ز نقص تشنہ لبی داں ، بعقلِ خویش مناز
دلت فریب گر از چشمۂ سراب نخورد

یعنی اگر تیرے دل نے سراب سے دھوکا نہیں کھایا اور اُسے پانی نہیں سمجھا ، تو نازاں نہ ہو ، دراصل یہ تیری پیاس کے کم ہونے کی دلیل ہے ، ورنہ تو سراب پر فوراً لپک پڑتا -

از بس بہ شوقِ روے تو مست است نوبہار
بوے مے آید ار دہنِ غنچہ بو کنند

لغت : ''بو کردن'' = سونگھنا -

نو بہار تیرے دیدار کے شوق میں اس قدر مست ہے کہ اگر کلی کے منہ کو سونگھیں تو اُس سے شراب کی بو آئے گی -

پیمانہ را بہ ماتمِ صہبا نشاندن است
اے واے گر ز خاکِ وجودم سبو کنند

زندگی بھر شراب میسر نہ آئی ، اب مر کر خاک ہوگئے - اب اس خاک سے اگر پیالہ (سبو) بنایا گیا تو وہ بھی خالی رہے گا کیونکہ شراب نہیں ہوگی - چنانچہ پیمانہ جس سے شراب ناب کر دیتے ہیں ،

گویا ماتمِ شراب کرے گا۔

اپنی محرومیٔ قسمت کا تذکرہ کیا ہے۔

آلودۂ ریا نتواں بود غالبا
پاک است خرقۂ کہ بہ مے شست و شوکنند

غالب! ہم آلودۂ ریا نہیں ہو سکتے، کیونکہ جس گدڑی کو شراب سے دھویا جائے وہ پاک ہو جاتی ہے۔

شراب نہ پینے والے مصنوعی پارسائی کا شکار ہوتے ہیں۔ شاعر کے نزدیک اس رقم کی ریاکاری سے شراب پینا بہتر ہے کہ وہ اس قسم کی آلودگیوں سے انسان کو پاک رکھتی ہے۔

غزل نمبر ۲۱

چوں گویم از تو بر دل شیدا چہ می رود
بنگر در آبگینہ ز خارا چہ می رود

میں کیا کہوں کہ تیرے ہاتھوں میرے دل شیدا پہ کیا گزرتی ہے۔ (شیشے کی) صراحی کو دیکھ کر سخت پتھر اس کی کیا حالت بناتا ہے۔ (یعنی وہ پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور وہی تیرے عشق میں میرے دل شیفتہ کی صورت ہے)۔

خوابیدہ است تا کہ بکویت رسیدہ است
گر سر رود بہ راہِ تو، از پا چہ می رود

ہمارا پاؤں تیرے کوچے میں پہنچ کر سو گیا ہے۔ اگر راہ محبت میں

ہمارا سر جا رہا ہے تو پیروں کا کیا جاتا ہے ۔ یہ کیوں رک لئے ، یعنی عشق کی راہ میں پاؤں عاجز آ جائیں تو آ جائیں ، سر سے سودائے عشق نہیں جاتا ۔

گوئی مباد در شکنِ طرہ خوں شود
دل زانِ تست از گرہ ما چہ می رود

تو کہتا ہے کہ دل شکنِ زلف میں گھر کر خون نہ ہو جائے ۔ ہمارے اس دل کا تمھیں کیا اندیشہ ؟ یہ دل تو تمھارا ہی ہے ۔ ہماری گرہ سے کیا جاتا ہے ، خون ہوتا ہے تو ہو ۔

گرہ کا لفظ ایک محاورے (از گرۂ ما چہ می رود) کے ضمن میں آتا ہے لیکن دل کی رعایت سے یہاں لطف دے گیا ہے ۔

پیداست بے نیازیِ عشق از فنائے ما
گر زورقے شکست ز دریا چہ می رود

ہمارے فنا ہونے سے (مٹنے سے) عشق کی بے نیازی ظاہر ہے ۔ اگر ایک کشتی برباد ہوئی تو سمندر کا کیا گیا ۔

آئینہ خانہ ایست غبارم ز انتظار
او جانب چمن بہ تماشا چہ می رود

لغت : ''آئینہ خانہ'' = وہ کمرہ جہاں چاروں طرف آئینے ہی آئینے جڑے ہوں اور ایک شخص کے ہزاروں عکس اس میں بیک وقت نظر آئیں ۔

میرا غبار انتظار میں سرتاپا آئینہ خانہ بنا ہوا ہے ۔ وہ چمن کے نظارے کے لیے کیا جا رہا ہے ۔ یعنی آپ ہماری طرف نظر کرنی چاہیے کہ مر کر اور خاک ہو کر بھی ہمارا شوق اور انتظار بدستور قائم ہے ۔ دیکھنے کے قابل تو یہ شے ہے ، چمن میں کیا رکھا ہے ۔

گر جلوۂ رخِ تو بساغر ندیدہ ایم
چندیں بہ ذوقِ بادہ دل از جا چہ می رود

اگر ہم نے تیرے چہرے کا عکس ساغر میں نہیں دیکھا تو ہمارا دل اتنے ذوق و شوق سے شراب کو دیکھ کر بے قابو کیوں ہو جاتا ہے ۔ حافظ :

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شُرب مدام ما

با ما کہ محوِ لذت بیداد گشتہ ایم
دیگر سخن ز مہر و مدارا چہ می رود

ہم تو تیرے جور و ستم کی لذت میں کھو گئے ہوئے ہیں ۔ پھر ہم سے مہر و محبت کا تذکرہ کیسا ؟

یک رہ اگر بوادیِ مجنوں کند گزار
از ساربان ناقۂ لیلیٰ چہ می رود

لغت : ''یک رہ'' = ایک بار ۔

اگر ایک بار وادیٔ مجنوں میں سے گزر جائے تو ناقۂ لیلیٰ کے ساربان کا کیا بگڑتا ہے ۔

اے شرم باز داشته از جلوه سازیت
از پشت پا بر آئنه آیا چه می رود

لغت : ''جلوہ سازی'' = جلوہ نمائی ۔

''پشتِ پا'' = پاؤں کا پچھلا حصہ ، جو پلٹ کر جانے والے سے نظر آتا ہے ۔

شرم و حجاب نے تجھے جلوہ سازی سے باز رکھا ۔ خیال کر کہ تیرے (آئینے سے) پلٹ جانے کے سبب آئینے پہ کیا گزری ہوگی ۔

آئینہ معشوق کے جلووں سے لذت اندوز ہونے کے لیے آغوش کھولے ہوئے تھا ۔ وہ شرم و حجاب کے باعث چلا گیا تو اس کا (آئینے کا) کیا حشر ہوا ہوگا ۔

آئینے کے استعارے کے سلسلے میں اپنی بے تابیٔ نظارہ کا تذکرہ کیا ہے ۔

ذوقِ سلیم رکھنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوگی کہ جلوہ سازی اور جلوہ نمائی میں فرق ہے ۔ جلوہ سازی میں ، آرائش ، حسن کا ناز و ادا سبھی کچھ شامل ہے ۔

چنانچہ جلوہ سازی کے الفاظ شاعر کی دقتِ نگاہ اور لطیف ذوقِ حسن کا پتہ دیتے ہیں ۔

ہفت آسماں بگردش و ما درمیانه ایم
غالب دگر مپرس که بر ما چه می رود

سات آسمان کی گردش جاری ہے اور ہم اس کے درمیان (پس رہے) ہیں ۔ غالب اب یہ نہ پوچھ کہ ہم پر کیا گزر رہی ہے ۔

غزل نمبر ۲۲

نہ از شرم است کز چشمِ وے آساں بر نمی آید
نگاہش با درازی ہائے مژگاں بر نمی آید

محبوب کی نگاہ اگر آنکھ سے باہر نہیں آتی تو یہ شرم کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس لیے کہ اس کی مژگاں بہت لمبی ہیں ۔

ازیں شرمندگی کز بند ساماں بر نمی آید
سر شوریدۂ ما از گریباں بر نمی آید

لغت : ''بندِ ساماں'' = ساماں سے مراد ، علائق دنیا ہے ۔ انسان دنیا اور دنیا کی خواہشات اور حاجات میں الجھا رہتا ہے ۔ شاعر نے اسے بندِ ساماں کہا ہے ۔

عاشق کو محبت کی دیوانگی میں گریباں چاک کر لینا چاہیے تاکہ اس معمولی لباس سے بھی نجات مل جائے ۔ کہتا ہے کہ ہمارا سر ، جنون شوق کے جوش میں جو گریبان سے باہر نہیں آتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا کے ساز و سامان میں پھنسا ہوا ہے ۔

ورنہ

عشق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

گر از رسوائیِ نازِ تو پروا نیست عاشق را
چرا دل خوں نمی گردد ، چرا جاں بر نمی آید

اگر عاشق کو تیرے حسن کے ناز و ادا کے رسوا ہو جانے ک

خیال نہیں تو دل خون کیوں نہیں ہوتا اور جان کیوں نہیں نکل جاتی۔ یعنی عاشق محض اس لیے ضبط کیے ہوئے ہے کہ کہیں معشوق بدنام نہ ہو جائے۔

به بزمِ سوختن دود از چراغاں بر نمی خیزد
به باغِ خوں شدن بو از گلستاں بر نمی آید

اس محفل سے جہاں عاشق جلتے ہیں، وہاں چراغوں سے دھواں تک نہیں ابھرتا۔ جہاں دل خون ہوتے ہیں، وہاں کے گلستان کے پھولوں کی بو نہیں ہوتی۔

شاعر نے عشاق کی محفل کو ''بزم سوختن'' اور ''باغ خون شدن'' کہا ہے کہ وہاں دل جلتے ہیں اور خون ہوتے ہیں۔ لیکن ان دل جلوں کے سینے سے ضبط کے باعث نہ آہ نکلتی ہے اور نہ دلوں کے خون ہونے کی بو آتی ہے۔

سرت گردم بزن تیغ و درے بر روے دل بکشا
دلم تنگ است کار از زخم پیکاں بر نمی آید

لغت: ''سرت گردم'' = تیرے قربان جاؤں۔
''دل تنگ'' = دلِ افسردہ، غم سے گھٹا ہوا دل۔

تیرے قربان جاؤں، میرے سینے کو تیغ سے چاک کر دے تاکہ میرے دل کے لیے دروازہ کھل جائے۔ میرا دل تو غم زدہ ہے اس کی گھٹن (تنگی) نوک تیر سے دور نہیں ہو سکے گی۔

شگفتن عرض بے تابی است ، ھاں اے غنچہ ، میدانم
دلت با نالۂ مرغِ سحر خواں بر نمی آید

لغت : ''عرض بے تابی'' = بے تابی اور بے چینی کا اظہار ۔
''با کسے برآمدن'' = کسی سے عہدہ برآ ہونا ۔ مقابلہ کرنا ۔

پھول کھلتے ہیں تو اُن کا کھلنا اُن کے دلوں کے اضطراب کا
اظہار ہوتا ہے ۔ کھلے ہوئے پھولوں پر پرندے نغمہ خواں ہوتے ہیں تو
وہ بھی اپنی بے تابیوں کے باعث فریاد کرتے ہیں ۔ شاعر غنچے سے
خطاب کر کے کہتا ہے ۔ کھلنا بے تابی کے اظہار کا نام ہے ،
میں جانتا ہوں تو کیوں نہیں کھلتا ، تیرے لب کیوں بند ہیں ۔ تو
صبح کے نغمہ گانے والے پرندے کا ہمنوا نہیں ہو سکتا ، اس لیے کہ
تجھ میں وہ تڑپ نہیں ۔

بہاں خوں کردن و از دیدہ بیروں ریختن دارد
دلے کز عہدۂ غم ھاے پنہاں بر نمی آید

جو دل محبت کے غم ہائے پنہاں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا ،
اس کے نصیب میں خون ہونا اور آنکھوں سے بہنا ہوتا ہے ۔

مگر آتش نفس دیوانہ' مُرد از اسیرانت
کہ دود از روزنِ دیوار زنداں بر نمی آید

شاید تیرے اسیرانِ محبت میں سے آتشیں فریادیں کرنے والا
دیوانہ مر گیا کہ دیوار زنداں کے روزن سے کوئی دھواں باہر نہیں آتا ۔

چه گیرائی است کایں تارِ زمو باریک تر دارد
کسے از دامِ ایں نازک میاناں بر نمی آید

لغت : ''نازک میاں'' = نازک کمر والے معشوق ۔ شعرا
معشوق کی کمر کو بال سے بھی زیادہ باریک تصور کرتے ہیں ۔
کہتا ہے :

اس بال سے زیادہ باریک کمر (تار) میں کتنی گرفت ہے کہ ان
نازک کمر معشوقوں کے جال سے کوئی باہر نہیں آ سکتا ۔

محو آسودگی گر مرد راہی ، کاندریں وادی
چو خار از پا برآمد ، پا ز داماں بر نمی آید

لغت : ''مرد راہ'' = راہ چلنے والا ۔ زندگی کی راہیں طے کرنے
والا ۔

اگر تو مرد راہ ہے تو آسودگی کی تلاش نہ کر ، کیونکہ اس
وادیٔ حیات میں ، اگر کانٹا پاؤں سے نکل جائے تو پاؤں دامن سے باہر
نہیں آتا ۔

یعنی کسی حالت میں آدمی دنیا کے مخمصوں سے نجات نہیں
پا سکتا ۔ اگر کانٹا پاؤں سے نکل جائے تو پاؤں دامن سے الجھے گا ۔

برم پیش که یا رب شکوهٔ اندوهِ دلتنگی
نفس چندانکه می نالم ، پریشاں بر نمی آید

اے خدا میں اس دل کی افسردگی کا دکھڑا کس سے روؤں ۔
میں جتنی بھی فریاد کرنا چاہوں ، میرا سانس پریشان ہوکر باہر نہیں
آتا ۔ اتنی گھٹن ہے ۔

بدوش خلق نعشم عبرتِ صاحبدلاں باشد
بپائے خود کسے از کوئے جاناں بر نمی آید

میری نعش لوگ اٹھائے ہوئے ہیں (کوچہ' جاناں سے باہر لا رہے ہیں) اور یہ منظر صاحبدل (اہل دل) لوگوں کے لیے عبرت ہے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ کوچہ' جاناں میں جا کر پھر کوئی شخص اپنے پاؤں چل کر باہر نہیں آتا۔

بر آر از بزم بحث اے جذبۂ توفیق غالب را
کہ ترک سادۂ ما با فقیہاں بر نمی آید

لغت: ''توفیق'' = اللہ تعالیٰ کے فضل کا انسان کے شامل حال ہونا۔ ''جذبہ' توفیق'' = فضل خدا کا احساس۔

''ترکِ سادۂ ما'' = ہمارا سادہ دل ترک یعنی خود غالب۔

اے جذبہ' توفیق مجھے اس بزم بحث سے باہر لے آ کیونکہ یہ سادہ دل ترک فقیہوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا (کیونکہ وہ بحث میں الجھے رہتے ہیں اور دوسروں کو الجھائے رکھتے ہیں)۔

غزل نمبر ۲۳

چہ عیش از وعدہ چوں باور ز عنوانم نمی آید
بہ نوعے گفت می آیم کہ میدانم نمی آید

وعدۂ محبوب سے کیا خوشی ہو سکتی ہے جب کہ اس وعدے کے انداز سے ہی مجھے یقین نہیں ہوتا۔ اس نے ''میں آؤں گا'' اِس طرح

سے کہا کہ میں سمجھ گیا کہ نہیں آئے گا۔

به ویرانی خوشم، لیکن جهان چوں بے تو ویران است
اگر باشم به چیں ، یاد از بیابانم نمی آید

مجھے ویرانی پسند ہے لیکن چونکہ یہ دنیا تیرے بغیر ویران نظر آتی ہے ، اس لیے اگر میں چین میں بھی ہوں تو مجھے بیابان میں جانے کا خیال نہیں (کیونکہ تیرے فراق میں چین بھی مجھے ویران نظر آتا ہے) ۔

گذشتم زانکه بر زخم دلِ صد پاره، خوں گرید
خود آو را خنده بر چاک گریبانم نمی آید

میں اس بات سے در گزرا کہ وہ (محبوب) میرے صد پارہ دل کے زخموں پر خون کے آنسو بہائے ۔ اسے تو میرے چاک گریباں پر ہنسی بھی نہیں آتی ۔ (یعنی بے حد بے نیاز ہے) ۔

خود کا لفظ یہاں خود یا اپنے آپ کا نہیں ۔ یہ لفظ محاورۃً آیا ہے اور اس کا مفہوم ''تو'' کے اردو لفظ سے ادا ہو سکتا ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے ۔ خود او را یعنی اسے تو ۔

روش نگسسته و در سایهٔ دیوار ننشسته
به کویش رشک بر مهرِ درخشانم نمی آید

مہر درخشاں اپنی رفتار نہیں بدلتا اور سایۂ دیوار یار میں نہیں بیٹھتا ، اس لیے مجھے اس پر رشک نہیں آتا (عاشق کو سایۂ دیوار یار میں راحت ملتی ہے ۔ جہاں سورج کی روشنی ہوگی وہاں سایہ نہیں ،

گویا سورج کا سایۂ دیوار یار میں ہونے کا امکان نہیں ۔ شاعر نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ سورج کو وہ سایہ نصیب نہیں ، اس لیے اُس پر رشک کیوں آئے) ۔

دعاے خیر شد در حق من نفریں بجاں کردن
ز نفریں بسکه می رنجد ، به لب جانم نمی آید

لغت : ''نفریں'' = برا کہنا ۔ ''نفریں بجاں کردن'' = کسی کی جان کو رونا اور اس کے مرنے کی دعا کرنا ۔

معشوق کو نفریں ناپسند ہے اور وہ میرے لیے دعاے بد نہیں کرتا اور اسی لیے میرے لبوں پر جان نہیں آتی اور میں زندہ رہتا ہوں مرتا نہیں ۔ یہی بات میرے حق میں دعاے خیر بن گئی ہے ۔

ازاں بد ُخو ندانم ، چوں دھد دلاله در پیدا
نویدے کز نوازشہاے پنہانم نمی آید

لغت : ''دلالہ'' = وہ عورت جو کسی کی طرف سے وکالت کرے ۔
''نوید'' = خوش خبری ۔ ''نوازش ہاۓ پنہاں'' = پوشیدہ مہربانیاں (محبوب کی) ۔

محبوب اتنا بد خو ہے کہ اگر وہ در پردہ کوئی مہربانی بھی کرے تو اُس سے کوئی خوش خبری کا پہلو نہیں نکلتا ۔ چنانچہ کہتا ہے :

اُس بد خو کی طرف سے ، میں نہیں سمجھتا ، دلالہ کونسی علانیہ خوش خبری کا پیغام لے کے آ سکتی ہے ۔ ایسی خوش خبری جو اُس کی چھپی چھپی مہربانیوں سے بھی نہیں ملتی ۔

جب پوشیدہ مہربانیوں سے اچھا اندازہ نہیں ہو سکتا تو پیغامبر
کیا پیغام لائے گا۔

پیدا اور پنہاں کے الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسے صنعتِ
تضاد کہتے ہیں۔

به راهِ کعبه زادم نیست، شادم کز سبکباری
به رفتن پاے بر خارِ مغیلانم نمی آید

لغت: ''مغیلاں'' = جنگلی جھاڑیاں۔

کعبے کی راہ میں چلنے کے لیے میرے پاس کوئی زاد راہ نہیں ہے
اور میں خوش ہوں کہ اس ہلکے بوجھ کے باعث چلنے میں میرا پاؤں
خار مغیلاں پر نہیں پڑتا۔

گویا کعبے سے بے نیاز ہو گیا ہے، کعبہ جانے کے لیے سر و سامان
درکار ہے۔ تقویٰ پرہیزگاری وہ سر و سامان تھا اس لیے سفر کعبہ سے
نجات مل گئی۔

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

دلش خواهد که تنها سوے من رو آورد لیکن
فریب همرهان، دانم، ز نادانم نمی آید

محبوب کا دل تو چاہتا ہے کہ وہ اکیلا میری طرف آئے لیکن
کیا کیا جائے، میرے نادان کو ہمراہیوں کو فریب دینا نہیں آتا
(کہ وہ کسی بہانے الگ ہو جائے)۔
مقصود یہ ہے کہ معشوق کا الگ مجھ سے ملنے کو جی بھی

چاہے تو رقیبوں سے چھٹکارا ممکن نہیں ۔

دبیرم ، شاعرم ، رندم ، ندیمم ، شیوہ ھا دارم
گرفتم رحم بر فریاد و افغانم نمی آید

میں نے مان لیا کہ تمھیں میری فریاد اور فغاں پر رحم نہیں آتا لیکن مجھ میں اور بھی بہت سے وصف ہیں (شیوہ ہا دارم) ۔ میں دبیر (انشاء پرداز) ہوں ، شاعر ہوں ، رند ہوں ، ندیم (اچھا ہم صحبت) ہوں ۔

شود برھم ، ولے نہ ز مہر ، پندارد کہ در خوابم
شبے کاوازِ نالیدن ز زندانم نمی آید

اگر کسی رات زنداں سے میری چیخ پکار کی آواز سنائی نہیں دیتی تو وہ برہم ہو جاتا ہے اور اس کی یہ برہمی اور پریشانی محبت کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ میں سو گیا ہوں (جو آرام اور چین کی علامت ہے) اور وہ یہ گوارا نہیں کرتا ۔

ندارم بادہ غالب ، گر سحرگاہش سر راہے
ببینی مست ، دانی کز شبستانم نمی آید

غالب میرے پاس شراب نہیں ہے ۔ اگر صبح کے وقت وہ (محبوب) مستی کے عالم میں مل جائے تو سمجھ لو وہ میری خواب گہ سے اٹھ کر نہیں آیا (رقیب کے ہاں سے آیا ہے) ۔

غزل نمبر ۲۴

چوں بپوئی به زمیں ، چرخ زمین تو شود
خوش بہشتے ست که کس راه نشین تو شود

جب تو زمین پر چلتا ہے تو آسمان اتر کر تیری زمین بن جاتا ہے - تیری راہ میں بیٹھنے والے کے لیے یہ ایک بہشت ہے -

لبم از نام تو آں مایه پُر استے که اگر
بوسه بر غنچه زنم ، غنچه نگین تو شود

میرے لبوں پر تیرا نام اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ اگر میں کلی کو چوموں تو اس پر تیرا نام کندہ ہو جائے -

چوں به سنجد که نه آن است بکاهد از شرم
ماه یکچند ببالد که جبینِ تو شود

چاند کچھ عرصہ اپنے حسن پہ نازاں ہوکر فخریہ تیری پیشانی بننا چاہتا ہے ، لیکن جب دیکھتا ہے کہ نہیں بن سکا تو شرم سے پھر گھٹ جاتا ہے - (یعنی مہ کامل بن کر پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے) -

صد قیامت بگدازند و بهم آمیزند
تا خمیرِ دل هنگامه گزینِ تو شود

لغت : ''ہنگامہ گزیں'' = ہنگامہ پسند -

سو قیامتوں کو گداز کر کے بہم ملا دیا جائے تو پھر کہیں

جا کر تیرے ہنگامہ پسند دل کا خمیر بنتا ہے ، یعنی معشوق کی طبیعت قیامت کی سی ہے ۔

تاب ہنگامۂ درد آرم و گویم ہیہات
چہ کنم تا غمِ ہجرِ تو یقینِ تو شود

میں درد و الم کی جاں کاہیوں کو برداشت کرتا ہوں اور کہتا ہوں : ہائے کیا کروں کہ تجھے میرے غم فراق کے دکھوں کا یقین آ جائے ۔

بہ سخن پیچم و اندوہ گسارش گردم
برم از غیر دلے را کہ حزینِ تو شود

لغت : ''اندوہ گسار'' = غم گسار ۔ گسارش میں ش کی ضمیر ''غیر'' یا دل غیر کے لیے آیا ہے ۔ ''حزین تو شود'' = مبتلائے غم تو شود یعنی تیرے لیے غم زدہ ہو ۔ ''غیر'' = رقیب ۔

میں رقیب کو باتوں سے بہلاتا اور پھسلاتا ہوں اور اس کی غمگساری کرتا ہوں اور اس طرح سے اس کا دل جو تیری محبت کے باعث غمزدہ ہو گیا ہے ، چھین لیتا ہوں ۔

عاشق یہ پسند نہیں کرتا کہ معشوق کی محبت اس کے سوا کسی اور کے دل میں ہو ۔ چنانچہ رقیب کی غمگساری کر کے اور اس کے دل کو بلکہ کر کے اس سے وہ محبت چھین لیتا ہے ۔

جلوہ جز در دلِ آگاہ سرایت نکند
من در آتش فتم از ہرکہ قرینِ تو شود

لغت : ''دل آگاہ'' = وہ دل جسے عرفانِ دوست نصیب ہوا ہو ۔

عرفان حسن سے فیضیاب ہونے والے دل ہی میں جلوۂ حسن سرایت کرتا ہے ۔ اس لیے جب کسی کو تیرا قرب نصیب ہونے لگے تو میں رشک کی آگ میں جلنے لگتا ہوں ۔

یعنی میرے سوا کسی اور کو یہ سعادت کیوں نصیب ہوئی ۔

چشم و دل باختہ‌ام ، داد ہنر خواھد داد
آں کہ چوں من ہمہ دانِ ہمہ بینِ تو شود

اس شعر کی شرح مولانا حالی نے خوب کی ہے :

چونکہ میرے دل نے تجھ کو جانا ہے جیسا کہ تو ہے ، اور میری آنکھ نے تجھ کو دیکھا ہے جیسا کہ تو ہے (یہ بات شعر میں مقدر ہے مذکور نہیں) اس لیے دل اور آنکھ کھو بیٹھا ہوں ۔ پس میرے اس کام کی داد وہی دے گا جو میری طرح تیرا ہمہ دان اور ہمہ بین ہوگا ۔

کفر و دیں چیست جز آلائشِ پندارِ وجود
پاک شو پاک کہ ہم کفرِ تو دین تو شود

لغت : ''پندار وجود'' = انسان کی خودی اور انا کا احساس ۔
''آلائش'' = آلودگی ۔

تیرے غلط تصور خودی کے سوا کفر و دین کیا ہے ۔ اس آلائش سے پاک ہو جا تاکہ تیرا کفر بھی تیرا ایمان (دین) بن جائے ۔

کفر و دین کا افتراق انسان کا اپنا پیدا کردہ ہے۔ کافر اپنی انا اور خودی سے اپنے کو راہ راست پر سمجھتا ہے اور مومن خود کو راہ راست پر۔ اگر انسان کا ذہن اس انا سے خالی ہو جائے تو پھر نہ کوئی کافر رہے نہ مومن (بلکہ کفر بھی ایمان کا مقام حاصل کر لے یعنی دونوں میں کوئی فرق نہ رہے)۔

دوزخِ تافتۂ ہست نہادت غالب
آہ از آں دم کہ دمِ باز پسینِ تو شود

لغت: ”دمِ باز پسیں“ = دمِ واپسیں۔

”غالب! تیرا وجود ایک دہکتا ہوا دوزخ ہے۔ آہ وہ سانس جو تیرا آخری سانس ہوگا“۔

جب ہر سانس دوزخ کی آگ کا شعلہ ہے، ظاہر ہے کہ آخری سانس جو نزع کے عالم میں آتا ہے، کس قدر دشوار ہوگا۔

غزل نمبر ۲۵

دیگر از گریہ بدل رسمِ فغاں یاد آمد
رگِ پیمانہ زدم، شیشہ بفریاد آمد

ایک بار پھر میرے رونے سے میرے دل میں نالہ و فغاں کا احساس بیدار ہو گیا۔ میں نے پیمانے کی رگ کو چھیڑا تو صراحی فریاد کرنے لگی۔

یعنی غم میں آنسو بہنے لگے تو بجائے غم فرو ہونے کے نالہ و فغاں نے جوش مارا - شراب پینے کی کوشش کی کہ غم ہلکا ہو جائے تو اُس سے فریادیں اُبھر آئیں ، یعنی شراب بھی مداوائے غم نہیں -

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہیں
(غالب)

دل در افروختنش منتِ دامن نکشید
شادم از آه که هم آتش و هم باد آمد

لغت : ''منت کشیدن'' ـ احسان اٹھانا -

آگ بھڑکانے کے لیے پنکھے سے کام لیا جاتا ہے اور پنکھا نہ ہو تو دامن سے ہوا دی جاتی ہے -

کہتا ہے : دل جلنے لگا تو اس کی آگ کو بھڑکانے کے لیے دامن کا احسان اٹھانا نہ پڑا - میں اپنی آہ آتشیں سے خوش ہوں کہ خود ہی آگ ہے اور خود ہی ہوا -

تا ندانی جگرِ سنگ کشودن هدر است
تیشه داند که چها بر سر فرهاد آمد

لغت : ''ہدر'' = رائگاں ، خونِ ہدر وہ خون جس کا نہ کوئی خون بہا ملے اور نہ اُس کا قصاص لیا جائے -

''جگرِ سنگ کشودن'' = پتھر کے جگر کو کھولنا (چیرنا) -

"تا" = یہاں تنبیہ کے معنوں میں آیا ہے ۔

کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ پتھر کے دل کو چیرنا رائگاں جاتا ہے ، تیشے کو پتا ہے کہ (پہاڑ کاٹنے سے) اُس کے سر پر کیا گزری ۔

جس تیشے سے فرہاد نے پہاڑ کو کاٹا تھا اسی تیشے سے اُس نے اپنا سر پھوڑ لیا اور جان دے دی ۔ شاعر کے نزدیک یہ پتھر کے دل کو چیرنے کی سزا تھی ۔

داغم از گرمی شوقِ تو کہ صد رہ بہ دلم
ہمچناں بر اثر شکوۂ بیداد آمد

"تیری محبت کی گرمی نے مجھے جلا دیا ہے کہ میرے شکوہ بیداد کے ساتھ ساتھ ہی میرے دل میں سو بہانے سے آتی رہی"۔

یعنی ایک طرف تو میں تیری جفا کریوں کے ہاتھوں فریاد کرتا ہوں اور دوسری طرف تیری محبت بڑھتی چلی جاتی ہے ۔ کیا کروں ۔

خیز و در ماتم ما سرمہ فرو شوے ز چشم
وقتِ مشاطگی حسنِ خدا داد آمد

لغت : حسنِ خدا داد" = قدرتی حسن و خوبی ۔

"مشاطگی" = آرائش ۔

ماتم کے عالم میں لوگ روتے ہیں اور رونے سے سرمہ کی سیاہی جاتی رہتی ہے ۔ یوں بھی ماتم میں سرمہ نہیں لگایا جاتا کیونکہ وہ آرائش کی علامت ہوتی ہے ۔

اُٹھ اور ہمارے ماتم میں آنسو بہا کر اپنی آنکھوں سے سُرمے کو

دھو ڈال ، یہ حسن خدا داد کی آرائش کا وقت ہے ، یعنی عالم غم میں محبوب کے غمناک چہرے سے اس کا حسن اور نکھر آتا ہے ۔

مرزا غالب کے تصور حسن میں یہ تصور بہت نمایاں ہے کہ حسن غم کی حالت میں زیادہ نکھر آتا ہے ۔ اس تصور کو انھوں نے اُردو ، فارسی اشعار میں جگہ جگہ اور مختلف صورتوں میں پیش کیا ہے :

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جوں جوں کہ اڑتا جائے ہے

رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتن گل ہائے ناز کا

یعنی محبوب کے چہرے کا رنگ اڑے تو گویا ناز و ادا کے طرح طرح کے پھول کھل گئے ۔

فارسی شعر میں بھی حسن کے عالم ماتم میں اس کے حسن کا قدرتی انداز ابھر آتا ہے ، یعنی ماتم اس کی مشاطگی کرتا ہے اور جب سرمہ دھل جاتا ہے (جو مصنوعی آرائش کا سامان تھا) تو حسن اپنے فطری رنگ میں نمودار ہوتا ہے ۔ اس شعر میں ندرتِ فکر ہے ۔

رفته بودی دگر از جا به سخن سازیِ غیر
منت از بخت که خاموشی ما یاد آمد

لغت : ''از جا رفتن'' = راہ سے بھٹک جانا ۔ دھوکا کھانا ۔

تو نے رقیب کی سخن سازی (خوشامد) کی باتوں سے پھر دھوکا کھایا تھا ، مگر شکر ہے کہ اس کی مصنوعی سخن سازی دیکھ کر

تجھ کو ہماری خاموشی یاد آ گئی ، جس سے تجھے یہ خیال ہوا کہ سچے عاشق منہ سے کچھ نہیں کہا کرتے (حالی) ۔

خشک و تر سوزیِ ایں شعلہ تماشا دارد
عشق یک رنگ کنِ بندہ و آزاد آمد

لغت : ''ایں شعلہ'' = آتش محبت کا شعلہ ۔

''یک رنگ کن'' = ایک رنگ دینے والا ۔ برابر بنا دینے والا ۔

عشق کی آگ کا ، جو خشک و تر دونوں کو جلا دیتی ہے ، نظارہ قابل دید ہے (تماشا دارد) عشق بندہ و آزاد کو یکساں بنا دیتا ہے ۔

شاعر بندۂ اطاعت گزار کے لیے خشک اور آزاد نافرمان کے لیے تر کا لفظ لایا ہے ۔

دید پر ریختہ و از قفسم کرد آزاد
رحم در طینتِ ظالم ، ستمِ ایجاد آمد

اس نے دیکھا کہ میرے پر جھڑ گئے ہیں تو قفس سے مجھے رہا کر دیا ۔ ظالم کے دل میں رحم تو آیا ، لیکن ستمگر بن کے آیا ۔ یعنی قید محبت سے رہا کرنا بھی تو عاشق پر ایک ظلم ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ یہ اب محبت کے قابل نہیں رہا ۔ (یہ رہائی تو قطع تعلق ہوا) :

قطع کیجیے نہ تعلق مجھ سے
دوستی نہ سہی عداوت ہی سہی

بر در یار چه غوغاست ، عزیزاں بروید
خوں بہا مزدِ سبکدستیِ جلاد آمد

لغت : ''سبکدستی'' = چابکدستی ، تیزی کار ، سبک دستی اور چابک دستی میں یہ لطیف فرق ہے کہ سبک دستی میں تیزی اور کام کا حسن اور سلیقہ دونوں شامل ہوتے ہیں ۔

''خوں بہا'' = وہ رقم یا صلہ جو مقتول کے عزیزوں کو قتل کے عوض دیا جائے ۔

جلاد نے عاشق کا خون بہایا اور اس میں بڑی سبکدستی دکھائی جس سے عاشق کو جان دینے میں آسانی ہوئی ۔ اس بات پر محبوب خفا ہوا اور شور مچایا کہ ایسا کیوں ہوا ، وہ تو عاشق کو اذیت دے کر خوش ہونا چاہتا تھا ۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے کہ دوستو ، یار کے دروازے پر کیسا شور و غوغا بپا ہے ۔ میرا خوں بہا جلاد کی سبکدستی کی نذر ہوگیا ، لیکن میرا جان دینا بھی کام نہ آیا ۔

دادہ خونیں نفسی درسِ خیالم غالب
رنگ بر روے من از سیلیِ استاد آمد

لغت : ''سیلیِ استاد'' = استاد کا طمانچہ ۔

پہلے مصرعے کی نثر یوں ہے :

درسِ خیال مرا نفس خونیں داد ، یعنی محبوب کے تصور میں میں نے خونیں سانس بھرے ۔ اس سے چہرے پر سرخی آئی اور یہ سرخی گویا ایسی سرخی تھی جو استاد کے طمانچے سے شاگرد کے چہرے پر آ جاتی ہے ۔

غزل نمبر ۲۶

دوش کز گردش بختم گله بر روئے تو بود
چشم سوے فلک وروے سخن سوے تو بود

کل رات جب میں تیرے سامنے اپنے نصیب کی گردش کا گلہ کر رہا تھا تو میری آنکھ آسمان کی طرف تھی اور باتیں تجھ سے کر رہا تھا ۔

معشوق کے جور و ستم میں عاشق کی بدنصیبی بھی شامل ہے جو آسمان کی طرف سے ملی ہے ۔

آنچه شب شمع گمان کردی و رفتی به عتاب
نفسم پرده کشاے اثر خوے تو بود

رات جس کو تو نے شمع سمجھ لیا اور برہم ہو کر چلا گیا ، وہ شمع نہیں تھی ، وہ میرا سانس تھا ، جس سے تیرے آتشیں مزاج ہونے کا پتا چلتا تھا ۔

عاشق کے گھر میں شمع کہاں ، وہ تو تیری خو کے اثر سے اس کی آتشیں فریادیں تھیں جو شمع کی طرح روشنی کیے ہوئے تھیں ۔

چرخ کج باخت به من ، درخمِ دامِ تو فگند
نعلِ واژونِ بلا حلقهٔ گیسوے تو بود

لغت : ''نعل واژوں'' = ٹیڑھی نعل جو بدبختی کی علامت سمجھی جاتی ہے ۔

آسمان مجھ سے چال چل گیا ، مجھے تیری محبت کے جال میں ڈال دیا ۔ یہ مصیبت کی ٹیڑھی نعل نہیں تھی ، یہ تیری زلفوں کے پیچ و خم تھے ۔

دوست دارم گرہے را کہ بہ کارم زدہ اند
کایں ہماں است کہ پیوستہ در ابروے تو بود

میرے کاموں میں جو گرہ پڑی ہے ، وہ مجھے اس لیے پسند ہے کہ یہ وہی گرہ ہے جو ہمیشہ تیرے ابرو پر پڑی رہتی تھی ۔ ابرو پر گرہ کا ہونا برہمی مزاج کی علامت ہے ۔ کہتا ہے کہ دراصل میری بدبختی کی وجہ یہ ہے کہ تو مجھ سے برہم رہتا تھا ۔

چہ عجب ، صانع اگر نقش دہانت گم کرد
کوُ خود از حیرتیانِ رخِ نیکوے تو بود

لغت : ''صانع'' سے مراد صانع قدرت ۔ خالق ۔

اگر خالق کائنات تیرا دہن بنانا بھول گیا تو کوئی عجیب بات نہیں ، وہ تو تجھے بناتے ہوئے خود تیرے حسین و جمیل چہرے سے حیرت زدہ ہونے والوں میں سے تھا ۔

یعنی صانع ازلی خود تیرے حسن پر فریفتہ تھا ۔

شب چہ دانی ، زتو در بزم بہ خوباں چہ گذشت
خاصہ بر صدر نشینی کہ بہ پہلوے تو بود

تجھے کیا معلوم ، تیری وجہ سے رات محفل میں حسینوں پہ کیا !

گزری ، خاص کر اس صدر نشین پر (جو بزم میں سب سے نمایاں شخصیت سمجھا گیا تھا) جو تیرے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا ۔

مردن و جاں بہ تمنائے شہادت دادن
ہم ز اندیشۂ آزردنِ بازوے تو بود

مرنا اور تمنائے شہادت میں مرنا (جاں دادن) اس لیے تھا کہ مجھے اندیشہ تھا کہ تیرے ہاتھوں شہادت پائی تو تیرے بازو کو تکلیف ہوگی ۔

عاشق اسی لیے معشوق کے ہاتھوں قتل نہ ہو سکا اور شہادت کی تمنا لے کر مرگیا کہ وہ محبوب دست نازک کو زحمت دینا نہیں چاہتا تھا ۔

خلد را از نفس شعلہ فشاں می سوزم
تا ندانند حریفاں کہ سر کوے تو بود

میں اپنے آتشیں سانس سے جنت کو جلا رہا ہوں تا نہ میرے حریفوں کو یہ پتا نہ چلے کہ یہ تیرا کوچہ ہی ہے ۔

روشِ بادِ بہاری بہ گمانم افگند
کایں گل و غنچہ پے قافلۂ بوے تو بود

بہار کی ہوا کی رفتار سے مجھے یہ شبہ ہوا کہ پھولوں اور کلیوں کا ہجوم (جو آمد بہار کا نتیجہ ہے) تیرے قافلۂ بو کے پیچھے چلا جا رہا ہے ۔

یعنی یہ بہار ، یہ بہار کے رنگین پھول ، یہ معطر ہوائیں تیرے ہی حسن کی گرویدہ ہیں اور تیری ہی محبت میں سرشار ہو رہی ہیں ۔ یہ شعر محبوب حقیقی کے بارے میں بھی صادق آتا ہے ۔

به کفِ باد مباد اینهمه رسوائی دل
کآخر از پردگیانِ شکن موے تو بود

لغت : ''پردگی'' = پردہ سے اسم فاعل ، پردہ نشین ۔

ہوا آتی ہے تو اس سے معشوق کی زلفوں کی معطر ہوا ہر طرف پھیل جاتی ہے ، جو معشوق کی شہرت بلکہ بقول عاشق کے ، دل کی رسوائی کا باعث بنتی ہے کیونکہ وہ ان زلفوں کے پیچ و خم میں چھپا بیٹھا ہے ۔

هم از آن پیش که مشاطه بدآموز شود
نقش هر شیوه در آئینۂ زانوے تو بود

لغت : ''مشاطہ'' = آرائش حسن کرنے والی عورت ۔

''بدآموز'' = برا سبق سکھانے والا ۔ ''شیوہ'' = ناز و ادا ۔

''آئینۂ زانو'' = میں اضافت تشبیہی ہے یعنی وہ زانو جو آئینے کی طرح ہے (آئینے کا کام دے رہا ہے) ۔

پیشتر اس کے کہ تجھے مشاطہ ناز و انداز سکھاتی (بدآموزی کرتی) ہر ادا کا نقش تیرے آئینۂ زانو میں موجود تھا ۔

جب انسان ، خیالات میں محو ہوتا ہے تو اس کی نظریں زانو پر لگی ہوتی ہیں ، اور سوچ کے عالم میں خیالات مجسم تصویروں کی طرح اس کے سامنے آتے ہیں (مراد تصورات) ۔

شاعر کہتا ہے کہ پیشتر اس کے کہ مشاطہ تیرے حسن کی آرائش کر کے آسے طرح طرح کے ناز و ادا سکھاتی ، یہ تمام انداز حسن کے تصور میں پہلے سے موجود تھے۔

اس شعر کا خطاب محبوب حقیقی سے بھی ہو سکتا ہے۔

لالہ وگل دمد از طرفِ مزارش پسِ مرگ
تا چہا در دلِ غالب ہوسِ روے تو بود

غالب کے دل میں تیرے چہرے کو دیکھنے کی کس قدر تمنا تھی کہ مرنے کے بعد اس کے مزار کے اطراف میں لالے اور گلاب کے سرخ سرخ پھول پھوٹ پڑے ہیں۔

غزل نمبر ۲۷

گر چنیں نازِ تو آمادۂ یغما ماند
بہ سکندر نہ رسد ہر چہ ز دارا ماند

لغت : ''یغما'' = لوٹ ، مال غنیمت۔

سکندر نے دارا (شہنشاہ ایران) کو شکست دی تھی۔ یہاں سکندر سے مراد ہے بادشاہ فاتح اور دارا سے بادشاہ مفتوح۔ کہتا ہے کہ اگر تیرا ناز حسن یوں ہی لوٹ پر آمادہ رہا تو جو کچھ باقی بچ رہے گا ، وہ سکندر کو بھی نہیں مل سکے گا ، یعنی سب تیری دستبرد کا شکار ہوگا۔

دل و دینے بہ بہاے تو فرستم حاشا
وام گیر آنچه ز بیعانهٔ سودا ماند

میں نے عشق کے سودے میں دل اور دین بطور قیمت کے دے دیے - اگر سودے کے بیعانے میں کچھ رہ گیا ہو تو بطور قرض کے وہ بھی وصول کر لے۔

ہم بہ سوداے تو خورشید پرستم ، آرے
دل ز مجنوں بَرَد آہو که به لیلیٰ ماند

اگر میں آفتاب کی پرستش کروں تو وہ درحقیقت تیری ہی پرستش ہے جیسے مجنوں ہرنوں پر اس لیے فریفتہ تھا کہ ان کی آنکھیں لیلیٰ سے مشابہ تھیں -

باوجودِ تو دم از جلوه گری نتواں زد
در گلستانِ تو طاؤس به عنقا ماند

تیرے موجود ہوتے ہوئے بھی تیرے جلوے سے ہمکنار ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا - تیرے گلستان میں طاؤس بھی عنقا سے ملتا جلتا ہے ، یعنی اس کی کوئی ظاہری صورت نظر نہیں آتی -

شکوهٔ دوست ز دشمن نتوانم پوشید
گر غم ہجر چنیں حوصله فرسا ماند

اگر جدائی کا غم اسی طرح بے صبر کر دینے والا رہا تو دوست کا شکوہ ضبط نہ کیا جا سکے گا ، یہاں تک کہ اس کو دشمنوں سے

بھی نہ چھپا سکوں گا ۔

ساز آوازۂ بدنامی رہزن شدن است
آہ از آن خستہ کہ از پویہ بہ رہ وا ماند

لغت : ''وا ماند'' = تھک کر رہ جائے ۔ ''پویہ'' = چلنا

افسوس اس خستہ تن رہرو پر جو چلتے چلتے راستے میں ہمت ہار کر بیٹھ جائے ۔ یقیناً یہ بات رہزن کی بدنامی کا باعث ہوگی ۔ ایسے مسافر کو رہزن آسانی سے لوٹ سکتا ہے اور مفت میں بدنام ہوتا ہے ۔

بندۂ را کہ بفرمانِ خدا راہ رود
نگذارند کہ در بند زلیخا ماند

جو بندہ فرمان خدا پر چلتا ہے ، وہ زلیخا کی قید و بند میں نہیں پھنستا ۔ یوسف بندۂ حق تھے ، زلیخا کے غلام ہوتے ہوئے بھی آزاد رہے ۔

مہ بباغ از افقِ سرو شبے کرد طلوع
سرو گفتند و بداں ماہ سراپا ماند

لغت : ''ماہ سراپا'' = اسم فاعل ترکیبی ہے ۔ ماہ کے سراپا والا معشوق ۔

ایک رات سرو کے پیچھے سے چاند طلوع ہوا ، سب نے اسے سرو کہا حالانکہ وہ اس ماہ کے جسم رکھنے والے کی طرح تھا ۔

بعد صد شکوه به یک عذر تسلی نشوم
کایں چنیں مہر ز سردی به مدارا ماند

لغت : ''تسلی نشوم'' = میں مطمئن نہیں ہو سکتا ۔

اتنے شکووں کے بعد ایک معذرت سے مجھے کیا اطمینان ہوگا کیونکہ ایسی محبت (مہر) اپنی سرد مہری کے باعث محض ظاہری مدارات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ۔

در بغل دشنه نہاں ساخته غالب امروز
مگذارید که ماتم زده تنہا ماند

آج غالب نے بغل میں خنجر چھپایا ہوا ہے ۔ اس غمزدہ انسان کو اکیلا نہ چھوڑنا (کہیں وہ چپکے سے اپنے آپ کو ہلاک نہ کر لے) ۔

غزل نمبر ۲۸

در کلبۂ ما ، از جگرِ سوخته بُو بُرد
با ما گله سنجید و شماتت به عدو بُرد

لغت : ''شماتت'' = کسی کی بدحالی پر خوش ہونا ۔

ہمارے غریب خانے میں آ سے ہمارے جلے ہوئے جگر کی بو آئی ۔ ہمارے ساتھ تو اس نے اس بات پر گلہ کیا اور ہماری بدحالی پر اپنی خوشی کا اظہار رقیب سے جا کر کیا (کیا ستم ظریفی ہے !) ۔

خواہم کہ بَرَد نالہ غبارم ز دلِ دوست
چوں گریہ تنِ زارِ مرا زآں سرِ کو بُرد

چونکہ میرے رونے سے آنسوؤں کا سیلاب مجھے اُس کے (محبوب کے) کوچے سے بہا کر باہر لے آیا ۔ میں چاہتا ہوں کہ اب فریاد کروں کہ یہ فریاد اس تک پہنچ کر اُس کے دل سے کدورت کو دھو ڈالے ۔

یعنی اس کے پاس رو کر اپنا حال زار تو کہہ نہ سکے ۔ اب فریاد ہی پر دار و مدار ہے کہ شاید اُسے سن کر رحم آ جائے ۔

ہمرہ رودش کوثر وحوراں کہ دمِ مرگ
ذوق مے ناب و ہوسِ رُوے نکو بُرد

جو شخص مرتے وقت ذوق شراب اور حسینوں کی تمنا لے کر اس دنیا سے جاتا ہے ، کوثر اور حوریں اس کے ساتھ ساتھ جاتی ہیں ۔
یعنی یہ دو چیزیں خلد کی سی کیفیت پیدا کرتی ہیں :

ہے خیال حسن میں حسن عمل کا سا خیال
خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا
(غالب)

بستند رہِ جُرعۂ آبے بہ سکندر
دریوزہ گر میکدہ صہبا بہ کدو بُرد

سکندر پر تو ایک گھونٹ پانی کا راستہ بند کر دیا گیا اور میکدے کا گداگر اپنا کدو شراب سے بھر کر لے گیا ۔

"یعنی سکندر کو ایک بے حقیقت پانی کے گھونٹ سے محروم رکھا اور میکدے کا فقیر شراب جیسی نایاب چیز کا تونبا بھر کر لے گیا - مطلب یہ کہ بادشاہوں کو وہ دولت نصیب نہیں جو میکدے یعنی خانقاہ کے ادنیٰ گداؤں کو نصیب ہے -" (حالی)

دی رند بہ ہنگامہ خجل کرد عسس را
مے خورد و ہم از میکدہ آبے بہ سبو برد

لغت: "عسس" = کوتوال جس کے ذمے شراب نوشوں کا مواخذہ ہوتا تھا - "ہنگامہ" = ہنگامۂ میخواراں - شور و شغب -

عسس میخانے میں آتا ہے تو اپنا فرض منصبی بھول کر بزم رنداں کے ہنگامے میں کھو جاتا ہے - شاعر کہتا ہے:

کل رند نے کوتوال کو بہت شرمندہ کیا کیونکہ اس نے شراب پی لی اور پھر جاتی دفعہ پیالے میں تھوڑا سا پانی بھی میخانے سے لے گیا -

تھوڑا سا پانی پیالے میں ڈال کر ہمراہ لے جانے میں لطیف نکتہ یہ ہے کہ ایک تو کوتوال اتنا نشے میں تھا کہ پانی کو شراب سمجھا اور دوسرے یہ کہ جب وہ رندوں کے طعن سے شرمندہ ہوا تو مزید شراب مانگنے کا حوصلہ نہ ہوا ، سوچا تھوڑا سا پانی ہی ساتھ لے جاؤں کہ اس میں شراب کی کچھ تو چاشنی ہوگی -

بر ما غمِ تیمارِ دلِ زار سر آمد
دیوانۂ ما را صنمِ سلسلہ مو ابرد

لغت: "تیمار" = بیمار کی رکھوالی اور غم گساری -

''سرآمد'' = ختم ہو گیا۔ ''سلسلہ مو'' = اسم فاعل ترکیبی ہے۔ پیچ و خم کھائی ہوئی زلفوں والا یعنی محبوب۔ ''سلسلہ'' کے معنی زنجیر کے ہوتے ہیں۔ محبوب کی زلفیں زنجیر کی طرح ہیں، جس میں عاشق دیوانہ گرفتار ہو جاتا ہے۔ ''دیوانہ'' = عاشق کا دلِ دیوانہ۔

اب ہمیں اپنے دل زار کی تیمارداری سے نجات مل گئی ہے، اب اس دیوانے (دل) کو صنمِ سلسلہ مو اسیر کر کے لے گیا ہے۔

ما را نبود ہستی و آو را نبود صبر
دستے کہ زما شست بہ خونِ کہ فرو بُرد؟

لغت: ''دست شستن'' = ہاتھ دھو لینا، دست بردار ہونا۔

ہم میں اب جور و ستم برداشت کرنے کی سکت نہیں (جان نہیں) اور آسے صبر نہیں۔ وہ (محبوب) اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ رشک یہ ہے کہ ہم سے دست بردار ہو کر اب وہ کس کے خون کا پیاسا ہے۔

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا
اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا (غالب)

دلدار تو ہم چوں تو فریبندہ نگارے است
در حلقۂ وفا یک دلم آورد و دو رُو بُرد

معشوق کی طرف خطاب کر کے کہتا ہے کہ تیرا دلدار بھی تیری طرح بڑا دلفریب محبوب ہے۔ وفا مجھے بزم میں لائی تو دل ایک تھا۔ اب جا رہا ہوں تو توجہ دو طرف ہے، یعنی میں بھی تیرے محبوب کے دامِ فریب میں آ گیا ہوں۔

یک گریه پس از ضبط دوصد گریه رضا ده
تا تلخی آں زہر توانم ز گلو بُرد

"جب دو سو دفعہ رونے کو ضبط کروں تو ایک دفعہ تو رونے کی اجازت دے تا کہ ضبط کے زہر کی کڑواہٹ ایک دفعہ رو کر حلق سے دور کر سکوں۔" (حالی)

نازد بہ نکویاں ز گرفتاریِ غالب
گوئی بہ گرو بُرد دلے را کہ ازو بُرد

لغت: "گرو" = رہن ۔ "بہ گرو بردن" = رہن میں لے جانا ۔ خریدنا ۔

معشوق غالب کی گرفتاری محبت پر دوسرے حسینوں میں ناز کرتا ہے جیسے کہ اُس نے غالب سے جو دل لیا تھا ، وہ اس کا خرید شدہ تھا ۔

غزل نمبر ۲۹

ناداں صنمِ من روشِ کار نداند
بر ہر کہ کُند رحم ، سر از بار نداند

میرے بھولے بھالے محبوب کو کام کا سلیقہ نہیں آتا ۔ جس کسی پر رحم کرتا ہے تو اُس کے سر اور اس کے سر کے بوجھ میں فرق نہیں کر سکتا ۔

یعنی بجائے اس کے کہ کسی شخص پر رحم کر کے اس کے سر

کا بوجھ ہلکا کرے ، اس کا سر آتار کر رکھ دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ آس کا بوجھ ہلکا ہوگیا ۔

معشوق کی ستم ظریفی کو بڑے لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے ۔

بے دشنہ و خنجر نبود معتقدِ زخم
دل ہائے عزیزاں بہ غم افگار نداند

عزیزاں سے مراد محبوب کے چاہنے والے ۔ ''افگار'' = زخمی ۔

وہ صرف تلوار اور خنجر ہی کے زخم کو مانتا ہے ۔ اور کسی زخم کا قائل نہیں ۔ آس کے چاہنے والوں کے دل جو غم سے زخمی ہیں ، آنھیں وہ تسلیم ہی نہیں کرتا ۔

بر تشنہ لبِ بادیہ سوزد دلش از مہر
اندوہِ جگر تشنۂ دیدار نداند

بیاباں میں پیاسے رہرو پر اس کا جی جلتا ہے ، لیکن دیدار کے پیاسے (عاشق) کے جگر کے غم کو نہیں جانتا ۔

گویم سخن از رنج و بہ راحت کندش طرح
روزِ سیہ از سایۂ دیوار نداند

میں آس سے اپنے دکھ کی بات کرتا ہوں تو وہ آسے راحت سمجھ لیتا ہے ۔ وہ سیہ دن اور سایۂ دیوار میں فرق نہیں کرتا ۔ سایۂ دیوار بھی سیاہ ہوتا ہے ، لیکن وہ راحت کی نشانی ہے اور دن کا سیہ ہونا درد و الم کی علامت ہے ۔

دل را به غم آتش کدۂ راز نسنجد
دم را به تفِ نالہ شرر بار نداند

وہ اندازہ نہیں کر سکتا کہ عاشق کا دل غم سے آتشکدہ بن جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ عاشق کا سانس ، آتشیں فریادیں کرتا ہے۔

عنوان ہواداریِ احباب نبیند
پایانِ ہوسناکیِ اغیار نداند

اسے سچے دوستوں کی خیر خواہی کی پہچان نہیں - اسے رقیبوں کی ہوس ناکی کا انجام بھی معلوم نہیں ، یعنی سچے عاشق مخلص اور وفادار ہوتے ہیں اور ہوس پرستوں کی محبت محض ہوس رانی تک محدود رہتی ہے۔

دشوار بود مُردن و دشوار تر از مرگ
آنست کہ من میرم و دشوار نداند

بے شک مرنا دشوار ہے ، لیکن موت سے زیادہ مشکل یہ ہے کہ میں مر جاؤں تو وہ میرا مرنا دشوار نہیں سمجھتا ہے (یہ اس کی ستم ظریفی ہے) -

دانم کہ ندانست و ندانم کہ غمِ من
خود کمتر از آن است کہ بسیار نداند

میں یہ جانتا ہوں کہ اسے میرے غم کا پتا نہیں ، لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ میرا غم ابھی اس مقام پر نہیں آیا جس میں زیادہ ہونے

کی گنجائش نہیں ہوتی ۔

از ناکسیِ خویش چه مقدار عزیزم
در عربده خوارم کند و خوار نداند

میں ناکسی کی وجہ سے کتنا باعزت ہوں کہ وہ مجھے محبت کی کشمکش میں ذلیل و خوار کرتا ہے ، لیکن پھر ذلیل و خوار بھی نہیں سمجھتا ۔ وہ دل سے مجھے عزیز جانتا ہے ۔

گردم سر آوازۂ آزادگیِ خویش
صد ره نهدم بند و گرفتار نداند

میں اپنی آزادہ روی کے لیے مشہور ہوں ۔ میں اپنی اس آزادگی کی شہرت پر قربان جاؤں ۔ وہ (محبوب) مجھے سو طرح سے اسیر کرتا ہے اور پھر بھی اسیر نہیں سمجھتا ۔

آزادگی پر قربان جانے کی وجہ یہ ہے کہ معشوق کے عاشق کو دام محبت میں لانے کا ہر نیا انداز عاشق کے لیے لذت بخش ہے ۔

فصلے ز دل آشوبیِ درماں بسرائید
تا چند بخود پیچم و غمخوار نداند

میرے غم خوار کو میری حالت زار کا پتا ہی نہیں ۔ آخر میں کب تک اپنے آپ میں پیچ و تاب کھاتا رہوں گا ۔ درماں سے جو دل کو پریشانی ہوتی ہے اسی کا کوئی تذکرہ کرو ۔ (شاید اسی سے دل کو کوئی آسائش ہو کہ میرا یہ درد و غم لاعلاج ہے) ۔

پیمانہ بر آں رند حرام است کہ غالب
در بیخودی اندازۂ گفتار نداند

اے غالب جام شراب اس شخص کے لیے حرام ہے جو مستی اور بے خودی کے عالم میں آداب گفتگو کو بھول جائے اور بیہودہ گفتاری پر اتر آئے ۔

غزل نمبر ۳۰

خوشم کہ گنبدِ چرخِ کہن فرو ریزد
اگرچہ خود ہمہ بر فرقِ من فرو ریزد

اگر گنبد چرخِ کہن گر پڑے تو میں خوش ہوں گا ، خواہ وہ وہ میرے ہی سر پر کیوں نہ آ گرے ۔

بریدہ ام رہ دورے کہ گر بیفشانم
بجاے گرد رواں از بدن فرو ریزد

مولانا حالی یوں شرح کرتے ہیں :

”میں نے ایسی راہ دراز طے کی ہے کہ اگر بدن کو جھاڑوں تو گرد کی جگہ جان بدن سے جھڑ جائے ۔ یہ تمثیل ہے اس محنت و مشقت کی جو فکر شعر اور تکمیل فن سخن میں قائل نے کی ہے ۔“

ز جوش شکوۂ بیداد دوست می ترسم
مباد مہرِ سکوت از دہن فرو ریزد

ایک معقول (لطیف) بات کو محسوسات کے لباس میں ظاہر کیا

ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کے شکوے سے اس قدر بھرا ہوا ہوں کہ اُس کو ضبط نہ کر سکوں ، مگر اس کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اس کی بیداد کا شکوہ ، دل سے اس جوش کے ساتھ اُبلا ہے کہ منہ پر مہر سکوت لگی ہوئی ہے ۔ کہیں اس کے ریلے میں بہہ نہ جائے (حالی) ۔

دهد به مجلسیان باده و به نوبت من
به من نماید و در انجمن فرو ریزد

محفل میں بیٹھنے والوں کو شراب دیتا ہے اور میری باری جب آتی ہے تو مجھے دور سے دکھاتا ہے اور شراب زمین پر گرا دیتا ہے ۔

مرا چه قدر بکوے که نازنینان را
غبار بادیه از پیرهن فرو ریزد

اس کوچے میں میری کیا قدر ، جہاں نازنینوں کے لباس سے جنگل کا گرد و غبار جھڑ جاتا ہے ۔

زخارِ خارچنیں کس چه نالمے که خسک
به رختِ خواب گل و یاسمن فرو ریزد

ایسے شخص کی خو کی خلش سے کیا شکایت جو گل و یاسمن کے بستر میں کانٹے چبھوئے ، یعنی محبوب نازک اندام و حسین کے جور و ستم بھی پر لطف ہیں ۔

مکن بہ پرسشم از شکوہ منع کیں خونے است
کہ خود ز زخم دمِ دوختن فرو ریزد

میرا حال پوچھ کر مجھے شکوہ کرنے سے مت روک ۔ یہ وہ خون ہے جو زخم کو سیتے وقت ، زخم سے خود بہہ جاتا ہے ۔ پرسش حال کو زخم کے سینے اور شکوے کو خون کے بہنے سے تشبیہ دی ہے ، جو بہت خوبصورت ہے ۔

بہ من بساز و بداں غمزہ مے بہ جام مریز
کہ ہوشم از سر و تابم زتن فرو ریزد

میرے ساتھ آشتی سے پیش آ اور ان کیف آور نظروں سے (غمزہ) سے جام میں شراب نہ انڈیل کیونکہ اس سے میرے سر سے ہوش اور تن سے تاب و تواں جاتے رہتے ہیں ۔

بہ ذوقِ بادہ ز بس آب در دہن گردد
مے نخوردہ مرا از دہن فرو ریزد

شراب کی لذت کو یاد کر کے میرے منہ میں پانی بھر آتا ہے ۔ گویا جو شراب میں نے نہیں پی ، وہ میرے منہ سے بہہ رہی ہے ۔

بترس از آنکہ بہ محشر ز طرۂ طرار
دل شکستہ ام از ہر شکن فرو ریزد

اس بات سے ڈر کہ قیامت کے دن تیری خمدار زلفوں کے ہر

پیچ و خم سے میرے ٹوٹے دل کا ایک ٹکڑا نیچے گرے گا۔

قیامت کے روز معشوق کی زلفوں کے دم خم جاتے رہیں گے اور ان میں اٹکے ہوئے دل باہر آ جائیں گے اور معشوق کا مواخذہ ہوگا۔

روا ست غالب اگر دُر قائلش گوئی
که ازلبش ز روانی سخن فرو ریزد

اے غالب معشوق کے لبوں سے گفتگو کی روانی میں جو باتیں ٹپکتی ہیں، اگر تو انہیں بولتے ہوئے کہے تو بجا ہوگا۔

غزل نمبر ۳۱

اگر بدل نه خلد هر چه از نظر گذرد
خوشا روانی عمرے که در سفر گذرد

''عمر کا سفر میں گزرنا نہایت عمدہ ہے، بشرطیکہ جو کچھ نظر سے گزرے، اس پر انسان فریفتہ نہ ہو جایا کرے۔'' (حالی)

بوصل لُطف باندازۂ تحمل کن
که مرگ تشنه بود آب چوں ز سر گذرد

وصل کی حالت میں مہربانی اس قدر زیادہ نہ کر کہ میں اس کی خوشی برداشت نہ کر سکوں اور خوشی کے مارے مر جاؤں کیونکہ پیاسے کے لیے وہ پانی موت ہوتا ہے جو سر سے گزر جائے۔

هلاک نالۂ خویشم کہ در دلِ شب ہا
تَدوَد بہ عربدہ چندانکہ از اثر گذرد

میں اپنے ہی نالے کا مارا ہوا ہوں جو آدھی رات کو بے اثر ہونے لگتا ہے تو مجھ سے الجھتا ہے اور میری ہلاکت کا سامان بن جاتا ہے۔

بے اثر فریادیں، فریاد کرنے والے ہی کے لیے سامان بربادی ہیں۔

ازیں آریب نگاہاں حذر کہ ناوکِ شاں
بہ ہر دلے کہ رسد راست از جگر گذرد

ان ترچھی نگاہ والوں سے ڈر کہ ان کا تیر جس دل پہ پڑتا ہے، وہاں سے سیدھا جگر سے گزرتا ہے۔

نفس ز آبلہ ہائے دلم بر آرد سر
چنانکہ رشتہ در آمودن از گہر گذرد

میرے دل کے چھالوں سے میرا سانس یوں ابھرتا ہے جس طرح موتی پروتے وقت دھاگا موتیوں سے گزر کر باہر آتا ہے۔ آبلے کو موتی سے تشبیہ دی ہے۔ شعر محاکاتی منظر پیش کرتا ہے۔

حریفِ شوخیِ اجزائے نالہ نیست شرر
کہ آں بروں جہد ویں زخارہ در گذرد

شرر ہمارے نالوں کی شوخی اور تیزی کا مقابل نہیں ہو سکتا کہ

شرر تو پتھر سے اُبھر کر باہر آتا ہے اور ہمارا نالہ سخت پتھر میں شگاف کر کے گزر جاتا ہے۔

کند خدنگِ تو قطعِ خصومت من و غیر
مرا خود از دل و آو را ہم از نظر گذرد

تیری نگاہوں کے تیر سے ، میری اور رقیب کی باہمی دشمنی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تیر میرے دل سے گزر جاتا ہے اور رقیب کی نظر کے سامنے سے۔

سچا عاشق تو شہید نظر ہو جاتا ہے اور رقیب جو محض محبت کا مدعی ہے ، معشوق کی نگاہوں کو دیکھتا ہے اور بے اثر رہتا ہے۔

ز شعلہ خیزی دل بر مزار ما چہ عجب
کہ برق ، مرغِ ہوا را ز بال و پر گذرد

ہمارے دل سے جو شعلے اُبھر رہے ہیں اور مزار پر نمایاں ہیں ، کوئی عجب نہیں کہ اُن کی برق پاشی مرغ ہوا کے بال و پر میں سے گزر جائے۔

مرغِ ہوا میں اضافت ، اضافت تشبیہی ہے بلکہ استعارے کی ہے۔ (جیسے مرغ دل) یعنی خود ہوا۔

مرنے کے بعد بھی عاشق کے دل سے ایسے شعلے ابھرتے ہیں کہ ہوا بھی جل جائے۔

شکست ما بہ عدم نیز ہمچناں پیدا است
بہ صورت سر زلفے کہ از کمر گذرد

شعراء معشوق کی کمر کو اتنا باریک کہتے ہیں کہ گویا وہ ہے

ہی نہیں ، عدم ہے ۔

معشوق کی زلف شکن در شکن ہوتی ہے اور شکست اور شکن میں مماثلت معنوی ہے ، اس لیے شاعر نے اپنی حالت شکستگی کو زلف کے مشابہ کہا ہے ۔

کہتا ہے کہ عدم میں بھی ہماری شکستگی کا یہ عالم ہے جیسے معشوق کی زلف اس کی کمر (عدم) سے گزر جائے اور اس کے پیچ و خم بدستور قائم رہیں ۔

خوشا گلے کہ بہ فرقِ بلند بالائیست
دمد ز شاخ و ازیں سبز کاخ در گذرد

لغت : ''سبز کاخ'' = کاخ سبز یعنی فلک ۔

اس بلند بالا معشوق کے سر پر ٹکا ہوا پھول کتنا خوش نصیب ہے کہ شاخ سے پھوٹا اور آسمان کی بلندیوں سے گزر گیا ۔

دماغِ محرمی دل رساندن آساں نیست
چہا کہ بر سرِ خارا ز شیشہ گر گذرد

لغت : ''دماغ رساندن'' = سرخوش وشگفتہ شدن ۔ سرخوش ہونا ۔
''محرمی دل'' = عرفان دل ۔ معرفت ۔

عرفان دل کی لذت سے آشنا ہونا آسان نہیں ۔ دیکھ کہ شیشہ گر کے ہاتھوں سخت پتھر پر کیا گزرتی ہے ۔ شیشہ پتھر کو پگھلا کر بناتے ہیں اور اس کے لیے پتھروں کو کئی بار گداز کیا جاتا ہے ۔ جب جا کے اس میں شیشے کی سی حالت پیدا ہوتی ہے ۔ دل میں

معرفت کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے بھی سخت مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔

حریفِ منتِ احباب نیستم غالب
خوشم کہ کار من از سعیِ چارہ گر گذرد

غالب میں احباب کے احسان اٹھانے کی تاب نہیں۔ میں خوش ہوں کہ اب میرا معاملہ کسی چارہ گر کی کوشش کا محتاج نہیں رہا۔

درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا (غالب)

غزل نمبر ۳۲

شوخیِ چشم حبیب، فتنۂ ایام شد
قسمتِ بختِ رقیب، گردشِ صد جام شد

"محبوب کی آنکھوں کی شوخی فتنۂ ایام بن گئی۔ اس رقیب کے نصیبے میں سو جام کی گردش آ گئی ہے۔"

محبوب کی شوخ نظریں ہر ایک پر پڑ رہی ہیں اور فتنے پیدا کرتی چلی جا رہی ہیں، جس طرح کسی محفل رنداں میں گردش جام سے ہنگامہ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر سو جام بیک وقت گردش کرنے لگیں تو کیا قیامت کا ہنگامہ ہوگا۔ رقیب جو محبوب کی نظروں پر فریفتہ ہے اس کا کیا حشر ہوگا، کہاں تک اس کی ہرجائی نظروں کے ساتھ ساتھ گھومے گا۔ گویا اس کے نصیب میں اب گردش جام آ گئی ہے۔

تا تو به عزم حرم ناقه فگندی به راه
کعبه ز فرشِ سیاه مردمک احرام شد

لغت : ''مردم یا مردمک'' = آنکھ کی پتلی جو سیاہ ہوتی ہے ۔
''احرام'' = وہ چادر جو زائرین کعبہ طواف کعبہ کے وقت پہنتے ہیں ۔

''مردمک احرام'' = جس نے آنکھ کی پتلی کا احرام پہنا ہو ۔
جب تو نے حرم کے ارادے سے اپنی اونٹنی کو چلایا ، کعبے نے اپنے سیاہ فرش کو اپنی آنکھوں کا احرام بنا لیا ۔ یعنی تو نے کعبے کا رخ کیا تو کعبے نے تیرے انتظار اور استقبال کے لیے اپنی آنکھوں کو تیرا فرش راہ بنا لیا ۔ رسول پاکؐ کی طرف اشارہ ہے ۔

پیچ و خم دستگاہ کرد فزوں حرص و جاہ
ریشه چوں آمد بروں ، دانۂ ما دام شد

لغت : ''دستگاہ'' = اثاثہ ، مال و دولت ، سرمایہ ۔

مال و زر انسانی زندگی میں الجھنیں پیدا کرتا ہے ، اس لیے شاعر نے اس کے لیے پیچ و خم کے الفاظ استعمال کیے ہیں ۔

ایک دانے سے جب زمین میں جڑیں پھوٹتی ہیں اور وہ پھلنے پھولنے لگتا ہے تو اس سے کتنے دانے پھوٹ پڑتے ہیں ۔ یہی حال دولت کا ہے ، تھوڑی سی ہو تو انسان لالچ اور حرص اسے بڑھانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے ۔ یہاں تک کہ وہ اس کے لیے وبال ہو جاتی ہے ۔ کہتا ہے :

انسانی دولت کی الجھنوں نے حرص جاہ کو اور بھی زیادہ

کر دیا ۔ دانے سے جب جڑیں نکلیں تو وہ پھیل کر دام بن گئیں جس میں ہم الجھ گئے ۔

هست تفاوت بسے ہم ز رطب تا نبیذ
لذتِ دیگر دهد بوسه چو دشنام شد

لغت : ''رطب'' = کھجور ۔ ''نبیذ'' = کھجور سے تیار شدہ شراب ۔ ''دشنام'' = گالی ۔

کھجور کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے اور نبیذ میں کڑواہٹ ہوتی ہے ۔ اسے معشوق کے بوسے اور دشنام سے تشبیہ دی گئی ہے ، جو بہت لذیذ تشبیہ ہے ۔ کہتا ہے اگرچہ نبیذ کھجور ہی سے بنتی ہے لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے ۔ معشوق کے لبوں کا بوسہ رطب ہے لیکن جب اس کے شیریں لبوں پر گالی آتی ہے تو وہ اور ہی مزہ دیتی ہے ۔ وہ تلخ ہونے کے باوجود زیادہ لذیذ اور کیف آور ہوتی ہے جیسے نبیذ رطب سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے ۔

اے که ترا خواستم لب ز مکیدن فگار
خود لبم اندر طلب خستهٔ ابرام شد

لغت : ''مکیدن'' = چوسنا ۔ ''فگار'' = زخمی ۔
''ابرام'' = اصرار ۔ ''خستہ'' = تھکا ماندہ ۔ اس کا ایک مفہوم زخمی کا بھی ہے ، یہاں اسی رعایت سے آیا ہے ۔

یعنی میں تو تیرے لبوں کو چوس چوس کر زخمی دیکھنا چاہتا تھا لیکن ہوا یہ کہ اس خواہش کو پورا کرنے کی کوشش میں میرے پیہم اصرار سے میرے اپنے لب ہی زخمی ہوگئے اور وہ خواہش پوری نہ ہوئی ۔

گر ہمہ مہری برو ، ور ہمہ چشمی بخسپ
صبحِ امید مرا روزِ سیہ شام شد

لغت : ''مہر'' = سورج ۔ ''مہری'' = مہر ہستی ، یعنی تو سورج ہے ۔ ''ہمہ'' = سرتاپا ۔

سورج آتا ہے تو روشنی لاتا ہے ، شام ہوتی ہے تو لوگ آنکھیں بند کر کے سو جاتے ہیں ۔ کہتا ہے :

اگر تو سراپا سورج ہے تو لوٹ جا اور اگر تو سربسر آنکھ ہے تو اسے بند کر لے (سو جا) کیونکہ میرے روز سیاہ نے میری صبح کو شام بنا دیا ہے ۔

(''روز سیاہ'' بدبختی کی علامت ہے) ۔ ایک بدنصیب عاشق کے لیے حسن کے درخشاں جلوے اور شوق انگیز نظریں بے اثر ہیں ۔

سادہ دلم در امید ، خشمِ تو گیرم بہ مہر
بوسہ شود در لبم ہر چہ ز پیغام شد

امیدیں باندھنے میں میں بہت سادہ دل واقع ہوا ہوں ۔ تیرے غصے کو بھی نرمی اور مہربانی سمجھ لیتا ہوں (اور تجھ سے امیدیں وابستہ کر لیتا ہوں) ۔ چنانچہ تیری طرف سے جیسا کچھ پیغام (تلخ) بھی آئے ، وہ میرے لبوں پہ آ کر بوسے کا مزہ دیتا ہے ۔

ہمچو خسے کش شرر چہرہ کشائی کند
صورتِ آغاز ما معنیِ انجام شد

لغت : ''خس'' = تنکا ۔ ''چہرہ کشائی کند'' = ظاہر کرتا ہے ، نمایاں کرتا ہے ۔

صورت ظاہری شے ہے اور معنی ، یعنی حقیقت اس کی ضد ہے ۔
اسی طرح آغاز اور انجام کے الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں ، جس سے
شعر میں صنعت تضاد پیدا ہوگئی ہے ۔ تنکا ایک کم مایہ شے ہے ،
اس کی حیثیت اس وقت کھلتی ہے جب اسے چنگاری دکھائی جائے ۔ یہی
حال انسانی زندگی کا ہے کہ ظاہر میں ایک تنکا اور حقیقت میں رقص
شرر دنوں ہی کچھ نہیں ۔

یہ شعر انسانی زندگی کی واضح تصویر ہے ۔

دیگرم از روزگار شکوه چه در خور بود
ناله شرر تاب شد ، اشک جگر فام شد

لغت : ''چہ در خور بود'' = کیا مناسب ہوگا ۔ اس میں چہ کا
استفہام ، استفہام انکاری ہے ۔ یعنی مناسب نہیں ۔

کہتا ہے کہ اب میرے لیے زمانے کی شکایت کرنا مناسب نہیں ۔
کیونکہ اب میری فریادیں آگ برسا رہی ہیں اور آنسوؤں میں خونِ جگر
بہہ رہا ہے؛ دونوں کامیاب ہیں ۔

اے شدہ غالب ستارے ، دشمنیِ بخت بیں
خود صفتِ دشمن است آنچہ مرا نام شد

''خود'' کا لفظ شعر میں زور بیان کے لیے آیا ہے ، اس کا
لفظی ترجمہ اردو میں نہیں ہو سکتا ۔ ''خود صفت دشمن است'' یہ تو
میرے دشمن کی صفت ہے ۔

کہتا ہے میری بدبختی دیکھ ۔ تو ''غالب'' کی تعریف کر رہا
ہے ، جو میرا نام ہوگیا ہے ۔ وہ تو میرے دشمن کی تعریف ہے ۔

یعنی اصل میں میرا دشمن غالب ہے اور میں فقط نام کا غالب ہوں ۔

غزل نمبر ۳۳

نیست وقتے کہ بما کاہشے از غم نرسد
نوبتِ سوختنِ ما بہ جہنم نرسد

لغت : ''کاہش'' = گھٹنا ، نقصان ، ضرر ۔ مصدر کاہیدن سے اسم مصدر ہے ۔

کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا جب ہمیں غم کے ہاتھوں کوئی ضرر نہ پہنچے ۔ ہمارے جلنے کی باری دوزخ تک نہیں پہنچتی ۔

یعنی ہم غم کی آگ میں اس طرح پیہم جلتے رہتے ہیں کہ جہنم کو جلنے کا موقع ہی نہیں ملتا ۔

'دوری درد ز درمان نشناسی ، 'ہشدار
کز تپیدن دلِ افگار ، بہ مرہم نرسد

تجھے یہ اندازہ نہیں کہ درماں سے درد کتنا دور ہوتا ہے ۔ یاد رکھ ، زخمی دل تڑپ تڑپ کر بھی مرہم تک نہیں پہنچتا ۔

یعنی دل کی تڑپ خود بخود نہیں رکتی جب تک اُس کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو ۔

مے بہ زہاد مکن عرض کہ ایں جوہرِ ناب
پیش ایں قوم بہ شورابۂ زمزم نرسد

لغت : ''زہاد'' = زاہد کی جمع ۔ ''عرض مکن'' = پیش نہ کر ۔

''شورابہ'' = تلخ پانی ۔

زاہدوں کو شراب کیوں پیش کرتا ہے ۔ یہ جوہر ناب تو اس گروہ کے نزدیک زمزم کے تلخ پانی کے برابر نہیں ۔

یعنی زاہد لوگ شراب سی قیمتی شے کی قدر و قیمت کیا جانیں ۔ یہ تو زمزم ہی کے پانی کو بہترین شے سمجھتے ہیں ۔

''قوم'' اور ''شورابہ'' کے الفاظ میں جو لطیف طنز پوشیدہ ہے وہ ذوقِ سلیم رکھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں ۔

خواجہ فردوس بہ میراث تمنا دارد
وائے گر در روشِ نسل بہ آدم نرسد

سولانا حالی فرماتے ہیں :

''خواجہ کا لفظ فارسی میں اکثر ایسے مقام پر بولتے ہیں جیسے طنز کے موقع پر اردو میں تیسرے شخص کے لیے آپ یا حضرت بولتے ہیں ۔ کہتا ہے کہ آپ آدم کی میراث میں فردوس کے طلب گر ہیں ، بڑا مزہ ہو اگر آپ کا سلسلۂ نسب آدم تک نہ پہنچے ۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے اخلاق و عادات انسانیت سے اس قدر بعید ہیں کہ ممکن ہے آدم کی نسل سے نہ ہوں ۔

صلہ و مُزد میندیش کہ در ریزشِ عام
لالہ از داغ و گل از چاک بہ شبنم نرسد

لغت : ''مُزد'' و ''صلہ'' = یعنی کام کی مزدوری اور اجرت ۔

کہتا ہے کہ انسان کو زندگی میں جو کچھ میسر آتا ہے ، یہ

نہ خیال کر کہ اُس کی محنت یا کسی استحقاق کا صلہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا فیض تو فیضِ عام ہے (ریزشِ عام) ہے ۔ اگر لالے اور گلاب کے پھول پر شبنم ٹپکتی ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ لالے کے دل میں داغ ہے اور گل کا سینہ چاک ہے ۔ یہ ذات باری تعالیٰ کی بخشش عام ہے ۔

بہرہ از سرخوشیم نیست، دماغم عالی است
بادہ گر خود بود از میکدۂ جم نرسد

مجھے قدرت نے عالی دماغی دی ہے ، اسی بنا پر مجھے سرخوشی اور سرشاری سے کوئی حصہ نہیں ملا ۔ اگر میخانۂ جمشید کی شراب بھی ہو تو مجھے میسر نہیں آئے گی ۔

جمشید ایران کا ایک مشہور بادشاہ گزرا ہے ، جس کے عیش و عشرت کی داستانیں مشہور ہیں ۔ جام جم بھی اسی سے منسوب ہے ۔ جم کا لفظ اگر جام کے ساتھ آئے تو مراد جمشید اور اگر خاتم (انگوٹھی) کے ساتھ آئے تو مراد حضرت سلیمان ہیں ۔

ہرچہ بینی بہ جہاں حلقۂ زنجیرے ہست
ہیچ جا نیست کہ ایں دائرہ باہم نرسد

زنجیر میں کئی ایک حلقے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں اور پیوست ہو کر مسلسل ایک زنجیر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ۔ کہتا ہے :

اس کائنات میں جو کچھ تو دیکھتا ہے ، حلقۂ زنجیر ہے ۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں یہ دائرہ باہم ملا ہوا نہ ہو ۔

یعنی کائنات کی ہر شے ایک نظام میں منسلک ہے اور اس نظام سے باہر نہیں جا سکتی -

فرخا لذت بیداد کزیں راھگذر
بہ کساں می رسد آنکس کہ بہ خود ہم نرسد

معشوق کو دوسروں پر بیداد کرنے سے لذت حاصل ہوتی ہے اور اس سلسلے میں وہ ہر کس و ناکس تک پہنچتا ہے ، حالانکہ اسے اپنے آپ تک رسائی حاصل نہیں - یعنی اپنے سے بے پروا اور بے نیاز ہے ، لیکن دوسروں پر ستم ڈھانے کے لیے وہاں پہنچتا ہے اور اس میں اس کی توجہ کا پہلو نکل آتا ہے - شاعر کے نزدیک معشوق کی یہ لذت بیداد بڑی اچھی شے ہے کہ اس کی وساطت سے معشوق سے واسطہ پیدا ہو جاتا ہے -

ھر کجا دشنۂ شوقِ تو جراحت بارد
جز خراشے بہ جگر گوشۂ ادہم نرسد
طوبیِ فیضِ تو ھر جا گل و بار افشاند
جز نسیمے بہ پرستشگہِ مریم نرسد

لغت : ''جگر گوشۂ ادہم'' = یعنی ابراہیم ادہم -

یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں :

ابراہیم بن ادہم کو ان زخموں سے جو تیرے شوق کی چھری برساتی ہے ، ایک خراش سے زیادہ نہیں پہنچتی اور جو پھول اور پھل تیرے فیض کے نخل طوبیٰ سے جھڑتے ہیں ، ان میں سے صرف ایک ہوا کا جھونکا محراب مریم تک پہنچتا ہے -

ابراہیم ادہم، بلخ کے بادشاہ تھے - بادشاہت چھوڑ کر فقر اختیار کیا - آن کا شمار اولیاے کبار میں ہوتا ہے - ذات الٰہی کا یہ ادنیٰ کرشمہ تھا جو ابراہیم بن ادہم کی ذات میں نمایاں ہوا، یعنی آنھیں محبوب حقیقی سے ایک خراش نصیب ہوئی - اور حضرت مریم کو جو مقام نصیب ہوا وہ فیضان الٰہی کی ایک ادنیٰ سی جھلک تھی -

سوزد از تابِ سمومِ دم گرمم غالب
دل گرش تازگی از اشک دما دم نرسد

اے غالب اگر آنسوؤں کے پیہم بہنے سے دل کو تازگی نہ پہنچتی رہے تو وہ میری سموم جیسی گرم آہوں سے جل جائے -

غزل نمبر ۴۴

آزادگی است سازے، اما صدا ندارد
از ہر چہ در گذشتیم آواز پا ندارد

لغت: ''آزادگی'' = دنیا کے علائق سے آزاد ہو جانا -

آزادگی ایک ساز ہے لیکن اس میں آواز نہیں - جو کچھ ہم نے ترک کر دیا، آس کے جانے سے آواز پا بھی بلند نہ ہوئی - یعنی علائق دنیا سے آزاد ہونے والے بظاہر دنیا میں ہوتے ہیں لیکن پھر بھی دنیا سے آزاد ہوتے ہیں اور کسی کو اس کا پتا نہیں چلتا -

عشق است و ناتوانی، حسن است و سرگرانی
جور و جفا نتابم، مہر و وفا ندارد

اِدھر عشق ہے اور میری ناتوانی، اُدھر حسن ہے اور اس کا غرور و نخوت۔ میں جور و جفا کی تاب نہیں لا سکتا اور وہ مہر و وفا سے عاری ہے۔

فارغ کسے کہ دل را با درد وا گذارد
کشت جہاں سراسر داروگیا ندارد

آسودہ حال ہے وہ شخص جو اپنے دل کو درد کے سپرد کر دے کیونکہ دنیا کے کھیت میں کوئی دوا کی بوٹی نہیں ہے، جو درد کو شفا دے سکے۔

درہم فشار خود را تا در رسد دماغے
در بزمِ ما ز تنگی پیمانہ جا ندارد

لغت: ''فشاردن یا فشردن'' = نچوڑنا۔

''درہم فشار خود را'' = اپنے آپ ہی کو بھینچ کر اپنا رس نکال لے تاکہ تجھے سرخوشی اور سرمستی حاصل ہو۔ ہماری محفل میں تو تنگی کے باعث پیمانے کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

اے سبزۂ سرِ رہ از جورِ پا چہ نالی
در کیش روزگاراں گل خوں بہا ندارد

اے سر راہ اُگنے والی گھاس تو کیا شکایت کر رہی ہے کہ

راہرو تجھے پاؤں تلے کچلتے چلے جاتے ہیں ۔ زمانے کے دستور میں پھول کے خون ہونے کی بھی کوئی قیمت نہیں ۔

صدره دریں کشاکش بگذشته در ضمیرش
رنجور عشق گوئی آہِ رسا ندارد

لغت : ''ضمیرش'' = کی ش کا مرجع معشوق ہے ۔ معنی ہیں اس کا ضمیر ، اس کا دل ۔

تو سمجھتا ہے کہ بیمار عشق کی آہ ، آہِ رسا نہیں ہوتی ۔ یہ آہ تو کشمکش ضبط میں اس کے (معشوق کے) دل میں سے گزر چکی ہے ۔

آہ کا اثر ضرور ہوتا ہے خواہ ظاہر نہ ہو ۔

هر مطلعے که ریزد از خامه ام ، فغانیست
جز نغمۂ محبت سازم نوا ندارد

جو مطلع بھی میرے قلم سے ٹپکتا ہے وہ ایک فریاد ہے ، میرے ساز میں نغمۂ محبت کے سوا اور کوئی آواز (نوا) نہیں ۔

جاں در غمت فشاندن مرگ از قفا ندارد
تن در بلا فگندن ، بیم بلا ندارد

تیرے غم میں جان نثار کرنے کا نتیجہ موت نہیں اور تن کو مصیبت میں ڈالنے سے کسی مصیبت کا ڈر نہیں ہوتا ، یعنی محبت کا کوئی دکھ ، دکھ نہیں ہوتا ۔

بر خویشتن به بخشا ، گفتم ، دگر تو دانی
دارم دلے که دیگر تاب جفا ندارد

میں نے تو تجھے کہہ دیا کہ (مجھ پر نہیں) تو اپنے آپ ہی پر رحم کھا ۔ آگے تجھے اختیار ہے ۔ میرے دل میں تو جفا کے صدمے اٹھانے کی اب بالکل تاب نہیں ۔

کشتن ، چنانکه گوئی ، نشناخت است ما را
ہے ناتمام لطفے کز شکوہ وا ندارد

جیسا کہ تو کہتا ہے ، ہمیں مار ڈالنے پر کسی نے ہم کو نہیں پہچانا کہ یہ کون تھا ۔ افسوس یہ ایک ایسا لطفِ ناتمام ہے کہ جس کی شکایت کی بھی گنجائش نہیں ۔ (شکایت کرے تو کون کہ شکایت کرنے والے نے تو جان دے دی ہے) ۔

مہرش ز بے دماغی ماناست با تغافل
یا رب ستم ، مبادا بر ما روا ندارد

اس کی مہربانی اور محبت بھی اس کی بے التفاتی اور روکھے پن کے باعث تغافل سے ملتی جلتی ہے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اب ہم پر ستم کرنا بھی روا نہ سمجھے ۔

چشمے سیاہ دارد یعنی بما نہ بیند
روے چو ماہ دارد ، اما بہ ما ندارد

لغت : ''چشم سیاہ'' = بے نور آنکھ ۔

اس کی آنکھ سیاہ ہے (گویا بے نور ہے)، یعنی وہ ہمیں نہیں دیکھتا ۔ اس کا چہرہ ماہ کی طرح پر نور ہے لیکن اس چہرے کا رخ ہماری طرف نہیں ہے ۔ ماہ اور ما میں تجنیس زائد ہے ، یعنی ماہ میں ایک حرف (ہ) زائد ہے ۔

چوں لعلِ تست غنچہ اما سخن نداند
چوں چشمِ تست نرگس ، اما حیا ندارد

غنچہ تیرے لبوں کی طرح ہے لیکن بول نہیں سکتا ۔ نرگس تیری آنکھ جیسی ہے لیکن اس میں وہ حیا کہاں جو تری آنکھوں میں ہے ۔

آبش گداز خاکے بادش تفِ بخاری
دهلی بہ مرگ غالب آب و ہوا ندارد

لغت : ''بمرگ'' میں ''ب'' قسمیہ ہے ۔ بمرگ غالب کے معنی ہیں ، غالب کی موت کی قسم ۔

مرگِ غالب کی قسم کہ دہلی میں آب و ہوا نہیں ۔ اس کا پانی ہے تو پگھلی ہوئی خاک ، اور ہوا ہے تو بھاپ کی حرارت ۔

غزل نمبر ۳۵

شوقم ز پند بر در فریاد می زند
بر آتش من آب دم از باد می زند

لغت : ''دم از باد زدن'' = یعنی ہوا ہونے کا دعویٰ کرنا ۔

نصیحت سے میرا شوق (محبت کا جوش) فریاد کرنے لگتا ہے۔
میری آتشِ محبت پر پانی ہوا کا کام کرتا ہے۔ (ہوا ہونے کا دعویٰ
کرتا ہے)۔
میرا دل نصیحت قبول نہیں کرتا بلکہ نصیحت میرے اشتیاق
دوست کو اور بڑھاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ دوستوں یا ناصحوں کی
نصیحت محبت کی آگ پر پانی کا کام کرے، وہ ہوا بن کر آسے اور بھی
بھڑکاتی ہے۔

تا افگنی چه ولوله اندر نهادِ ما
کآئینه از تو موجِ پریزاد می زند

جب آئینہ تیرے عکس سے پری زادوں کی طرح پرواز کرنے لگتا
ہے (بے تاب ہو جاتا ہے) تو اندازہ کر، ہماری روح میں تیری محبت
کیا کیا ولولے پیدا کرتی ہوگی۔

از جوئے شیر و عشرتِ خسرو نشاں نماند
غیرت ہنوز طعنه به فرهاد می زند

جوئے شیر اور عشرت پرویز کا دنیا سے نام و نشان مٹ گیا،
لیکن غیرت ابھی تک فرہاد کو طعنے دے رہی ہے کہ اس نے
رقیب کی خواہش کو پورا کرنے کی کوشش میں جان دی، جو
عاشق کی غیرت کے منافی بات تھی۔ جوئے شیر کا بہا لانا، خسرو کی
عیش پرستی اور عشرت میں اضافہ کرنا تھا۔
غالب کا یہ شعر دیکھیے:

عشق و مزدوری عشرت گہِ خسرو کیا خوب
ہم کو منظور نکو نامیِ فرہاد نہیں

هرگز مذاقِ درد اسیری نبوده است
با نالهٔ که مرغِ قفس زاد می زند

ایک آزاد فضا میں اڑنے والا پرندہ جب فریاد کرتا ہے تو اس کے درد اسیری میں ایک لذت ہوتی ہے جو اس پرندے کی فریاد میں نہیں ہوتی ، جو قفس ہی میں پیدا ہوا ہے ۔

ممنونِ کاوش مژہ و نیشتر نیم
دل ، موجِ خون ، ز دردِ خدا داد می زند

میرا دل جو موجِ خون میں تڑپ رہا ہے ، درد خدا داد کی وجہ سے تڑپ رہا ہے ۔ میں معشوق کی مژگاں کی چبھن اور اس کی نگاہوں کے نشتروں کا احسان مند نہیں ہوں ۔

میرے دل میں وہ درد ہے جو فطرتاً مجھے ملا ہے ۔ اور یہ درد محبوب ازل کی محبت کا ہے ۔

خونے که دی به جیبم ازو خار خار بود
امروز گل به دامنِ جلاد می زند

جو خون کل میرے گریبان میں کانٹے کی خلش بنا ہوا تھا ، آج جلاد کے دامن پر پھول لگا رہا ہے ، یعنی جلاد کے دامن کی زینت بنا ہوا ہے ۔

جلاد کے دامن کی زینت اس لیے بھی ہے کہ اس کے ذریعے عاشق کی شہادت واقع ہوئی ہے اور یہ خون جب تک اس کے بدن میں تھا ، اس کا وبال تن تھا ۔

اندر ہوائے شمع ہمانا ز بال و پر
پروانہ دشنہ در جگر باد می زند

ہوا کے چلنے سے شمع بجھ جاتی ہے - پروانہ پر پھڑپھڑاتے ہوئے آتا ہے تو شمع پر لپکتا ہے اور اس پر اپنی جان نثار کر دیتا ہے - گویا ہوا اور پروانے میں کتنا فرق ہے - ہوا شمع کی جان لیوا ہے اور پروانہ ، جان نثار - اس اعتبار سے پروانہ ہوا کے لیے قابل رشک ہے -

شاعر کہتا ہے :

شمع کے شوق میں پروانہ اپنے بال و پر سے ہوا کے جگر میں خنجر چبھو دیتا ہے اور زبان حال سے کہتا ہے کہ دیکھو شمع کو بجھاتے نہیں ، اس پر جان قربان کرتے ہیں -

زیں بیش نیست قافلۂ رنگ را درنگ
گل یک قدح بہ سایۂ شمشاد می زند

شعرا نے فصل بہار کے مختصر ہونے پر بڑے بڑے اچھے شعر کہے ہیں - مرزا غالب کا یہ شعر اسی رنگ کا ہے اور نہایت خوبصورت ہے - کہتا ہے :

بہار کا قافلۂ رنگ و بو زیادہ دیر نہیں ٹھہرتا - اتنا ہے کہ گلاب کا پھول سایۂ شمشاد میں بیٹھ کر ایک پیالۂ سے پی لیتا ہے -

گلاب کا پھول سایۂ شمشاد میں کھلتا ہے اور پھر مرجھا جاتا ہے - شاعر نے اسے جام سے کہا ہے اور اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ گویا ایک میخوار ، سرخ شراب کا جام پیتا ہے اور بہار ختم ہو جاتی ہے -

اس شعر میں الفاظ کی بے ساختہ روانی اور باہمی ہم آہنگی نے بڑی موسیقیت پیدا کی ہے، جس سے شعر میں اثر انگیزی آ گئی ہے۔

ذوقم بهر شراره که از داغ می جهد
دل را نوائے دیر بماناد می زند

لغت: ''دیر بماناد'' = کلمۂ دعائیہ ہے۔ معنی ہیں ''اللہ کرے دیر تک رہے''۔

عاشق کو داغ ہائے محبت کی جلن سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ذوق و لذت سلامت رہے۔ کہتا ہے:

میرے داغ ہائے دل سے ہر شرار کے ابھرنے پر میرا ذوقِ درد دل کو یہ دعا دیتا ہے ''اللہ کرے دیر تک رہے''۔

چوں دید کز شکایتِ بیداد فارغم
بر زخمِ سینه ام نمک داد می زند

میرا معشوق جب یہ دیکھتا ہے کہ میں اس کے جور و ستم کی شکایت سے ذرا بے پروا ہوگیا ہوں تو میرے زخم سینہ پر داد کا نمک چھڑکتا ہے، یعنی اس کی داد دیتا ہے اور اس کی یہ داد نمک پاشی کا کام کرتی ہے اور درد زخم تازہ ہو جاتا ہے۔

تا دستبرد آتشِ سوزاں دهد به باد
سنگ از شرار، خنده به پولاد می زند

لغت: ''بباد دادن'' = لفظاً ہوا میں منتشر کرنا۔ برباد کرنا۔

پتھر سے چنگاریاں پھوٹتی ہیں جس کی یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ اس کے اندر آگ ہے - پتھر اس آتش سوزاں کو چنگاریوں کے ذریعے ہوا میں لٹا رہا ہے اور فخر کرتا ہے کہ میں فولاد سے بہتر ہوں - یہ چنگاریاں اس کی طنزیہ ہنسی کی علامت ہے -

غالب سرشکِ چشم تو عالم فرو گرفت
موجے است دجلہ را کہ بہ بغداد می زند

بغداد کا شہر دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے - دجلہ کی لہریں اس سے ٹکراتی ہیں - شاعر کہتا ہے غالب تیرے آنسوؤں کے طوفان نے دنیا کو گھیر لیا ہے - یہ گویا دجلہ کی لہریں ہیں جو بغداد سے ٹکرا رہی ہیں -

غزل نمبر ۳۶

باید ز مے ہر آئینہ پرہیز ، گفتہ اند
آرے دروغِ مصلحت آمیز گفتہ اند

کہا جاتا ہے ، شراب سے لازمی طور پر پرہیز کرنا چاہیے - یہ ایک جھوٹ بات ہے ، ایک دروغ مصلحت آمیز ہے -

فصلے ہم از حکایتِ شیریں شمردہ ایم
آں قصۂ شکر کہ بہ پرویز گفتہ اند

لغت : ''پرویز'' = ایران کا مشہور بادشاہ خسرو پرویز ، جس کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور ہیں -

وہ شیریں کا شوہر تھا ۔ شیخ نظامی اس کی وجہ تسمیہ یوں بتاتے ہیں :

از آں بد نام آں شہزادہ پرویز
کہ بودے در سخن گفتن شکر بیز

فرہنگ جہانگیری میں پرویز کے سات معنی دیے گئے ہیں ۔ (۱) مظفر ۔ (۲) عزیز ۔ (۳) ماہی (کہتے ہیں کہ پرویز مچھلی کا شوقین تھا) ۔ (۴) وہ آلہ جس سے شکر وغیرہ چھانتے ہیں ، غربال ۔ (۵) چھاننا ۔ (۶) پروین ۔ (۷) جلوہ کردن ۔ غرض شکر کا قصہ پرویز کے نام کے ساتھ مختلف انداز میں منسوب ہے ۔

شاعر کہتا ہے کہ یہ جو پرویز کے بارے میں شکر کا قصہ مشہور ہے ، یہ بھی درحقیقت حکایت شیریں ہی کی ایک فصل ہے (حصہ ہے) ۔

شعر میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ شاعر پہلے مصرعے میں شیریں کا لفظ ذو معنی لایا ہے ۔ قریبی معنی ''شیریں'' (عورت کا نام) اور دوسرا بعیدی معنی میٹھی ۔ کہنا یہ چاہتا ہے کہ پرویز کے بارے میں یہ جو باتیں بیان کی جاتی ہیں ، آنھیں میٹھی داستان ہی سمجھ لو ۔ شیریں کے بعیدی معنی لینے سے یہ صنعت ایہام بن گئی ہے ۔

خوں ریختن بہ کوے تو کردارِ چشم ماست
مردم ترا برائے چہ خوں ریز گفتہ اند

تیرے کوچے میں خون بہانا تو ہماری آنکھوں کا شیوہ ہے ۔ لوگوں نے کس لیے تجھے خوں ریز کہا ہے ۔

گویم ز سوز سینه و گوید که اینہمه
تا خود نگشته آتشِ دل تیز ، گفته اند

میں اپنے سوز سینہ کی بات کرتا ہوں اور وہ کہتا ہے کہ یہ بات اس وقت کی جاتی جب تک آتش دل تیز نہیں ہوتی (جہاں آتش دل بھڑک آٹھی عاشق خاموش ہو گیا) ۔

یعنی عاشق کا اپنے سوز سینہ کا ذکر کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ابھی اس کا سوز عشق خام ہے ، اگر پختہ ہوتا تو چپ رہتا ۔

نشگفت دل ز یاد تو ، گوئی دروغ بود
از نوبہار آنچه به پائیز گفته اند

تیری یاد سے میرا دل شگفتہ نہ ہوا ۔ تو کہتا ہے جھوٹ ہے ، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نو بہار کو خزاں کہنا ۔

انداخت خار در ره و انداز خوانده اند
انگیخت گرد فتنه و انگیز گفته اند

لغت : ''انداز'' اور ''انگیز'' = دونوں انداختن اور انگیختن مصدر سے فعل امر کے صیغے ہیں ، لیکن یہ اسم مصدر کے معنوں میں بھی آتے ہیں جیسے اس شعر میں آئے ہیں ۔ غالب کا آردو شعر دیکھیے :

اے ترا جلوہ یک قلم انگیز ٫ اے ترا ظلم سر بسر انداز

انگیز کا مفہوم اشتعال اور انداز کے معنی ناز و ادا ۔

کہتا ہے ''اس نے راستے میں کانٹے بچھائے اور اسے ناز و ادا کہا گیا ۔ اس نے فتنے کا طوفان اٹھایا اور اسے حسن کی اثر انگیزی کہا گیا ۔

گفتا سخن ز بے سروپایان نہ زیرکی است
با قیس رہ نوردی شبدیز گفتہ اند

لغت : ''شبدیز'' = شیریں کا وہ گھوڑا جو اس نے خسرو کو دیا تھا ۔

معشوق نے کہا بے سروپا لوگوں کی باتیں کرنا عقلمندی نہیں ہے ۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے قیس کے ضمن میں شبدیز کی رہ نوردی کا تذکرہ کیا جائے ۔

نازے بہ صد مضایقہ ، عجزے بصد خوشی
گر از تو گفتہ اند زما نیز گفتہ اند

تیری جانب سے ناز و انداز کا اظہار اور وہ بھی بڑی دقت سے اور ہماری طرف سے عجز و نیاز اور وہ بھی نہایت خوشی سے ۔ اگر تیرے بارے میں یہ بات مشہور ہے تو ہمارے بارے میں بھی دوسری بات مشہور ہے ۔

یعنی اگر تجھ میں نخوت حسن ہے تو ہم میں نیاز عشق ہے ۔

غالب ترا بہ دیر مسلمان شمردہ اند
آرے دروغ مصلحت آمیز گفتہ اند

غالب ! تجھے بت خانے میں لوگوں نے مسلمان سمجھ لیا ۔ ہاں یہ ایک مصلحت آمیز جھوٹ ہے ۔

غزل ۳۷

صبح است ، خوش بود قدحے پر شراب زد
یاقوتِ بادہ ، بر فوۂ آفتاب زد

لغت : ''فوہ'' = بضم فا ، دہن - جمع جس کی افواہ ہے -
''فوہ'' = طلائی یا نقرئی ورق جو نگینے کے نیچے لگاتے ہیں تا کہ اُس کی چمک نمایاں ہو جائے - ''یاقوت بادہ'' میں اضافت تشبیہی ہے یعنی یاقوت جیسی سرخ شراب

صبح کا وقت ہے ، ایک بھرا ہوا شراب کا پیالہ پینا چاہیے -
اور یاقوت بادہ کو آفتاب کے چمکتے ہوئی ورق پر لگا دینا چاہیے -

یعنی شراب سے صبح کا نورانی چہرہ اور شگفتہ ہو جائے گا -
یہاں ہم نے فُوہ کی جگہ فَوہ کو ترجیح دی ہے کہ یہ لفظ یہاں معناً بہت موزوں ہے -

نشتر بہ مغزِ پنبۂ مینا فرو برید
کآفاق امتلا ز ہجوم سحاب زد

لغت : ''امتلا'' = جوشِ خون ، زیادہ خون کا جمع ہونا - قدیم زمانے میں بہار کے موسم میں جب انسانی بدن میں خون زیادہ جوش مارتا تھا تو نشتر سے فصد کھلواتے تھے اور زائد خون خارج ہو جاتا تھا اور طبیعت میں سکون آ جاتا تھا -

''پنبۂ مینا'' = مینا یا صراحی کے منہ پر روئی کا گالا -

بادلوں کی کثرت سے کائنات امتلائے خون میں مبتلا ہو گئی ہے

اس لیے مینا کی روئی میں نشتر چبھو دینا چاہیے یعنی بادل ہر جگہ گھرے ہوئے ہیں ، فضا خوشگوار ہے ، اب صراحی کا منہ کھولنا چاہیے۔

ذوقِ مے مغانہ ز کردار باز داشت
آہ از فسونِ دیو کہ راہم بآب زد

شراب کے ذوق نے مجھے کار نیک سے باز رکھا ، افسوس کہ ایک دیو کے فسون نے مجھے پانی میں لوٹ لیا (پانی میں میرا رستہ لوٹا) یعنی شراب خوری نے رہزنی کی ، اور میں رستے میں لٹ گیا ۔

تا خاکِ کشتگانِ فریبِ وفاے کیست
کاندر ھزار مرحلہ موجِ سراب زد

لغت : ''تا'' = اس تا کا لفظی اردو ترجمہ نہیں ہو سکتا ، یہ زور بیان کے لیے آتا ہے ۔ اس کا اردو بدل ''آخر'' ہے ، وہی شرح میں استعمال کیا گیا ہے ۔

یہ جو ہزار مرحلے پر سراب کی لہریں ابھر آتی ہیں ، آخر یہ کس کے فریب محبت کے کشتگاں کی خاک ہے ۔

سراب ، فریب نظر ہوتا ہے ۔ شاعر کہتا ہے کہ یہ سراب جو ہر دیکھنے والے کو ہر مقام پر دھوکا دیتا ہے معلوم ہوتا ہے کسی معشوق کے فریب وفا کھائے ہوئے کی خاک ہے ۔

رنگے کہ در خیال خود اندوختم ز دوست
تا جلوہ کرد چشمکِ برقِ عتاب زد

لغت : ''رنگ'' سے مراد یہاں ایک رنگین سماں ہے ۔

میں نے اپنے خیال ہی خیال میں جو رنگین سماں سمیٹا تھا ، جب ظاہر ہوا تو پتا چلا کہ وہ تیرے محبوب کے برق عتاب ہی کی ایک چمک تھی ، یعنی معشوق کی مہربانی کا غلط تصور کیا تھا ۔ یہ خود فریبی تھی ۔

گفتم گرہ ز کارِ دل و دیدہ باز کن
از جبہہ نا کشودہ بہ بندِ نقاب زد

لغت : ''گرہ باز کن'' = گرہ کھول دے ۔ ''گرہ'' تیوری کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی طبیعت کی الجھن کو ظاہر کرتی ہے
''جبہہ'' = پیشانی ۔

میں نے معشوق سے کہا کہ میرے دل اور آنکھوں کی گرہیں کھول دے ۔ اس نے اپنی پیشانی کی گرہ کو تو نہ کھولا بلکہ اپنے بند نقاب پر ڈال دیا ۔

معشوق کی پیشانی پر بل پڑنے سے عاشق کا دل پریشان تھا ۔ چاہتا تھا ، معشوق محبت سے پیش آئے تاکہ انقباض دور ہو ۔ اس نے چہرے سے خوشی اور محبت کا اظہار کرنے کی بجائے نقاب ہی میں گرہ ڈال دی تاکہ عاشق اسے دیکھ ہی نہ سکے ۔

گر ہوشِ ما بساطِ ادائے خرام نیست
نقشے تواں بہ صفحۂ دیبائے خواب زد

اگر ہمارے ہوش یعنی عالم بیداری کے فرش پر تو اپنی ادائے خرام نہیں دکھا سکتا تو کم از کم خواب کے ریشمی صفحے پر ایک نقش تو کھینچ سکتا ہے ۔

یعنی اگر تو ویسے ہمیں مل نہیں سکتا تو کم از کم خواب ہی
میں جلوہ دکھا دے۔

تا در ہجومِ نالہ نفس باختم بہ کوہ
سنگ از گداز خویش برویم گلاب زد

جب میں نے ہجوم نالہ میں پہاڑ میں فریاد کی (سانس اکھڑ گیا) تو
پہاڑ کے پتھر پگھل گئے اور ان کے گداز نے میرے منہ پر گلاب چھڑکا
(تا کہ میں ہوش میں آؤں)۔

بیہوش آدمی کے منہ پر گلاب چھڑکتے ہیں۔

اے لالہ بر دلے کہ سیہ کردۂ مناز
داغ تو بر دماغ کہ بوے کباب زد

اے لالہ کے پھول جس دل کو تو نے جلا کر سیاہ کر لیا ہے
اس پر ناز نہ کر۔ آخر اس تیرے داغ دل سے کس کے دماغ میں
بوئے کباب آئی۔

یعنی لالے کے جل جانے اور داغ دل حاصل کرنے سے کسی پر
کیا اثر ہوا۔

غم مشرباں بہ چشمۂ حیواں نمی دہند
موجے کہ دشنہ درجگر از پیچ و تاب زد

لغت: ''غم مشرب'' = غمزدہ عاشق۔

غمزدہ عاشقوں کے جگر میں درد محبت کے پیچ و تاب (بے چینیوں)

کی چھری سے جو لہر اُٹھتی ہے ، وہ اس لہر کو چشمۂ حیواں کے
عوض میں بھی نہیں دیتے ۔

یعنی محبت کے درد کرب میں رہ کر جان دینے کو آب حیات پر
ترجیح دیتے ہیں ۔

غالب ، خساں ز جہل حکیمش گرفته اند
بے دانشے که طعنه بر اہلِ کتاب زد

''اہل کتاب'' خدا کی طرف سے نازل کتابوں پر ایمان رکھنے والے
لوگ ۔ ''حکیم'' = فلسفی جو بالعموم اس قسم کی کتابوں کو در خور
اعتنا نہیں سمجھتے بلکہ اپنی منطقی دلیلوں سے ان پر تنقید بھی
کرتے ہیں ۔

''خساں'' = کم مایہ لوگ ، گھٹیا ۔

غالب ، گھٹیا لوگوں نے اپنی جہالت کے باعث اس بے دانش
شخص کو حکیم سمجھ لیا جو اہل کتاب پر طعنہ زنی کرتا ہے ۔

غزل نمبر ۳۸

ننگِ فرہادم بہ فرسنگ از وفا دُور افگند
عشقِ کافر شغلِ جاں دادن به مزدور افگند

لغت : ''مزدور'' = سے مراد فرہاد کوہکن ہے جس نے خسرو
کے کہنے پر مزدور بن کر پہاڑ کاٹا تھا ۔

''بہ فرسنگ'' = میلوں ۔ کئی ایک میل ۔

یہ عشق ایسا کافر واقع ہوا ہے کہ جاں نثاری کا کام مزدور کے سپرد کر دیتا ہے ، اس اعتبار سے فرہاد کو دیکھ کر میری غیرت جوش میں آتی ہے اور میں راہ وفا سے میلوں دور جا پڑتا ہوں ۔ شاعر کے نزدیک یہ کام کسی بڑی شخصیت کا ہوتا ہے لیکن عشق خانہ خراب اہل اور نااہل میں امتیاز نہیں کرتا اور فرہاد کو انتخاب کر لیتا ہے

شادم از دشمن که از رشکِ گدازم در دلش
نیست زخمے کز چکیدن طرح ناسور افگند

عاشق محبت میں گداز ہو گیا ہے لیکن رقیب پر محبت کا یہ اثر نہیں ہوتا ، اس لیے عاشق اس کی اس نا اہلی پر خوش ہے ۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے :

''میں رقیب کے بارے میں خوش ہوں کہ محبت میں میرے گداز ہونے کے رشک سے اس کے دل پر ایسا کوئی ایک زخم بھی نہیں لگتا کہ جو ناسور بن کر بہنے لگے'' (یعنی رقیب پر عشق کا گہرا اور دیرپا اثر نہیں ہوتا) ۔

قربتے خواہم به قاتل کاستخوانِ سینه ام
قرعهٔ فالے بنام زخمِ ساطور افگند

لغت : ''قرعہ فال افگندن'' = فال نکالنا ۔

میں قاتل کے اتنا قریب ہونا چاہتا ہوں کہ میرے سینے کی ہڈیاں ، چھری کے زخم کھانے کی فال نکالیں ، یعنی کاش میں اپنے معشوق کے اتنا قریب آ جاؤں کہ وہ چھری اٹھا کر میرے سینے میں چبھو دے ۔

از شہیدان وے ام کز بیم برقِ خنجرش
لرزہ در حُور افتد و جام از کفِ حُور افگند

میں اس محبوب کے شہیدوں میں ہوں کہ جس کے خنجر کی برق کے خوف سے حور پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور اس لرزے سے جام اُس کے ہاتھ سے گر پڑتا ہے ۔

شرم جورِ خاصِ اوست، لیکن در جواب
چوں فرو ماند، سخن در رسمِ جمہور افگند

شرم معشوق کا شیوہ ہے اور یہ اُس کا خاص الخاص انداز ستم ہے لیکن جب کسی بات کے جواب میں عاجز آ جائے تو پھر وہ گفتگو میں عام لوگوں کی طرح باتیں کرنے لگتا ہے، یعنی شرم و حجاب چھوڑ دیتا ہے اور بے باکانہ بات کرتا ہے ۔

چوں بجوید کام، تا لختے پرستاری کنم
خویش را در رختِ خوابِ ناز رنجور افگند

لغت : ''رخت خواب'' = بستر ۔

جب اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں اُس کی کچھ خدمت گزاری کروں تو وہ بستر ناز پر ناسازی طبیعت کا بہانہ کر کے لیٹ جاتا ہے ۔

یعنی مجھ سے خدمت گذاری اور نیاز مندی کے لیے وہ ناز آفرینیوں پر اُتر آتا ہے ۔

وقتِ کار ایں جنبشِ خلخال کاندر ساقِ تست
حلقۂ رغبت بہ گوشِ خون منصور افگند

لغت: ''حلقۂ بگوش افگندن'' = کسی کو رام کرنا یا غلام بنا لینا۔

''خلخال'' = پائل - پازیب - ''ساق'' = پنڈلی۔

''جب تو کام میں مصروف ہوتی ہے، تیری پازیب کی جنبش، جو تیری پنڈلی میں ہے، خون منصور کے کان میں حلقۂ رغبت ڈال دیتی ہے یعنی منصور کی خواہش ہوتی ہے کہ کاش میں دار پہ چڑھ کر اسی پھندے سے جان دیتا۔

گر قضا سازِ تلافی در خورِ عشرت کند
آہ از آں خونابہ کاندر جام فغفور افگند

لغت: ''فغفور'' سے مراد بادشاہ چین ہے۔ یہ چین کا ایک بادشاہ تھا پھر چین کے بادشاہوں کا لقب ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایران کے ایک بادشاہ کا بھی لقب فغفور تھا۔ اس کا نام اشک تھا جس سے اشکانیاں خاندان کی بنیاد پڑی۔ ہو سکتا ہے جام فغفور سے مقصود جام جمشید ہو۔

اگر قدرت لوگوں کے عیش و نشاط کے مطابق جو انہوں نے دنیا میں کیے ہیں، انتقام لینا چاہے تو نہ جانے جام فغفور میں کتنا خون ڈالنا پڑے (یعنی فغفور کو کتنا خون پینا پڑے)۔

گر مسلمانی یکے بیں ، زردہشت، است آنکه او
اختلافے درمیان ظلمت و نور افگند

اگر تو مسلمان ہے تو ترے پیش نظر وحدت ہونی چاہیے ۔ یہ زرتشت تھا جس نے ظلمت و نور کے درمیان امتیاز پیدا کیا ۔

ایران کے قدیم پیغمبر ، زرتشت (پارسیوں کا پیغمبر) کے عقیدے کے مطابق ایک خالق نیکی تھا اور ایک خالق بدی ، یعنی یزداں اور اہرمن (شیطان) ۔ مسلمان توحید کا پرستار ہوتا ہے اور وہ کسی ایسے عقیدے کا پرستار نہیں ہو سکتا جس میں دوئی کا شائبہ تک بھی ہو ۔

آمدم بر راہ غالب ، گرد دل می گرددم
لغزشِ پائے که باز از جادہام دور افگند

غالب میں راہ راست پر تو آ گیا لیکن میرے دل میں ایک لغزش پا کا احساس ابھر رہا ہے جو مجھے پھر راستے سے دور لے جائے گا ۔

غزل نمبر ۳۹

به ره با نقشِ پائے خویشم از غیرت سرے باشد
که ترسم دوست جویاں را به کویش رہبرے باشد

محبوب کی طرف جاتے ہوئے مجھے خود اپنے نقش پا سے غیرت آتی ہے ۔ میں ڈرتا ہوں کہ اس کے کوچے میں اسے تلاش کرنے والوں کو

میرا یہ نشان قدم رہنما کا کام نہ دے ۔

میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے (غالب)

نمی گیری بہ خونِ خلق ، بے پروا نگاهاں را
تواند بود یا رب بعد محشر محشرے باشد

لغت : ''بے پروا نگاہاں'' = بے باک نظروں والے ۔ معشوق ، جن کی نظریں ستم ڈھاتی ہیں اور انہیں پروا نہیں ہوتی ۔ اے خدا ! تو بے باک نظر حسینوں کا ، خون خلق کے لیے ، مواخذہ نہیں کرتا ۔ ہو سکتا ہے کہ قیامت کے بعد ایک اور محشر بپا ہو جائے اور یہ لوگ حشر میں اک اور ہنگامہ کھڑا کر دیں ۔

نخواهد بُود رسم آنجا به دیوان داوری بردن
گرفتم کشور مهر و وفا را داورے باشد

لغت : ''گرفتم'' = فرض کیا ، مان لیا ۔

فرض کیا کہ کشور مہر و وفا میں کوئی انصاف کرنے والا ہوگا تو وہاں عدالت میں مقدمہ لے جانے کی رسم نہیں ہوگی ۔

تواں صیقل بہاے تیغِ قاتل ہم ادا کردن
اگر فصاد را در دهر مزد نشترے باشد

لغت : ''صیقل بہا'' = شاعر نے ''خون بہا'' کی طرح ، صیقل بہا وضع کیا ہے ، مراد صیقل کرنے کی مزدوری یا اُجرت ۔

اگر فصد کھولنے والے کو نشتر چلا کر خون نکالنے کی اُجرت

دی جاتی ہے تو قاتل کی تلوار کو صیقل کرنے کی بھی مزدوری ملنی چاہیے -

عاشق کے قتل ہونے کے شوق کا عالم دیکھیے کہ وہ اس کی تلوار کو صیقل کرانے کی اُجرت بھی ادا کرنا چاہتا ہے -

مکیدم آں قدر کز بوسہ و دشنام خالی شد
لب یار است و حرفے چند گو با دیگرے باشد

میں نے معشوق کے لبوں کو اس قدر چوسا ہے کہ اب اُن میں نہ بوسے کی گنجائش باقی رہی ہے نہ گالی کی - اب تو وہ لب ہیں اور چند باتیں کرنے کا امکان اگرچہ وہ کسی دوسرے (رقیب) سے ہی ہوں -

بہ ذوقِ لذتے کز خارہ و خار است پہلو را
بہ نالم ہم چنیں گر ہم ز نسریں بسترے باشد

عاشق پتھروں اور کانٹوں پہ لیٹتا ہے اور اس میں اُسے لذت حاصل ہوتی ہے - اب اس لذت کا اُسے اس قدر چٹخارا ہے کہ کہتا ہے اگر اب میرا بستر نسریں کے پھولوں کا بھی ہو تو میں پھر بھی اسی طرح فریاد کروں گا کیونکہ پتھروں کی سختی اور کانٹوں کی خلش میرے رگ و ریشے میں سما گئی ہے -

بہ جانے گر خود از کوہ است در وے لرزہ اندازد
بہ چشمے گر خود از سام است ، گرد لشکرے باشد

یہ شعر پہلے شعر سے وابستہ ہے :

میری فریاد ، پہاڑ کی روح ہی کیوں نہ ہو ، اُسے لرزا دیتی ہے

اور سام کی آنکھ ہی کیوں نہ ہو اس کے لیے غبار لشکر بن جاتی ہے ۔

ستایم حق شناسی ہائے محبوبے کہ در محفل
دلش باچشمِ پر خون و لبش با ساغرے باشد

میں اس محبوب کی حق شناسی کا ستائش گو ہوں جس کا دل محفل میں خون سے پُر آنکھ پر اور لب ساغر سے لگے ہوئے ہیں ۔ یعنی وہ غمزدہ عاشق سے بھی غافل نہیں اور شغلِ جام سے بھی جاری رکھتا ہے ۔

نبود ار تیشہ پیدا سر بہ سنگے می‌زدم ، لیکن
ستم باشد کہ در بیہودہ میری ہمسرے باشد

اگر تیشہ نہ ملتا تو میں پتھر سے سر پھوڑ کر مر جاتا لیکن مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ بیہودہ جان دینے میں میرا کوئی ہمسر ہو ، (یعنی فرہاد جس نے بقول غالب یونہی جان دی تھی) ۔ اس طرح کے شعر غالب کے ہاں بہت سے ہیں ۔

بیابد ہم ز من ، آنچہ از ظہوری یافتم غالب
اگر جادو بیانان را ز من واپس ترے باشد

لغت : ''جادو بیانان'' = سحر بیان شاعر ۔

اگر نغز گو شاعروں میں سے کوئی میرے بعد آئے گا تو اسے مجھ سے وہی فیض حاصل ہوگا جو میں نے ظہوری سے حاصل کیا ہے ۔

غالب ظہوری کا بہت مداح تھا ، اور اس نے اس کی بہت سی

غزلوں پر غزلیں بھی کہی ہیں اور اس کا اسلوب بیان اختیار کرنے کی کوشش بھی کی ہے ، خاص کر ان غزلوں میں جو اس کی زمین میں ہیں ۔

غزل نمبر ۴۰

دل نہ تنہا ز فراق تو فغاں ساز دھد
رفتنِ عکس تو از آئنہ آواز دھد

صرف دل ہی تیرے فراق میں فریاد نہیں کرتا بلکہ تیرا عکس جب آئینے سے جدا ہونے لگتا ہے تو آئینے سے آواز آتی ہے (یعنی آئینہ بھی جو بے جان شے ہے تیری جدائی کو محسوس کرتا ہے) ۔

حسن کی دلکشی کو بیان کیا ہے اور بڑے حسین اور مؤثر پیرائے میں بیان کیا ہے ۔

مغزِ جاں سوخت ز سودا و بہ کامِ تو ہنوز
زہر رسوائی ما چاشنیِ راز دھد

سودائے محبت نے ہمارے مغز جاں کو جلا دیا (اور یہ بات عام ہو گئی) لیکن تیرے حلق میں ہماری رسوائی کی تلخی (زہر) راز کا مزہ دے رہی ہے ۔

یعنی ہم رسوا ہو چکے ہیں اور تو ابھی سمجھتا ہے کہ اس کا کسی کو علم نہیں ، یہ ابھی تک راز ہے ۔

خاک خوں باد کہ در معرضِ آثار وجود
زلف و رخ در کشد و سنبل و گل باز دھد

لغت : ''آثار وجود'' = لفظی معنے ہیں وجود کے نشانات ، مظاہر وجود ، وجود میں آئی ہوئی چیزیں ، موجودات ۔

''در کشد'' = چھین لیتی ہے ۔ ''زلف و رخ'' علامت ہیں ، خوش جمال لوگ ۔

''اس خاک کا ستیاناس ہو (خون باد) کہ اس کائنات ہستی میں زلف و رخ چھین لیتی ہے اور اس کے عوض میں سنبل و گل دیتی ہے ۔'' (کیسی کیسی حسین و جمیل صورتیں خاک میں دفن ہو جاتی ہیں اور زمین سے پھول اگتے ہیں) ۔

لیکن یوں بھی سب صورتیں خاک سے باہر کب آتی ہیں ۔ شاعر ایک اور شعر میں خود ہی کہتا ہے :

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

داغم از پرورشِ چرخ کہ در بزمِ امید
سر شمعے کہ فروزد بہ دمِ گاز دھد

لغت : ''گاز'' = قینچی ۔ ''بہ دم گاز دادن'' = کاٹنا ۔

اس آسمان کے انداز پرورش سے جل گیا ہوں ، کہ بزم امید میں جو شمع روشن ہوتی ہے اسے کاٹ ڈالتی ہے ۔ گردش آسماں کب کسی کی امیدوں کو پورا ہونے دیتی ہے ۔ جہاں کسی نے امید کی کوئی شمع جلائی ، چرخ نے بجھا دی ۔

دل چو بیند ستم از دوست ، نشاط انگیزد
شیشہ سازے است کہ چو بشکند آواز دهد

دل کو جب دوست کی طرف سے کوئی دکھ پہنچتا ہے تو خوشی سے چہک اٹھتا ہے ۔ یہ دل ایک شیشہ ہے اور شیشہ ایک ساز ہے جب ٹوٹتا ہے تو آواز دیتا ہے ۔

ٹوٹا ہوا ساز بے صدا ہوتا ہے لیکن دل ایک ایسا ساز ہے کہ ٹوٹنے پر اس سے نشاط انگیز نغمے ابھرتے ہیں ۔

ھائے پُرکاریِ ساقی کہ بہ ارباب نظر
مے بہ اندازہ و پیمانہ بہ انداز دھد

لغت : ''ارباب نظر'' = اہل نظر لوگ ، حسن کے پرستار ۔

ساقی کی چالاکی دیکھیے کہ اہل نظر کو شراب تو اندازہ کر کے دیتا ہے اور جام بڑے ناز و انداز سے پیش کرتا ہے یعنی شراب تو کم ہوتی ہے لیکن جس انداز سے دی جاتی ہے وہ انداز زیادہ کیف آور ہوتا ہے ۔ شعر میں لطیف نکتہ یہ ہے کہ میخوار ساقی کی اداؤں سے مست بھی ہو جائیں اور یہ نہ کہہ سکیں کہ اس نے بے اندازہ پلا دی ۔

طُرّات مشک بہ دامان نسیم افشاند
جلوات گل بہ کف آئنہ پرداز دھد

لغت : ''آئنہ پرداز'' = آئینے کو جلا دینے والا ۔

تیری زلفیں ، نسیم (ہوا) کا دامن مشک سے بھر دیتی ہیں اور تیرا جلوہ آئینے کو جلا دینے والے کے ہاتھ میں گویا گلدستہ رکھ دیتا ہے ۔

محبوب کی زلفوں سے ہوا معطر ہو جاتی ہے اور اس کے حسین جلووں سے آئینہ شگفتہ ہو جاتا ہے۔

سعی زیں بال فشانی جگرم سوخت دریغ
کاش آبے ز نمِ خجلتِ پرواز دهد

لغت: ''بال فشانی'' پر پھڑپھڑانا۔ آڑنا۔

افسوس میری بال فشانی کی کوشش نے میرا جگر جلا دیا۔ کاش اس پرواز کی ندامت کا پسینہ ہی اس آگ پر پانی چھڑک دے۔

اے کہ بر خوانِ وصالِ تو قناعت کفر است
هاں صلائے کہ مرا حوصلهٔ آز دهد

تیرے خوان وصال پر قناعت کرنا کفر ہے۔ ہاں اس طرح دعوت دے کہ میری حرص اور لالچ کرنے کی ہمت پیدا ہو جائے۔

وصال محبوب سے کبھی تسکین نہیں ہوتی بلکہ شوقِ وصال اور بڑھ جاتا ہے۔ بدنصیب ہیں وہ جو قانع ہو جاتے ہیں۔

من سر از پا نشناسم به رهِ سعی و سپهر
هر دم انجامِ مرا جلوۂ آغاز دهد

میں تو کوشش کی راہ پر اس قدر تیزی اور سرگرمی سے چلتا ہوں کہ سر پیر کی خبر نہیں ہوتی۔ آدھر فلک کی ستم ظریفی دیکھو کہ انجام کار مجھے آغاز کار نظر آتا ہے۔

شوق کی کوئی انتہا نہیں۔ جنون محبت میں انتہا پر پہنچ کر بھی ابتدا کا رنگ ہوتا ہے۔

نظیری کا شعر ہے:

آغازِ جنونم شدہ پایانِ محبت
کارے است بانجام کہ انجام ندارد

پردہ داران بہ نے و ساز فشارش دادند
نالہ می خواست کہ شرحِ ستمِ ناز دھد

لغت: ''پردہ داراں'' = پردہ کے ایک معنی سر کے بھی ہوتے ہیں۔ ''پردہ داراں'' کا لفظ اس شعر میں بہت پر معنی ہے۔ ایک تو پردہ داروں کا مفہوم دیتا ہے یعنی کسی بات کو پردے میں رکھنے والے۔ دوسرے نے اور ساز کے اعتبار سے ''نغمہ پرداز''۔

ہماری فریاد چاہتی تھی کہ ابھر کر محبوب کے ستم ناز و ادا کو بیان کرے لیکن پردہ داروں نے اس فریاد کو نے اور ساز میں بھینچ لیا۔

یعنی نغمہ و ساز سے جو آواز بلند ہو رہی ہے دراصل ہماری ہی فریاد ہے جس نے یہ صورت اختیار کر لی ہے۔ وہ بھی عاشق ہی کی پکار ہے جو محبوب ستم ناز کی شرح کر رہی ہے۔

ھر نسیمے کہ ز کوے تو بہ خاکم گذرد
یادم از ولولۂ عمرِ سبک تاز دھد

لغت: ''سبک تاز'' = تیز رفتار۔

''ولولۂ عمر سبک تاز = انسانی زندگی کی تیز خرامی۔

تیرے کوچے سے جو ہوا آ کر میری خاک پر سے گزرتی ہے۔

مجھے یاد دلاتی ہے کہ زندگی کیسی تیزی سے گزر گئی ۔ اس شعر میں لطیف نکتہ یہ ہے کہ

محبوب کے کوچے کی ہوا اگرچہ تیزی سے گزر جاتی ہے لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی آئی اور تیزی سے چلی گئی ۔ گویا وہ ایک لمحہ پوری زندگی ہوتا ہے ۔

چوں ننازد سخن از مرحمتِ دھر بخویش
که بر آو عرفی و غالب بعوض باز دھد

لغت : ''سخن'' = شاعری ، فن شعر ۔
''مرحمت دہر'' = زمانے کی بخشش و عنایت ۔

شاعری زمانے کی اس عنایت پر کیوں فخر نہ کرے کہ اُس نے اسے عرفی اور غالب جیسے سخن گو عطا کیے ۔

غزل نمبر ۹۱

کو فنا تا همه آلائش پندار برد
از صُوَر جلوه و از آئنه زنگار برد

آئینہ پہلے فولاد کا بنتا تھا اور برسات میں یا ویسے نمی کے باعث زنگ آلودہ ہو جاتا تھا چنانچہ اس زنگار کو اتارنے کے لیے اُسے صیقل کرتے تھے ۔ صوفیاے کرام دل کو آئینے سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ جتنا قلب صاف ہوگا اتنا ہی اس میں محبوب کا عکس نظر آئے گا ۔

''صور'' = صورت (صورۃ) کی جمع ہے ۔ مظاہر کائنات کو شاعر

نے صور کہا ہے۔

''پندار'' = خودی ، غرور خودی۔

اس شعر کا پس منظر مسئلہ وحدت الوجود ہے ، یعنی کائنات کی ہر شے میں وجود باری تعالیٰ ہی جلوہ گر ہے اور اشیاء کا وجود محض اُن کے اپنے غلط تصور کا نتیجہ ہے۔

انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ انا کے اس غلط تصور سے نکل کر اپنے آپ کو ذات حق میں فنا کر دے۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

کہتا ہے کہ

مقام فنا کہاں ہے کہ وہ ہمیں ان تمام غلط تصورات خودی کی آلائشوں سے پاک کر دے ، ساری صورتیں مٹ جائیں اور آئینے کی جلا ہو جائے۔

شب ز خود رفتم و بر شعلہ کشودم آغوش
کو بد آموز کہ پیغارہ بہ دلدار برد

رات میں بے خود ہوگیا اور اس عالم بے خودی میں میں آغوش کھول کر شعلے پر لپک پڑا تا کہ خود کو جلا دوں۔ رقیب بدآموز کہاں ہے کہ جا کر محبوب کو ہماری طرف سے طعنہ دے کہ دیکھو سچے عاشق نے یوں جان دے دی۔ طعنہ اس لیے کہ رقیب اُسے عاشق کے بارے میں غلط باتیں کہتا رہتا تھا اور وہ انہیں درست سمجھتا تھا۔ عاشق کی موت نے یہ باتیں جھٹلا دیں۔

گفتہ باشی کہ بہر حیلہ در آتش فگنش
غیر می خواست مرا بے تو بہ گلزار برد

''رقیب چاہتا تھا کہ مجھے تیرے بغیر ہی باغ میں لے جائے۔ غالباً تو نے کہا ہوگا کہ اسے (یعنی مجھے) آگ میں جلاؤ۔''

محبوب کی جدائی میں باغ میں جانا گویا آگ میں جلنا ہے۔

غالب کے یہ شعر دیکھیے:

غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دے
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا

مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

باز چسپیدہ لب از جوش حلاوت باهم
مرگ مشکل که زما لذت گفتار برد

موت ہم سے لذت گفتار نہیں چھین سکتی ۔ ہمارے اب تو معشوق کے لبوں کی حلاوت سے ایک دوسرے سے چمٹ گئے ہیں ۔

عشوۂ مرحمت چرخ مخر کاین عیار
یوسف از چاه برآرد که بببازار برد

لغت : ''عشوہ خریدن'' = فریب میں آنا ۔ ناز و ادا پر فریفتہ ہونا ۔
اس آسماں کی مہربانیوں اور نوازشوں پر فریفتہ نہ ہو کیونکہ یہ عیار تو یوسف کو کنوئیں سے اس لیے نکالتا ہے کہ اسے سر بازار فروخت کرے ۔

شوق گستاخ و تو سرمست بدان رسوائی
هان ادائے که دل و دستِ من از کار برد

ہماری محبت کے جذبے کی بے باکیوں نے ہمیں رسوا کر دیا اور تو ان رسوائیوں سے سرشار ہے ۔ ہاں کوئی ایسی ادا دکھاؤ کہ میرا دل اور میرا ہاتھ دونوں کام سے جاتے رہیں ۔

تاکہ نہ دل میں کوئی گستاخ جذبہ پیدا ہو اور نہ ہی ہاتھ دراز دستی کر سکیں ۔

خونچکاں است نسیم از اثر نالہٴ من
کیست کز سعی۔ نظر پے بہ درِ یار برد

میری فریادوں سے ہوا میں خون برس رہا ہے ۔ کون ہے جس کی نظریں درِ یار تک پہنچیں ۔ گویا فضا میں خون کے بادل لہرا رہے ہیں ، اب نگاہیں درِ یار تک کیسے پہنچیں گی ۔

تو نیائی بہ لب بام و بکوے تو مدام
دیدہ ذوقِ نگہ از روزنِ دیوار برد

تو تو بام پر نہیں آتا اور اپنا جلوہ نہیں دکھاتا ۔ اب تیرے کوچے میں ہماری آنکھیں ترے گھر کی دیواروں کے روزن ہی کے ذریعے لذت اندوز ہوتی ہیں یعنی تجھے ہم اب روزنِ دیوار ہی سے دیکھ لیں تو دیکھ لیں ، تیرے دیدار سے فیضیاب ہونے کی اور کوئی صورت نہیں ۔

ناز را آئنہ مائیم ، بفرما تا شوق
بہ تو از جانب ما مژدۂ دیدار برد

ہم تیرے ناز و ادائے حسن کا سرتاپا آئینہ بن چکے ہیں ، تو اجازت دے کہ ہمارا جذبہٴ شوق ہماری طرف سے تیری طرف مژدہ دیدار لے جائے اور تو آ کر اپنی صورت اس آئینے میں دیکھ لے ۔

یعنی تو تو اپنا جلوہ نہیں دکھاتا لیکن ہمارا دل تصور ہی میں تیرے حسن کو اور اس کی ناز فرمائیوں کو دیکھ لیتا ہے ۔ اگر یقین نہ ہو تو آ کر ہمارے دل میں ایک نظر ڈال کر دیکھ لے ۔

مژہ ات سُفت دل و رفت نگاہ تو فرو
کز ضمیرم گلۂ سرزنشِ خار برد

میرے دل میں محبت کی خلش کانٹے کی طرح محسوس ہوتی تھی اور وہ اس خلش کی شکایت کرتا رہتا تھا ۔ اب تیری مژگاں نے دل کو چیر دیا ہے اور تیری نگاہیں دل میں اتر گئی ہیں تاکہ یہ خلش دور ہو جائے ۔

خاکے از رھگذر دوست بفرقم ریزند
تا ز دل حسرتِ آرائشِ دستار برد

کوئی دوست کی رہگذر کی خاک ہی میرے سر پہ ڈال دے تاکہ میرے دل سے دستار سر کی آرائش کی حسرت نکل جائے ۔

عاشق خستہ حال کی دستار کے لیے پھولوں کی آرائش سے بڑھ کر معشوق کی راہ کا غبار ہی زینت کا سامان ہے ۔

میزند دم ز فنا غالب و تسکینش نیست
بو کہ توفیق ز گفتار بہ کردار برد

لغت : ''بو'' = بود کا مخفف ہے ۔

غالب مقام فنا کی باتیں کرتا ہے لیکن اس کے قلب کو تسکین حاصل نہیں ہوتی ۔ اللہ اُسے گفتار کو چھوڑ کر کردار کی توفیق عطا کرے ۔

یعنی مقام فنا محض مسئلہ فنا کا ذکر کرنے سے حاصل نہیں ہوتا ۔ اس کا تعلق انسان کے عمل سے ہے ۔ تسکین قلب اُسی صورت میں میسر آتی ہے جب یہ کیفیت انسان کی عملی زندگی سے اُبھرے ۔

غزل نمبر ۴۲

چاک از جیبم بدامان می رود
تاچه بر چاک از گریبان می رود

لغت : ''جیب''= گریبان کو کہتے ہیں ۔

گریباں کے ہاتھوں چاک پر کیا گزری کہ اب وہ دامن تک جا پہنچا ہے ۔

جوہر طبعم درخشان است ، لیک
روزم اندر ابر پنہاں می رود

میرا جوہر طبع تو روشن ہے لیکن میرے دن کو بادلوں کی تاریکی نے گھیرا ہوا ہے ۔

روز سے مراد بخت ہے ۔ اللہ نے مجھے طبعی ذہانت و فطانت تو عطا کی لیکن نصیبے کی تاریکی میں یہ جوہر چمک نہ سکا ۔

گر بود مشکل مرنج اے دل کہ کار
چون رود از دست آسان می رود

اگر کام مشکل ہو تو اس سے کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے ۔ جب کام ہاتھ سے نکل جائے تو رواں ہو جاتا ہے یعنی کسی معاملے کی مشکلات ہی اُسے حل کر دیتی ہیں اس لیے کہ انسان اُن کے لیے بے حد کوشاں ہوتا ہے ۔

جز سخن کفرے و ایمانے کجاست
خود سخن از کفر و ایمان می رود

باتوں کے سوا کفر اور ایمان کہاں ہیں؟ اور باتیں بھی کفر اور ایمان کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے کی جاتی ہیں۔

هر شمیمے را مشامے در خور است
بوئے پیراهن به کنعاں می رود

ہر خوشبو کے لیے مناسب مشام (قوت شامہ) کی ضرورت ہے، یوسف کے پیرہن کو سونگھنے کے لیے اس کا کنعاں میں حضرت یعقوب تک جانا ضروری ہے۔

کہا جاتا ہے حضرت یوسف کے پیرہن کی بو مصر سے کنعاں جا پہنچی تھی اور اس نے حضرت یعقوب کی آنکھوں کو جو فراق یوسف میں نابینا ہو چکی تھیں بینا کر دیا تھا۔

آید و از ذوق نشناسم که کیست
تا رود، پنداشتی جاں می رود

لغت: ''پنداشتی'' = تو نے خیال کیا، تو سمجھے، گویا

وہ آئے تو ذوق وصال کی فراوانی میں میں پہچان نہیں سکتا کہ وہ کون ہے اور جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری جان ہی چلی گئی۔

می برد اما نہ یک جا می برد
می رود اما پریشاں می رود

وہ لے جاتا ہے تو ایک جگہ نہیں لے جاتا ، جاتا ہے تو پریشان جاتا ہے -

یعنی اس کی مزاج میں آوارگی اور ہرجائی پن ہے -

ہر کہ بیند ، در رهش ، گوید ہمی
قبلۂ آتش پرستاں می رود

جو کوئی اسے راہ میں دیکھتا ہے کہتا ہے، وہ قبلۂ آتش پرستاں جا رہا ہے -

یعنی اس کا حسن درخشاں، آگ کے شعلوں کی طرح بھڑکتا ہے -

اول ماہ است و از شرم تو ماہ
آخر شب از شبستاں می رود

چاند مہینے کے ابتدائی دنوں میں رات کو تھوڑی دیر تک روشن رہتا ہے اور پھر چھپ جاتا ہے - کہتا ہے مہینے کے شروع کا چاند ہے - تیرے رشک کے باعث رات کے آخیر میں غائب ہو جاتا ہے -

غالب کی اپنی تشریح دیکھیے :

اولِ ماہ - یہاں ماہ بمعنی مہینے کے ہے اور اول سے ۸، ۹، ۱۰ تاریخ مقصود ہے اول راتوں میں بعد آدھی رات کے چاند چھپ جاتا ہے - بس شاعر کہتا ہے کہ ہنوز ابتدائے حال ہے اور قمرزائد النور ہے اور باوجود اس روز افسونی دولت کے تیری شرم سے آخر شب کو

بھاگ جاتا ہے اور تمام رات تیرے مقابل نہیں رہ سکتا ۔

اس کو "حسن تعلیل" کہتے ہیں یعنی چاند کا اوائل ماہ قمری میں آخر شب غروب ہونا ضروری ہے ۔ شاعر نے اس کی ایک اور وجہ قرار دی ہے ۔

بگذر از دشمن، دلش سخت است سخت
آبروے تیر و پیکاں می رود

رقیب (دشمن) سے قطع نظر کر لے، اس کا دل تو بہت سخت ہے اس پر تیرے تیرو پیکاں چلانے کا کیا فائدہ، وہ ضائع ہو رہے ہیں ۔ ان کی آبرو لٹ رہی ہے ۔ یہ تیر ہم پر آزماؤ ۔

کیست تا گوید بداں ایواں نشیں
آنچہ بر غالب ز درباں می رود

کون ہے جو اس قصرنشیں محبوبہ سے جا کر کہے جو کچھ غالب پر درباں کے ہاتھوں ظلم ہو رہا ہے ۔

غزل نمبر ۳۴

نومیدی ما گردشِ ایام ندارد
روزے کہ سیہ شد سحر و شام ندارد

گردشِ ایام سے زمانے میں تبدیلیاں آتی ہیں لیکن بعض لوگ ایسے بدبخت ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی میں ایسے قانون بھی اثرانداز

نہیں ہوتے - کہتا ہے :

ہماری مایوسی میں کوئی انقلاب نہیں آتا - جو دن سیہ ہو جائے اس کی نہ صبح ہوتی نہ شام (وہ تو ہمیشہ تاریک ہی رہتا ہے) - یعنی ہماری مایوسی کبھی امید سے نہیں بدلتی -

بوسم لب دلدار و گزیدن نتوانم
نرم است دلم ، حوصلۂ کام ندارد

لغت : ''کام'' = خواہش' خواہش برآری -

میں محبوب کے لبوں کو تو چومتا ہوں لیکن آنھیں زور سے کاٹ نہیں سکتا ، میں بہت نرم دل واقع ہوا ہوں' مجھ میں خواہش کے پورا کرنے کا حوصلہ ہی نہیں -

مفرست بہ طوفِ حرم دوست نسیمے
کز نکہتِ گل جامہ احرام ندارد

حرم دوست کے طواف کے لیے کوئی نسیم ایسی نہ آئے جو بوے گل کا احرام پہنے ہوئی نہ ہو (یعنی معطر اور پاکیزہ نہ ہو .)

ہر ذرہ خاکم ز تو رقصاں بہ ہوائے است
دیوانگی شوق سر انجام ندارد

میری خاک کا ہر ذرہ تیری محبت میں فضا میں رقص کر رہا ہے - جنون عشق کی کوئی انتہا نہیں ہوتی (ذرے ہوا میں گھومتے رہتے ہیں اور کسی منزل مقصود پر نہیں پہنچتے) - جنون عشق کا بھی یہی عالم ہے - پیہم سرگردانی -

رو تن به بلا ده که دگر بیم بلا نیست
مرغ قفسے کشمکش دام ندارد

اپنے آپ کو مصائب کے سپرد کر دے جہاں پھر کسی قسم کا خوف مصیبت نہ رہے۔ جو پرندہ پنجرے میں قید ہو اُسے جال میں پھنسے رہنے کی کشمکش سے نجات مل جاتی ہے۔

غ بے محابا در بلا بودن بہ از بیم بلاست

قاصد خبر آورد و ہماں خشک دماغم
طرف قدحش رشحۂ پیغام ندارد

لغت : ''خشک دماغ''= جو نشے سے عاری ہو۔ خمار زدہ۔

قاصد محبوب کا پیغام لے کر آیا اور میں ویسا ہی افسردہ خاطر ہوں۔ قاصد کے پیالے سے پیغام کا کوئی کیف آور قطرہ نہیں ٹپکتا۔ (یعنی کوئی خوش کن پیغام نہیں آیا)۔

بے نقشِ وجود تو سراپاے من از ضعف
چوں بستر خواب است که اندام ندارد

تیرے وجود کے بغیر میرا ضعیف جسم اس بستر خواب کی طرح ہے کہ جس پر کوئی لیٹا ہوا نہ ہو (خالی بستر) اللہ تعالٰی ہی کے وجود سے تمام وجود قائم ہیں۔

گردید نشان‌ها ہدفِ تیر بلاها
آسائش عنقا که بجز نام ندارد

جہاں کہیں نشان ہوگا، تیر بلا کا نشانہ بنے گا (یعنی جو چیز

معرض وجود میں ہے وہ مصائب میں گھری ہوئی ہے) آسودگی صرف عنقا کو نصیب ہے کہ اس کا صرف نام ہے وجود کوئی نہیں ۔

بلبل به چمن بنگر و پروانه به محفل
شوق است که در وصل ہم آرام ندارد

وصل میں بھی شوق کو آرام نصیب نہیں ۔ بلبل کو چمن میں اور پروانے کو شمع کی محفل میں دیکھ لو کتنے بے قرار ہیں ۔

تلخ است رگِ ذوق کبابے که بسوزد
زاں رشک که سوزِ جگرِ خام ندارد

''جگر خام'' وہ دل یا جگر جو عشق کی آگ سے نیم بسمل ہو کہ اس میں عشق کی کسک بدستور چلی جاتی ہے اور اسی کسک میں ساری لذت زندگی پوشیدہ ہے ۔ کہتا ہے :

جو کباب جل گیا ہے اس میں تلخی ہے ۔ اس وجہ سے کہ اس میں سوز جگرِ خام کا انداز نہیں اور اسے اس پر رشک آتا ہے کہ میں بھی اس آتش نیم سوز سے لذت اندوز کیوں نہ ہوا ۔

آیا به دلت ولوله کسبِ ہوا نیست
یا آنکه سرائے تو لب بام ندارد

کیا تجھ میں ہوا کو جذب کرنے کا ولولہ ہی نہیں یا تیرے گھر کا کوئی لب بام ہی نہیں ۔

بوسے که ربایند به مستی ز لب یار
نغزست و لے لذت دشنام ندارد

لغت : ''بوس'' = بوسہ ۔

مستی کے عالم میں لب یار کا بوسہ بہت مزیدار ہے لیکن اس میں دشنام کی لذت شامل نہیں ہوتی ۔

هر رشحه باندازهٔ هر حوصله ریزند
میخانهٔ توفیق خم و جام ندارد

پینے والے کے ظرف اور حوصلے کے مطابق شراب ملتی ہے ۔ خدا تعالیٰ کے کرم و بخشش کے میخانے میں خم و جام نہیں ہوتا ۔

غالب که به است از غزلم مصرعهٔ آستاد
''بادام صفاے گل بادام ندارد''

غالب ! میری ساری غزل سے آستاد کا یہ مصرعہ زیادہ اچھا ہے ۔

''بادام میں گل بادام کی سی پاکیزگی حسن نہیں ہوتی''

غزل نمبر ۴۴

چه خیزد از سخنے کز درون جان نبود
بریده باد زبانے که خونچکان نبود

جو بات دل سے نہیں نکلتی وہ کچھ اثر نہیں کرتی ، بس کٹیو

وہ زبان جو خونچکاں یعنی درد سے بھری ہوئی نہ ہو۔

حکیم ساقی و مے تند و من ز بدخوئی
ز رطلِ بادہ بہ خشم آیم ارگراں نبود

حکیم سے مراد خدا ہے۔ کہتا ہے کہ ساقی تو اندازے سے زیادہ نہیں دیتا اور شراب (دولت دنیا) تند ہے مگر میں اپنی بدخوئی اور زیادہ طلبی سے اگر شراب کا پیالہ ہلکا پاتا ہوں تو غصے میں آتا ہوں۔ (حالی)

نگفتہ ام ستم از جانب خداست، ولے
خدا بہ عہد تو بر خلق مہرباں نبود

میں یہ نہیں کہتا کہ ستم خدا کی طرف سے ہے۔ لیکن خدا تیرے عہد میں خلق پر مہربان نہیں ہوتا۔ یعنی اگر وہ مہربان ہوتا تو تو اتناجور و ستم نہ کر سکتا۔

ز نازکی نتواند نہفت راز مرا
خیال بوسہ برآں پاے بے نشاں نبود

وہ اپنی نزاکت کی وجہ سے میرے راز کو چھپا نہیں سکتا، بوسے کے خیال سے بھی اُس کے پاؤں پر ایک نشان سا پڑ جاتا ہے۔
اس شعر سے معاً فارسی کے شعر کی طرف دھیان جاتا ہے۔

تو بخواب ناز بودی و من از رقیب پنہاں
کف پات بوسہ دادم زحنا شنیدہ باشی

مرزا غالب نے اسی قسم کے احساس کو زیادہ مبالغہ آمیز انداز

میں بیان کیا ہے ۔ کہتا ہے کہ بوسہ لینا تو درکنار اگر بوسے کا خیال بھی آئے تو میرے محبوب کی نزاکت کا یہ عالم ہے کہ اس خیال بوسہ سے اس کے پاؤں پر نشان سے پڑ جاتے ہیں اور میری یہ راز کی بات ظاہر ہوتی ہے ۔

چو عشرتے که کند فاسق تنک مایه
ز زخم، خوں به زباں لیسم، ار رواں نبود

جس طرح ایک کم مایہ عیاش گھٹیا قسم کی عیاشی کرتا ہے میں اگر میرے زخموں سے خون نہ بہے تو میں زخم کو چاٹنا شروع کر دیتا ہوں ۔

زخویش رفته ام وفرصتے طمع دارم
که باز گردم و جز دوست ارمغاں نبود

قاعدہ ہے کہ جب آدمی کہیں سفر پر جاتا ہے تو وہاں سے کچھ سوغات وہدیہ و ارمغان لے کر وطن میں واپس آتا ہے ۔ کہتا ہے کہ میں اپنے آپ سے تو جا چکا ہوں اب یہ چاہتا ہوں کہ واپس پھر کر اپنے آپ میں آؤں تو دوست (یعنی حق) کے سوا کوئی سوغات لے کر نہ آؤں ۔ (حالی)

زمام ناقه به دست تصرفِ شوق است
به سوئے قیس گرایش ز ساربان نبود

لغت: ''گرای'' = رجحان

یعنی لیلیٰ کا ناقہ جو قیس کی طرف چلا ہے ، بوجہ ساربان نہیں

بلکہ اس وقت اس کی باگ تصرفِ شوقِ قیس کے ہاتھ میں ہے وہ جدھر چاہتا ہے لے جاتا ہے۔ (حالی)

یعنی مجنوں کا جذب شوق اتنا تیز ہے کہ ناقہ لیلیٰ خودبخود کشاں کشاں اُس کی طرف جا رہا ہے، ساربان کا اس میں ہاتھ نہیں۔

فرو برد نفس سرد من جہنم را
اگر نشاطِ عطائے تو درمیان نبود

خدا سے خطاب کرکے کہتا ہے اے خدا اگر ہمیں یہ خوشی نہ ہو کہ جہنم بھی تیری عطا ہے تو میرا نفس سرد اُسے نگل جائے۔ (جہنم سرد پڑ جائے)۔

مرا کہ لب بہ طلب آشنا نخواستۂ
روا مدار کہ شاہد ضمیرداں نبود

خدا سے کہتا ہے اگر تو نے یہ گوارا نہیں کیا مجھے طلب آشنا لب ملتے تو یہ بھی روا نہیں کہ ہمارا محبوب ہمارے ضمیر کی بات ہی نہ جانے۔

یعنی اگر ہمیں طلب کی خو نہیں دی تو معشوق کو تو ہمارے دل کا رازداں بنایا ہوتا۔

امید بوالہوس و حسرتِ من افزوں شد
ازیں نوید کہ اندوہ جاوداں نبود

یہ خوشخبری سن کر کہ غم ہمیشہ نہیں رہتا بوالہوس رقیب کی امیدیں بڑھ گئیں اور میری حسرتوں میں اضافہ ہوا۔

به التفاتِ نگارم چه جائے تہنیت است
دعا کنید که نوعے ز امتحاں نبود

میرے محبوب کا التفات میرے لیے کوئی مبارک باد کا مقام نہیں ، دعا کرو کہ یہ التفات اور توجہ اور مہربانی بھی ایک نئے رنگ کا امتحان ہی نہ ہو ۔

عجب بود سر ہمخوابی کسے غالب
مرا کہ بالش و بستر ز پرنیاں نبود

لغت : ''بالش'' = تکیہ ۔ ۔ ۔ ''پرنیاں'' = ریشم ۔ ۔ ۔ ''سر'' = ارادہ ، خیال ۔

غالب ! میری کسی کے ساتھ ہمخواب ہونے کی خواہش بھی عجیب ہے ، میرے پاس نہ ریشمی بستر ہے نہ تکیہ ۔

غزل نمبر ۸۵

بتان شہر ، ستم پیشہ شہریاران اند
کہ در ستم روش آموز روزگاران اند

خوبان شہر کیا ہیں ، ظالم بادشاہ کی طرح ہیں ۔ زمانہ تو ستم ڈھاتا ہی ہے ۔ یہ زمانے کو بھی سکھاتے ہیں کہ دیکھو طرز ستم یوں ہوتی ہے ۔

برند دل بہ ادائے کہ کس گماں نہ برد
فغاں ز پردہ نشیناں کہ پردہ داراں اند

اس ادا سے دل چھین لیتے ہیں کہ کسی کو گماں تک نہیں ہوتا ۔ توبہ ! یہ پردہ نشین ، کہ چھپ کر دل چراتے ہیں اور پھر اس راز کو ظاہر بھی ہونے نہیں دیتے ۔

بہ جنگ تاچہ بود خوے دلبراں کایں قوم
در آشتی نمک زخم دلفگاراں اند

ان معشوقوں کی دشمنی اور مخالفت کا کیا عالم ہوگا جب کہ یہ لوگ صلح و آشتی کی حالت میں بھی اپنے زخمیوں (عاشقوں) کے دلوں کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہیں ۔

نہ زرع و کشت شناسند نے حدیقہ و باغ
ز بہر بادہ ہوا خواہ باد و باراں اند

ہوا اور مینہ کچھ اس لیے نہیں چاہتے کہ اس سے کھیتیاں اور پھلواڑیاں اور باغ سرسبز و شاداب ہوں گے بلکہ صرف اس لیے کہ شراب پینے کا لطف بغیر باد و باراں کے نہیں آتا ۔

مولانا حالی نے "یادگار غالب" میں اس شعر کی وضاحت کے ضمن میں ایک بڑی پر لطف بات کہی ہے ۔ لکھتے ہیں :

"یہ مضمون مرزا صاحب کو کہیں تلاش کرنا نہیں پڑا بلکہ یہ خاص اُن کی طبیعت کا اقتضا تھا ۔ جس مکان میں مرزا رہتے تھے اس کے دروازے پر ایک کمرہ تھا اور کمرے کے آگے ایک برآمدہ

تھا ، جس کے نیچے رستہ چلتا تھا ۔ یہ برآمدہ گزرگاہ سے تقریباً چار گز اونچا ہوگا ۔ ایک روز مینہ برس رہا تھا اور مرزا صاحب برآمدے میں بیٹھے ہوئے ابر و باراں کی مدارات میں مصروف تھے ۔ اس وقت عالمِ سرخوشی میں فرمانے لگے کہ جی چاہتا ہے ایسا برسے کہ گلی کی رو کا پانی برآمدے تک آ جائے اور میں یہیں بیٹھا بیٹھا گلاس بھر بھر کر پانی پیوں ، کسی نے کہا حضرت ! برآمدے تک پانی آ گیا تو شہر پہلے ڈوب جائے گا ۔ مرزا ہنس کر چپکے ہو رہے ۔

ز وعدہ گشتہ پشیماں و بہر دفع ملال
امیدوار بہ مرگ امیدواراں اند

وہ ایفائے عہد سے انحراف پر پشیماں ہیں اور اب اس وعدہ خلافی کے ملال کو دور کرنے کے لیے ، وعدے پر امیدیں لگائے ہوئے عاشقوں کی موت کے منتظر (امیدوار) ہیں یعنی وہ مریں تو وعدے کے سارے جھنجھٹ ختم ہو جائیں ۔

ز روے خو و منش نور دیدۂ آتش
بہ رنگ و بوے جگر گوشۂ بہاران اند

خو اور طبیعت میں اتنے گرام مزاج گویا آگ کی آنکھوں کا نور ہیں اور ظاہری حسن و خوبی میں اتنے شگفتہ جیسے بہار کے لخت جگر ہیں ۔

یعنی دیکھنے میں سرتاپا بہار اور باطن میں آتش بار ۔

تو سرمہ بیں و ورق در نورد و دم در کش
مبیں کہ سحر نگاھاں سیاہکاران اند

لغت : ''ورق در نوردن'' = ورق الٹ لینا

حسینائیں سرمہ ڈال کر آنکھوں کو اور بھی دلکش بنا لیتی ہیں ۔ شاعر نے انہیں ''سحر نگاہاں'' کہا ہے ۔ ایسے لوگ بظاہر سحر نگاہ ہوتے ہیں لیکن اُن کا باطن سیاہ ہوتا ہے ۔ اس اعتبار سے انہیں سیاہکار کہا گیا ۔ کہتا ہے :

تو ان حسینوں کی آنکھ کا سرمہ دیکھ اور معاملہ یہیں ختم کر دے اور چپ ہو جا ۔ یہ نہ دیکھ کہ جادو بھری نظروں والے سیہ چشم در پردہ سیاہکار ہیں ۔

ز دید و داد مزن حرف ، خرد سالاں اند
بہ گرد راہ منہ چشم نے سواران اند

لغت : ''نے سوار'' = طفل نے سوار ، وہ بچہ جو کسی چھڑی کو گھوڑا بنا کر چلتا ہے ۔ کمسن ۔

ان کے دیدار اور نظارے کی بات نہ کر ابھی وہ خردسال ہیں ۔ اُن کی راہ میں اڑنے والی گرد کا انتظار نہ کر کیونکہ یہ شہسوارانِ حسن ابھی کمسن (نے سوار) ہیں ۔

ز چشم زخم بدیں حیلہ کے رہی غالب
دگر مگو کہ چو من در جہاں ہزاران اند

لغت : ''چشم زخم'' = ترکیب مقلوب ہے یعنی زخم چشم ،

نظر لگنا ۔

غالب یہ مت کہہ کہ میرے جیسے دنیا میں ہزاروں اور ہیں ، اتنا کہہ دینے سے تو نظر بد سے نہیں بچ سکتا ۔ یعنی تیری منفرد حیثیت اور شخصیت کو نظر بد لگے ہی لگے ۔

غزل نمبر ۴۶

دلستاناں بحلند ، ارچہ جفا نیز کنند
از وفائے کہ نکردند حیا نیز کنند

لغت : ''بحل'' = ترک کردہ شد ، معاف ۔

دل چھیننے والے معشوق قابل معافی ہیں اگرچہ وہ جفا بھی کرتے ہیں ۔ چونکہ وہ وفا نہیں کرتے اس بات سے شرم سار بھی ہوتے ہیں اسی وجہ سے قابل معافی ہیں ۔

چوں ببینند ، بترسند و بہ یزداں گروند
رحم خود نیست کہ بر حال گدا نیز کنند

جب وہ گدائے محبت کی حالت کو دیکھتے ہیں تو ڈرتے ہیں اور خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ اُن کا رحم کرنا فی الحقیقت رحم نہیں ، اللہ کا خوف ہے ۔

خستہ تا جاں ندہد ، وعدۂ دیدار دہند
مشوہ خواہند کہ درکار قضا نیز کنند

عاشق خستہ حال جب تک جاں نہیں دے دیتا یہ لوگ دیدار

کا وعدہ کرتے رہتے ہیں۔ قضا و قدر کے معاملے میں ناز و انداز دکھانے سے باز نہیں آتے۔

زندگی اور موت خدا اور قضا کے تصرف میں ہے معشوق اس میں دخل اندازی کر کے اپنا شوقِ ناز وادا پورا کرتے ہیں۔

خون ناکامی سی سالہ ہدر خواہد شد
مہر با ما اگر از بہر خدا نیز کنند

لغت: "ہدر" = ضائع، رائگاں۔

عاشق کو مدتوں نا کامی کا منہ دیکھنا پڑا، لیکن وہ اسی میں خوش تھا۔ اب جو معشوق نے انداز مہربانی اختیار کیا تو معلوم ہوا کہ وہ محض خدا ترسی تھی۔ چنانچہ عاشق کی نا کامیوں کا خون ہو گیا۔

اندر آں روز کہ پرسش رود از ہرچہ گذشت
کاش با ما سخن از حسرتِ ما نیز کنند

لغت: "آں روز" = اس دن۔ یعنی روز قیامت۔

حشر کے دن جب گزرے ہوئے معاملات و حالات کے بارے میں پوچھ ہوگی، کاش اس روز ہماری حسرتوں کے بارے میں ہم سے پوچھا جائے۔ (تا کہ اگر کچھ صلہ نہیں تو کم از کم داد تو ملے، یہ نہ ہو کہ وہاں بھی ایک حسرت دل میں رہ جائے۔)

نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

از درختان خزان دیده نباشم ، کاین ها
ناز برتازگیِ برگ ونوا نیز کنند

میں خزاں دیدہ درختوں میں سے نہیں ہوں کیونکہ انھیں تو کم از کم تازہ برگ و بار حاصل ہونے پر ناز ہوتا ہے ۔ (میری زندگی تو سرتاپا اور مسلسل خزاں ہے) ۔

گر بود کوتہی از عمر ، تو دانی و اجل
گفتۂ کار به ہنگامِ روا نیز کنند

خدا سے خطاب ہے : اگر زندگی مختصر ہے تو اس کا علم یا تجھے ہے یا موت کو ، تو نے تو خود فرمایا ہے کہ ہر کام اپنے مناسب وقت پر کیا جاتا ہے ۔

نشوی رنجه ز رنداں به صبوحی کاین قوم
نفسِ بادِ سحر غالیه سا نیز کنند

لغت : ''غالیہ سا'' = معطر ۔ ۔ ۔ ''صبوحی'' = صبح کی شراب ۔
رندوں کی صبوحی نوشی پر رنجیدہ نہ ہو کیونکہ یہ لوگ اپنی شراب کی خوشبو سے صبح کی ہوا کو معطر بھی تو کر دیتے ہیں ۔ (یعنی ان کی شراب نوشی ، صبح کی طرب انگیز فضا میں اضافہ کر دیتی ہے) ۔

گفته باشی که زما خواہش دیدار خطاست
این خطاے است که در روز جزا نیز کنند

تو نے غالباً یہ کہا ہوگا کہ ہمارے دیدار کی خواہش غلط

ہے - یہ وہ غلطی ہے جو روز جزا بھی کی جائے گی - کہا جاتا ہے کہ طور پر موسیٰ کی طلب دیدار پر خدا نے ''لن ترانی'' کہا تھا یعنی تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا -

ایسی خواہش کرنا خطا تھی لیکن یہ خطا تو تیرے بندوں سے قیامت کے دن بھی ہوگی - ضروری نہیں کہ وہاں تیرا دیدار عام ہو -

حلق غالب نگر و دشنۂ سعدی که سرود
خوب رویانِ جفا پیشه وفا نیز کنند

سعدی نے غالب کے حلق پر چھری چلا دی جب اُس نے یہ کہا
یہ حسینانِ ستمگر وفا بھی کیا کرتے ہیں -

غزل نمبر ۷۴

دماغِ اهل فنا نشهٔ بلا دارد
به فرقم ارّه ، طاوعِ پر ہُما دارد

لغت : ''اہل فنا'' = جو اپنے آپ کھو بیٹھے ہیں -

اہلِ فنا کا دماغ مصائب سے سرشار ہوتا ہے ،میرے سر پر آرہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا پر ہما ہے -

به وعده گاه خرام تو کرد نمنا کم
بیا که شوقم از آوارگی حیا دارد

تیرے وعدہ گہ پر خراماں آنے نے مجھے نمناک کر دیا

(مجھے پسینہ آ گیا) - آکہ میرے شوق کو آوارگی سے شرم آتی ہے -

یعنی میں اپنے معشوق کو آوارہ خراسی کرتا دیکھنا گوارا نہیں کرتا - میں یہ منظر دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں -

کشاد شست ادائے تو دلنشینِ من است
اگر خدنگ تو در دل نشست جا دارد

تیرے نشانہ باندھنے کا انداز ہی دل نشیں ہے - اگر تیرا تیر دل میں آ کر بیٹھ گیا تو بالکل مناسب ہوا -

زمن مترس که ناگه به پیش قاضی حشر
ہجوم ناله لبم را زناله وا دارد

مجھ سے مت گھبرا ، میں تو وہ شخص ہوں کہ اگر قیامت کے روز داور حشر کے سامنے فریادوں کا طوفان بھی میرے لبوں پر آ گیا تو رک جائے گا - یعنی میں تیرا شکوہ نہیں کروں گا -

دلم فسُرد ، بیفزا به وعده ذوقِ وصال
چراغ کشته هماں شعله خون بها دارد

لغت : ''چراغ کشتن'' = چراغ بجھانا - - - ''چراغ کشته'' = بجھا ہوا چراغ -

تیرے وعدۂ وصل کے پورا نہ ہونے سے میرا ذوق وصال ماند پڑ گیا ہے اور دل افسردہ ہو کر رہ گیا ہے - تو تجدید وعدۂ وصال سے اس ذوقِ وصال کو تازہ کر دے - بجھے ہوئے کا خوں بہا

یہی ہوتا ہے کہ اُس کا شعلہ پھر بھڑک اُٹھے ۔

یعنی وعدہ وصل سے شوق کی آگ پھر بھڑک اُٹھے گی ۔ جس طرح چراغ کے بجھانے کا صلہ یہی ہوتا ہے کہ اُسے پھر جلایا جائے ۔

تپم ز رشک، ہمانا بہ جستجوے کسے است
که خور زتاب خود آتش بزیرپا دارد

لغت : ''خور'' = سورج ۔ ۔ ۔ ''آتش بزیرپا'' = بیقرار۔

میں اس رشک سے جلتا ہوں کہ سورج اپنی طبعی گرمی ہی سے بے قرار ہے ۔ نہیں، یقیناً وہ بھی کسی کی جستجو میں ہوگا ۔

پے عتاب ہمانا بہانه می طلبد
شکایتے که زمانیست ہم به ما دارد

جو گلے شکوے ہم اُس سے نہیں کرتے اُن سے بھی خفا ہوتا ہے اور شکوہ کرتا ہے کہ ہم ایسا کیوں نہیں کرتے ۔ غرض وہ ہم سے بگڑنے اور عتاب نازل کرنے کے بہانے تلاش کرتا رہتا ہے ۔

خوش است دعوی آرائش سر و دستار
ز جلوۂ کف خاکے که نقش پا دارد

جس خاک پر تیرا نقش پا ہو اس خاک کا نظارہ ہی ہمارے سرو دستار کے لیے آرائش و زینت کا سامان ہے ۔ (کیونکہ عاشق کا کا سر خود بخود اس نقش پا پہ سجدہ ریز ہوگا) ۔

زجورِ دستِ تہی نالہ از نہادم جست
نئے کہ برگ ندارد ہماں نوا دارد

ہماری تہی دستی کے ہاتھوں ہمارے تن سے فریادیں ابھرتی ہیں جس طرح نے (بانسری) جو خالی ہاتھ (بے برگ) ہوتی ہے فریاد کرتی ہے۔

زسادگی رمد از حرفِ عشق، ومن بگماں
کہ دوست تجربہٗ دارد از کجا دارد

میرا محبوب محض سادگی کی وجہ سے عشق کی باتوں سے گھبراتا ہے اور کتراتا ہے اور میں اس وسوسے میں ہوں کہ اِس کو عشق کا کوئی تلخ تجربہ ہو چکا ہے، وہ تجربہ کہاں ہوا ہے اور کیسے ہوا ہے۔

بہ خوں طپیدنِ گلہا، نشان یک رنگی است
چمن عزائے شہیدان کربلا دارد

سرخ سرخ پھول خون میں تڑپ رہے ہیں، یہ سب کے سب ایک رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ چمن شہیدان کربلا کا ماتم کر رہا ہے (گویا چمن کربلا کا منظر پیش کر رہا ہے۔)

فغاں کہ رحم بد آموز یار شد غالب
روا نداشت کہ بر ماستم روا دارد

افسوس کہ دوست کو جذبۂ رحم نے گمراہ کر دیا ہے۔ اب وہ

ہم پر جور و ستم کرنے کو روا نہیں سمجھتا ۔ ہم مارے گئے ۔

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر

غزل نمبر ۴۸

نقاب دار کہ آئینِ رہزنی دارد
جمال یوسفی و فرِ بہمنی دارد

لغت : ''نقاب دار'' = پردہ نشیں (معشوق)

''بہمن'' اسفندیار کا بیٹا تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ ایران ، عرب اور یونان اور ایطالیہ تک اس کی سلطنت پھیلی ہوئی تھی ۔ اس لیے یہ اپنی فر و شوکت کے لیے مشہور ہے ۔ مشہور ہے کہ اس کے ہاتھ زانو تک پہنچتے تھے اس اعتبار سے بہمن کا لفظ دراز دست کے معنوں میں بھی آتا ہے ۔

(بہمن ایران کے بارہ مہینوں میں سے ایک ہے ۔ اور تین دنوں میں سے ایک دن کا نام بھی ہے ایرانیوں میں یہ لفظ عقل اول کے لیے مستعمل ہے وہ اسے صادر اول بھی کہتے ہیں ۔)
اس شعر میں بہمن ، ابن اسفند یار کے لیے آیا ہے ۔

میرا محبوب پردہ نشیں جس کا دستور عاشقوں کے دلوں کو لوٹنا ہے ، حسنِ یوسف بھی رکھتا ہے اور بہمنی شان و شوکت اور دبدبہ بھی ۔

وفائے غیر گرش دلنشیں شد است چہ غم
خوشم ز دوست کہ با دوست دشمنی دارد

اگر رقیب کی وفا کا خیال اُس (میرے دوست) کے دل میں بیٹھ گیا ہے، تو فکر کی بات ہے۔ میں تو دوست سے خوش ہوں کہ وہ وفادار دوست سے دشمنی کرتا ہے۔ رقیب کا بھی یہی حشر ہوگا، وہ بھی اس کے ستم کا شکار ہوگا۔

چہ ذوق رہ روی آں را کہ خار خارے نیست
مرو بکعبہ اگر راہ ایمنی دارد

لغت: ''خار خار'' = خلش، خلجان۔

جب تک کچھ خطرہ نہ ہو سفر میں کچھ لطف نہیں۔ پس اگر کعبے کی راہ پر امن ہو تو کعبے بھی نہیں جانا چاہیے۔

کٹھن منزلیں طے کرنے کے بعد مقام مقصود پر پہنچنے کا لطف ہوتا ہے۔

بہ دلفریبی من گرم بحث و سودِ منست
نگاہ تو۔ بہ زبانِ تو ہم فنی دارد

تو میرے دل کو فریب دینے میں گرم بحث ہے، اور اس میں میرا فائدہ ہے کیونکہ تیری زبان اور نگاہیں دونوں ہم فن ہیں یعنی دونوں دلفریب ہیں۔

به باده گر بودم میل ، شاعرم نه فقیه
سخن چه ننگ ز آلوده دامنی دارد

اگر میں شراب کا رسیا ہوں تو کیا ہوا ، میں شاعر ہوں کوئی فقیہ نہیں ہوں ۔ شاعری کے لیے آلودہ دامنی کیا باعثِ ننگ ہو سکتی ہے ۔

شراب سے وہ پرہیز کریں جو اس کے حرام ہونے کے قوانین وضع کرتے ہیں یعنی فقیہ ۔

خوشم به بزم ز اکرامِ خویش ، زیں غافل
که مے نمانده و ساقی فروتنی دارد

لغت : ''فروتنی'' = تواضع ۔

بزم سے میں ساقی بڑی تعظیم سے پیش آرہا ہے اور میں اپنی اِس عزت افزائی سے خوش ہوں ۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میخانے میں شراب باقی نہیں رہی چنانچہ ساقی اس شرم کو چھپانے کے لیے تواضع کر رہا ہے ۔

نبا شدش سخنے کش تواں به کاغذ بُرد
برو که خواجه گہرھائے معدنی دارد

لغت : ''خواجہ'' = مال دار آدمی ۔ طنزاً حضرت کے مفہوم میں بھی آتا ہے یہاں اس کے دونوں معنوی پہلو ابھرتے ہیں ۔ خواجہ کے پاس سخن کے موتی کہاں جو وہ کاغذ پر بکھیرے ، جا اس کے پاس تو دولت (کان سے نکلے ہوئے موتی ہیں) ہے اور بس ۔ شاعری کے ذوق سے بے بہرہ ہے ۔

بیاورید گر اینجا بود زبان دانے
غریب شہر سخن‌ہاے گفتنی دارد

مولانا حالی اس شعر کے ضمن میں لکھتے ہیں :-

حد سے زیادہ بلیغ شعر ہے اگرچہ مضمون عام ہے مگر خود شاعر کے حال پر خوب چسپاں ہوتا ہے اور اس نے یقیناً اپنی ہی نسبت کہا ہے جب کوئی غیر ملک کا مسافر شہر میں وارد ہوتا ہے اور اس کی زبان کوئی نہیں سمجھتا تو ترجمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاعر، کچھ تو اس لیے کہ کسی کو اپنا قدر دان اور پایہ شناس نہیں پاتا اور کچھ اس لیے کہ اپنے نازک اور باریک خیالات کا سمجھنے والا کسی کو نہیں دیکھتا، اپنے تئیں غریب شہر قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کسی ترجمان کو بلاؤ کہ اجنبی مسافر کچھ باتیں جو کہنے کے لائق ہیں، کہنی چاہتا ہے۔

مبارک است رفیق، ارچنیں بود غالب
ضیاے نیرِ ما چشم روشنی دارد

لغت: ''نیر'' = سورج کو کہتے ہیں یہاں۔

نیر سے مراد نواب ضیاء الدین خاں نیر رخشاں ہے جو غالب کے رفقا اور محسنوں میں سے تھے۔ غالب اگر ایسا رفیق ہو جیسے کہ نیر رخشاں ہیں تو بڑی مبارک بات ہے، ہمارے نیر کی چمک بصیرت رکھنے والی آنکھ کی طرح ہے۔

نیر رخشاں، ایک نغزگو شاعر بھی تھے اور ذوقِ سلیم بھی رکھتے تھے۔

شعر کے دوسرے مصرعے میں، ضیا، نیر اور روشنی کے الفاظ

بڑی رعایتِ شعری کے حامل ہیں اور ذو معنی ہیں ۔

غزل نمبر ۴۹

زرشک است ایں کہ درعشق آرزوے مردنم باشد
تو جان عالمی ، حیف است گرجان در تنم باشد

عشق میں مجھے جو مرنے کی آرزو ہے یہ رشک کی وجہ سے ہے ۔ رشک اس بات کا کہ دنیا کی جان ہے پھر افسوس ہے اگر میرے تن میں بھی جان ہو ۔

یعنی میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ تیری محبت سب کے دل میں ہو ۔

اس شعر کا اطلاق شاہد حقیقی پر ہے ۔

زہے قسمت کہ ساز طالعِ عیشم کنند آں را
اگر خود جزوے از گردوں بہ کام دشمنم باشد

"خود" کا یہ لفظ یہاں تاکید کے لیے آیا ۔

اگر آسماں کا کوئی ٹکڑا بھی میرے رقیب کی خواہش کے مطابق ہو تو میری خوش قسمتی ہوگی اگر اسے میرے عیش و نشاط کا ساز و سامان بنا دیا جائے ۔

یعنی جو کچھ میرے رقیب کو میسر ہے کاش مجھے بھی مل جائے خواہ وہ گردش آسمانی ہی کیوں نہ ہو ۔

بیاسا ساعتے تا بردم تیغت گلو سایم
کہ از خود نیز در کشتن حقے بر گردنم باشد

لغت : ''بیاسا'' = مصدر آسودن سے فعل امر ہے آسا ، بائے زائد کے ساتھ بیاسا بن گیا ۔

''سایم'' مصدر سودن سے ہے ۔ (رگڑنا) رگڑ سکوں ۔

مجھے قتل کرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے رک جاتا کہ میں اپنا گلا تیری تلوار کی دھار پر رگڑ وں تا کہ اس قتل میں میری گردن پر میرا بھی کچھ احسان ہو ۔

لذت قتل کو بیان کیا ہے ۔

شناسم سعیِ بختِ خویش در نا مہربانی ہا
بلرزم بر گلستاں گر گلے در دامنم باشد

میں اپنے نصیبے کی مہربانیوں کو خوب پہچانتا ہوں ۔ اگر اتفاق سے کوئی پھول میری جھولی میں آ جائے تو میں باغ کی اس غیر متوقع عنایت پر لرز جاتا ہوں ۔

تو داری دین و ایمانے بترس از دیو و نیر نگش
چو نبود توشۂ را ہے چہ باک از رہزنم باشد

لغت : ''نیرنگ'' = طلسم ، فریب ۔

زاہد سے خطاب کر کے کہتا ہے :

تیرے پاس تو دین و ایمان کا سرمایہ ہے ، تجھے شیطان اور اس کی فریب کاریوں سے ڈرنا چاہیے ، مجھے کسی رہزن کا کیا ڈر ،

میرے پاس تو کوئی زادِ راہ نہیں ہے۔

بہ ذوقِ عافیت یاراں روند از خویش وچوں من ہم
خلد درپائے من خارے کہ در پیراہنم باشد

پہلے مصرعے کے اخیر میں ''ہم'' کا لفظ دوسرے مصرعے سے پیوستہ ہے۔ کہتا ہے:

یار لوگ تو عافیت کی لذت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ سے باہر نکل جاتے ہیں، جب کہ میری حالت یہ ہے کہ اگر کانٹا میرے پیراہن میں ہو تو وہ بھی میرے پاؤں میں کھٹکتا ہے یعنی یہ لوگ تو عافیت کوش ہیں اور میرا یہ عالم ہے کہ چبھن کہیں ہو خار پا بن کر مجھے منزل عافیت کی طرف رخ کرنے سے روک لیتی ہے۔

بداں تا بامن آویزد، چوں حرف رنگ و بوگوید
دلم با اوستے، اما زباں با گلشنم باشد

جب وہ رنگ و بو کی بات کرتا ہے تو میرا دل اس کی طرف ہی ہوتا ہے لیکن میں زبان سے گلشن کی بات کرتا ہوں تاکہ وہ مجھ سے الجھ پڑے (کہ میرے ہوتے ہوئے گلشن کے رنگ و بو کا تذکرہ کیوں کرتا ہے)۔

بدیں آہنگ ہائے پست نتواں غم بروں دادن
مگر صور قیامت، سازِ شورِ شیونم باشد

لغت: ''غم بروں دادن'' = غم کا باہر نکالنا، اظہار غم کرنا۔۔۔ ''شیون'' = فریاد۔

ان پست سُروں سے غم کا اظہار نہیں کیا جا سکتا ، بجز اس کے
میری فریاد کے ساز میں صورقیامت کی آواز سما جائے ۔

به سودایت بهان انداز از خود رفتنی دارم
اگر ، چون نالهٔ زنجیر ، بند از آهنم باشد

لغت : ''انداز از خود رفتنی'' = بے خود ہونے کا انداز ۔

زنجیر ذرا بھی ہل جائے تو اس سے آواز نکلتی ہے ۔ یہ نالۂ زنجیر ہے ۔ دیوانگی بڑھ جائے تو دیوانے کو زنجیر پہنا دیتے ہیں تا کہ وہ جوش جنون میں اِدھر اُدھر نہ نکل جائے ۔ ''بند از آہن'' یہی زنجیر ہے ۔ کہتا ہے :

اگر نالۂ زنجیر کی طرح میری قید و بند کا سامان لوہے کا ہو تو بھی میرا جوش جنون کم نہ ہوگا اور میں اپنے آپے سے باہر نکل جاؤں گا ۔

به زر همدوش قارون خفتن از دون همتی خیزد
بیا تا درسخن پیچم که غالب هم فنم باشد

''قارون'' مشہور دولتمند تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنس گیا تھا ۔دولت (زر) کے باعث قاروں کا ہمسر ہو کر زمین میں اس کا ہم پہلو ہو کر سونا ، کم ہمتی کی علامت ہے آ تا کہ شعر و سخن کے ساتھ لپٹ جاؤں کہ غالب میرا ہم فن ہو جائے ۔

یعنی قاروں کا ہمدوش ہونا میری کسر شان ہے ، میں تو فن شعر میں غالب کا ہمسر ہو سکتا ہوں کہ ہم دونوں ہم فن تو ہیں ۔

غزل نمبر ۵۰

حورِ بہشتی زیاد آن بتِ کشمیر برد
بیم صراط از نہاد آن دمِ شمشیر بُرد

ہم کشمیری محبوبہ کو دیکھ کر ، حور بہشتی کی یاد بھول گئے ۔
تلوار کی دھار نے صراط کے خوف کو دل سے مٹا دیا ۔

شبروی غمزۂ صبر و دل و دیں ربود
جاں کہ ازو باز ماند ، شحنۂ تقدیر بُرد

لغت : ''شبروی'' = رہزنی ، لوٹ ، غارت گری ۔
اُس کی اداؤں نے صبر ، دل اور دین چھین لیے ۔ جان جو باقی رہ گئی وہ قضا لے گئی ۔

نالہ در ایوار شوق توشۂ راہے نداشت
بست بہ غارت کمر ، فرصتِ شبگیر برُد

''ایوار'' و ''شبگیر'' دونوں مسافروں کی اصطلاحیں ہیں ۔ غروب آفتاب سے پہلے دیگر کے وقت کا سفر ایوار اور صبح طلوع ہونے سے ذرا پہلے کا سفر شبگیر کہلاتا ہے ۔
نالے کو شام کے سفر کے لیے زاد راہ نہیں تھا ، اُس نے لوٹ پر کمر باندھی اور صبح کی فراغت کو بھی چھین لیا ۔

شوق بلندی گرائے پایۂ منصور جست
حوصلۂ نارسا ، پے بہ سرِ تیر بُرد

لغت : ''بلندی گرائے'' = مائل بہ بلندی ۔ ۔ ۔ پے برد =

پیچھے گیا ۔

شوق کی بلندی منصور کے مقام کی تلاش میں تھی لیکن حوصلہ پست اور نارسا تھا وہ تیر کے زخم کھانے پر کفایت کر گیا ۔

کہاں دار پر چڑھ کر جان دینا اور کہاں تیر کا زخم کہ خودبخود آ کر لگتا ہے اور زخم کھانے والے کو کسی ہمت اور جسارت کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

یاس یگانہ کا ایک شعر ہے جو اسی نوعیت کے جذبے کا آئینہ دار ہے :

کیا کہوں سفر میرا ختم کیوں نہیں ہوتا
فکر کی بلندی ہے حوصلے کی پستی ہے

زد نگہت بر دلم ، مخزنِ اسرار دید
خواست کلیدش برد ، طاقتِ تقریر برد

تیری نگاہ میرے دل پر پڑی وہاں اسے اسرار باطنی کا خزانہ نظر آیا ۔ اس (نگاہ) نے چاہا کہ اس خزانے کی کنجی لے جاوے ، کنجی کی بجائے قوت گویائی لے گئی ۔

انسان کے دل میں نہ جانے کتنے افکار کے خزانے پوشیدہ ہوتے ہیں ، ان خزانوں تک رسائی انسان کی قوت گویائی سے ہوتی ہے جس سے اظہار خیال ہوتا ہے ۔

جنبشِ ابرو نبود ازپئے قتلم ضرور
غمزہ زبے طاقتی دست بہ شمشیر بُرد

لغت : ''غمزۂ'' = اشارۂ چشم وابرو ۔

ابرو کی شکل شمشیر کی طرح خمیدہ ہوتی ہے - میرے قتل کے لیے جنبش ابرو کی بھی حاجت نہ تھی ، معشوق کے غمزے (نازوادا) کی بے طاقتی نے تلوار پر ہاتھ ڈالا - یعنی میں تو حسن پہ یوں ہی جان قربان کر دیتا لیکن ناز حسن میں جاذبیت کی اتنی شدت نہ تھی اس لیے تیغ غمزہ اٹھانی پڑی -

روشنیٔ داشت عشق ، چاشنیٔ داشت مہر
آں خس ازآتش گرفت ، ایں شکرازشیر برد

دوسرے مصرعے میں آں کا اشارہ روشنی اور ایں کا چاشنی کی طرف ہے -

خانہ زنبور شُد کلبہ ام از دستِ چرخ
بسکہ زآب و گلم ، رغبتِ تعمیر بُرد

لغت : ''زنبور'' = بھڑ... ''آب و گل'' = طینت ، طبیعت -

آب و گل یعنی پانی اور مٹی (گارے) تعمیر میں کام آتے ہیں - زنبور ، ویران جگہ اپنا گھر بناتا ہے -

آسماں نے میری آب و گل سے تعمیر کی صلاحیت چھین لی اور میرا گھر ، خانۂ زنبور بن کر رہ گیا (یعنی اجڑ گیا) -

سردیِ مہرِ کسے آبِ رخِ شعلہ ریخت
گرمیِ نبضِ دلم ،عرضِ تباشیر برد

کسی کی سردمہری سے شعلے کے چہرے کی رونق ماند پڑ گئی اور میرے دل کی نبض کی گرمی نے تباشیر کا اثر زائل کر دیا - یعنی

معشوق کی سرد مہری سے عشق کی گرمی جاتی رہی اور ہمارا دل افسردہ ہو کر رہ گیا۔

عشق ز خاکِ درت سرمۂ بینش گرفت
یاوہ در آمد ہوس ، نسخۂ اکسیر بُرد

عشق کو تیرے دروازے کی خاک سے سرمۂ بصیرت مل گیا، ہوس بیہودہ کار کو نسخۂ اکسیر مل گیا۔

یعنی عشق سے عاشق کو بصیرت مل گئی اور ہوس اکسیر تلاش کرتی رہ گئی۔

با خودش افتاد کار ، باک زغالب مدار
ذوقِ فغانش ز دل، ورزش تاثیر بُرد

غالب اب اپنی اُلجھنوں میں پڑا ہے اب اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اب اُس کی پیہم فریادوں سے اثر نگیزی چھن گئی ہے۔

غزل نمبر ۵۱

تا چند بلہوس مے و عاشق ستم کشد
کوّ فتنہ تابہ داوری ہم علم کشد

پہلے مصرعے کی نثر یوں ہے۔ ''تا چند بلہوس مے کشد و عاشق ستم کشد''

لغت: ''داوریِ ہم'' = باہمی انصاف۔۔۔ ''علم کشد'' = جھنڈا بلند کرے۔

"فتنہ" = ہنگامۂ مصائب۔

کب تک اہل ہوس شراب پیتے رہیں گے اور عاشق ستم اٹھاتا رہے گا، فتنہ کہاں ہے کہ آکر انصاف کے لیے علم بلند کرے۔ یعنی مصائب کا سامنا ہو تو ہوس اور عشق میں امتیاز ہو سکتا ہے۔

دل را بہ کار ناز چہ سرگرم کردۂ
یعنی بہ خویش ہم کند و از تو ہم کشد

تو نے میرے دل کو عجیب طرح ناز کے مخمصوں میں ڈال دیا ہے اپنے آپ پہ بھی ناز کرتا ہے (کہ تیرا چاہنے والا ہے) اور تیرے ناز بھی اٹھاتا ہے۔

رشک است و دفعِ دخل مقدر، عتاب چیست
بگذار در دلم مژہ، چنداں کہ نم کشد

لغت: "مژگاں" = جڑوں کی طرح ہوتی ہے۔

"نم کشیدن" = نمی حاصل کرنا۔ جب کوئی پودا زمین میں لگایا جاتا ہے تو اسے پانی دیتے ہیں تاکہ وہ نشو و نما حاصل کرے اور وہیں جم جائے۔

عاشق کو رشک آتا ہے کہ معشوق کسی اور کو دیکھے۔ وہ چاہتا ہے کہ معشوق کی مژگاں اس کے دل میں پیوست ہو کر رہ جائیں۔

معشوق سے خطاب کرکے کہتا ہے کہ آپ کس بات سے بگڑتے ہیں۔ مقدر کی بات ہے کہ تو رقیب پر مہربان ہے اور مجھ سے بے نیاز ہے، اور مجھے اس بات سے رشک آتا ہے۔ میں رشک سے مقدر

کے اثر کو دور کرنا چاہتا ہوں ۔ اب یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ تیری نظریں میرے ہی دل میں پیوست ہو کر رہ جائیں ۔ اور دوسروں کو دیکھنے کی نوبت ہی نہ آئے ۔

صیدت زبیم جان نہ رمد ، بلکہ می‌رود
تا دشت را ز شوق درآغوشِ رم کشد

تیرا شکار (یعنی عاشق) تجھ سے اس لیے نہیں بھاگتا کہ اسے جان کا خوف ہے بلکہ وہ تو شکار ہونے کے والہانہ جذبۂ شوق میں بیابان کو اپنے آغوش میں سمیٹنا چاہتا ہے (تا کہ بچ کر نکل جانے کی گنجائش ہی نہ رہے اور تجھے اس کے شکار کرنے میں سہولت ہو) ۔

دشوار نیست چارۂ عیش گریز پاے
دورِ قدح چو سلسلہ گر سر بہم کشد

پرانے زمانے میں رندان میخوار حلقہ باندھ کر بیٹھتے تھے ۔ جام ایک دوسرے تک اور دوسرے سے تیسرے تک پہنچتا تھا اور اس طرح دور جام چلتا تھا ۔ زنجیر کے حلقے ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں اگر ایک دور جام زنجیر کا ایک حلقہ تصور کیا جائے تو جام مے کے مسلسل دور سے ایک زنجیر بن جائے گی جو کہیں نہیں ٹوٹے گی ۔

لغت : ''عیش گریز پا'' = بھاگ جانے والا عیش ، عارضی خوشی ۔

کہتا ہے اگر دور جام (زنجیر کے حلقوں) کی طرح باہم مسلسل چلا جائے تو اس عیش گریز پا کا چارہ کرنا دشوار نہیں ۔ یعنی شراب کا دور مسلسل چلتا رہے تو پھر عیش کہاں بھاگ کر جائے گا ۔

آنی که تابِ جذبۂ ذوقِ نگاہِ تو
رنگ از گل، مے از رز و صیداز حرم کشد

لغت : ''رز'' = انگور۔

''حرم'' کعبہ ، کعبے کی چار دیواری کے اندر کسی جاندار شکار کرنے کی اجازت نہیں ۔ حسن کی اثر انگیزی کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :

تو وہ ہے کہ تیری نگاہ کی کشش کی تیزی ، پھول سے رنگ ، انگور سے شراب اور حرم سے شکار کو باہر کھینچ لاتی ہے ۔

شوقم که رو شناسِ دل نازنین تست
کے منت نوشتن و ناز قلم کشد

میرا شوق محبت تیرے دل نازنین سے خوب آشنا ہے ۔ اس شوق کے اظہار کے لیے تحریر اور قلم کے ناز اٹھانے کی کیا حاجت ہے ۔

زشت آنکه تاز زحمتِ پشت وشکم رہد
ہم رنج کار سازیِ پشت و شکم کشد

لغت : ''زشت'' = بد صورت ، برا ، یہاں بد بخت یا بد نصیب مراد ہے ۔

''پشت و شکم'' = پیٹھ اور پیٹ ۔ (پیٹ پالنے کے لیے پیٹھ پر بوجھ اٹھانا پڑتا ہے) جسمانی ، مادی حاجتیں ۔ علائق دنیاوی ۔

کتنا بدنصیب ہے وہ انسان جو علائق دنیاوی سے نجات حاصل کرنے کے لیے ، دنیاوی وسائل مہیا کرنے کی زحمت اٹھاتا پھرتا ہے ۔

یوں بھی ، ضروریات زندگی کا حاصل ہونا آسائش کا باعث ہوتا ہے لیکن حاجات زندگی اگر حد سے بڑھ جائیں تو بجائے راحت کے زحمت بن جاتی ہیں ۔

صہبا حلال زاہد شب زندہ دار را
اما بشرطِ آں کہ ہماں صبحدم کشد

لغت : ''شب زندہ دار'' = راتوں کو جاگنے والا ۔ عبادت گزار

زاہد شب زندہ دار کے لیے شراب حلال ہے بشرطیکہ وہ شراب صبح کو پیے ۔

از تازگی بہ دھر مکرر نمی شود
نقشے کہ کلکِ غالب خونیں رقم کشد

غالب خونیں رقم جو نقش اپنے قلم سے کھینچتا ہے وہ اپنی تازگی کے باعث کبھی دوبارہ نہیں کھنچتا ۔ یعنی وہ ہر بار تازہ اور نئی بات کرتا ہے ۔

غزل نمبر ۵۲

ذوقش بہ وصل گرچہ زبانم زکار برد
لب در ہجوم بوسہ زپائش نگار برد

اگرچہ وصل میں وفور شوق سے میری زبان بے کار ہو کر رہ گئی لیکن میرے لبوں نے اس کے پاؤں کے اتنے بوسے لیے کہ رنگ حنا مٹ گیا ۔

تا خود بہ پردہ رہ نہ دہد کام جوئے را
در پردہ رخ نمود و دل‌از پردہ دار برد

لغت : ''پردہ دار'' = پردہ رکھنے والا' رازدار - - - ''کام جو'' = طالب خواہش ، خواہش کا بندہ -

محبوب حقیقی سے خطاب ہے -

محبوب حقیقی نے پردے میں اپنا جلوہ دکھایا اور پردہ داروں کے دل موہ لیے ، تا کہ کوئی بلہوس اس پردے میں بار نہ پا سکے -

گفتند حور و کوثر و دادند ذوقِ کار
منع است نام شاہد و مے آشکار برد

لغت : ''نام بردن'' = (کسی شے کا) نام لینا -

ذکر تو حور و کوثر کا کیا گیا اور در پردہ مقصد یہ تھا کہ انسان میں جذبۂ طلب و جستجو پیدا کر دیا جائے معشوق اور شراب کا نام علانیہ لینا منع ہے -

یعنی حور و کوثر کا ذکر اس لیے آیا کہ انسان شراب و محبوب کی طلب میں سرشار رہے -

نعش مرا بسوز ، کم از برہمن نیم
ننگ نسوختن نتواں در مزار برد

میں برہمن سے کم نہیں ہوں میری نعش کو جلا دے - میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ نہ جلنے کی ذلت لے کر مزار میں جاؤں (مر جاؤں) -

محبت کی آگ میں جل کر جان دینا عظمت عشق کی نشانی ہے ۔

گل چہرہ بر فروخت بدانسان کہ بارہا
پروانہ را ہوس بہ سرِ شاخسار برد

پھول کا چہرہ اس طرح (شمع کی طرح) بھڑک اٹھا کہ پروانہ اس پر جان دینے کے لیے شاخسار پر اپکا ۔

دادم بہ بوسہ جان و خوشم کان بہانہ جو
نرخش دو چند کرد و شگرفی بہ کار برد

میں نے بوسے کے عوض جان پیش کی ۔ خوش ہوں کہ اس بہانہ جو نے بوسے کا نرخ دگنا کر دیا ، اس معاملے میں عجیب چالاکی دکھائی ۔

مے داد و بذلہ جست ، مگر ابر و قلزمیم
کاورد قطرہ و گہرِ شاہوار برد

بادل (ابر) سے قطرۂ نیساں برستا ہے اور سمندر (قلزم) میں جا کر گہر بن جاتا ہے ۔

لغت : ''بذلہ'' = لطیف بات ، شعر نغز ۔

شراب کی تعریف کی ہے کہ اس کے کیف سے اچھے اچھے شعر ذہن میں ابھرتے ہیں کہتا ہے :

خدا نے ہمیں شراب دی اور اس کا عوض بذلہ گوئی طلب کی ۔ شاید وہ ابر ہے اور ہم سمندر ہیں کہ وہ قطرہ لاتا ہے اور ہم سے موتی لے جاتا ہے ۔

تا فتنہ را زگردشِ چشم سیاہ گفت
کینے کہ داشتم بہ دل از روزگار، برد

میں دنیا کے فتنوں اور ہنگامہ کو زمانے سے منسوب کرتا تھا لیکن جب سے اس نے یہ کہہ دیا کہ یہ سب فتنے کسی کی چشم سیاہ کی گردش نے پیدا کیے ہیں میرے دل میں زمانے کے خلاف جو کینہ بھرا ہوا تھا وہ جاتا رہا ۔

پیشم از آن بپرس کہ پرسی و اہل کوئی
گویند خستہ زحمت خود زیں دیار برد

میرے حال کی طرف متوجہ ہو پیشتر اس کے کہ میری یہ حالت ہو جائے کہ تو میرا حال پوچھے اور کوچے کے رہنے والے کہیں کہ وہ خستہ حال تو اس دنیا سے رخصت ہوگیا ۔

نازم فریب صلح کہ غالب ز کوئی تو
ناکام رفت و خاطرِ امیدوار برد

تیرے ظاہرا انداز مدارات و آشتی کے قربان جاؤں کہ غالب تیرے کوچے سے گیا تو ناکام لیکن دل میں سو سو امیدیں لے کر گیا ۔

غزل نمبر ۵۳

اگر داغت وجودم را در اکسیر نظر گیرد
سراپائے من از جوشِ بہاراں پردہ برگیرد

اگر تیرا داغ محبت، میری ہستی پر اپنی اکسیر بھری نظریں ڈالے

تو میں سرتاپا جوش بہاراں بن جاؤں ۔

یعنی تیرے داغہائے محبت پھول بن کر نمودار ہوں اور یوں ظاہر ہو جیسے بہار پر سے پردہ اٹھ گیا ہے ۔

به عرض هر گسستن کز نفس بالد زبے تابی
خیالم الفتِ مرغوله مویان را زسر گیرد

دل از سودائے مژگان که خوے گردید کز مستی
به ذوق رخنه از هر قطره ره بر نیشتر گیرد

میرا دل کس کی تیز تیز مژگاں کی محبت میں پانی ہو گیا ہے کہ مستی کے عالم میں اس کا ہر قطرہ نشتر کی طرف منہ کھولے ہوئے لپکتا ہے ۔

یعنی میرے دل کے ہر قطرۂ خون میں کسی کی نشتر چبھے جا رہے ہیں ۔

به چشم مدعی همچون چراغِ روز بے نورم
چراغم گر به فرض از پرتوِ خورشید در گیرد

لغت : ''مدعی'' = رقیب ۔ ۔ ۔ ''چراغ روز'' = دن کو جلنے والا چراغ جو سورج کی تیز روشنی میں بے نور ہوتا ہے ۔

اگر میرا چراغ سورج سے روشنی قبول کر کے بھی روشن ہو تو رقیب کی نظر میں میری ہستی دن میں جلنے والے ایک بے نور چراغ

کی سی ہوگی ۔

رمش نظارہ را از رقص بسمل در چمن پیچد
غمش آئینہ را از چہرۂ عاشق بہ زر گیرد

لغت : ''رمش'' = اس (محبوب) کا خرام تیز ۔

محبوب کی تیز خراسی سے نظارہ کرنے والوں کی آنکھیں یوں تڑپنے لگتی ہیں جیسے بسمل چمن زار میں تڑپ رہے ہوں ۔ اور اس کا غم ، عاشق کے زرد چہرے کے عکس سے آئینہ بھی زرد رو ہو جاتا ہے ۔

گمم دروے زرشک است اینکہ غمخوارے نمی خواہم
کہ ترسم یابد او را ہر کہ از حالم خبر گیرد

یہ جو میں کسی کو اپنا غمخوار بنانا پسند نہیں کرتا اس کی وجہ رشک ہے ۔ میں سرتاپا محبوب میں کھو گیا ہوں ، اگر کسی کو میرے حال کا پتا چل گیا تو اسے میرے محبوب کا سراغ مل جائے گا ۔

رشک کا یہ عالم ہے کہ عاشق اپنی بے خودی کی کیفیت کا راز کسی غمخوار پر بھی کھولنا نہیں چاہتا کہ کہیں وہ بھی محبوب سے متاثر نہ ہو جائے ۔

سرت گردم اگر پاے نزاکت درمیاں نبود
تنم از لاغری صد خوردہ بر موے کمر گیرد

لغت : ''سرت گردم'' = تیرے قربان جاؤں ۔

"خوردہ گرفتن" = نقص نکالنا ۔ نکتہ چینی کرنا ۔

تیرے قربان جاؤں ، اگر نزاکت کا معاملہ درمیان میں نہ ہو تو میرا جسم لاغر تیری بال جیسی کمر میں سو عیب نکالے ۔

کہنا یہ ہے کہ عاشق بھی معشوق کی کمر کی طرح لاغر ہے ۔ لیکن معشوق کی کمر میں نزاکت کا حسن پایا جاتا ہے اور عاشق کے تن لاغر میں محض لاغری اور نقاہت ہے ۔

نوردم نامہ و دل بار بار از بدگمانی ھا
نہدنقشِ تو پیش روے و خود را نامہ بر گیرد

میں خط لکھ کر اسے لپیٹ لیتا ہوں مگر میرے دل میں بار بار وسوسے پیدا ہوتے ہیں ، اور اس عالم بدگمانی میں تیرا تصور سامنے آتا ہے اور خط قاصد کے سپرد کرنے کی بجائے میرا دل خود ہی نامہ بر بن جاتا ہے ۔

یعنی دل تصور ہی میں تجھ سے باتیں کرنے لگتا ہے اور رشک سے یہ گوارا نہیں کرتا کہ خط نامہ بر کے ذریعے بھیجا جائے ۔

خوشم گر استواری نیست ہمچو موج کارم را
کہ ہردم از شکستِ خود روانی بیشتر گیرد

اگر پانی کی لہر کی طرح میرے کام میں تسلسل اور استقامت نہیں ہے تو میں خوش ہوں کہ یہ کام اپنی رکاوٹ (شکست) سے ہر لحظہ زیادہ رواں ہوتا رہتا ہے ۔

لہر پانی میں ابھرتی ہے اور ٹوٹ جاتی ہے لیکن پھر ایک بار پھر ابھرتی ہے اور اس میں زیادہ تیزی آ جاتی ہے ۔ یہی حال جذبۂ عشق

کا ہے کہ اس کا اُتار چڑھاؤ اس میں ہر بار ایک تازہ شدت بھر دیتا ہے۔

محبت ھر دلے را کز نزاکت سرگراں باشد
سبک در دامِ ذوقِ نالۂ مرغ سحر گیرد

لغت: ''گراں'' = بھاری، ''سبک'' = ہلکا۔۔۔ ''سبک دردام گیرد'' = بآسانی جال میں پھنسا لیتا ہے۔ ''سرگراں'' = نازاں، پرنخوت۔

محبت ہر اُس دل کو جسے اپنی نزاکت پر بہت غرور ہو آسانی سے مرغ سحر کے نغموں (نالہ) کی لذت کا گرویدہ بنا لیتی ہے۔
یعنی نازک احساسات رکھنے والا دل مرغ سحری کے نغموں سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔

خوشا روزے کہ چوں از مستی آویزم بدامانم
گہ از دستم کشد، گاہم بروے چشم تر گیرد

لغت: ''گاہم'' کی م چشم تر کے ساتھ وابستہ ہے، یعنی گاہے بروے چشم من۔

کتنا اچھا ہوگا وہ دن جب میں عالم مستی میں اُس کے دامن سے الجھ جاؤں اور وہ کبھی تو اُسے میرے ہاتھ سے کھینچ لے اور کبھی اُس سے میری آنکھوں کے آنسو پونچھے۔

یعنی محبوب کبھی غصے ہو اور کبھی مہربان۔

ز فیضِ نطقِ خویشم با نظیری ہمزبان غالب
چراغے را کہ دودے ہست درسرؔ زور درگیرد

مرزا غالب نے یہ غزل نظیری کی اسی طرح کی غزل سے متاثر ہو کر لکھی ہے۔ اس شعر کا دوسرا مصرعہ نظیری کے مطلع سے لیا ہے اور اسے اپنے شعر کا جز بنا لیا ہے۔ نظیری کا مطلع یہ ہے:

محبت در دل غم دیدہ الفت بیشتر گیرد
چراغے را کہ دودے ہست در سر زود درگیرد

یعنی محبت اس شخص کے دل میں جس نے عشق کے صدمے اٹھائے ہوں بہت زیادہ اثر کرتی ہے۔ جو چراغ تازہ تازہ بجھا ہو (اس کے سر سے ابھی دھواں نکل رہا ہو) وہ فوراً شعلے کو قبول کر لیتا ہے (یعنی جل اٹھتا ہے)۔

نظیری کا یہ شعر بہت بلیغ اور خوبصورت ہے۔ مرزا غالب نے نظیری کے کلام سے متاثر ہونے کو نظیری ہی کے الفاظ میں بڑے فنکرانہ انداز میں بیان کیا ہے کہتا ہے:

غالب! میں اپنے ذوق شعر کے فیض سے نظیری کا ہمزباں بنا ہوں (اور اس کے کلام نے مجھے اکسایا ہے)۔ ٹھیک ہے جو چراغ تازہ تازہ بجھا ہو وہ جلدی جل اٹھتا ہے۔ یعنی میری استعداد اور ذوق شعر نے مجھے نظیری سے متاثر کیا ہے۔

غزل نمبر ۵۴

تنگ است دلم حوصلۂ راز ندارد
آہ از نے تیر تو کہ آواز ندارد

لغت: ''تنگ'' فارسی میں اس کا مفہوم افسردہ کا بھی ہوتا

ہے ۔ ''دل تنگ'' = گُھٹا ہوا دل ۔

''نے تیر'' وہ نے جو تیر کے پیکان سے پیوست ہوتی ہے ۔ نے (بانسری) سے چونکہ آواز نکلتی ہے اس رعایت سے شاعر شعر کے دوسرے مصرعے میں آواز کا لفظ لایا ہے ۔

''تیری نظروں کے تیر کس قیامت کے ہیں کہ اُن کی آواز تک نہیں آتی ، ادھر میرا دل ہے کہ اس راز کو چھپائے رکھنے کی اس میں تاب نہیں ۔''

یعنی حسن کے تیر خاموشی سے برستے ہیں ، مگر عاشق میں اس صدمے کو چپکے سے برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اس لیے کہ دکھ بے پناہ ہوتا ہے ۔

هر چند عدو در غم عشق تو به ساز است
دانی که چو ما طالعِ ناساز ندارد

اگرچہ رقیب کے پاس تیرے غم عشق کا کافی سرمایہ ہے لیکن تو جانتا ہے کہ وہ ہماری طرح بدنصیبی کا شکار نہیں یعنی رقیب غم عشق میں مبتلا ہی سہی لیکن عاشق کی حالت اس سے کہیں ابتر ہے ۔

دیگر من و اندوهِ نگاهے که تلف شد
گفتی که عدو حوصلهٔ آز ندارد

لغت : ''آز'' = لالچ ، انتہائی آرزو اور تمنا ۔

محبوب سے خطاب کرکے کہتا ہے کہ تو نے کہا ہے کہ رقیب میں ذوق تمنا کا حوصلہ نہیں ۔ اب مجھے اس نگاہ ناز کا غم ہو رہا ہے جو تو نے رقیب پر ڈالی اور وہ نگہ ضائع ہو گئی حسن کی تاب لانے

کے لیے حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے - رقیب کم ظرف میں وہ کہاں ؟

در حسن بہ یک گونہ ادا دل نتواں بست
لعلت مزہ دارد اگر اعجاز ندارد

لغت : ''لعل'' = یہاں لعل سے لب یا لب سرخ مراد ہے -

دل حسن کی کسی ایک ہی طرح کی ادا پر فریفتہ نہیں ہوتا ؛ اگر تیرے لبوں میں اعجاز (مسیحائی) نہیں تو اُن میں ایک مزہ تو ہے -

گستاخ زند غیر سخن با تو و شادم
مسکیں سخنے از تو در آغاز ندارد

رقیب تمہارے ساتھ بڑی بے باکی سے باتیں کر لیتا ہے لیکن میں اس بات سے خوش ہوں کہ اُس غریب کے لیے ابھی تیری طرف سے گفتگو کا آغاز بھی نہ ہوا -

یعنی رقیب جتنا بے تکلف ہونا چاہے ہو لے لیکن غنیمت ہے کہ تو نے اس سے بے تکلفی کی ابتدا بھی نہیں کی -

تمکیں برہمن دلم از کفر بگرداند
بت خانہ بتے خانہ برانداز ندارد

لغت : ''خانہ برانداز'' = گھر برباد کرنے والا - تباہی لانے والا -

بتخانے میں برہمن کو بڑی شان اور تمکنت سے بیٹھے ہوئے دیکھ کر میں کفر سے دل برداشتہ ہو گیا ہوں - بتخانے میں ایک بت بھی ایسا نہیں جو بت خانے پر تباہی لائے (ورنہ برہمن کی یہ شان قائم نہ رہتی) -

ما ذرہ و آو مہر ، ہماں جلوہ ہماں دید
آئینۂ ما حاجت پرداز ندارد

لغت : ''پرداز'' = صیقل ۔

ذرات فضا میں موجود ہوتے ہیں لیکن نظر نہیں آتے ۔ جب سورج کی شعاعوں کی زد میں آتے ہیں تو دکھائی دیتے ہیں ۔ گویا ان کا وجود سورج سے ہی قائم ہے ۔ غالب کا شعر ہے :

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

انسان کا بلکہ کائنات کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہے ۔ نظیری کہتا ہے :

بمحض التفاتے زندہ دارد آفرینش را
اگر نازے کند از ہم فروریزند قالب ہا

(ذات باری تعالی کی نظر التفات ہی وجود کائنات ہے ، اگر وہ ناز پر اتر آئے تو یہ تمام موجودات درہم برہم ہو جائیں) اب شعر غالب کی طرف آئیے ، کہتا ہے :

''ہم ذرے ہیں اور وہ سورج ، جلوہ بھی وہی دیدار بھی وہی ، ہمارے آئینے کو جلا کی حاجت نہیں ۔''

حسن ، جلوہ اور اس کا دیدار سب کچھ ذات حق ہی ہے ۔ (مسئلہ وحدت الوجود) ۔

ہر دل شدہ از دوست در انداز سپاسے است
مانا کہ نگاہِ غلط انداز ندارد

لغت : ''مانا'' = بمعنی مانند ۔ یہاں بالیقین یا یقیناً کے معنی میں

آیا ہے - ''دل شدہ'' = عاشق -

ہر عاشق دوست کا ممنون احسان ہے - یقیناً وہ کسی کی طرف بے رخی سے پیش نہیں آتا - یعنی اللہ تعالی کی نظر کرم سب پر ہے -

بے حیلہ ز خوباں نتواں چشم ستم داشت
رحم است براں خستہ کہ غماز ندارد

لغت : ''چشم داشتن'' = امید رکھنا -

بغیر حیلے کے معشوقوں کے کسی ستم کی امید نہیں رکھی جاسکتی - رحم کے قابل ہے وہ خستہ حال عاشق جس کی غمازی کرنے والا کوئی نہ ہو -

یعنی کوئی ہونا چاہیے جو معشوق کو عاشق کی طرف سے بدظن کرے تا کہ وہ جورو ستم پر اتر آئے ورنہ تو وہ بے نیاز ہے -

در عربدہ چشمک زند و لب گزد از ناز
تا بوسہ لبم را زطلب باز ندارد

میرا محبوب مجھ سے الجھتا ہے تو برہمی میں چشمک زنی (آنکھوں کے اشارے) بھی کرتا ہے اور بڑے ناز و انداز سے اپنے لبوں کو کاٹتا بھی جاتا ہے تا کہ میرے لب اس کے بوسے کو طلب کرنے سے باز نہ آئیں یعنی اس کا بوسہ لینے پر مجبور ہو جائیں -

با خویش بہر شیوہ جداگانہ دو چار است
پروائے حریفانِ نظر باز ندارد

اسے اپنے عاشقان نظر باز کی پروا نہیں ، وہ ان سے بے نیاز ہے

اور ہر آن اور ہر شان میں اپنے آپ ہی سے دو چار رہتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے ۔

کیفیت عرفی طلب از طینتِ غالب
جامِ دگراں بادۂ شیراز ندارد

عرفی ، شیرازی تھا اور غالب اس کا بہت مداح تھا ۔ چنانچہ کہتا ہے :

کہ اگر تجھے عرفی کے نشے کی کیفیت درکار ہے تو وہ غالب کے مزاج سے طلب کر تجھے دوسروں کے جام میں بادۂ شیراز نہیں ملے گی ۔

یعنی عرفی کے کلام کا رنگ غالب کے رنگ کلام میں موجود ہے ۔

غزل نمبر ۵۵

لبم از زمزمۂ یاد تو خاموش مباد
غیرِ تمثال تو ، نقشِ ورقِ ہوش مباد

لغت : ''تمثال'' = شبیہ، صورت ، تصور ۔ ۔ ۔ ''مباد'' فعل نہی ، (دعائیہ) ۔

اللہ کرے میرے لب تیری یاد کے نغمے گاتے رہیں اور کبھی خاموش نہ ہوں ۔ میرے ذہن کے ورق پر سوائے تری صورت کے اور کوئی نقش نہ ہو ۔

یعنی ذہن میں ہمیشہ تیرا تصور اور لب پہ ہمیشہ تیرا نام ۔

نگہے کش بہ ہزار آب تشویند ز اشک
محرمِ جلوۂ آں صبح بناگوش مباد

لغت: ''بنا گوش'' = بن گوش ، کان کے نیچے کا حصہ کان کی لبلبی ۔

شعرا اس کی درخشندگی کی وجہ سے اس کے ساتھ صبح کا لفظ لاتے ہیں جیسا کہ اس شعر میں آیا ہے ''جس نگاہ کو آنسوؤں کے پانی سے ہزار بار نہ دھویا گیا ہو وہ نگاہ محبوب کے بنا گوش درخشاں کے نظارے سے لذت اندوز نہیں ۔''

یعنی نظارۂ حسن کے لیے دیکھنے والوں کی نظروں کا پاک ہونا ضروری ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے کہ جلوۂ دوست اُس وقت تک نصیب نہیں ہوتا جب تک کوئی دردِ دل سے آنسو نہ بہائے اور یہ آنسو اُس کی نگاہوں کو پاکیزہ نہ بنا دیں ۔

حافظ کہتا ہے :

غسل در اشک زدم کاہل طریقت گویند
پاک شواول و پس دیدہ بران پاک انداز

ہوس چادر گل گر تہ خاکم باشد
خاکم از نقشِ کفِ پائے تو گلپوش مباد

لغت: ''چادر گل'' = دستور ہے کہ مردے کو دفن کرنے کے بعد اُس کی قبر پر پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں ۔

''کہتا ہے کہ اگر قبر میں مجھے چادر گل کی خواہش ہو تو اللہ کرے میری قبر تیرے نقش پا کے پھولوں سے محروم رہے'' مراد

یہ ہے کہ میرے لیے یہی چادر گل کافی ہے کہ میری قبر پر تیرے مبارک قدموں کے نشان ہوں ۔

وعدہ گردیدہ وفا طرہ پریشانے را
یا رب ، امشب بدرازی خجل از دوش مباد

لغت : ''طرہ پریشان'' = پریشان زلفوں والا ۔

پہلے مصرعے میں ''را'' کا حرف اضافی ہے یعنی اضافت کا مفہوم دیتا ہے ، اس مصرعے کی نثری ساخت یوں ہے ''وعدۂ طرہ پریشان وفا گردیدہ'' = محبوب کا وعدہ پورا ہو گیا ۔

''دوش'' = کل گزری ہوئی رات ۔

بکھری ہوئی زلفوں والے وعدہ پورا کریں ۔ اللہ کرے آج کی رات (وعدۂ وصل کی) کل کی رات (یعنی جو رات فراق میں گزری) سے درازی میں کم نہ ہو ۔

''یارب'' کے الفاظ محاورۃً آئے ہیں ۔ ان میں ''یا'' کا حرف ندائیہ نہیں یعنی خدا سے خطاب نہیں کیا گیا بلکہ یا رب کا مفہوم کاش یا اللہ کرے ہے ۔

شعر میں محبوب کے لیے پریشان زلفوں والے کے الفاظ اس لیے لائے گئے ہیں کہ بکھرے ہوئے بالوں کی درازی نمایاں ہو جاتی ہے اور یہ درازی کا پہلو دوسرے مصرعے میں درازی کے لفظ کے ساتھ مناسبت بھی رکھتا ہے ۔

غیر گردیدہ بہ دیدار تو محرم دارد
فارغ از اندہ محرومی آغوش مباد

اگر رقیب کی آنکھیں تیرے دیدار سے شناسا ہو چکی ہیں تو خیر ،

اللہ کرے وہ اپنے آغوش کی محرومی سے فارغ نہ ہو یعنی اس کا آغوش خالی رہے اور تیرے وصال کو ترستا رہے ۔

گہرے کش نظر از ہمت پاکاں نبود
صرفِ پیرایۂ آں گردن وآں گوش مباد

دستور ہے کہ عورتیں موتیوں کے ہار گلے میں یا موتی کان میں لٹکا لیتی ہیں تاکہ اس سے آرائش حسن ہو ۔

لغت : ''پیرایہ'' = آرائش و زیبائش --- پاکاں = پاک نظر، اہل صفا لوگ ۔ عالی نظر لوگ ۔

جس موتی میں اہل صفا کی سی پاکیزہ نظری نہ ہو کاش وہ محبوب کی گردن اور کان کی زینت نہ بن سکیں یعنی موتیوں کی چمک میں اہل صفا کی نظروں کی سی آب ہونی چاہیے ۔

ھر کرا رخت نمازی نبود از نم مے
جائے در حلقۂ رندانِ قدح نوش مباد

لغت : ''رخت نمازی'' = دامن آلودہ ، اِسے جامۂ نمازی بھی کہتے ہیں ۔

جس شخص کا دامن شراب سے آلودہ نہ ہوا ہو اس کو حلقۂ رندان میخوار میں باریابی نصیب نہ ہو ۔

رھرو بادیۂ شوق سبک سیرانند
بارِسر نیز دریں مرحلہ بردوش مباد

لغت : ''سبک سیر'' سبک ہلکا اور تیز دونوں معنی پر حاوی

ہے۔ ہلکا بوجھ اٹھا کر چلنے والے مسافر تیز رفتار بھی ہوتے ہیں اس لیے یہاں "سبک سیر" کا لفظ بڑا موزوں اور بلیغ ہے۔

سفر شوق میں چلنے والے رہرو ہلکا بوجھ لے کر چلتے ہیں، کاش اس منزل عشق میں اس کے کندھوں پر اُن کے سر کا بوجھ بھی نہ ہو۔

یعنی محبت کی منزلیں سر دے کر ہی طے ہوتی ہیں۔

ناصر سرہندی ایسے سبک سیر عاشقوں کے لیے سبک روح کا لفظ لایا ہے جو بآسانی دنیا سے قطع علائق کرکے گزر جاتے ہیں کہتا ہے:

تو رہ از کثرت اسباب برخود تنگ می سازی
سبک روحاں چو بوے گل رہا کردند محملہا

تونے تو کثرت اسباب سے اپنے لیے راستے کو تنگ بنا لیا ہے۔ سبک روح لوگ تو اس محمل زندگی کو یوں چھوڑ جاتے ہیں جس طرح پھول کی خوشبو پھول کو چھوڑ جاتی ہے۔

مفتیاں بادہ عزیز است، مریزید بخاک
جوشد از پردہ دگر خونِ سیاؤش، مباد

دوسرے مصرعے کی نثر یوں ہے: مبادا خون سیاؤش دیگر از پردہ بجو شد۔ سیاؤش کا قصہ مشہور ہے کہ وہ اپنے سسر افراسیاب کے ہاتھ سے بے گناہ مارا گیا تھا اور اس کے خون کے وبال میں تمام ملک کشت و خون میں مبتلا رہا۔ کہتا ہے: اے مفتیو! شراب بڑی عزیز چیز ہے اس کو زمین پر مت گراؤ ایسا نہ ہو کہ خون سیاؤش پھر جوش مارے۔ (ماخوذ از حالی)۔

فتوے دینے والے شراب کو حرام قرار دے کر اس کو زمین پر گرا دیتے ہیں۔ ان کا یہ فعل خون نا حق کی طرح ہوتا ہے۔

ہمہ گر میوۂ فردوس بہ خوانت باشد
غالب آن انبۂ بنگالہ فراموش مباد

اگر جنت کے تمام پھل تیرے دسترخوان پر حاضر ہوں تو بھی اے غالب وہ بنگال کا آم کبھی بھول نہیں سکتا۔

غزل نمبر ۵۶

ہر ذرہ را فلک بہ زمیں بوس می رسد
گر خاک راست دعویِ ناموس، می‌رسد

آسمان ہر ذرے کو چومنے کے لیے آتا ہے، اگر خاک اپنی ناموس کا دعویٰ کرے تو یقیناً آتا ہے۔

یعنی زمین کی عظمت کے آگے آسمان بھی جھک جاتا ہے بشرطیکہ اس خاک ارضی کو اپنی ناموس کا پاس ہو۔

زآں مے کہ صاف آں بہ بتاں وقف کردہ اند
دُردِ تہ پیالہ بہ کاؤس می رسد

لغت: ''کاؤس'' = ایران کا ذی شان بادشاہ۔

اس مے صاف سے جو حسینوں کے لیے وقف ہے کاؤس کو صرف تلچھٹ نصیب ہوتی ہے۔

زینساں کہ خو گرفتہ عاشق کشی است حسن
ہر شمع را شکایتِ فانوس می رسد

''حسن کو عاشق کشی کی اتنی عادت ہوگئی ہے کہ شمع فانوس

کی شکایت کرتی ہے''۔ شمع اگر فانوس میں ہو تو اُس کا عاشق پروانہ اُس تک پہنچ نہیں سکتا اس لیے وہ فانوس کے خلاف شکایت کرتی ہے کہ اس کی وجہ سے مجھے پروانے کو مارنے کا موقع نہیں ملتا۔

خود پیشِ خود کفیلِ گرفتاری من است
ہر دم بہ پرسشِ دل مایوس می رسد

مجھے عشق میں گرفتار کرکے خود ہی میری گرفتاری کی کفالت بھی کرتا ہے اور دل مایوس کا حال پوچھتا رہتا ہے۔

بیروں میا ز خانہ بہ ہنگامِ نیمروز
رشک آیدم کہ سایہ بہ پابوس می رسد

دوپہر کو انسان کا سایہ اُس کے پاؤں پر پڑتا ہے۔ کہتا ہے:
دوپہر کو اپنے گھر سے نکل باہر نہ آ کیونکہ تیرا سایہ تیرے پاؤں پر پڑتا ہے اور مجھے یہ رشک آتا ہے کہ سایہ تیرے پاؤں چوم رہا ہے۔

ارباب جاہ را ز رعونت گزیر نیست
کایں نشہ از شراب خم کوس می رسد

لغت: ''کوس'' = نقارہ۔

ارباب جاہ کے لیے غرور و نخوت ناگزیر ہے کیونکہ یہ نشہ خم کوس کی شراب کا نشہ ہوتا ہے۔ ''نقارہ'' اعلان شہرت کا ذریعہ ہے، ارباب جاہ کو شہرت کا نشہ ہوتا ہے اور وہ اسی غرور میں مست رہتے ہیں۔

گفتم بہ وہم پرسشِ عبرت برائے چہ
گفتا ز طوف دخمۂ کاؤس می رسد

سجادہ رہنِ مے نپذیرفت مے فروش
کایں را نسب بہ خرقہ سالوس می رسد

لغت: ''خرقۂ سالوس'' = مکر و ریا کا لباس۔

میں نے مے فروش کے پاس سجادہ (جائے نماز) کو رہن رکھنا چاہا اُس نے قبول نہ کیا کیونکہ سجادہ بھی نسب میں مکر و ریا سے جا ملتا ہے۔

یعنی سجادہ بھی ایک طرح جامۂ مکر و ریا ہے۔

خون موجزن ز مغز رگ جاں ندیدۂ
دانی کہ از تراوشِ کیموس می رسد

خشک است گر دماغ ورع غالبا، چہ بیم
کز ذوقِ سوُدنِ کفِ افسوس می رسد

زہد و تقویٰ سے پرہیزگاروں کو کچھ حاصل نہیں ہوتا اور وہ کف افسوس ملتے رہ جاتے ہیں۔ کہتا ہے: غالب! اگر پرہیزگاری کا دماغ خشک ہے تو کیا ہوا پرہیزگاروں کی یہ خشک دماغی، اس لیے ہے کہ وہ دنیاوی لذتوں سے محروم ہیں اور اپنی محرومی پر افسوس کرتے رہتے ہیں۔

غزل نمبر ۵۷

دریغا که کام و لب از کار ماند
سخن‌هاے ناگفته بسیار ماند

لغت: "کام" = حلق، زبان۔

افسوس کہ زبان و لب کام کرنے سے رہ گئے ہیں اور بہت سی ان کہی باتیں دل ہی میں رہ گئی ہیں۔

گدایم نہاں خانہ‌ٔ را که در وے
در از بستگی ها به دیوار ماند

میں ایک ایسے پوشیدہ گھر پر گدا کی طرح کھڑا ہوں کہ جس کا دروازہ کچھ ایسی سختیوں کے ساتھ بند ہے کہ گویا ایک دیوار ہے۔

جنوں پرده دار است مارا که مارا
ز آشفتگی سر به دستار ماند

در پردہ یہ جنوں کی کار فرمائی ہے کہ ہمیں عالم پریشانی میں سر اور دستار ایک جیسے نظر آتے ہیں (یعنی ہم دونوں میں فرق نہیں کر سکتے)۔

گویا عاشق جوشِ جنوں میں سر کو پگڑی کی طرح آتار دینا چاہتا ہے۔

نگه را سیه خالِ طرفِ عذارش
به تمغاچیِ رهرو آزار ماند

لغت: "تمغاچی" = راستے میں محصول وصول کرنے والا۔۔۔

''رہر و آزار'' = (فاعلِ ترکیبی) رہرووں کو ستانے والا۔ تمغاچی عموماً رہرووں سے محصول حاصل کرتے وقت سختی کرتے ہیں۔ کہتا ہے:

محبوب کے رخسار پر یہ تل ہماری نگاہوں میں اسی طرح آڑے آتا ہے جس طرح محصول وصول کنندہ مسافروں سے سختی برتتا ہے اور آگے سفر پہ بڑھنے نہیں دیتا۔

ادائے است او را که از دلربائی
نهفتن ز شوخی به اظهار ماند

محبوب کی اداؤں کا دلربایانہ انداز ایسا ہے کہ اگر وہ اسے چھپانے کی کوشش بھی کرے تو اس کے چھپانے کا شوخ انداز اسے اور بھی نمایاں کر دیتا ہے۔

چه جویم مراد از شگرفے که او را
نشستن زشنگی به رفتار ماند

لغت: ''شگرفے'' = تیز طرار معشوق۔۔۔۔ ''مراد جستن'' مراد ڈھونڈنا، مقصد برآری۔

ایسے تیز طرار معشوق سے کسی مقصد کے پورا ہونے کی کیا توقع ہو سکتی ہے جس کا ایک جگہ بیٹھنا، رفتار سے ملتا جلتا ہے۔ یعنی اتنا بے قرار ہے کہ اس پر نظر نہیں ٹکتی۔

در آئینۂ ما که ناسازِ بختیم
خطِ عکسِ طوطی به زنگار ماند

طوطی کا رنگ سبز ہوتا ہے اور زنگار بھی (جو آئینے میں آ جاتا

ہے) سبز ہوتا ہے ۔

''خط'' کا ایک مفہوم سبزہ بھی ہوتا ہے جیسے سبزۂ خط ۔

اس شعر کا پس منظر متصوفانہ ہے ۔

طوطی کو جو کہ خوش گفتار پرندہ تصور ہوتا ہے باتیں سکھانے کے لیے آئینے کے سامنے بٹھا دیتے تھے ۔ اُسے اپنا عکس آئینے میں نظر آتا تھا ۔ آئینے کے پیچھے ایک شخص بیٹھ جاتا تھا اور وہ گفتگو کرتا تھا ، طوطی سمجھتا تھا کہ یہ آواز اُس کے حریف کی ہے جو (آئینے میں) اس کے سامنے بیٹھا ہے وہ اُن باتوں کا جواب دیتا تھا دراں حالیکہ یہ آواز کہیں اور سے آتی تھی ۔ صوفیائے کرام یا شعرا اس طوطی آئینہ کو شاہد ازلی قرار دیتے ہیں جو نوائے سروش کی طرح اُن کی رہنمائی کرتا ہے ۔ وہ آئینے سے دل مراد لیتے ہیں جس میں اس طوطی کا عکس پڑتا ہے ۔ گویا شاہد ازلی انسان کے قلب میں موجود ہے بشرطیکہ قلب صاف ہو ۔ اگر قلب پاک و صاف نہیں تو اسی عکسِ طوطی کا رنگ سبز آئینے کا زنگار بن جائے گا ۔ کہتا ہے :

ہم بدبخت ہیں ، ہمارے آئینے میں طوطی کا عکس آ کر زنگار بن جاتا ہے ۔ (یعنی شاہد ازلی کا حسن) ہمارے دل میں جلوہ گر نہیں ہوتا ۔

گروہے ست در دیر ہستی کہ آں را
ز پیچش نفس ھا بہ زنار ماند

لغت : ''دیر'' = بت خانہ ۔ ۔ ۔ زنار = وہ دھاگا جو بت پرست پہنتے ہیں ۔

اس بت خانہ ہستی میں ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ جن کے سانس زنار کی طرح بل پیچ کھائے ہوئے ہیں ۔ غالباً مرزا صاحب کا اشارہ اُن لوگوں کی طرف ہے جن کی باتیں اُلجھی ہوئی ہوتی ہیں ۔

بجز عقدۂ غم چہ بر دل شمارد
زبانے کہ در بندِ گفتار ماند

جو زبان گفتگو کی قید و بند میں پڑ جائے وہ سوائے عقدۂ غم کے شمار کرنے کے اور کیا کر سکتی ہے۔

یعنی انسانی زبان اظہار غم میں عقدہ کشائی تو کیا کرے گی اور بھی عقدے ڈال دے گی۔

ز قحط سخن مانَدم خامہ غالب
بہ نخلے کز آوردنِ بار ماند

لغت: ''از آوردن بار ماند'' = پھل دینے سے رہ جائے۔

پہلے مصرعے میں مانَد کے معنے ہیں: مانند ہے، ملتا جلتا ہے۔
قحط سخن کے باعث میرا قلم اُس درخت کی مانند ہے جو پھل دینے سے رہ گیا ہو۔

غزل نمبر ۵۸

تُرا گویند عاشق دشمنی، آرے چنیں باشد
زرشکِ غیر باید مُرد گر مہرِ تو کیں باشد

تیرے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تو عاشق کا دشمن ہے۔ ایسا ہی ہوگا۔ اگر تیری محبت عداوت ہی ہے تو پھر رقیب پر بھی رشک آنا چاہیے کہ تو اُس کو عاشق سمجھ رہا ہے اور اُس پر ستم ڈھا رہا ہے (اور ہم اس سے محروم ہیں)۔ اور اگر محروم نہیں تو وہ اس معاملے

ہمارا شریک کیوں ہے۔

ازآں سرمایۂ خوبی بہ وصلم کام دل جُستن
بداں ماند کہ مورے خرمنے را در کمیں باشد

اُس محبوب سے جو حسن و خوبی کا ایک خزانہ (سرمایہ) ہے
میرا وصل کے عالم میں خواہشات کی تسکین کی آرزو کرنا ایسا ہے
جیسے کوئی چیونٹی ایک غلے کے ڈھیر سے تمتع حاصل کرنے کی کوشش
کرے۔

یعنی وصل میں بھی شوق کی پیاس کم نہیں ہوتی۔

گر ترے دل میں ہو خیال ، وصل میں شوق کا زوال
موج محیطآب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

محبت آں چہ باآں تیشہ زن کرد از ستم نبود
چنیں افتد چو عاشق سخت وشاہد نازنیں باشد

لغت : ''تیشہ زن'' = فرہاد۔

محبت نے فرہاد کے ساتھ جو کچھ کیا وہ جور و ستم نہ تھا۔
جب عاشق سخت جان ہو اور معشوق نازنیں ہو تو یہی کچھ ہوتا ہے۔

بہ روزے کش شبے بامدعی باید بسر بردن
بہ من ضائع کند گر صد نگاہِ خشمگیں باشد

جس روز میرے محبوب کو رات رقیب کے ساتھ گزارنی ہو وہ

اپنی تمام خشم آلودہ نظریں مجھ پر صرف کرکے جاتا ہے ۔ (تا کہ رقیب کے ساتھ اِس انداز کے اظہار کا امکان ہی نہ رہے) اور وقت فقط پیار اور محبت میں گزرے ۔

نسوزد بر خودم دل، گر بسوزد برق خرمن را
کہ دانم آنچہ از من رفت حقِ خوشہ چیں باشد

اگر بجلی میرے خرمن کو جلا دے تو میرا دل نہیں کُڑھتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ برق نے جو کچھ جلایا وہ میرے خوشہ چیں کا حق تھا ۔ (اُس کا نقصان ہوا ہے میرا نہیں) ۔ مقصد یہ ہے کہ اگر برق خرمن کو نہ جلاتی تو خوشہ چیں اُسے لے جاتے ۔

بہ پیرِ خانقہ در روضہ یکجا خوش تواں بودن
بہ شرطِ آں کہ از ما بادہ وزشیخ انگبیں باشد

لغت : روضہ = روضۂ خلد ۔

ہم جنت میں پیر خانقہ کے ہمراہ ایک جگہ خوشی سے بیٹھ سکتے ہیں بشرطیکہ ہم شراب پی رہے ہوں اور وہ شہد ۔ یعنی ہمیں شراب میسر آئے اور وہ شہد کی نہر کا پانی پیے جو اُس کا صحیح ظرف ہے ۔

جفاہائے ترا آخر وفائے ہست پندارم
دریں میخانہ صافِ مے بہ جام واپسیں باشد

لغت : ''جام واپسیں'' = آخری جام ۔

میں جانتا ہوں کہ تیری جفاؤں کا انجام وفا ہی ہوگا کیونکہ میخانۂ عشق میں آخری دور جام میں نہایت عمدہ اور صاف شراب

پلائی جاتی ہے -

بری از شحنہ دل تاخوں بریزی بے گناہے را
نہ ترسی از خدا آئین بے باکی نہ ایں باشد

کوتوال کے دل کو تو اس لیے موہ لیتا ہے کہ وہ فریفتہ ہو کر تجھے بے گناہ عاشق کا خون بہانے دے - بے باک ہونے کا یہ انداز تو نہیں ہوتا : کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا'' -

چہ رفت از زہرہ با ہاروت، خاکم در دہن بادا
تو مریم باشی و کار تو با روح الامین باشد

لغت : ''خاکم در دہن بادا'' = میرے منہ میں خاک پڑے، یہ الفاظ ایسے موقع پر بولتے ہیں جب کوئی گستاخانہ بات کرنی ہو -
''ہاروت'' ہاروت و ماروت دو فرشتے ہیں جو زہرہ کے عشق میں مبتلا ہو گئے اور کہا جاتا ہے کہ قہرالٰہی سے اب تک چاہ بابل میں اوندھے لٹکے ہوئے ہیں -

زہرہ کے ہاتھوں ہاروت کا جو حال ہوا معلوم ہے - خاکم بدہن، تو مریم ہے تیرے ہاتھوں روح الامین (جبریل) کا بھی وہی حال ہوگا -

ازآں گردے کہ در راہش نشیند بر رُخم غالب
چہ خیزد، چوں ہم از من رخ، ہم از من آستیں باشد

اے غالب!
اس گرد و غبار کا جو اس کی راہ میں میرے چہرے پر پڑ جاتا ہے کیا فائدہ ہے جب کہ چہرہ بھی میرا ہے اور آستین بھی میری -

یعنی اس گرد کو میرے چہرے سے اگر معشوق جھاڑتا تو مزہ آتا اور اس کی راہ میں کوفتیں برداشت کرنے کا صلہ مل جاتا ۔

غزل نمبر ۵۹

از رشک کرد هرچه بمن روزگار کرد
در خستگی نشاطِ مرا دید ، خوار کرد

زمانے نے جب مجھ کو دیکھا کہ یہ خستگی اور تکلیف میں بھی خوش ہے تو مجھے ذلیل و خوار کر دیا (کہ اب تو خوش نہ رہے گا) ۔ (حالی) ۔

در دل همی ز بینش من کینه داشت چرخ
چوں دید کاں نماند نہاں ، آشکار کرد

میری دانش و بینش کے سبب مجھ سے آسماں کینہ تو رکھتا ہی تھا اب جو دیکھا کہ وہ کینہ لوگوں پر آشکار ہو گیا ہے تو آسماں کھل کھیلا اور علانیہ دشمنی کرنے لگا ۔

بد کرد چوں سپہر به من ، گرچه من بدم
باید بدیں حساب ز نیکاں شمار کرد

اگرچہ (میں نیک نہیں ہوں) بد ہوں لیکن چونکہ آسمان نے مجھ سے بدی کی ہے اس لیے چاہیے کہ مجھے نیکوں میں شمار کیا جائے ۔
آسمان ہمیشہ اچھے لوگوں سے عداوت رکھتا ہے اور انہیں دکھ

پہنچاتا ہے ۔ مجھ سے بھی ہمیشہ عداوت سے پیش آیا ہے اس لیے باوجود میری بدکرداری کے مجھے اچھے لوگوں میں شمار کرنا چاہیے ۔

لنگر گسست صرصر و کشتی شکست موج
دانا خورد دریغ کہ ناداں چہ کار کرد

دانا افسوس کر رہا ہے کہ اس نادان نے کیا کر دیا حالانکہ میری کشتی کا لنگر باد صرصر نے توڑ دیا اور میری کشتی لہروں سے ٹوٹ گئی ۔

یعنی جو کچھ ہوا وہ میری نادانی سے نہیں بلکہ قضا و قدر کے حکم سے ہوا ۔

از بسکہ در کشاکشم از کار رفت دست
بندِ مرا گسستنِ بند استوار کرد

لغت : ”کشاکش“ = کشاکش حیات ، زندگی کی بندھنوں سے چھٹکارا پانے کی کوشش ۔

زندگی کے بندھنوں سے آزاد ہونے کی کشمکش میں میرا ہاتھ کام سے رہ گیا اور میں عاجز ہو کر رہ گیا ۔ ان بندھنوں کو توڑنے کی کوشش نے انہیں اور بھی مضبوط کر دیا ۔

عمرے بہ تیرگی بسر آوردہ ام کہ مرگ
شادم بہ روشنائی شمعِ مزار کرد

میں نے ساری زندگی تاریکیوں میں بسر کی تا کہ موت آ کر اور

شمع مزار جلا کر مجھے روشنی بخشے اور میں اس سے خوش ہوں ۔

تا مے بہ رغم ِ من فتد از دست ِ من بخاک
افراط ِ ذوق دست مرا رعشہ دار کرد

لغت : ”بہ رغم من“ = میری خواہش کے خلاف

مینوشی کے فرط ِ شوق نے میرے ہاتھوں میں اس لیے رعشہ پیدا کر دیا ہے کہ مے جام لبالب سے چھلک کر زمین پر گر جائے اور مجھے اس کے گرنے کا دکھ ہو ۔

یعنی قدرت کو میرا شراب پینا گوارا نہیں ۔ وہ چاہتی ہے کہ شراب زمین پر گر کر ضائع ہو جائے مجھے میسر نہ آئے ۔

کوتہ نظر حکیم کہ گفتے ہر آئنہ
نتواں فزوں ز حوصلہ جبر اختیار کرد

وہ دانا (مفکر) تنگ نظر تھا جس نے کہا انسان کو ہر صورت میں اپنے حوصلے سے بڑھ کر طبیعت پر جبر نہیں کرنا چاہیے ۔

نومیدی از تو کفر و تو راضی نۂ بہ کفر
نومیدیم دگر بہ تو امیدوار کرد

میں ہوں تو نا امید مگر چونکہ تجھ سے نا امید ہونا کفر ہے اور تو کفر سے راضی نہیں اس لیے میں نے مجبوراً اپنے تئیں امیدوار بنا لیا ہے ۔

غالب که چرخ را به نوا داشت در سماع
امشب غزل سرود و مرا بے قرار کرد

غالب اپنی نغمہ خوانی سے آسمان کو بھی وجد میں لاتا تھا آج رات اس نے غزل گائی اور مجھے بے قرار کر دیا -

غزل نمبر ۶۰

به ذوقے سر زمستی در قفائے رهروان دارد
که پنداری کمندِ یار همچون مار جان دارد

لغت : ''کمندِ یار'' = زلفِ یار جو کمند کی طرح ہوتی ہے - اور شیدائیوں کو پھانس لیتی ہے -

زلفِ یار (یا کمندِ یار) اس مستی اور ذوق سے رہروؤں کا پیچھا کرتی ہے گویا اس میں سانپ کی طرح جان ہے -

یعنی زلفِ یار اسی طرح رہ چلنے والوں کو اسیر کرنے کو لپکتی ہے جس طرح سانپ کاٹنے کی لیے رہروؤں کا پیچھا کرتا ہے -

تنم ساز تمنائے است کز هر زخمهٔ دردے
هما را مستِ آوازِ شکستِ استخوان دارد

لغت : ''زخمہ'' = مضراب - ''زخمۂ درد'' = درد کی ٹیس جو جسم پر گویا مضراب کی مانند اس طرح لگتی ہے اور چیخ نکل جاتی ہے -

ہما کے بارے میں مشہور ہے کہ ہڈیاں کھاتا ہے -

میرا تن تمناؤں کا وہ ساز ہے کہ درد کی ہر ضرب پر جسم کی ہڈیاں ٹوٹتی ہیں اور اُن کی آواز شکست سے ہما مست ہو جاتا ہے (کہ یہ ہڈیاں اب میرے حصے میں آئیں گی) ۔

ہوائے ساقیٔ دارم کہ تابِ ذوقِ رفتارش
صراحی را چو طاؤسانِ بسمل پرفشاں دارد

مجھے ایک ساقی کی آرزو ہے کہ جس کی رفتار کی لذت سے صراحی یوں پھڑکنے لگے کہ جیسے زخمی مور تڑپ رہا ہو ۔

بنازم سادگی ، طفل است و خونریزی نمی داند
بہ گلُ چیدن ہماں ذوق شمارِ کشتگاں دارد

میں محبوب کی سادگی پر ناز کرتا ہوں ۔ وہ ابھی کمسن ہے اور وہ عاشقوں کی خونریزی کے طریقے سے آشنا نہیں ۔ لیکن اُس کے ذوق خونریزی کی تسکیں یوں ہو جاتی ہے کہ وہ سرخ سرخ پھول توڑتا ہے اور اُن توڑے ہوئے پھولوں کو گننے میں مزہ آتا ہے جیسے وہ اپنے عاشقان کشتہ کو شمار کر رہا ہے ۔

دل از ہم ریزد و حسرت اساسِ محکمے خواہد
غم آذر بیزد و طاقت قماشِ پرنیاں دارد

ہمارے دل کی حسرتیں ایک مضبوط اور توانا دل (اساس محکم) چاہتی ہیں کہ وہ دل انہیں برداشت کر سکے ، اِدھر دل کا یہ عالم ہے کہ ریزہ ریزہ ہو کر گر رہا ہے اور ختم ہو رہا ہے (از ہم ریزد) ۔ غم عشق شعلہ فشانی کر رہا ہے (آذر بیزد) اور ہماری طاقت برداشت

کی خصلت ریشم کی سی ہے (کہ ایک لمحہ میں جل جاتا ہے) ۔

یعنی حسرتوں سے دل برباد ہوگیا ہے اور آتش غم کے سہنے کی تاب نہیں ۔

بروں بُردم گلیم از موج ، دامن زیر کوہ آمد
نمِ گردابِ طوفاں تاچہ رختم را گراں دارد

لغت : ''از موج گلیم بیروں بردن'' = ہلاکت سے بچ جانے کی کوشش کرنا ۔

شیخ سعدی عالم اور عابد میں فرق کرتے ہوئے کہتے ہیں :

گفت آں گلیم خویش بروں می برد ز موج
ویں سعی می کند کہ بگیرد غریق را

یعنی عابد عافیت کوشی کے باعث زندگی کے طوفان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور عالم ڈوبنے والوں کو بچانے کی کوشش کرتا ہے ۔

جب کوئی شے بھیگ جاتی ہے تو بھاری (گراں) ہو جاتی ہے کہتا ہے :

میں نے موج طوفان سے کنارہ کشی کرنا چاہا میرا دامن پہاڑ کے دامن کے نیچے آ گیا ۔ دیکھو طوفان کے بھنور نے میرے سامانِ ہستی کو کتنا بھاری کر دیا ہے (کہ بچنے کی کوئی صورت ہی نہیں ۔)

انسان یونہی غلائق دنیا میں پھنسا رہتا ہے ۔

برنجد از دم تیغ توصید و در رمیدن ہا
بامیدِ تلافی چشم بر پشتِ کماں دارد

تیرا شکار (عاشق) تلوار کی دھار سے تو رنجیدہ ہوتا ہے لیکن بھاگتے

ہوئے اس کی آنکھیں کہاں پر لگی ہوتی ہیں کہ کوئی تیر آ کر لگے اور اس کی تلافی کر دے۔

دلم در حلقهٔ دام بلامی رقصد از شادی
ہمانا خویشتن را در خم زلفش گماں دارد

میرا دل مصیبتوں کے حلقہ ہائے دام میں پھنسا ہوا یوں خوشی محسوس کرتا ہے جیسے وہ اس کی یعنی محبوب کی زلفوں میں اسیر ہے۔

به گلہاے بہشتم مژده نتواں داد در راہش
من و خاکے که از نقشِ کفِ پاے نشاں دارد

اس کی راہ میں چلتے ہوئے باغ بہشت کے پھولوں کی خوشخبری میرے لیے کوئی کشش نہیں رکھتی۔ میں تو اس خاک کا گرویدہ ہوں جہاں میرے محبوب کا نشان کفِ پا ہو۔

یعنی مجھے جنت کی پروا نہیں مجھے تو محبوب حقیقی کی رہ میں سجدہ ریز ہونے میں لطف آتا ہے۔ اس کے پاؤں کے نشاں، گلہاے خلد سے کہیں زیادہ حسین و دلکش ہیں۔

به شرع آویز و حق می جُو، کم از مجنوں نهٔ بارے
دلش با محمل است، اما زباں باسارباں دارد

شرع سے بھی وابستہ رہ اور حق (خدا) کی بھی تلاش کر؛ آخر (بارے) تو مجنوں سے کم نہیں کہ اس کا دل محمل میں اٹکا ہوا ہے مگر زبان کو ظاہرا سارباں سے سروکار ہے۔ یعنی باتیں ساربان سے کر رہا ہے اور دل لیلیٰ سے لگا ہوا ہے۔

شرع کو ساربان سے اور حق کو محمل سے تمثیل دی اور یہ نہایت بلیغ تمثیل ہے۔

''شعر دُرِّ افکار سے ہے'' (حالی)۔

رمم زاں تُرکِ صید افگن کہ خواہم صرف من گردد
گسستن ھائے بے اندازۂ کاندر عناں دارد

لغت: ''گسستنِ عناں'' = تیز رفتاری۔ گسستن کے معنے ٹوٹنے کے ہیں اگر لگام (عناں) ٹوٹ جائے تو سوار، سواری کی روک تھام نہیں کر سکتا اس لیے رفتار میں تیزی آجاتی ہے۔ چنانچہ یہ محاورہ بنا۔

کہتا ہے: میں اس ترک شکاری (محبوب) سے اس لیے بھاگتا ہوں کہ وہ میرے تعاقب میں جتنی بھی تیز رفتاریاں اس کی لگام میں ہیں مجھ پر صرف ہو جائیں۔

عاشق اس لیے نہیں بھاگتا کہ بچ جائے بلکہ اس لیے کہ معشوق اس کی طرف مائل ہو۔

خدا را وقتِ پرسش نیست، گفتم بگذر از غالب
کہ ہم جاں برلب و ہم داستاں ھا بر زباں دارد

میں کہے دیتا ہوں کہ یہ پرسش کا وقت نہیں ہے۔ تو غالب کے حال سے در گزر اور پرسش کا خیال چھوڑ دے کیونکہ اس کی جان لبوں پر ہے اور داستان زباں پر۔ مبادا وہ اپنی درد انگیز داستاں بیان کرنا شروع کر دے اور جان نکلنے سے رہ جائے اور اسے غم سے نجات نہ مل سکے۔

غزل نمبر ۶۱

صاحب دل است و نامور ، عشقم به سامان خوش نکرد
آشوبِ پیدا ننگِ او ، اندوہِ پنہاں خوش نکرد

مرزا غالب نے اس شعر میں بڑے تہ دار الفاظ استعمال کیے ہیں، ان کی وضاحت کے بغیر شعر کی معنوی خوبیاں اجاگر نہیں ہو سکتیں۔ صاحب دل ، اہل دل کو کہتے ہیں جو سینے میں محبت بھرا دل رکھتا ہے اور دوسروں کے پوشیدہ احساسات محبت کو سمجھتا ہے۔ اس کے سامنے اظہار جذبات کی ضرورت نہیں ہوتی۔

لغت: ''نامور'' = ایسا آدمی جو مشہور ہو اور اس کی شخصیت کا لوگوں میں چرچا ہو۔

''آشوب پیدا'' = محبت کی ظاہری ہنگامہ آرائی۔ ''اندوہ پنہاں'' = غم نہاں جس کا اظہار نہ ہو یہ گویا آشوب پیدا کی ضد ہے۔

عشق کا بہ سامان ہونا کیا ہے؟ ایک تو عاشق کی ظاہری نمود نمائش اور دوسرے عشق و محبت کا۔ شاعر کہتا ہے:

''محبوب صاحب دل بھی اور نامور بھی ہے، وہ میرے عشق کا باسرو سامان ہونا پسند نہیں کرتا۔ عشق کا ظاہری ہنگامہ اس کے لیے ننگ ہے (کیونکہ اس میں نمود کا پہلو ہے) اور غم پنہاں کو یوں پسند نہیں کرتا، کہ وہ خود صاحب دل ہے۔

محبوب نہیں چاہتا کہ عاشق اپنے عشق کا چرچا کرے اور نہ ہی دل میں چھپے ہوئے غم کو گوارا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں خود اس میں موجود ہیں: صاحب دل اور ناموری۔ عاشق میں یہ وصف ہوئے تو کیا ہوا۔

دانست بے حس ناخنم الماس زد بر ریش من
سنجید شست خود قوی ، در تیر پیکاں خوش نہ کرد

کہتے ہیں کہ ہیرے کی کنی زخم میں چلی جائی تو اسے گہرا کرتی چلی جاتی ہے۔

لغت : ''پیکاں'' = تیر کی تیز نوک ، جو آگے لگی ہوتی ہے اور زخم لگاتی ہے۔

اس نے میرے ناخنوں کو بے حس خیال کیا (کہ یہ زخموں کو چھیل کر چرکے نہیں لگا سکتے) چنانچہ اس نے میرے زخموں پر الماس ریزی کی۔ اپنے نشانے کو اتنا سخت سمجھا کہ تیر میں پیکاں لگانا پسند نہ کیا۔ (کہ تیر اتنے زور سے نشانے پہ بیٹھے گا کہ پیکاں کے بغیر ہی کارگر ہوگا)۔

آں خود بہ بازی می برد ، ویں را دو جو می نشمرد
بنمودمش دیں خندہ زد ، آوردمش جاں خوش نکرد

پہلے مصرعے میں آں کا اشارہ جاں کے لیے اور ایں کا اشارہ دیں کی طرف ہے۔

لغت : ''ببازی بردن'' = یونہی ہنسی مذاق میں چھین لینا۔
''در جو نشمردن'' = جو کے برابر بھی نہ سمجھنا ، حقیر جاننا۔

میں نے محبوب کی خدمت میں دین و ایمان پیش کیا ، وہ دیکھ کر ہنس دیا : جاں نذر کی پسند نہ کی ، اس لیے کہ جاں تو وہ یونہی لے سکتا ہے ، اور دین و ایمان کی اس کی نظر میں کوئی قدر و اہمیت نہیں۔

در نامه تابنمودش کز شهر پنہاں می روم
دل بست در مضموں ولے ، نامم به عنوان خوش نه کرد

میں نے محبوب کو خط لکھا اور یہ ظاہر کیا کہ میں شہر سے چپکے سے جا رہا ہوں ۔ یہ بات (مضمون) تو اس کے دل میں بیٹھ گئی لیکن خط میں میرا نام کا آنا گوارا نہ کیا ۔

دارم ہوائے آں پری کوُ بسکه نغز و سرکش است
ز افسوں مسخر شد ولے ، زہد پریخواں خوش نه کرد

لوگوں کا یہ مشہور عقیدہ ہے کہ پری کو دو طریقے سے رام کیا جا سکتا ہے ایک جادو سے (افسوں) اور دوسرے زہد سے جسے شاعر نے ''زہد پری خواں'' کہا ہے کہ بعض آیات قرآنی پڑھنے سے جن اور پری حاضر ہو جاتے ہیں ۔

لغت : ''نغز'' = پاکیزہ ، حسین و لطیف ۔

''مجھے اس پری کی جستجو ہے جو پاکیزہ حسن رکھتی ہے اور سرکش بھی ہے ۔ وہ جادو سے رام ہو سکتی ہے لیکن زہد (ربائی) کو پسند نہیں کرتی''۔

افسوں سے مراد ، افسونِ محبت ہے ۔ مقصود یہ ہے کہ محبوب وہ ہے جس پر محبت کا جادو چلے نہ کہ زہد کا ۔

فریاد زاں شرمندگی کا رند چو در محشرم
گویند اینک خیرہ سر ، کز دوست فرماں خوش نه کرد

نہایت خوبصورت شعر ہے ۔

لغت: ''خیرہ سر'' = پریشان خیال رکھنے والا ، سرکش ، سر پھرا ۔

ہائے وہ شرمندگی کا عالم! جب مجھے قیامت کے دن محبوب حقیقی کے حضور میں لایا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ یہ وہ سر پھرا انسان ہے جس نے دوست کے فرمان کو قبول نہ کیا ۔

عاشق ، عشق کا دعویٰ کرے اور پھر اس کی حکم عدولی کرے ، شرمناک بات ہے ۔

اس شعر سے خدا تعالیٰ کے ساتھ مرزا صاحب کی انتہائی عقیدت اور محبت ظاہر ہوتی ہے ایسے اشعار اُن کے کلام میں جگہ جگہ آتے ہیں اور بلا استثنا اُن کے بہترین اشعار ہیں ۔

عام است لطفِ دلبراں ، جز عام ننہد دل برآں
عاشق ، ز خاصانش مداں ، گر دل بہ حرماں خوش نہ کرد

دلبروں کی مہربانیاں اور عنایتیں عام ہیں اور عام لوگ ہی اس ادا پر فریفتہ ہیں ۔ لیکن عاشق کو یہ گوارا نہیں ؛ وہ اگر محبوب کے اس لطف و عنایت سے اپنی محرومیوں کو پسند نہ کرے تو اُسے محبوب کے خاصان محبت میں شمار نہیں کرنا چاہیے ۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں عام ہیں اور اسی لیے عوام اللہ کی ذات سے لو لگائے رہتے ہیں ، ہاں محرومِ رحمت ہونے پر بھی راضی برضا رہنا ، بندگانِ خاص ہی کا شیوہ ہے ۔

شرع از سلامت پیشگی ، عشق مجازی بر نتافت
زاہد بہ کُنج صومعہ ، غوغائے سلطان خوش نہ کرد

لغت: ''سلامت پیشگی'' = سلامتی ۔ مصیبتوں سے اجتناب کرنا

اور بچنا ۔

''سلطان'' = سلطان حسن ، محبوب ۔

شرع (زہد و دینداری) اپنی سلامت پسندی کے باعث ، عشق مجازی کے مصائب کی تاب نہ لا سکی ۔ زاہد گوشۂ عبادت میں بیٹھ گیا ، اُسے شاہانہ ہنگامہ آرائیاں پسند نہ تھیں یعنی عشق کی سختیاں اور رسوائیاں پرہیزگاروں اور زاہدوں کے بس کا روگ نہیں ۔

بامن میاویز اے پدر ، فرزند آذر را نگر
ہر کس کہ شد صاحب نظر ، دینِ بزرگاں خوش نکرد

بڑوں اور چھوٹوں کے خیالات میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے جسے آج کل کے محاورے میں «جنریشن گیپ» کہتے ہے ۔ چنانچہ موحد ابراہیمؑ کا اپنے بت پرست باپ آذر سے سخت اختلاف تھا ۔ اسی کا ذکر اسی شعر میں ہے : اے باپ مجھ سے جھگڑا نہ کر ؛ آذر کے بیٹے کو دیکھ ۔ جو کوئی بھی صاحب نظر ہو گیا اسے اپنے بزرگوں کے دین سے تسلی نہیں ہوتی ۔

غالب بہ فنِ گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او
ننوشت در دیواں غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

غالب کو اپنے فنِ کلام کی اس عزت پر ناز ہے کہ وہ اپنی کوئی غزل درج دیوان نہیں کرتا جب تک (نواب) مصطفیٰ خاں (شیفتہ) کی نظر انتخاب اُسے پسند نہیں کرتی ۔

غزل نمبر ۶۲

قدرِ مشتاقاں چه داند ، دردِ ما چندش بَوَد
آنکه دایم کار باد لہائے خورسندش بَوَد

جس انسان کو ہمیشہ خوش باش دلوں سے واسطہ پڑتا ہو اسے عاشقوں کی کیا قدر ہو سکتی ہے اور اسے کیا معلوم کہ ہمارا درد وغم کس حد تک ہے -

شاہد ما ہمنشیں آرا ، ور نگیں محفل است
لاجرم دربندِ خویش است آنکه دربندش بود

"ہمنشیں آرا" و "رنگیں محفل" دونوں ترکیبیں فاعلی ہیں یعنی فاعل کا مفہوم دیتی ہیں انہیں ہم اسم فاعل ترکیبی یا سماعی کہتے ہیں -

لغت : "ہمنشیں آرا" = ہمنشینوں کو آراستہ کرنے والا اور "رنگیں محفل" = محفل کو رنگیں بنانے والا - کہتا ہے :

ہمارا محبوب رنگیں محفلوں کا شوقین ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے ہمنشیں بھی بنے سنورے رہیں ، چنانچہ لازمی بات ہے کہ جو شخص بھی اس سے وابستہ ہوگا (در بندش بود) اسے آپ اپنے کو آراستہ و پیراستہ رکھنے کی فکر دامن گیر ہوگی -

مرزا غالب نے "بند" کے لفظ کے تکرار سے شعر میں ایک لفظی حسن پیدا کیا ہے -

دوسرے مصرعے کی نثر یہ ہوگی - ہر کہ در بند او باشد در بند خویش است - یعنی جو شخص اس کا اسیر محبت ہے وہ اپنا بھی اسیر ذات ہے -

در نگاریں روضۂ فردوس نکشاید دلش
آنکه در بندِ دروغ راست مانندش بود

لغت : ''دروغ راست مانند'' = دورغ راست نما یعنی وہ جھوٹ جو سچ معلوم ہو (سچ کی مانند ہو) ۔

''دل نکشاید'' = دل نہیں کھلتا ، خوش نہیں ہوتا ۔

جو انسان محبوب کے دروغِ راست نما کا گرویدہ ہو چکا ہو اُسے جنت کے باغ رنگیں میں کیا خوشی نصیب ہوگی ۔

محبوب نے محبت میں ہمیں وہ سبز باغ دکھائے ہیں کہ جنت کیا دکھائے گی ، گویا باغِ فردوس بھی ایک دروغ راست نما ہی ہے ۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

آنکه ازشنگی به خاموشی دل از ما میبرد
وائے گر چوں مازبان نکته پیوندش بود

جو ادائے حسن کے ذریعے نہایت خاموشی سے ہمارا دل چھین لیتا ہے اگر اس کی زبان ، ہماری طرح نکتہ سنج (نکتہ پیوند) ہو تو پھر عاشقوں کا کیا حشر ہوگا ۔

درستم حق نا شناسش گفتن از انصاف نیست
آنکه چندیں تکیه بر حلمِ خدا وندش بود

لغت : ''حلم'' = بردباری ۔ ''تکیہ'' = سہارا

خدا کی ایک صفت حلم ہے یعنی وہ انسانوں کی زیادتیوں کو دیکھتا ہے اور بردباری سے کام لیتا ہے ۔ معشوق بھی اسی خیال سے عاشقوں پر ستم ڈھاتا چلا جا رہا ہے کہ اُسے حلم خداوندی پر پورا بھروسا ہے ۔ شاعر کہتا ہے کہ جب معشوق حق تعالی کی صفت بردباری پر اتنا بھروسا رکھتا ہے تو اُسے حق ناشناس کہنا انصاف نہیں ۔

ہیچ دانی ایں ہمہ شورِ عتاب از بہر چیست
تا جگرہا تشنۂ موج شکر خندش بود

لغت : ''شکرخند'' = مٹھی ہنسی ۔۔۔۔ شاعر نے اسی ہنسی کو ''تشنہ'' کے لفظ کی رعایت سے موج سے وابستہ کیا ہے اور موج شکرخند کہا ہے ، گویا معشوق کے لبوں پر ہنسی کی لہریں نمودار ہوں تو عاشقوں کے دل و جگر اپنی پیاس بجھا سکیں ۔ کہتا ہے کہ تو جانتا ہے کہ معشوق کا یہ شور عتاب کس لیے ہے ؟ یہ اس لیے کہ عاشقوں کے دل و جگر میں معشوق کے لبوں کو مسکراتا دیکھنے کی پیاس اور بھی بھڑک اٹھے کہ کبھی تو اس کی برہمی مزاج دور ہوگی اور وہ خندہ پیشانی سے پیش آئے گا ۔

لغت : ''شور'' ہنگامہ ہے اور اس لفظ کے ایک معنی نمک کے بھی ہیں ، اس شعر میں شکر کے لفظ کے اعتبار سے شور کا مفہوم ہنگامے سے زیادہ نمکینی اور تلخی ہے ۔ یہ معنے بعیدی ہیں اس لیے شعر میں ''صنعت ایہام'' آگئی ہے ۔

نازم آں خود بیں کہ ناید غیرِ خویشش در نظر
گر بخاکِ رہگذارِ دوست سوگندش بود

میں اس خودبیں انسان پر ناز کرتا ہوں (قائل ہوں) کہ اگر

اسے رہگذار دوست کی قسم دلائی جائے تو اسے اس خاک میں اپنے سوا کوئی اور چیز نظر نہیں آئے گی۔

یعنی وہ اپنے آپ کو راہ محبوب کی خاک سمجھتا ہے۔

آنکہ خواہد در صفِ مرداں بقائے نام خویش
خون دشمن سرخ تر از خونِ فرزندش بود

جو شخص، عالی ظرف انسانوں میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتا ہے، اس کی نگاہ میں دشمن کا خون اپنے بیٹے کے خون سے زیادہ سرخ ہوتا ہے۔

یعنی وہ دشمن کا خون بہانا ایسا ہی سمجھتا ہے جیسے کسی اپنے عزیز کو مار دیا۔

باخرد گفتم نشان اهل معنی باز گو
گفت گفتارے کہ با کردار پیوندش بود

میں نے عقل سے اہل عرفان لوگوں کی نشانی پوچھی۔ جواب ملا وہ لوگ جن کے قول اور فعل میں ربط ہو (یعنی جو کہیں وہی کریں)

غالبا زنہار بعد از ما بخونِ ما مگیر
قاتل مارا کہ حاکم آرزومندش بود

اے غالب ہمارے قتل کے سلسلے میں ہرگز اس قاتل سے باز پرس نہ کرنا، کہ جس قاتل کا حاکم بھی چاہنے والا ہو۔

غزل نمبر ۶۳

بہر خواری بسکہ سر گرمِ تلاشم کردہ اند
پارۂ نزدیک در ہر دُور باشم کردہ اند

لغت : ''دورباش'' = دور رہو ، ہٹو بچو کی آواز کو کہتے ہیں جو بادشاہوں کی سواری کے آگے نقیب پکارتے چلتے ہیں ۔ کہتا ہے : مجھ کو جو قضا و قدر نے سرگرم تلاش کیا ہے اس سے مقصود میرا خوار و ذلیل کرنا ہے ۔ پس راہ تلاش میں جو دھتکار مجھ پر پڑتی ہے اس سے ظاہر ہے کہ میری ذلت و خواری زیادہ ہوتی ہے اور اس طرح جو امر میرے سرگرم تلاش کرنے سے مقصود ہے وہ حاصل ہوتا ہے ۔ گویا ہر دور باش پر میں کسی قدر مقصود کے نزدیک ہوتا جاتاہوں ۔

ترسم از رسوائی ام آخر پشیمانی کشند
رازم و ایں شاہدانِ مست فاشم کردہ اند

میں راز سربستہ ہوں ان شاہدان مست نے مجھے فاش کر دیا ہے ۔ میرے راز عشق کے فاش ہونے سے میں رسوا ہوں گا اور میری رسوائی بالآخر ان راز فاش کرنے والوں کی پشیمانی کا باعث بنے گی کیونکہ میرا راز عشق انہی سے وابستہ ہے ۔

چرخ ہر روزم غم فردا بہ خوردن می دہد
تا قیامت فارغ از فکر معاشم کردہ اند

آسمان ہر روز مجھے غم فردا کھانے کو دیتا ہے ، گویا یہ غم فردا میرے لیے معاش یا روزی بن گیا ہے اور چونکہ اس غم کے کھانے کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا میں قیامت تک فکر معاش سے آزاد ہو گیا ہوں ۔

غیر، گفتی، روشناسِ چشم گوہر بار است
رازدانِ نالۂ الماس پاشم کردہ اند

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ تو کہتا ہے کہ رقیب اشکباری سے آشنا ہے (یعنی وہ عشق میں آنسو بہاتا ہے)۔ ٹھیک ہے لیکن مجھے قضا وقدر نے ایسی فریادیں دی ہیں جو الماس کے ریزے برساتی ہیں اور جگر کو چیرتی ہیں۔

یعنی رقیب اگر روتا ہے تو ہم بھی وہ فریادو فغاں کرتے ہیں جس کے آگے رقیب کے آنسو بے حقیقت ہیں۔

ہرچہ از بے طاقتی، مزدِ ثباتم دادہ اند
ہرچہ از اندوہ، صرفِ انتعاشم کردہ اند

یہاں سے چند شعر قطعہ بند ہیں اور اُن کی تہ میں ایک ہی جذباتی روبہتی چلی جاتی ہے۔

لغت: ''ثبات'' = ثابت قدمی، استقلال۔

''انتعاش'' لغوی معنے لرزش اور جنبش کے ہیں: جوش، ولولہ۔

جتنی ناتوانائیاں تھیں میری ثابت قدمی کے صلے میں عطا ہوئیں؛ جتنے بھی غم تھے وہ میری ہمت میں ولولہ اور جوش پیدا کرنے میں صرف کیے گئے۔

یعنی عشق کے انتہائی درد و کرب میں بھی میں ثابت قدم رہا اور میری محبت کی ولولہ انگیزیاں قائم رہیں۔

از تفِ داغت بدل دوزخ سرشتم خوانده اند
از دمِ تیغت به تن مینو قماشم کرده اند

میرے دل میں تیرے غم کے داغوں کی وہ گرمیاں ہیں کہ میں سرتاپا دوزخ (دوزخ سرشت) بن گیا ہوں اور میرے تن پر تیری تیغ محبت نے وہ زخم لگائے ہیں کہ میں جنت کی رنگینیوں میں ملبوس ہوں (مینوقماش) -

ہم به صحرائے جنوں مجنوں خطابم دانده اند
ہم بکوه بے ستوں خارا تراشم کرده اند

لغت : ''بے ستوں'' = وہ پہاڑ جو فرہاد نے کاٹا تھا --- ''خارا'' = سخت پتھر - چٹان -

صحرائے جنوں میں مجھے مجنوں کا خطاب دیا گیا ہے اور کوہ بے ستوں میں مجھے خاراتراش کا منصب عطا ہوا ہے -

چشم نبوم ، از چه رو خارم بجیب افشانده اند
دلِ نباشم ، تاچرا رزق خراشم کرده اند

میں آنکھ نہیں ہوں ، پھر کس لیے میرے گریباں میں کانٹے ڈال دے گئے ہیں ؛ میں دل نہیں ہوں پھر کیوں مجھے کاوش غم کی نذر کر دیا گیا ہے (رزقِ خراش بنایا ہے) -

از چه ، غالب خواجگی ہائے جہاں ننگ من است
گرنه با سلمان رضؓ وبوذر رضؓ خواجه تاشم کرده اند

لغت : ''سلمان'' جو سلمان فارسی کے لقب سے مشہور ہیں

اور ''بوذر'' دونوں صحابۂ رسول میں سے تھے اور اپنی درویش منشی اور فقر کے لیے ضرب المثل ہیں ۔

''خواجہ تاش'' = ایک ہی آقا کے دو بندے ایک دوسرے کے خواجہ تاش کہلاتے ہیں ۔

''خواجگی'' = امارت ، سرداری اور آقائی ۔

اے غالب اگر میں فقر و غنا میں سلمان اور بوذر کا خواجہ تاش نہیں ہوں تو پھر کیوں میں جہاں کی ثروت مندیوں اور خواجگیوں کو اپنے لیے باعث ننگ سمجھتا ہوں ۔

غزل نمبر ۶۰

کسے با من چه در صورت پرستی حرفِ دیں گوید
ز آذر گفت، دانم ، گر ز صورت آفریں گوید

لغت : ''صورت پرستی'' = ظاہرا صورت کا پرستار ہونا ، بت پرستی جو دین کے منافی ہے ۔

''صورت آفریں'' خالق کے لیے استعمال ہوتا ہے جس نے انسان کو یہ شکل و صورت عطا کی ۔ یہاں مرزا غالب نے ''صورت آفریں'' سے بت تراش کا مفہوم بھی لیا ہے جو صورت آفرینی کرتا ہے جیسے آذر تھا ۔ کہتا ہے :

کوئی میرے ساتھ صورت پرستی کے ضمن میں دین کی باتیں کیسے کر سکتا ہے ، اگر بالفرض وہ ''صورت آفریں'' کا تذکرہ کرے تو میں جانتا ہوں کہ اس کی مراد آذر ہے خدا نہیں ہے ۔

دلم در کعبه از تنگی گرفت ، آوارهٔ خواہم
کہ بامن وُسعتِ بتخانہ ہائے ہندوچیں گوید

میرا دل کعبہ کی تنگ دیواری سے اکتا گیا ہے ، میں کوئی ایسا آوارہ مزاج انسان چاہتا ہوں جو مجھ سے ہند و چین کے بتخانوں کی وسعت کا ذکر کرے ۔

شریعت کی تنگ نظری کی طرف اشارہ ہے ۔ یعنی شریعت کے دائرے میں رہنے سے کافر عشق ہونا بہتر ہے ۔ (خدا کو کعبے میں محصور کرنا غلط ہے ، خدا تو ہر جگہ موجود ہے) ۔

بہ خشمم نا سزا می گوید و از لطفِ گفتارش
گماں دارم کہ حرف دلنشینے بعد ازیں گوید

معشوق غصے میں برابر مجھ کو برا بھلا کہتا ہے مگر اس لطف کلام سے میں ہمیشہ اسی امید میں ہوتا ہوں کہ اب کوئی اچھی بات کہتا ہے اب کوئی مہربانی کا کلمہ کی اس زبان سے نکلتا ہے
(حالی)

محبوب کے لطف گفتار کو بڑے حسین پیرائے میں بیان کیا ہے ۔

شناسد جائے غم دل را و خود را دلربا داند
عجب دارد اگر دلدادۂ خود را غمیں گوید

معشوق یہ تو جانتا ہے کہ دل مقام غم ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کو دلربا بھی خیال کرتا ہے لیکن اسے اپنے دل دینے والے عاشق (دلدادہ) کو غمزدہ (غمیں) کہتے ہوئے کچھ تعجب ہوتا ہے ۔

چو خواہم داد از غم ، در جوابم لب فرو بندد
دگر گویم کہ جاں خواہم بہ غم داد، آفریں گوید

جب میں اپنے غم کی داد طلب کرتا ہوں تو وہ چپ ہو جاتا ہے ، اور اگر میں یہ کہوں کہ میں غم میں جان دے دوں گا تو شاباش (آفریں) کہتا ہے ۔

رہم افتادہ بہر دانہ سُوے دامِ صیادے
کہ حرفِ ذبح، با ہمراز خویش، اندر کمیں گوید

لغت : ''کمیں'' = کمیں گاہ ، صیاد کے چھپنے کی جگہ ۔ گھات ۔

میں دانے کے لیے ایک ایسے صیاد کے دام کی طرف چلا جا رہا ہوں ، جو مجھے (اسیر کر کے) ذبح کرنے کی بات ، اپنی کمیں گاہ میں چپکے چپکے اپنے ہمراز سے کرتا ہے ۔

یعنی میں ایک ایسے معشوق کے دام حسن میں پھنسنا چاہتا ہوں جو میرے رقیب سے مل کر مجھے ختم کرنے کے درپے ہے ۔

ز بے تابی بروں اندازد از خویش آستیں دورش
گریباں آنچہ دید از دست، گر با آستیں گوید

اس شعر کی نثر یوں ہے :

آنچہ گریباں (من) از دست (من) دید اگر آں را با آستیں گوید ، آستیں از بے تابی آں را از خویش دور اندازد ۔

جو کچھ میرے ہاتھوں سے میرے گریباں پر گزری ہے اگر میرا گریباں اس کا تذکرہ کہیں میرے آستیں سے کر دے تو آستیں

میرے ہاتھ کو اُٹھا کر دور پھینک دے۔

یعنی میرے ہاتھوں سے گریباں کی جو حالت ہوئی ہے میرا آستیں اُسے دیکھ کر گھبرا جائے اور گھبراہٹ میں میرے ہاتھ کو اپنے سے الگ کر دے، اس ڈر سے کہ کہیں اس کا یہی حشر نہ ہو۔

دل از پہلو بروں آرم جمش جام خود انگارد
وگر لختے بر افشانم سلیمانش نگیں گوید

جمشید ایران کا ایک قدیم بادشاہ تھا جس کے پاس جام جہاں نما تھا ۔۔۔ نگیں = نگینہ۔ خاتم حضرت سلیمان کے متعلق مشہور ہے کہ اُن کے قبضے میں ایک انگوٹھی تھی جس کے ذریعے وہ جن و پری کو بلا لیتے تھے۔ کہتا ہے:

اگر میں اپنا دل پہلو سے باہر نکالوں تو جمشید اُسے دیکھ کر، اُسے اپنا جام جہاں نما سمجھے اور اگر میں اس دل کا (جو دراصل پارہ پارہ ہو چکا ہے) ایک ٹکڑا نکال کر پھینک دوں تو سلیمان اُسے نگیں سمجھے یعنی اپنی خاتم سلیمانی کا نگیں بنا لے۔

گذارد آنچہ برق از خرمن اندر دشت بگذارم
کہ ترسم چوں بچینم کس بہ طنزم خوشہ چیں گوید

لغت: ''خوشہ چیں'' = ریزہ چیں، بچی کھچی چیزیں اٹھانے والا۔

میرے خرمن پر بجلی کے گرنے کے بعد جو کچھ بچ رہتا ہے وہ میں وہیں جنگل ہی میں چھوڑ کر آ جاتا ہوں مجھے یہ اندیشہ ہوتا ہے

کہ میں ان چیزوں کو اُٹھاؤں تو کوئی مجھے طنز سے یہ نہ کہہ دے کہ دیکھو یہ خوشہ چیں ہے یعنی جب ہستی کا اصل سرمایہ لٹ جائے تو باقی ماندہ کو سمیٹنا بلند ظرف کے کسر شان ہے ۔

چرا رانند غالب را ازآں در ، رہروے باید
که راز خلوتِ شه با گدائے ره نشیں گوید

کوئی ایسا رہرو مل جائے جو اُس شاہ حسن کی خلوت گہ کا راز مجھ گدائے رہ نشیں کو بتائے کہ آخر غالب کو دروازے ہی سے کیوں لوٹا دیا گیا ۔

غزل نمبر ۹۵

من بوفا مردم و رقیب بدر زد
نیمه لبش انگبیں و نیمه تبرزد

اس ساری غزل کی شرح ، مرزا غالب نے کی ہوئی ہے ۔ ہم اس شرح کو من وعن درج ذیل کرتے ہیں ۔ البتہ ہم نے اشعار کے شروع میں حسب ضرورت ، بعض لفظی توضیحات اور لفظی ترجمے کا اضافہ کر دیا ہے ۔

لفظی ترجمہ : ’’میں نے تو وفا میں جان دے دی اور رقیب بچ کر نکل گیا اُس کے (معشوق) لب آدھے شہد ہیں اور آدھے مصری‘‘

شرح غالب : انگبیں شہد کو کہتے ہیں اور تبر زد مصری کو کہتے ہیں ، ان معنوں میں کہ یہ (یعنی تبرزد) مانند قند اور

بتاشوں کے جلد ٹوٹنے والی نہیں ۔ جب تک اس کو تبر (ہتھوڑا) سے نہ توڑو مدعا حاصل نہیں ہوتا ۔ ۔ ''بدر زدن'' اگرچہ لغوی معنے اس کے ہیں ''بدر'' باہر اور ''زدن'' مارنا ، لیکن روز مرہ میں اس کا ترجمہ ہے نکل جانا ۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا تو یوں سمجھیے کہ معشوق کے ہونٹوں کو میٹھا کہتے ہیں اور قند اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں اور البتہ مکھی مٹھاس کی عاشق ہے ۔ بس جو مکھی مصری پر بیٹھی جب چاہے بے تکلف اڑ جائے اور جو مکھی کہ شہد پر بیٹھے گی ، جب وہ اڑنے کا قصد کرے گی پر و بال اس کے شہد میں لپٹ جائیں گے اور وہ مر کر رہ جائے گی ۔ بس اب یہ کہنا ہے کہ میرے معشوق کے ہونٹ ، شیرینی میں میرے واسطے شہد ہو گئے اور رقیب کے واسطے مصری ، یعنی وہ چاٹ کا لطف اٹھا کر صحیح اور سالم چلا گیا اور میں پھنس کر وہیں مر کر رہ گیا ۔

در نمکش بیں و اعتمادِ نفوذش
کہ بہ مے افگند ، ہم بہ زخم جگر زد

لغت : ''زدن'' (مصدر) لازمی بھی ہے اور متعدی بھی ۔ لازمی کے معنی ہندی میں لگ جانا ہے اور متعدی کے معنے مارنا ، یہاں زد لازمی ہے ۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ نمک شراب کو بگاڑتا ہے یعنی اگر شراب لون ڈال کر ایک آدھ دن دھوپ میں رکھیں تو اس میں نشہ جاتا رہتا ہے اور وہ سرکہ ہو جاتا ہے اور زخم پر اگر نمک ڈالیں تو وہ کٹاؤ کرتا ہے اور زخم کو بڑھاتا ہے ۔ مقصود شاعر کا یہ کہ تو میرے معشوق کے نمک کو دیکھ اور دیکھ کہ نمک کے نفوذ پر کتنا بھروسا ہے ۔ اگر اس نمک کو شراب میں ڈال دیتا ہے وہ اس میں نہیں ملتا اور زخم جگر پر جا لگتا ہے یعنی اگر بے محل

بھی کرشمہ دکھاتا ہے تو اپنا کام کرتا رہتا ہے۔

کیست دریں خانہ کز خطوطِ شعاعی
مہر نفس ریزہ ھا بہ روزن در زد

یہ خیال ہے یعنی ایک گھر میں اُس کا محبوب بیٹھا ہوا ہے اور اُس نے جان لیا ہے کہ کون ہے مگر بطریق متجاہل بھولا بن کر پوچھتا ہے کہ آیا اس گھر میں ایسا کون ہے کہ مہر یعنی آفتاب نے اپنی سانس کے خطوط شعاعی کا روزنوں میں پڑنا اور خطوط شعاعی کا یعنی سورج کی کرن بصورت سانس کے ٹکڑوں کے ظاہر ہے۔

دعوی٘ او را بود دلیل بدیہی
خندۂ دنداں نما بہ حسنِ گہر زد

لغت: ''خندۂ دنداں نما'' اُس ہنسی کو کہتے ہیں جو تبسم سے بڑھ کر ہو اور اس میں دانت ہنسنے والے کے دکھائی دیں۔ معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا اور ہنستا کوئی اس چیز پر ہے جس کو اپنے نزدیک ذلیل سمجھ لیتا ہے۔ حاصل معنی یہ کہ میرا معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا گویا اُس نے دعویٰ کیا موتی کچھ چیز نہیں۔ اب دعوے کے واسطے دلیل ضرور ہے سو شاعر یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے دعوے پر دلیل بدیہی ہے یعنی ہنسنے میں اس کے دانت نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ حسن جو لوگ موتی میں گماں کرتے تھے وہ لغو ہے۔ حسن یہ ہے کہ جو معشوق کے دانتوں میں ہے۔ بس اسی دلیل کو سب نے دیکھ لیا اور چونکہ بدیہی تھی، مان لیا۔

غیرتِ پروانه هم به روز ، مبارک
ناله چه آتش ببالِ مرغ سحر زد

پروانے کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھنی چاہیے ۔ پروانے کی غیرت وہ غیرت نہیں جو پروانے میں ہو یا پروانے کو ہو ، بلکہ وہ غیرت جو اور کو آتی ہو پروانے پر ، یعنی رشک ۔ حاصل معنی یہ کہ میں تو دن رات عشق میں جلتا ہوں ، رات کو جو پروانہ جلتا ہوا دیکھتا تھا تو مجھ کو اس پر رشک آتا تھا ۔ دن کو کوئی ایسا نہ تھا کہ مجھ کو اس پر رشک آوے ۔ لو اب وہی غیرت وہی رشک جو پروانے پر شب کو تھا اب دن کو بھی مبارک ہو ۔ یعنی میرے صبح کے نالوں سے مرغ کے پروں میں آگ لگ گئی اور اپنی مستی اور بے خودی میں یہ نہیں جانتا کہ میرے نالے کے سبب ہے ۔ مجھ کو وہ رنج اور غصہ تازہ ہو گیا جو رات کو پروانے کو دیکھ کر کھاتا تھا ۔ اب مرغ سحر کو دیکھ کر جلتا ہوں کہ ہائے یہ کون ہے جو میری طرح جلتا ہے ۔

لشکرِ ہوشم بزور مے نہ شکستے
غمزۂ ساقی نخست راہِ نظر زد

''نظر ، فکر کو بھی کہتے ہیں اور نگہ کو بھی ، یہاں نگاہ کے معنی میں شاعر کہتا ہے کہ میں ایسا نہ تھا کہ شراب کی تاب نہ لاتا اور شراب پی کر بے ہوش ہو جاتا مگر کیا کروں کہ پہلے غمزۂ ساقی نے نگاہ کو خیرہ اور مغلوب کر دیا پھر اُس پر شراب پی گئی ، بے خودی کا استعداد تو ہم پہنچ ہی چکا تھا ناچار ہوش جاتے رہے ۔''

زاں بتِ نازک چہ جائے دعویِ خوں است
دست وے و دامنے کہ او بکمر زد

''اس شعر کا لطف وجدانی ہے بیانی نہیں ۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ اس معشوق سے کہ وہ بہت نازک ہے خون کا دعویٰ کیا کریں کہ اُس کو وقت عزم قتل ، دامن گردانتے وقت ، وہ صدمہ پہنچا کہ اس کا ہاتھ ہے اور وہ دامن جو اُس نے گردان کر کمر پر باندھا تھا اُس سے ایسا لچکا کمر کو پہنچا کہ وہ آپ اپنے دامن پر داد خواہ ہو رہا ہے ، بس اُس سے کوئی خون کا کیا دعویٰ کرے گا ۔''

برگِ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم
ہرچہ ز طبعِ زمانہ بیہدہ سر زد

شاخ چہ بالد گر ارمغان گل آورد
تاک چہ نازد اگر صلائے ثمر زد

یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں ۔

ان کا ترجمہ ہے یہ ۔ جو کچھ بھی زمانے کی طینت سے نمودار ہوا، ہم نے اُسے نشاط و طرب کا سامان بنا لیا ، (انگور سے) شراب لے لی ۔ شاخ نے اگر گلاب کے پھول کھلائے تو وہ کس بات پر پھولتی ہے اور تاک نے اگر پھل دیا (انگور) تو اسے کس بات پر ناز ہے ۔ (یعنی یہ نباتاتی نشو و نما تو فطری ہیں اور یونہی ظاہر ہو جاتی ہیں)

شرح غالب :

''شاعر کہتا ہے کہ یہ روئیدگیاں بمقتضاے طینت خاک ظاہر ہوا کرتی ہیں ، مثلاً گنا ۔ اب کچھ خاک کو اور ہوا کو یہی منظور نہیں کہ اس کا رس نکلے اور قند بنے ۔ یہ آدمی کی دانشمندی ہے کہ اس نے گھاس میں سے یہ بات پیدا کی ۔ بس اسی طرح انگور ہیں اور گلاب کے پھول ہیں شاخ کیا جانے کہ پھول میں کیا خوبی ہے اور تاک کیا جانے کہ میرے پھل میں کیا ہنر ہے ۔ ہم نے اپنے زور عقل سے انگور کی شراب بنائی اور پھول کو ہر ہر رنگ سے اپنے کام میں لائے''

کام نہ بخشیدۂ گنہ چہ شماری
غالب مسکیں بہ التفات نیر زد

''یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اس عالم میں تو نے میری داد نہ دی اور میری خواہشیں پوری نہ کیں تو بس اب معلوم ہوا کہ میں لائق التفات نہ تھا ۔ پس جب میں لائق توجہ نہیں تو اب عالم عقبیٰ میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے ۔ جب ہمارے مطالب آپ نے ہم کو نہ دیے تو ہمارے معاصی کو بھی شمار نہ کیجیے ، ہم میں التفات کی ارزش ہی نہیں ہے ۔

غزل نمبر ۶۶

غمِ من از نفسِ پند گو چہ کم گردد
بر آتشم چو گل و لالہ باد دم گردد

لغت : ''نفس'' = سانس یہاں معنی پند اور کلام پند کے

ہیں - ''پند گو'' = ناصح

''گل ولالہ'' = گلاب اور لالے کے پھول دونوں سرخ مانند آگ کے ہوتے ہیں ، جیسے وہ جل رہے ہوں -

''باد دم گردد'' = ہوا سانس بن جاتی ہے - آگ کو پھونکیں مار کر بھڑکاتے ہیں -

پند ناصح سے میرا غم کیا کم ہو سکے گا - میں تو گل ولالہ کی طرح جل رہا ہوں جس طرح ہوا کے چلنے سے گل ولالہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اسی طرح نصیحت کرنے والے کی نصیحت میری آتش غم کو بھڑکاتی ہے -

بدان معاملہ آو بے دماغ و من بیدل
خوش آنکہ معذرتے صرفِ ہر ستم گردد

کیا عجب معاملہ آ پڑا ہے کہ وہ (معشوق) نہایت بے پروا اور میں نہایت افسردہ خاطر ہوں - بہتر یہی ہے کہ اُس کے ہر ایک ستم پر ہماری طرف سے ایک معذرت پیش ہو - - یعنی بجائے اس کے کہ وہ اپنے جور و ستم پر نادم ہو عذر خواہ ہو ہمیں اس کے ہر ستم پر ایک معذرت کرنی چاہیے -

تراتنے است کہ بروے سمن خسک باشد
مرا دلے است کہ در وے نشاط غم گردد

تیرا جسم ایسا ہے کہ اُس پر چنبیلی کا پھول بھی خس معلوم ہوتا ہے ، میرا دل وہ ہے کہ جس میں خوشی آ کر غم بن جاتی ہے -

نماندہ تاب غمش ، خاطرِ رقیب مجو
کسے چہ درپےِ صیدِ گسستہ دم گردد

لغت: ''خاطر جستن'' = دل جستن ، دلجوئی کرنا - پہلے مصرع میں ''غمش'' کا شین رقیب کے لیے آیا ہے - - - - ''صید گسستہ دم'' = وہ شکار جو شکاری کے خوف سے جان بچانے کی خاطر بھاگ رہا ہو اور بھاگتے بھاگتے اُس کا سانس ٹوٹ جائے - ایسی حالت میں جانور خود بخود پکڑا جا سکتا ہے اُس کے پیچھے صیاد کو جانے کی ضرورت نہیں پڑتی - کہتا ہے:

رقیب کی دل جوئی نہ کر اُس میں اب غم برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہی ، کوئی کسی ٹوٹے ہوئے سانس والے شکار کا کیا پیچھا کرے (یعنی پیچھا نہیں کرتا) -

''چہ'' استفہام انکاری ہے -

ز ذوقِ گریہ پُرستم دل و تو می نگری
نگہ مباد ، ز بارِ سرشک خم گردد

لغت: ''پُرستم دل'' = یعنی دل من پُراست - - - - ''مباد'' = کہیں ایسا نہ ہو

میرا دل ذوق گریہ سے لبریز ہے اور تو (اس وقت مجھے) دیکھ رہا ہے - کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے آنسوؤں کے بوجھ سے تیری نگہ جھک جائے -

حسن و عشق کا آمنا سامنا ہے - عاشق کا دل بھر آیا ہے اور اُس میں آنسو کا ایک طوفان سا اُبھرتا محسوس ہو رہا ہے - ڈر ہے

کہ کہیں آنسو نہ نکل پڑیں اور وہ جلوۂ محبوب سے محروم نہ ہو جائے۔

بدیں قدر کہ لبے ترکنی و من بمکم
ترا زبادۂ نوشیں چہ مایہ کم گردد

معشوق سے خطاب کرکے کہتا ہے:

بات اتنی ہے نا کہ تو شراب سے لبوں کو تھوڑا سا تر کر لے اور میں ان لبوں کو چوس لوں، اس شراب ناب سے تیرا کیا بگڑ جائے گا۔

بہ غصہ راضی ام، اما بدشنہ دریابی
دمے کہ سینہ و ناخن ہلاکِ ہم گردد

لغت: ''غصہ'' = فارسی میں انتہائی رنج و الم کو کہتے ہیں۔
میں ویسے تو رنج والم پر قانع ہوں، لیکن مجھ پہ کیا گزرتی ہے اس کا مجھے اندازہ اس وقت ہوگا جب تو خنجر میرے سینے میں گھونپ دے اور دیکھے کہ سینہ اور ناخن دونوں ایک دوسرے کی ہلاکت کا باعث بنے ہوئے ہیں یعنی سینہ ناخن کی خراش سے اور ناخن سینے کی جلن سے۔
''ہےایک تیر جس میں دونوں چھدے ہوئے ہیں''
دونوں کی حالت خراب ہے۔

رسیدہ ایم بکوئے تو، جائے آں دارد
کہ عمر صرف زمیں بوسیِ قدم گردد

ہم تیرے کوچے میں آپہنچے ہیں یہ وہ مقام مسرت ہے کہ

ہمارے قدم تیرے کوچے کی زمین کو چومتے چلے جائیں اور عمر اسی میں صرف ہو جائے۔

تو پا بپرسشِ من کردہ خاکی و ترسم
کہ پائے تو ہمہ تاجِ سرِ قسم گردد

تو میری پرسش حال کے لیے چل کر آیا ہے اور میں (رشک کے باعث) اس بات سے گھبرا رہا ہوں کہ تیرے پاؤں قسم کے سر کا تاج بن جائیں گے (یعنی لوگ تیرے پاؤں کی قسم کھایا کریں گے کہ یہ وہ پاؤں ہیں جنہوں نے عاشق دلخستہ کی پرسش حال کے لیے زحمت اٹھائی تھی)۔

سبک سری است بہ دریوزۂ طرب رفتن
خوشا دلے کہ بہ اندوہ محتشم گردد

خوشی کی بھیک مانگنے کے لیے جانا انسان کی رسوائی ہے۔
خوش ہے وہ دل جو غم کو اپنے لیے باعث عزت سمجھتا ہے۔

رخے کہ در نظر ستم بہ جلوہ گل پاشد
تفے کہ در جگر ستم بہ دیدہ نم گردد

وہ رخ حسین جو میری پیش نظر ہے اپنے جلووں سے گلپاشی کرتا ہے۔ وہ آگ جو میرے جگر میں ہے، میری آنکھوں میں آ کر آنسو بن جاتی ہے۔

گرفتہ خاطرِ غالب ز ہند و اعیانش
برآں سر است کہ آوارۂ عجم گردد

غالب کا دل ہند اور اس کے اکابر سے اُکتا گیا ہے۔ اب وہ یہ ارادہ کر رہا ہے کہ سرزمین ایران میں جا کر آوارہ گردی کرے۔

غزل نمبر ۶۷

بیدل نشد، اردل بیت غالیہ مُو داد
گوئی مگر آں دل کہ زمن بُرد باُو داد

معشوق کسی اور پہ عاشق ہو گیا ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے:

اگر اُس نے (یعنی معشوق نے) کسی عنبریں زلفوں والے کو دل دیا تو اُس پر بے دلی کی کیفیت طاری نہ ہوئی (جیسی کہ دل دیے ہوئے عشاق کی ہوتی ہے)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو دل اُس نے اپنے معشوق کو دیا ہے وہ اُس کا اپنا دل نہیں تھا یہ وہ دل تھا جو اُس نے مجھ سے چھینا تھا۔

کہنا یہ ہے کہ معشوق میں دل دینے کی اہلیت کہاں ہے؟

سخت است دل غیر وگر از ننگ نگوئی
بر گشتن مژگانِ تو گوید کہ چہ رُو داد

لغت: ''بر گشتن مژگان'' = منقلب شدن۔ پلٹنا۔ آنکھوں کا پھر جانا۔

رقیب کا دل سخت ہے، اور اگر یہ بات تو شرم کی وجہ سے

نہیں کہہ سکتا ، تو تیری مژگاں کی حالت (کا پھرنا) بتاتی ہے کہ اصل واقعہ کیا ہے ۔

یعنی معشوق نے رقیب پر نظریں ڈالیں چونکہ وہ سخت دل تھا اس پر ان نظروں کا کچھ اثر نہ ہوا اور یہ بات معشوق کے لیے باعث شرم تھی کہ اس کی نظریں بے اثر ثابت ہوئیں اور اب اس کی مژگاں کا پھرنا ہی بتاتا ہے کہ وہ نظارہ کیا تھا ۔

شایستہ ہمیں ما و تو بودیم کہ تقدیر
مارا سخنِ نغز و ترا روے نکو داد

ظاہر ہوتا ہے کہ اس دنیا میں بس میں اور تو ہی سزاوار تھے کہ تقدیر نے مجھے خوش کلامی عطا کی اور تجھے خوب روئی (یعنی معشوق کو حسن ظاہری ملا اور مجھے حسن باطنی) ۔

اور یوں حسن کی داد دینے والا بھی کوئی ہونا چاہیے تھا ، سو قدرت نے شاعر کو پیدا کیا ۔

ساقی دگرم بُرد بہ میخانہ ز مسجد
مے یک دو قدح بود و فریبم بہ سبو داد

ساقِ مجھے مسجد سے دوبارہ میخانے میں لے گیا اور لالچ یہ دیا کہ وہاں صراحیاں بھری ہیں اگرچہ شراب کی مقدار وہاں صرف دو تین پیالے تھی ۔

یعنی میخانے میں بھی شراب کی وہ بہتات نہیں جو ایک عالی ظرف میخوار کی تسکین کر سکے ۔

برخیز که دلجوئی من بر تو حرام است
اے آنکه ندانی خبرم زآں سرِ کو داد

عاشق اپنے چارہ گر سے مخاطب ہو کے کہتا ہے:

اٹھ (چلا جا) کہ تو میری دلجوئی کے قابل نہیں، (میری دلجوئی تجھ پر حرام ہے) تو تو اُس (معشوق) کے کوچے کے بارے میں کوئی بات نہیں کر سکا۔

یعنی تو میرا غمگسار ہوتا تو میرے معشوق کے کوچے کی بات کرتا۔

زیں سادہ دلی داد، کہ چوں دید بخوابم
ترسید خود و مژدۂ مرگم به عدو داد

معشوق کی اس سادہ دلی کے ہاتھوں فریاد کہ جب اس نے مجھے سویا ہوا دیکھا، خود تو ڈر گیا اور میرے مرنے کی خوشخبری رقیب کو جا کر دی۔

یہ شعر مرزا غالب کی شوخی بیان کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو عاشق کا فراق میں سو جانا، امر محال ہے۔ لازماً معشوق نے سمجھا کہ مر گیا ہوگا، ورنہ نیند کیسے آتی۔ دوسری بات معشوق کی ستم ظریفی کو ظاہر کرتی ہے کہ اُس نے جا کر رقیب کو مرگ عاشق کی خوشخبری دی۔

حسن تو بساقی گری آئیں نشناسد
مست آمد و یکبار دو ساغر زدو سُو داد

بزم مے میں دستور یہ ہوتا ہے کہ ساقی باری باری ہر میخوار کو

ایک ایک جام پلاتا اور دور جام ایک ہی طرف سے چلتا ہے - لیکن حسن کی ساقی گری دیکھیے - کہتا ہے:

تیرا حسن ساقی گری کے آداب کا پابند نہیں (نہیں پہچانتا) - وہ خود بد مست ہو کر آیا اور پھر ایک ہی وقت میں دو جام بھر کر دونوں طرف سے پلا دیا -

حسن کی سرمستی اور اثر انگیزی کو ظاہر کرنا مقصود ہے -

در گلشنم و آرم ازاں روے نکو یاد
در دوزخم و خواہم ازآں تندی ُخو داد

میں گلشن میں ہوں اور مجھے وہ حسین چہرہ یاد آرہا ہے - محبت کے دوزخ میں جل رہا ہوں لیکن اس (معشوق) کی تُند خوئی کے ہاتھوں فریاد کر رہا ہوں اور داد خواہی چاہتا ہوں -

گفتن سخن از پایۂ غالب نہ ز ہوش است
امروز کہ مستم خبرے خواہم ازو داد

ہوش کے عالم میں غالب کے بلند مقام کا تذکرہ نہیں کیا جا سکتا - آج جبکہ میں مستی کے عالم میں ہوں چاہتا ہوں اس کے بارے میں کچھ کہوں -

غزل نمبر ۶۸

نہم جبیں بہ درش ، آستاں بگرداند
نشیمنش بہ سر رہ ، عناں بگرداند

لغت : ''آستاں بگرداند'' = یعنی چوکھٹ کے پتھر کو اُلٹ کر

اوپر کا رخ نیچے اور نیچے کا رخ اوپر کر دیتا ہے ۔

اس کے دروازے پہ سر رکھتا ہوں تو وہ چوکھٹ کے پتھر کو الٹ دیتا ہے ۔ اس کے راستے میں بیٹھتا ہوں تو وہ گھوڑے کی باگ پھیر لیتا ہے یعنی ، واپس چلا جاتا ہے ۔

اگر شفاعتِ من در تصورش گذرد
بہ بزمِ آنس ، رُخ از ہمدماں بگرداند

اگر اس کے تصور میں بھی یہ بات آ جائے کہ اس کے ہمدموں میں کوئی میری شفاعت کرے گا تو وہ اپنے ہمدموں کی طرف سے ہی رخ موڑ لیتا ہے ۔

بہ بزمِ بادہ بہ ساقیگری از و چہ عجب
کہ پیرِ صومعہ را درمیاں بگرداند

بزم مے ہو اور وہ ساقی گری کر رہا ہو تو کوئی عجیب بات نہیں کہ پیر خانقاہ کو رندوں کی خدمت گزاری میں لگا دے ۔

اگر نہ مائلِ بوسِ لبِ خودست چرا
بہ لب چوتشنہ دمادم زباں بگرداند

اگر معشوق اپنے ہی لبوں کو چوسنے کی طرف مائل نہیں تو وہ پیاسوں کی طرح زباں پر لب کیوں پھیر رہا ہے ۔ معشوق کے لبوں کی لذت کو ظاہر کرنا مقصود ہے ۔

به بندِ دام بلاے تو صعوه را گردوں
ہما به گردِ سرِ آشیاں بگرداند

لغت : ''صعوه'' = ایک قسم کی چڑیا ۔

تیرے دام مصیبت میں آسماں ایک چڑیا کو پھنسا دیکھ کر ہما
آشیانے کے گرد گھماتا ہے یعنی ہما بھی اس کے دام مصیبت میں اسیر
ہونے کا مشتاق ہے ۔

چو غمزۂ توفسونِ اثر فرو خواند
بلاے راہزن از کارواں بگرداند

جب تیرا ناز حسن اپنی اثر انگیزیوں کا فسوں پھونکتا ہے
تو قافلے والوں کے سر سے رہزن کی مصیبت ٹل جاتی ہے ۔

بہار را ز رُخت تاچه رنگ در نظر است
که دمبدم ورق ارغواں بگرداند

بہار کو تیرے چہرے کا کون سا رنگ پسند ہے کہ ہر
لحظہ اپنے سرخ سرخ ورق الٹتی چلی جارہی ہے ۔

بہار کی رنگینیاں ہر لحظہ بدل رہی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسے
اپنا کوئی رنگ پسند نہیں ۔ اس نے حسن کا کوئی ایسا رنگ دیکھ
لیا ہے جو وہ اپنانا چاہتی ہے وہ اپنایا نہیں جاتا ۔

حسن کی دل آویزیوں کو بہار کی رنگینیوں پر ترجیح دی ہے
اور بڑے خوبصورت پیرایےمیں دی ہے ۔

تو نالی از خلهٔ خار و ننگری که سپہر
سرِ حسینِ علی بر سناں بگرداند

لغت : ''حسینِ علی'' = یعنی حسین ابن علی ۔ اس میں اضافت ابنی ہے ۔ ''خلہ خار'' = نوک خار ۔

تو ایک نوک خار کے چبھنے سے فریاد کرتا ہے ۔ یہ نہیں دیکھتا کہ یہ بے رحم آسماں تو حسین ابن علی کے سر کو نیزے پہ رکھ کر گھماتا ہے (حادثہ کربلا کی طرف اشارہ ہے) ۔ شعر میں صنعت تلمیح ہے ۔

برو ، بہ شادی و اندوہ دل منہ کی قضا
چو قرعہ درنمطِ امتحاں بگرداند

یزید را بہ بساط خلیفہ بنشاند
کلیم را بہ لباس شباں بگرداند

معاویہ نے خلاف قاعدہ یزید کو اپنا جانشیں مقرر کر دیا تھا ، اس کی غلط خلافت پر ہی حضرت امام حسین نے احتجاج کیا تھا ۔

حضرت موسیٰ (کلیم) گڈریا بن کر اپنے خسر حضرت شعیب کی خدمت میں رہے ۔

یہ دونوں واقعات یعنی یزید کا خلیفہ ہونا اور حضرت موسیٰ کا گڈریا بننا ، قدرت کی ستم ظریفیوں میں سے ہے ۔ یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں ۔ کہتا ہے :

جا ، دنیا کی خوشی اور غم پر دل نہ لگا ، کیونکہ قضا جب انسانوں کی آزمائش کے سلسلے میں قرعہ اندازی کرتی ہے تو

یزید کو مسند خلافت پر بٹھا دیتی ہے اور حضرت موسیٰ کو گڈریے (شبان) کے لباس میں پھراتی ہے ۔

اگر بباغ ز کلکمِ سخن رود غالب
نسیم، روے گل ، از باغبان بگرداند

غالب! اگر باغ میں میرے کلک سخن کا تذکرہ ہو تو ہوا پھولوں کا رخ باغبان کی طرف سے پھیر دے ۔ یعنی میرے قلم سے ایسے ایسے رنگین اشعار اُبھرتے ہیں کہ باغ کے پھول شرما جاتے ہیں ۔

غزل نمبر ۶۹

چو زہ بہ قصدِ نشان ، بر کمان بجنباند
تپد ز رشک دلم ، تا نشان بجنباند

لغت : ''زہ'' = کمان کا وہ حصہ جہاں تیر کو اٹک کر نشانہ لگاتے ہیں ۔

جب وہ نشانے لگانے کی غرض سے کمان کی زہ کو ہلاتا ہے تو میرا دل رشک سے تڑپ اٹھتا ہے (کہ یہ کس کو اپنے تیر کا نشانہ بنا رہا ہے) تا کہ اس کا نشانہ خطا ہو جائے (ہل جائے) ۔

دعا کدام و چہ دشنام ، تشنۂ سخنیم
بہ کامِ ماست زبان، چوں زبان بجنباند

لغت : ''کام'' = خواہش ، مدعا

دعا کیسی اور کہاں کی گلی؟ ہم آس صرف بات کے پیا سے ہیں ۔
جب وہ زبان ہلاتا ہے تو اس زبان کی حرکت ہماری خواہش
اور مدعا کے مطابق ہوتی ہے ۔

یعنی معشوق کا زبان ہلا کر کوئی سی بات کرنا ہی غنیمت
ہے ۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ وہ ہمارے لیے کلمۂ خیر کہتا ہے
یا دشنام طرازی کرتا ہے ۔

زقتلِ غیر چه خواہد، گرش غرض شغل است
بگو ز لہو سرم بر سناں بجنبا ند

اگر اس کا مقصد محض تفریح (شغل) ہے تو پھر قتل رقیب سے
کیا حاصل ، اسے کہہ دو کہ یونہی تفریحاً میرا سر کاٹ کے نیزے پہ
رکھ کر گھمائے ۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی
(خسرو)

زغیر نیست ، ز حسن است کش مجال نداد
که لب به زمزمهٔ الاماں بجنبا ند

یہ رقیب کا کمال ضبط نہ تھا یہ تیرے رعب حسن کی وجہ تھی
کہ رقیب کو اتنی مجال نہ ہوئی کہ (وہ تیرے ستم اٹھاتے ہوئے)
الاماں الاماں کہنے کے لیے لب ہلاتا ۔

به ناله ذوق سماع از تو چشم نتوان داشت
اگر به جنبشِ مہر آسمان بجنباند

لغت : ''مہر'' = سورج کے معنی بھی دیتا ہے اور محبت کے بھی - شعر مذکورہ میں سیاق و سباق کے اعتبار سے مہر کے معنی سورج ہونا چاہیے - لیکن یہاں قریبی معنی نہیں بلکہ بعیدی معنی مراد ہیں یعنی محبت -

''جنبش مہر'' کا مفہوم محبت کی رقت -

کہتا ہے اگر ہماری فریاد رقت پیدا کرکے آسماں کو ہلا دے تو ہلا دے لیکن اس فریاد کے سننے سے تجھ پر کوئی کیفیت (ذوق سماع) طاری ہوگی ، اس کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی -

که رفته از در زندان که بیقراری من
کلید در به کفِ پاسبان بجنباند

یہ قید خانے کے دروازے کون نکل کے چلا گیا ہے کہ میری بے قراری سے پاسبان زنداں کے ہاتھ میں دروازے کی کنجی ہل رہی ہے -

یعنی میں زنداں میں جانے کے لیے بے تاب ہوں اور اس کا اثر پاسبان زنداں پر ہو رہا ہے -

به خانقه چه کند تا پریوشے که به باغ
ز غمزه خوں به رگ ارغوان بجنباند

جو پری وش معشوق باغ میں اپنی ناز بھری نظروں سے

ارغواں کے سرخ پھول کی رگوں میں خون کی لہر دوڑا دیتا ہے وہ
اگر کہیں خانقاہ میں چلا جائے تو وہاں کیا حشر ڈھائے گا۔

سپہر، از رخِ ناشستۂ تو شرمش باد
که عکسِ ماه در آبِ روان بجنباند

لغت: "چہرۂ ناشستہ" = نہ دھلا چہرہ۔

آب رواں میں عکس ماہ ہلتا ہوا نظر آتا ہے۔ کہتا ہے آسماں
کو تیرے نا دھلے ہوئے چہرے سے شرم آنی چاہیے کہ (اس کے
ہوتے ہوئے) وہ چاند کے عکس کو آب رواں میں ہلا رہا ہے۔

یعنی آسماں نے عکس ماہتاب کو آب رواں میں یوں نمایاں کیا
اور تیرے نا دھلے چہرے کے حسن کو جو ماہتاب کے دھلے ہوئے
چہرے سے کہیں زیادہ دلکش ہے نظر انداز کر دیا۔

هنوز بے خبری زانکه جبہه بر درِ تو
نسوده ایم چناں کاستاں بجنباند

ابھی تو (ہماری جبیں سائی سے) بے خبر ہے کیونکہ ابھی ہم
نے تیرے در پر پیشانی کو اس طرح نہیں رگڑا کہ جس سے تیرا آستاں
ہل جائے۔

نشسته ام به رهِ دوست، پُر ز دوست، مباد
که کس بمن رسد و ناگہاں بجنباند

میں راہ دوست میں، دوست کے تصور میں ہمہ تن محو ہو کر

بیٹھا ہوا ہوں ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی آ جائے اور مجھے بلا دے (اور میری یہ محویت ختم ہو جائے) ۔

خبر ز حالِ اسیران باغ چون نبود
مرا کہ چیدنِ دام ، آشیان بجنباند

مری تو یہ حالت ہے کہ جال کے بچھائے جانے ہی سے میرے آشیانے میں لرزش آ جاتی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مجھے اسیران باغ کی حالت کا پتا نہ ہو ۔

یعنی صیاد ابھی طائران باغ گرفتار کرنے کے لیے جال ہی بچھا رہا ہوتا ہے کہ میرا آشیانہ ہل جاتا ہے ۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میرا دل اسیران باغ سے بے خبر ہو اور مجھ پر اس کا کچھ اثر نہ ہو ۔

جنونِ ساختہ دارم چہ خوش بود غالب
کہ دوست سلسلۂ امتحاں بجنباند

لغت : ''جنون ساختہ'' = مصنوعی جنوں ۔ ظاہرا بنایا ہوا جنوں ۔

غالب ! میرا جنوں نمائشی ہے ، کیا اچھا ہو کہ دوست میرا امتحان لینے کا سلسلہ شروع کر دے ۔

غزل نمبر ۷۰

تیغت ز فرق تا بہ گلویم رسیدہ باد
شوخی ز حد گذشت ، زبانم بریدہ باد

کاش تیری تلوار میرے سر پر پڑے اور حلق تک اتر جائے ،

(لیکن یہ آرزو کرنا شوخی اور گستاخی ہے) میری زبان کٹ جائے !

گر رفتہ ام ز کوئے تو آساں نہ رفتہ ام
ایں قصہ از زبان عزیزاں شنیدہ باد

میں تیرے کوچے سے چلا تو گیا لیکن کوئی آسان بات نہ تھی - اس واقعہ کو ہمارے عزیز ہی بیان کر سکتے ہیں -

نغزی و خود پسند ، ببینم چہ می کنی
یارب بدھر ہم چو توے آفریدہ باد

لغت : ''یارب'' میں ہمیشہ رب سے خطاب نہیں ہوتا یعنی اس کے معنی اے خدا نہیں ہوتے یہ دعائیہ بھی آتا ہے - یہاں وہی مفہوم ہے -

تو حسین ہے اور خود پسند بھی ہے - اللہ کرے تجھ سا کوئی دنیا میں اور پیدا ہو جائے پھر دیکھوں تو کیا کرتا ہے -

مردن ز راز داری شوقم نجات داد
صد رنگ لالہ زار زخاکم دمیدہ باد

لغت : ''صد رنگ لالہ زار'' = کیا کیا لالہ زار

(میں جب تک جیا تیری محبت کو چھپاتا رہا) میرے مرنے نے مجھے اسی راز داری محبت سے نجات دلائی - میری خاک سے نہ جانے کیا کیا لالہ زار آگیں گے جن سے ظاہر ہوگا کہ میرے دل میں کتنی خون گشتہ آرزوئیں تھیں جواب لالہ زار بن کر نمودار ہو رہی ہیں -

بر روی وموے پرتوِ بینش نتافت است
درعرضِ شوق ، دیدہ طلبگارِ دیدہ باد

ہماری بینائی کی تابندگی تیرے چہرے اور زلفوں پر نہ پڑ سکی ۔
کاش اپنے اظہار شوق کے وقت ہماری آنکھیں ، مزید آنکھوں کی طلب گار ہوں ۔
یعنی ان دو ظاہری آنکھوں سے تو جلوۂ حسن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا ۔

آتش بخاناں زدۂ خواست صرصرے
گفتم نسیم ، گفت بہ گاشن و زیدہ باد

لغت : ''آتش بخاناں زدہ'' = جس نے اپنے گھر بار کو آگ لگا دی ہو ۔ خانماں برباد ۔

''صرصر'' = تیزوتند ہوا جو چلنے میں آواز دے ۔

''نسیم'' = نرم و نازک ہوا ۔

ایک گھر بار جلائے ہوئے نے باد صرصر کی خواہش کی ، میں نے کہا نسیم کا جھونکا نہ آئے ، بولا نہیں ، باد نسیم کو باغ میں چلنے دو ۔

مرگم اماں دہاد کہ از شوق بر خورم
ایں شعلہ ہمچو خوں بہ رگِ خس دویدہ باد

آتش شوق انسان کو یوں جلا دیتی ہے جیسے شعلہ خس کو

ایک آن میں جلا دیتا ہے۔

عاشق، آتش دیدار کی تاب نہیں لا سکتا اور جل جاتا ہے، کہتا ہے، کاش مجھے موت سے پناہ مل جائے تا کہ میں اپنا شوق دیدار پورا کر سکوں۔ کاش یہ شعلہ، خون بن کر رگ خس میں (یعنی مجھ میں) دوڑ جائے۔

یعنی شوق بجائے جلانے کے ایک زندگی کی رو بن کر رگ وریشہ میں سرایت کرے۔

ذوقے ست ہمدمی بہ فغاں، بگذرم ز رشک
خار رہت بہ پائے عزیزاں خلیدہ باد

اگرچہ تیرے عشق میں دوسرے کی شرکت گوارا نہیں مگر چونکہ کئی آدمیوں کے مل کر نالہ و فریاد میں بھی ایک لطف ہے اس لیے میں رشک سے قطع نظر کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ کاش تیری راہ کا کانٹا ہمارے عزیزوں کے پاؤں بھی چبھ جائے۔ (یعنی دوستوں کو عشق کی چاشنی نصیب ہو اور ہمیں تسکین ہو کہ ہمارے درد میں کوئی اور بھی شریک ہے)

چوں دیدہ پائے تا بہ سرم تشنۂ کسے است
دل خوں شواد و از بن ہر مو چکیدہ باد

آنکھوں کی طرح میرا وجود سرتا پا کسی کا پیاسا ہے، کاش دل خون ہو جائے اور (بجائے فقط آنکھوں سے بہنے کے) میرے ہر بُنِ مو سے ٹپک پڑے (تا کہ میں سرتاپا سیراب ہو سکوں)۔

غالب ! شراب قندی ہندم کباب کرد
زیں بعد بادہ ہاے گوارا کشیدہ باد

لغت : ''شراب قند'' = جسے شراب شکر بھی کہتے ہیں - شراب ہندی ہے جو شکر سے بنتی ہے - اس میں ہر چند نشہ زیادہ ہوتا ہے لیکن گوارا نہیں ہوتی - یہ بات شراب انگور ہی میں ہوتی ہے -

فوقی یزدی کا شعر ہے :

ہر چند از شراب شکر نشہ میچکد   اما کجا بشیرہ انگور می رسد

طالب آملی نے بھی جو عرق و معجون کا بہت رسیا تھا ایک شعر میں ''شراب قندی'' کا ذکر کیا ہے - اس کی راے بھی وہی ہے جو مرزا غالب کی ہے -

قدح پر از مئے انگور کن کہ طالب را   شراب قندی ہندوستان ضرر داد است

مرزا غالب کہتے ہیں :

''غالب اس شراب قندی ہندوستان نے مجھے کباب کر دیا (جلا دیا) اس کے بعد کوئی شراب خوشگوار کشید ہونی چاہیے -''

غزل نمبر ۱۷

پروا اگر از عربدۂ دوش نکردند
امشب چہ خطر بود کہ مے نوش نکردند

اگر کل رات کے ہنگامے کا خیال نہیں تھا تو پھر آج رات کون سا خطرہ تھا جو شراب کا دور نہیں چلا -

در تیغ زدن ِمنّتِ بسیار نہادند
بردند سر از دوش و سبکدوش نکردند

تلوار سے ہمارا سر اتار کر بھی معشوق نے ہمیں سبکدوش نہ کیا ، پہلے سر کا بوجھ تھا اب اس احسان کا بوجھ ہے کہ ہمارا یہ بے قدر سر اتارا ہے ۔

از تیرگیِ طُرّۂ شبرنگ نظرہا
پرواز درآں صبح بناگوش نکردند

لغت : ''بنا گوش'' = کان کی لباہی ۔ جس کی درخشانی کو شاعر نے صبح بنا گوش کہا ہے ۔

''طرۂ شبرنگ'' = رات کی طرح سیاہ زلفیں

معشوق کی سیاہ زلفوں کی ایسی تاریکی چھائی ہوئی تھی کہ دیکھنے والوں کی نظریں ، صبح بنا گوش یعنی (درخشندہ چہرے) کی روشن فضا میں پرواز نہ کر سکیں ۔

یعنی گھنی زلفوں کی سیاہی ، معشوق کے چہرے پر بکھری رہیں اور دوسری طرف توجہ نہ گئی ۔

داغ دلِ ما شعلہ فشاں ماند بہ پیری
ایں شمع ، شب آخر شد و خاموش نکردند

لغت : ''شمع خموش کردن'' = شمع بجھانا ۔

بڑھاپے میں بھی ہمارے دل میں داغ محبت شعلہ فشاں ہی رہا ۔ رات ختم ہو گئی لیکن یہ شمع (داغ) نہ بجھی ۔ یعنی عمر گزر گئی ،

بڑھاپا آ گیا لیکن جذبات محبت جواں ہی رہے ۔

روزے کہ بہ مے زور و بہ نے شور نہفتند
اندیشہ بہ کار خرد و ہوش نکردند

جب قدرت نے شراب میں زور ، اور نے (نغمے) میں شور بھر دیا تھا اُس وقت یہ نہ سوچا عقل و ہوش کا کیا حشر ہوگا ۔

ساقی بہ جلوہ دشمن ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین وہوش ہے

گر داغ نہادند و گر درد فزودند
نازم کہ بہ ہنگامہ فراموش نکردند

خواہ ہمارے دل پر داغ حسرت لگایا گیا ، یا درد محبت کو بھڑکایا گیا ۔ ہمیں اس بات پر ناز ہے کہ ہنگامہ شوق کو نظر انداز نہیں کیا گیا یعنی ہنگامہ شوق دونوں حالتوں میں گرم رہا ۔

خوں می خورم از حسن کہ ایں گنج رواں را
در کارِ تہیدستیِ آغوش نکردند

شاعر نے حسن کے لیے گنج رواں (چلتا پھرتا خزانہ) کا استعارہ استعمال کیا ہے جو ایک متحرک تشبیہ پر مبنی ہے اور اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ حسن ایسی دولت ہے جو خود چل پھر کر لوگوں

کی آسائش کا سامان مہیا کرتی ہے ۔

دوسری طرف عاشق نامراد کی محرومی کو تہیدستی آغوش سے تعبیر کیا ہے ۔

لغت : ''در کار چیزے کردن'' = کسی مفید مصرف میں لانا ۔
کہتا ہے :

مجھے حسن کو دیکھ کر کتنا دکھ ہوتا ہے کہ یہ ایک گنج رواں ہو کر بھی عاشق محروم کے خالی آغوش میں نہیں آتا ۔ یہ دولت حسن عاشق کی تہیدستی کو دور نہ کر سکی ۔

اکنوں خطرے نیست کہ تا پُر نشداز دل
خود چاہ زنخدانِ تو خس پوش نکردند

لغت : ''چاہ زنخداں'' = چاہ ذقن

''چاہ خس پوش'' = وہ کنواں جس کے دہانے کو خس و خاشاک سے ڈھانپا گیا ہو ۔ عام طور پر شکاری ، کسی شکار کو جو بآسانی قابو میں نہ آسکتا ہو ، پکڑنے کے لیے ، چاہ خس پوش تیار کرتے تھے اور شکار کو گھیر کر اس طرف لاتے تھے تا کہ وہ اُسے عام زمین سمجھ کر اس پر سے گزرے اور اس میں گر پڑے ۔

''جب تک تیرے چاہ زنخداں میں میرا دل گر نہیں پڑا اور اس سے وہ چاہ زنخداں پُر نہیں ہو گیا اُسے خس پوش نہیں کیا گیا ۔ اب جب کہ میرا دل اس میں پھنس ہی گیا اب کیا خطرہ ہے ۔

چاہ زنخداں کا خس پوش ہونا یہ ہے کہ رخسار پر سبزہ خط نمودار ہو جائے جس سے حسن کی جاذبیت میں فرق آ جاتا ہے ۔

گر خود به غلامی نپذیرند ، گدا باش
بر در بزن آن حلقه که در گوش نکردند

ایک حلقہ وہ ہوتا ہے جو غلام کے کان میں ڈالتے تھے ، اسی لیے غلام کے لیے حلقہ بگوش کا لفظ آتا ہے ایک ''حلقہ در'' ہوتا ہے یعنی دروازے کا کنڈا ۔

کہتا ہے کہ اگر تجھے غلامی میں قبول نہ کیا جائے تو تو اس (معشوق) کے دروازے کا گدا بن جا اور جو حلقہ تیرے کان میں نہیں پڑ سکا وہ دروازے میں ڈال کر دروازے کو کھٹکھٹا جیسے گداؤں کا دستور ہے ۔

غرض عشق میں معشوق کی غلامی ہو یا گدائی دونوں درست ہیں ۔

غالب ز تو آن باده که خود گفت نظیری
در کاسهٔ ما بادهٔ سر جوش نکردند

اس شعر کا دوسرا مصرعہ نظیری کا ہے جس کی طرف غالب نے اشارہ بھی کیا ہے ''بادۂ سر جوش'' خم کے اوپر کے حصے کی شراب ، شراب صاف جو ''دُرد'' کی ضد ہے ۔

غالب تیرے حصے میں وہ شراب آئی ہے جس کے بارے میں نظیری نے کہا تھا کہ ہمارے پیالے میں بادۂ سر جوش نہیں ڈالی گئی ۔

غزل نمبر ۷۲

تاجر شوق بدان رہ بہ تجارت نرود
کہ رہ انجامد و سرمایہ بغارت نرود

شوق الٰہی کا تاجر اس رستے نہیں چلتا کہ جو رستہ چلتے چلتے ختم ہو جائے اور اس رستے میں سرمایہ لوٹا نہ جائے۔ (حالی)

چہ نویسم بہ تو در نامہ کز انبوہی غم
نیست ممکن کہ روانی ز عبارت نرود

میں خط میں تمہیں کیا لکھوں، کیونکہ ہجوم غم میں یہ ممکن ہی نہیں کہ عبارت کی روانی قائم رہے یعنی اتنے دکھڑے ہیں کہ معرض تحریر میں نہیں آ سکتے۔

از حیا گیر نہ از جور، گر آں مایۂ ناز
کشتۂ تیغ ستم را بزیارت نرود

اگر وہ محبوب سرتا پا ناز اپنے کشتہ تیغ ستم کو دیکھنے کے لیے نہیں جاتا، تو اسے ستم پر محمول نہ کر بلکہ اس کی وجہ اس کی حیا ہے۔

وصل دلدار نہ خلد ست، ہماں بہ ہمدم
کہ نگوئی سخن و عرض بشارت نرود

لغت: ''عرض'' = ناموس و فخر

وصل دلدار کوئی خلد نہیں ۔ اس لیے اے ہمدم یہی بہتر ہے کہ اس کا تذکرہ نہ کرے اور بشارت ضائع نہ ہو ۔ یعنی جنت کی بشارت اور وصل محبوب کی بشارت ایک جیسی نہیں ۔ جنت کی بشارت تو شاید پوری ہو جائے ، وصل دلدار ایک ناممکن الوقوع شے ہے ۔

دل بداں گونہ بپالاے کہ در خواہشِ دید
دیدہ خوں گردد و از دیدہ بصارت نرود

محبت میں دل کو اس طرح سے معشوق سے وابستہ کر کہ دیدار محبوب کی تمنا میں آنکھیں خون ہو کر رہ جائیں لیکن آنکھوں کی بصارت نہ جائے ۔

یعنی شوق دیدار قائم رہے ۔

قصر و مہماں کدۂ حاتم و کسریٰ بگذار
نام از رفتنِ آثارِ عمارت نرود

حاتم کی سخاوت اور مہمان نوازی اور کسریٰ کے محلات کی شان شکوہ ضرب المثل ہے ۔ کہتا ہے کہ حاتم کے مہمان خانے اور کسریٰ کے محلات کا تذکرہ چھوڑ دے ۔۔ وہ تباہ و برباد ہو گئے تو کیا ہوا ، عمارتوں کے نشانات (آثار) کے مٹ جانے سے نام تو نہیں مٹ جایا کرتے ۔ حاتم و کسریٰ کے نام ابھی زندہ ہیں ۔

حج درویش طمع پیشہ نیرزد بقبول
تا کہ اندوختۂ گدیۂ بہ غارت نرود

لالچی درویشوں کا حج قبول ہونے کے قابل نہیں اس میں یہ

اندیشہ ہے کہ انھوں نے طمع میں حج کے لیے جو سرمایہ جمع کیا ہے وہ کہیں لٹ نہ جائے ۔

گدیہ گداگری ہے ۔ شاعر نے ایسے درویشوں کو جو حج کے لیے دولت مانگ کر جمع کرتے ہیں درویش طمع پیشہ کہا ہے ، یعنی وہ لوگ حج کی نیت سے نہیں بلکہ مال کے لالچ کی وجہ دولت جمع کرتے ہیں ۔

تو بہ یک قطرۂ خوں ترکِ وضو گیری و ما
سیلِ خوں از مژہ رانیم و طہارت نرود

خون بہنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ۔ کہتا ہے :

تیرا وضو تو ایک قطرہ خون کے بہ جانے سے ٹوٹ جاتا ہے اور ہماری حالت یہ ہے کہ ہماری آنکھوں (مژگاں) سے خون کا سیلاب بہ جاتا اور ہماری طہارت قائم رہتی ہے ۔

محبت کے خونیں آنسوؤں سے انسانی نفس کی تطہیر ہوتی ہے ۔

رمز بشناس کہ ہر نکتہ ادائے دارد
محرم آں است کہ رہ جزبہ اشارت نرود

ہر نکتے یعنی ہر چیز کی رمز کو سمجھنا چاہیے کیونکہ محرم راز وہی ہے جو بغیر آدھر کے اشارے کے ایک قدم نہیں اٹھاتا یعنی قدرت کی ہدایت کے بغیر کچھ نہیں کرتا (حالی) ۔

زاہد از حور بہشتی بجز ایں نشناسد
کہ شود دست زد شوق و بکارت نرود

لغت : ''دست زد شوق ہونا'' = شوق کے زیر مشق ہونا ۔

"خلاصۂ مطلب یہ کہ زاہد شریعت کے تمام الفاظ سے اُن کے حقیقی معنی مراد لیتا ہے اور کسی بات کو استعارے اور کنائے پر محمول نہیں کرتا ۔" (حالی)

شاعر کے نزدیک حور بہشتی کا وجود تمثیلی ہے ۔ وہ خلد کی نشاط و طرب کی علامت ہے ۔ زاہد حور کا وجود حقیقی سمجھ لیتا ہے اور پھر اس حور سے اپنے رشتے کے پاکیزہ ہونے کی توجیہیں بھی پیش کرتا ہے ۔بکارت ، عفت و دوشیزگی ہے ۔

"بکارت نرود" یعنی حور کا کنوارپت ضائع نہیں ہوتا ۔

غالب خستہ بکوے تو رہینِ تپشے است
کہ بہ شاہی نہ نشیند ، بہ وزارت نرود

غالب خستہ تیرے کوچے میں محبت کی تڑپ کے لیے وقف ہو گیا ہے اس کے لیے یہی بڑا اعزاز ہے ۔ اُسے شاہی شکوہ یا کسی وزارت کے منصب کی حاجت نہیں ۔

ردیف ذ

غزل نمبر ۱

زبس تاب خرام کلکم آدر بیزد از کاغذ
مداد اندوزم از دودے کہ ہر دم خیزد از کاغذ

لغت : "آدر بیزد" = آگ چھنتی ہے ۔ ۔ ۔ مداد = سیاہی ۔

میرے قلم کی تیز خرامی سے کاغذ سے آگ چھننے لگتی ہے ۔ کاغذ جل جاتا ہے اور اُس سے دھواں نکلتا ہے ، چنانچہ اُس دھوئیں

سے میں لکھنے کے لیے سیاہی جمع کر لیتا ہوں ۔

یعنی میرے اظہار شوق کی گرمی سے کوئی چیز بھی معرض تحریر میں نہیں آ سکتی ۔ قلم اٹھاتا ہوں تو کاغذ جل جاتا ہے ۔

ندانم تاچه خواہد کرد با چشم و دلِ دشمن
رم کلکم که در جنبش غبار انگیزد از کاغذ

لغت : ''رمِ کلک'' = قلم کی تیز رفتاری ۔ ۔ ۔ دوڑ ۔

میرے قلم کی تیز رفتاری (دوڑ) سے جو گرد و غبار اٹھتا ہے معلوم نہیں اس کا اثر دشمن کی آنکھوں اور دل پر کیا ہوگا ۔

یعنی میں بڑی تیزی سے کلام لکھتا ہوں ، میرا دشمن اسے دیکھ کر رشک کرتا ہے اور اس کے دل میں کدورت پیدا ہوتی ہے ۔

بکزلک از ورق جو بسترم سطرِ مکرر را
تو گوئی سونش لعل و گہر می ریزد از کاغذ

لغت : ''کزلک'' قلمتراش ۔ ۔ ۔ ''ستردن'' = چھیلنا ۔

دستور تھا جب کوئی لفظ یا سطر غلطی سے دوبارہ لکھی جاتی تو اسے چاقو سے چھیل کر صاف کر دیتے تھے ۔ ''سونش'' = لوہے یا سونے چاندی کے باریک ریزے جو ریتی چلاتے وقت دھات سے الگ ہو جاتے ہیں۔

''جب میں ورق سے دوبارہ لکھی ہوئی سطر کو چاقو سے چھیلتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ لعل و گہر کے ریزے کاغذ سے گر رہے ہیں ۔''

یعنی میری تحریر گویا لعل و گہر کی سی ہے ۔

ندانم حسرت روے که میخواہم رقم کردن
که هر جا بنگرم ذوقِ نگاہم خیزد از کاغذ

''نہ جانے میں کس کے (دلنواز) چہرے کو دیکھنے کی حسرت کا اپنی تحریر میں اظہار کر رہا ہوں کہ کاغذ پر جہاں بھی نظر پڑتی ہے ، میرا ذوق نظارہ ابھرتا دکھائی دیتا ہے ۔''

شاعر نے دیدار روئے یار کی تشنگی کا اظہار کیا ہے ۔

من و ناسازی خوئے که در تحریر بیدادش
رمد حرف از قلم گر خود قلم نگریزد از کاغذ

اِدھر میں ہوں اور اُدھر میرے محبوب کی خوئے مخالف ، کہ جب میں اُس کے بیداد کو تحریر کرنے لگتا ہوں تو اگر کاغذ سے میرا قلم نہ بھاگ جائے تو قلم سے لفظ ہی بھاگنے لگتے ہیں ۔

یعنی محبوب کی خوئے تند کے تذکرہ کرنے کی تاب نہ میرے قلم میں ہے نہ کاغذ میں ۔ محبوب کی ناسازگر طبع کا اثر دونوں میں آجاتا ہے ۔

چه باشد نامهٔ گل جانب مرغ اسیر ، آں به
که کس گلدستهٔ پیش قفس آویزد از کاغذ

کسی مرغِ اسیر کے پاس پھولوں کا پیغام نامہ بھیجنا کیسا ؟ بہتر تو یہ ہے کہ کوئی آدمی کاغذ کے پھولوں کا گلدستہ ، قفس کے سامنے لٹکا دے ۔

یعنی مرغ اسیر کے لیے پھولوں کا تحفہ بھیجنا بے معنی ہے ۔

چو استیلاے شوقم دید، کرد از نامه محرومم
مگر بر آتشم بیدرد دامن می زد از کاغذ

جب میرے محبوب نے میرے وفور شوق کو دیکھا تو اُس نے مجھے میرے خط کے جواب سے محروم رکھا ۔ شاید اُس نے میرے ہی خط کے کاغذ کو دامن بنا کر میری آتشِ شوق کو تیز کر دیا ۔
گویا میرے معشوق نے ، میرا خط ہلا کر میری آتشِ شوق کو اور بھی بھڑکایا ۔

زبے تابی رقم سوزیش دوَد چوں نامه بنویسم
به عنوانے که دانی دود برمی خیزد از کاغذ

جب میں محبوب کو خط لکھتا ہوں تو میری تحریر بے تابی سے اُس کی طرف لپکتی ہے ۔ اس انداز سے کہ گویا کاغذ پر سے دھواں اُٹھ اُٹھ کر ادھر کو جا رہا ہے ۔

چه گویم از خرام آں که در انگارۂ قدّش
صریرِ خامه شورِ رستخیز انگیزد از کاغذ

میں اُس محبوب کے خرام ناز کے بارے میں کیا لکھوں کہ اُس کے آتشیں قد کے تصور سے ، میرے قلم کی آواز سے کاغذ پر سے شور قیامت اُبھرنے لگتا ہے ۔

ظہور آمد تنزل ہاں بچشم کم مبیں غالب
به پیدائی ز خاک استم چو نامِ ایزد از کاغذ

ردیف ر

غزل نمبر ۱

بُتے دارم ز شنگی روزگاراں خو، بہاراں بر
بہ مستیِ خویش را گرد آرو گوے از ہوشیاراں بر

لغت: ''شنگی'' = شوخی ۔ ۔ ۔ ''روزگاراں خو'' = زمانے کی سی خو رکھنے والا یعنی متلون مزاج اور ستمگر۔ ''بہاراں بر'' = بہار کی طرح تروتازہ۔

میرا ایک ایسا معشوق ہے جو شوخی میں زمانے سے ملتا جلتا ہے اور بہار کی طرح شگفتہ بھی ہے۔ اپنے حسن مستی میں سرشار اور ہوشمندوں سے بھی سبقت لیجانے والا۔

یعنی سادہ و پرکار، اور مست و ہشیار۔

خمے از مے بما بفرست و آنگہ ہر قدر خواہی
رواں کن جوئے از شیر و دل از پرہیزگاراں بر

شراب کا ایک مٹکا ہماری طرف بھیج دے اور اس کے بعد جتنا چاہے دودھ کی نہر بہا کر متقیوں اور پرہیزگاروں کے دل موہ لے۔ خدا سے کہتا ہے کہ ہمیں تو شراب درکار ہے۔ وہ ہمیں عنایت فرما، باقی جنت کی نعمتیں پرہیزگاروں کے لیے رکھ لے۔ ان نعمتوں کے تذکرے سے انھی کے دل خوش ہوتے ہیں۔

مرا گوئی کہ تقوی ورز ، قربانت شوم ، خود را
بیارائے و بہ خلوت خانۂ تقوی شعاراں بر

مجھ سے تو کہتا ہے کہ تقویٰ اختیار کر لے - تیرے قربان جاؤں ، اپنے آپ کو آراستہ کر کے تقویٰ پرستوں کی خلوت میں جا (اور دیکھ کہ اُن کا کیا حشر ہوتا ہے) یعنی تجھ سے وابستہ ہونے پر تقویٰ کیسا -

چہ پرسی کاینچنیں داغ از کدامیں تخم می خیزد
دلم از سینہ بیروں آر وپیش لالہ کاراں بر

تو کیا پوچھتا ہے کہ یہ داغ (محبت) کس بیج سے پھوٹتے ہیں ، آ اور میرے دل کو میرے سینے سے باہر نکال اور اسے لالے کے پھول بونے والے باغبانوں کے پاس لے جا -

یعنی داغ محبت میرے دل ہی سے اُبھرتے ہیں جو محبت میں لالے کے پھول کی طرح خوں سا ہو گیا ہے -

دریں بیہودہ میری آنچہ بامن درمیان داری
بگو لختے و از من زحمتِ اندُہ گساراں بر

میرے بے فائدہ جان تباہ کرنے کے بارے میں جو باتیں تو مجھ سے کرتا ہے ، اُن میں سے کچھ بیان کر تاکہ انھیں سن کر میرے غمخواروں کو اس زحمت سے جو میری غمگساری کرنے میں انھیں اُٹھانی پڑتی ہے نجات مل جائے -

ندارد شیرو خرما ، ذوق صہبا ، رحم می آید
نشاطِ عید از ماہدیہ سوے روزہ داراں بر

دودھ اور کھجور سے روزہ کھولتے ہیں - شاعر کہتا ہے کہ مجھے تو روزہ داروں پر رحم آتا ہے - شیرو خرما میں شراب کی سی لذت کہاں ، میری طرف سے روزہ داروں کو عید کی خوشی کا تحفہ دے -

بیا رضواں مگر تہ جرعۂ بخشندت از ساغر
گل ازگلبن بیفشان و بہ بزم شاد خواراں بر

لغت : ''رضوان'' = جنت کا پاسبان فرشتہ -

اے رضواں آ ، باغ خلد کی کیاریوں سے کوئی پھول توڑ اور اسے میخواروں کی محفل میں لے آ ، شاید وہاں تجھے کسی جام کی تہ میں بچے ہوئے چند قطرے ہی پلا دیں (تو جنت میں کیا کر رہا ہے) -

پشیماں می‌شوی از ناز ، بگذر زیں گراں جاناں
دل از دلدادگاں جُو و قرارِ بے قراراں بر

لغت : ''گراں جاناں'' = سخت جاں لوگ جن پر حسن کا کوئی اثر نہیں ہوتا -

معشوق سے خطاب کرکے کہتا ہے ، ان گراں جان لوگوں کو چھوڑ ، یہاں حسن کی ناز و ادا بے فائدہ ہے تجھے اپنی ناکامی پرپشیمانی ہوگی - دل لینا ہے تو اہل دل کا دل چھین اور قرار چھیننا ہے تو تڑپ رکھنے والوں کے دل کا قرار چھین -

نمک کم نیست هاں ہمت بیا و داد شوخی دہ
غرورِ ننگ زنہار از نہاد دلفگاراں بر

لغت : ''داد شوخی دادن'' = شوخی کرنا ، بڑے انداز سے شوخیاں کرنا ۔

''زنہار'' = پناہ ۔ ۔ ۔ ''نہاد'' = طبیعت ۔ ''دلفگاراں'' = زخمی دل عاشق ۔

زخم پر نمک چھڑکا جائے تو زخم خراب ہو جاتا ہے اور تکلیف بڑھ جاتی ہے ۔

دلفگاروں یعنی عشاق کو اس بات کا غرور ہوتا ہے کہ وہ اس نمک پاشی کے دکھ کو برداشت کر لیتے ہیں ۔ چنانچہ کہتا ہے :

دنیا میں نمک کی کوئی کمی نہیں ، ہاں نمک پاشی کے لیے ہمت درکار ہے ، آ اور آکر اپنی ستم ظریفی دکھا اور زخمی دل عاشقوں کے غرور کو توڑ دے ۔ اتنا نمک چھڑک کہ وہ تڑپ اٹھیں ۔

مپرس اے قاصدِ اہلِ وطن از من کہ من چونم
سپارس نامہ از اغیار گریابی بہ یاراں بر

اے اہل وطن کے قاصد مجھ سے یہ مت پوچھ کہ میں کیسا ہوں ۔ اگر غیروں سے کوئی نامہ و پیام مل جائے تو وہ دوستوں کو جا کے پہنچا دو ۔

شکستِ ما بود آرائشِ خویشاں ما غالب
زنند از شیشۂ ماگل بفرق کوہساراں بر

غالب ہماری شکست سے ہمارے اپنوں کی آرائش ہوتی ہے۔
ہماری صراحی مے کو توڑتے ہیں اور اس سے پتھروں پر گلپاشی کرتے
ہیں۔

یعنی ہمارے سامان عیش برباد کرکے ہمارے عزیز خوش
ہوتے ہیں۔

غزل نمبر ۲

مژدہ اے ذوقِ خرابی کہ بہار است بہار
خرد آشوب تر از جلوۂ یار است بہار

لغت: ''خرابی'' فارسی میں خراب کا لفظ، مست اور برباد
دونوں معنی دیتا ہے۔ اس شعر میں جو خراب کی مصدری حالت ہے،
دونوں معنوی پہلوؤں پر حاوی ہے۔

بہار آتی ہے تو طبیعتوں میں جنوں کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی
ہے۔ میخوار اور عاشق کو برباد ہی کر دیتی ہے چنانچہ کہتا ہے:

بہار آگئی ہے اور ہمارے جذبہ ہستی و بربادی کے لیے مژدہ لے
کر آئی ہے یہ بہار تو جلوۂ یار سے کہیں زیادہ عقل و ہوش کو
پریشان کرنے والی ہے۔

چه جنوں تاز ہوائے گل و خار است بہار
کایں چنیں قطرہ زن از ابر بہار است بہار

لغت: ''جنوں تاز'' = جوش وحشت میں بھاگنا ۔۔۔۔۔۔
''قطرہ زدن'' = باریدن اور گریختن دونوں مفہوم دیتا ہے ۔
''قطرہ زن'' =تیزی سے برسنے والا یا دوڑنے والا ۔

بہار ، گل و خار کے اشتیاق میں کس تیزی کے ساتھ دشت و صحرا میں پھیل گئی ہے کہ ابر بہار سے بھاگ کر زمین پر آ رہی ہے ۔ یعنی ابر بہار برس رہا ہے اور ہر طرف چمن زار کھل رہے ہیں ۔

نازم آئین کرم را کہ بسرگرمیِ خویش
دشت را شمع وچراغِ شب تار است بہار

فطرت کی بخشش پر نازاں ہوں کہ اُس نے اپنے جوش بخشش میں جنگل کی سیاہ رات میں بہار کے دیے جلا دیے ہیں ۔

رنگ برنگے پھول جنگل میں اس طرح فروزاں ہیں جیسے چراغ جل رہے ہوں ۔

شوخی خوے ترا قاعدہ دان است خزاں
خوبی روئے ترا آئنہ دار است بہار

خزاں کیا ہے ؟ تیری خوے تند کی مزاج داں اور بہار کیا ہے تیرے حسین و رنگین چہرے کی آئینہ دار ۔ یعنی بہار تیرے حسن رنگیں کی عکاسی کرتی ہے اور خزاں تیرے مزاج تند کی ۔

در غمت غازۂ رخسارۂ ہوش است جنوں
در رہت شانۂ گیسوے غبار است بہار

تیرے غم میں جنون شوق کی کیفیت ، ہوش کے چہرے پہ غازے کا کام دیتی ہے اور بہار تیری راہ سے اٹھنے والے گرد و غبار کو (جو گیسوؤں کی طرح بکھرا ہوا ہے) شانہ کشی کر رہی ہے -

یعنی تیرے غم میں جنوں کی کیفیت سے ہوش و خرد پیدا ہوتے ہیں اور تیری راہ میں چلنے والوں کو تیری راہ کے غبار میں بہار کی کیفیت محسوس ہوتی ہے -

ہم حریفانِ ترا طرفِ بساط است چمن
ہم شہیدانِ ترا شمع مزار است بہار

ایک طرف تیرے حریفانِ بزم کے لیے چمن (خوشیوں کا) ایک فرش رنگیں ہے اور دوسری طرف تیرے عاشقانِ زار کے لیے بہار ایک شمع ہے جس نے شہیدوں کے مزار کو روشن کر رکھا ہے -

معشوق جن پر مہربان ہے اُن کے لیے بہار بساطِ عیش ہے اور ستم زدہ عاشقوں کے لیے بہار ایک شمع مزار -

جعدِ مشکین ترا غالیہ سائیست نسیم
رخ رنگینِ ترا غازہ نگار است بہار

نسیم تری سیاہ زلفوں کو معطر کر رہی ہے اور بہار تیرے چہرۂ زیبا پر سرخی مل رہی ہے -

وحشتے می دمد از گردِ پر افشانیِ رنگ
از کمیں گاہ کہ رم خوردہ شکار است بہار

لغت : ''رم خوردہ شکار'' = وہ شکار جو صیاد سے جان بچا کر بھاگا ہو۔

''پر افشاندن'' = اڑنے کے لیے پرپھڑ پھڑانا ۔ ۔ ۔ ''پر افشانی رنگ'' = رنگ کا اڑنا۔

شاعر نے بہار کے بکھرے ہوئے رنگ کو گرد کہا ہے۔ کہتا ہے :

بہار کے اڑے ہوئے رنگ کے غبار سے وحشت ٹپک رہی ہے ، یہ بہار کس کی کمیں گہ سے بھاگا ہوا شکار ہے۔ جس طرح شکار جو صیاد کی کمینگاہ سے بچ کر بھاگا ہو ، وحشت زدہ ہوتا ہے اسی طرح بہار ، محبوب کی بزم سے (جو بہار سے کہیں زیادہ رنگیں ہے) وحشت زدہ ہو کر نکلی ہے۔

بجہاں گرمی ہنگامۂ حسن است ز عشق
شورش اندوز ز غوغاے ہزار است بہار

لغت : ''ہزار'' = ہزار داستان ، بلبل ۔ ۔ ۔ ''غوغاے ہزار'' = بلبل کا شورِ نغمہ۔

دنیا میں عشق ہی سے ہنگامۂ حسن گرم ہوتا ہے۔ بہار کا زور شور بھی ، بلبل کے نغموں کے شور سے ہے یعنی بہار کے پھولوں کا جوبن بھی بلبل کے نغموں ہی سے ابھرتا اور نکھرتا ہے۔

سنبل و گل اگر از گلشنیاں است چہ غم
بہر ما گلخنیاں دود و شرار است بہار

گلشن سے گلشنی اور گلخن سے گلخنی یعنی مکین گلشن اور

مکین گلخن۔

گلشن عیش و نشاط کی جگہ ہوتی ہے ، اور گلخن (آتشدان) اس کی ضد ہے ، ماتم زدہ لوگوں کی۔

اگر سنبل اور گل گلشن کے عشرت پرست ہیں تو کیا ہوا ہم جیسے ماتم زدہ (افسردہ خاطر) لوگوں کے لیے بہار دود وشرار کا کام دے رہی ہے۔

یعنی خوش دل لوگ سنبل و گل کے نظارے سے لذت اندوز ہوتے ہیں تو کیا ہوا۔ ہم غم میں جلنے والوں کے لیے بہار ، دود وشرار ہی سہی ، اس دود وشرار میں ایک گرمی ہنگامہ تو ہے۔

؎ ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی ، نغمۂ شادی نہ سہی ــــــ غالب

خارها در رہِ سودا زدگاں خواهد ریخت
ورنه در کوه وبیاباں بچه کار است بہار

یہ عشق کے مجنونوں کی راہ میں کانٹے بکھیرے گی ورنہ کوہ و بیاباں میں بہار کا کیا کام۔ بہار کا اثر کوہ و بیاباں میں نمایاں ہے۔ وحشت زدہ عاشقوں کی آنکھوں میں جو کوہ و بیاباں میں بھٹک رہے ہیں ، بہار کا یہ منظر ، کانٹوں کی طرح کھٹکتا ہے۔ گویا بہار ، ان بیاباں نوردی کرنے والوں کے پاؤں میں کانٹوں کی طرح چبھ رہی ہے۔

میتواں یاختن از ریزش شبنم غالب
که ز رشک نفسم درچه فشار است بہار

لغت : ”فشار“ = گھٹن۔ ”درچہ فشار است“ = کس قدر

گھٹن میں ہے ۔ ''نفس'' = سانس ۔

غالب! (موسم بہار میں) اس شبنم ریزی سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہار میرے آتشیں سانس کے رشک سے گھٹن میں ہے اور اس گھٹن سے اس میں سے جو شبنم ٹپک رہی ہے وہ اشکِ رشک ہیں ۔

غزل نمبر ۳

بیا و جوش تمنائے دیدنم بنگر
چو اشک از سر مژگاں چکیدنم بنگر

آ اور دیدار کی تمنا جو میرے دل میں جوش مار رہی ہے اس کو دیکھ اور پلکوں کے رستے سے آنسو کی طرح میرا ٹپکنا ملاحظہ کر ۔ جوش تمنائے دیدار کی تصویر اس سے بہتر غالباً کسی نے نہ کھینچی ہو گی ''کہ میں آنسو کی طرح پلکوں کے رستے سے ٹپکا جاتا ہوں''۔ (حالی)

زمن بجرمِ طپیدن کنارہ می کردی
بیا بخاکِ من و آرمیدنم بنگر

تو مجھ سے ہمیشہ میری بے تابیوں سے گھبرا کر کنارہ کشی کیا کرتا تھا ۔ اب (مرنے کے بعد) میری قبر (خاک) پر آ اور دیکھ کہ میں کس قدر آرام سے سویا ہوں ۔

گذشتہ کارمن از رشک غیر، شرمت باد
بہ بزم وصل تو خود را ندیدنم بنگر

معشوق سے خطاب کرکے کہتا ہے، میرا معاملہ اب رشک رقیب

سے بھی آگے گزر چکا ہے۔ تو دیکھ کہ تیری بزم وصال میں مجھ جیسے مخلص عاشق کا نہ ہونا کتنی شرم کی بات ہے۔

شنیده ام که نه بینی و ناامید نیم
ندیدنِ تو شنیدنم ، شنیدنم بنگر

میں نے سنا ہے تو مجھے دیکھتا بھی نہیں۔ پھر بھی نا امید نہیں ہوں ، میں نے تیرے نہ دیکھنے کی بات کو سنا اور سننے کی تاب لے آتا ، ذرا میرے اس سننے کی کیفیت کو دیکھ کہ کیا ہوگی۔

دمید دانه و بالید و آشیاں گه شد
در انتظار هما دام چیدنم بنگر

ہما کے انتظار میں میرا جال بچھانا تو دیکھو۔ جو دانہ جال کے نیچے ہما کے پھنسانے کے لیے ڈالا تھا وہ آگ اور بڑھا اور یہاں تک بڑھا کہ اس میں گھونسلے بن گئے مگر ہما دام میں نہ آیا (حالی)

نیاز مندیِ حسرت کشاں نمی دانی
نگاهِ من شو و دزدیده دیدنم بنگر

تو حسرت کے مارے عاشقوں کی نیازمندی کو نہیں جانتا ، میری نگہ بن جا اور دیکھ کہ میں کس طرح آنکھ چرا کر تجھے دیکھتا ہوں یعنی کس حسرت سے دیکھتا ہوں۔

اگر ہوائے تماشائے گلستاں داری
بیا و عالمِ درخون تپیدنم بنگر

اگر تجھے سیر باغ کی خواہش ہو تو آ اور میرا خون میں تڑپنے کا نظارہ کر۔ (کہ یہ منظر بھی ویسا ہی ہے)۔

جفائے شانہ کہ تارے گسستہ زاں سر زلف
ز پشتِ دست بدنداں گزیدنم بنگر

کنگھی کی ستم ظریفی دیکھو کہ اُس نے تیری زلفوں سے بال بھی نوچ لیے ادھر میں ہوں کہ تیری زلفوں کو فقط چھونے ہی کی حسرت میں بیٹھا دانتوں سے اپنے ہاتھوں کو کاٹ رہا ہوں۔

بہارِ من شو و گل گل شگفتنم دریاب
بخلوتم بر و ساغر کشیدنم بنگر

لغت: ''گل گل شگفتن'' = کثرت شگفتگی۔

میری بہار بن جاؤ اور پھر دیکھ کہ میں کس طرح شگفتہ ہو جاتا ہوں۔ مجھے اپنی خلوت میں لے چل اور مسرت کے جام پہ جام پئے جانے کا نظارہ کر۔

غزل نمبر ۴

بہ مرگِ من کہ پس از من بہ مرگِ من یادآر
بہ کوئے خویشتن آں نعش بے کفن یادآر

''بمرگ من'' کے الفاظ شعر میں دو دفعہ آئے ہیں پہلے ''بمرگ من'' میں ''ب'' قسمیہ ہے اور ''بمرگِ من'' کا مطلب ہے

مری موت کی قسم ۔ ۔ ۔ ۔ ''یادآر'' یاد کر، تصور کر ۔ چونکہ ''یاد آر''
کے الفاظ بطور ردیف کے بار بار آئے ہیں اس لیے شرح میں ہم نے
ان کا اعادہ نہیں کیا محض مفہوم لیا ہے ۔

معشوق سے خطاب کرکے کہتا ہے، تجھے میری موت کی قسم
میرے بعد ذرا میری موت کا تصور کر، تصور کر کہ تیرے کوچے
میں ایک نعش بے کفن پڑی ہے ۔

من آن نیم کہ ز مرگم جہاں بہم نخورد
فغانِ زاہد وفریاد برہمن یاد آر

میں وہ نہیں ہوں کہ میری موت سے جہاں درہم برہم نہ ہو ۔
زاہد کی فغاں اور برہمن کی فریاد کو یاد کر (یعنی وہ دونوں فریاد
کر رہے ہوں گے) ۔

ببام و در زہجوم جوان و پیر بگو
بکوے و برزن از اندوہِ مرد وزن یادآر

دروازوں اور چھتوں پر جوانوں اور بوڑھوں کا ہجوم ہوگا، اور
گلیوں کوچوں میں مرد اور عورتیں غم زدہ کھڑی ہوں گی ۔

بسازِ نالہ گروہے ز اهل دل دریاب
به بند مرثیہ جمعے ز اهل فن یادآر

ایک طرف تجھے اہل دل کا ایک گروہ نالہ و فریاد کرتا دکھائی
دے گا اور دوسری طرف کچھ اہل فن مرثیہ گوئی میں مصروف نظر
آئیں گے ۔

ملالِ خلق و نشاطِ رقیب در هر حال
غریو خویش به تحسین تیغ زن یادآر

خلقت ملول ہوگی اور رقیب ہر حال میں خوش ہوگا اور تو ، جلاد (تیغ زن) کو پر شور اندازمیں تیغ زنی کی داد دے رہا ہوگا ۔
(کہ سبحان اللہ ! کیسے تلوار چلائی) ۔

بخود شمار وفاهاے من ز مردم پرس
بمن حسابِ جفاهاے خویشتن یادآر

اس وقت تم لوگوں سے پوچھنا کہ میں نے تمہارے ساتھ کتنی وفائیں کیں ۔ اور پھر سوچنا کہ میں نے تمہاری جفاؤں کو کتنی بار گنوایا تھا (اور تم پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا تھا) ۔

چه دید جانِ من از چشم پر خمار بگوے
چه رفت به سرم از زلفِ پرشکن یاد آر

پھر بتانا کہ میری جان پر تیری چشمِ مست سے کیا گزری اور سوچنا تیری زلف شکن نے مجھ پر کیا کیا ستم ڈھائے ۔

خروش و زاری من در سیاهی شب زلف
دم فتادنِ دل در چه ذقن یادآر

پھر تصور کرنا کہ تیری گھنیری زلفوں کی شب سیاہ میں میں نے کیا نالہ و زاری کی اور میرا دل کس طرح (اس اندھیرے میں) تیرے چاہ ذقن میں ڈوب گیا ۔

به سنج تا ز تو برمن درآں محل چه گزشت
نخوانده آمدنِ من در انجمن یاد آر

پھر اندازہ لگا کہ جب میں تیری محفل میں بن بلائے آیا تیرے ہاتھوں اس وقت میرا کیا حال ہوا۔

زمن پس از دوسه تسلیم یک نگه وانگه
زخود پس از دوسه دشنام یک سخن یاد آر

یہ بھی سوچ ، کہ ایک طرف میرا یہ عالم ہوتا تھا کہ میں دو تین بار تسلیم بجا لاتا ہوں اور تو ایک نظر ڈالتا ہے۔ اور دوسری طرف تیری یہ حالت کہ دو چار گالیاں دینے کے بعد ایک بات کرتا تھا۔

هزار خسته و رنجور در جهاں داری
یکے ز غالبِ رنجور خسته تن یاد آر

لغت: ''یاد آر'' = یاد کر۔

دنیا میں تیرے ہزاروں عاشقانِ دلخستہ اور رنجور ہیں ، کبھی ایک بار غالب رنجور کو بھی یاد کر لے۔

غزل نمبر ۵

بے دوست زبس خاک فشاندیم بسر بر
صہ چشمہ رواں است بداں رہگذر بر

دوست کے بغیر ہم نے بہت خاک سر پر ڈالی ہے۔ اس رہگذر میں کئی چشمے رواں ہیں، ہمیں وہاں لے چلو۔

غلطانی اشکم بود از حسرت دیدار
آبے است نگاہم کہ بہ مپیچد بہ گہر بر

میرے آنسوؤں کا ٹپکنا، حسرت دیدار کی وجہ سے ہے۔ میری نگاہ ایک ایسی چمک (آب) ہے جو موتیوں سے لپٹ جاتی ہے۔

از گریۂ من تا چہ سرایند ظریفاں
زیں خندہ کہ دارم بہ تمنائے اثر بر

امید کہ خالِ رخ شیریں شود آخر
چشمے کہ سیہ ساختہ خسرو بشکر بر

از خلد و سقر تاچہ دہد دوست کہ دارم
عیشے بخیال اندر و داغے بجگر بر

دوسرے مصرعے میں اندر اور بر زائد ہیں۔ ''بخیال اندر'' یعنی بخیال یا در خیال۔۔۔ ''بجگر بر'' یعنی بجگر یا در جگر۔

دوست مجھے جنت اور دوزخ سے کیا عنایت کرے گا؟ میں تصور میں عیش لیے بیٹھا ہوں وہی جنت ہے اور جگر میں آتشیں داغ ہے وہی میرے لیے دوزخ ہے ۔

بالد بخود آں مایہ کہ در باغ نگنجد
سروے کہ کشندش بہ تمنائے تو در بر

لغت : ''بر'' = آغوش ۔

جس سرو کو تیری تمنا میں سینے سے لگایا جاتا ہے وہ اپنے پہ اتنا ناز کرتا ہے اور خوشی سے پھول جاتا ہے کہ باغ میں سما نہیں سکتا ۔

عمرے کہ بسودائے تو گنجینۂ غم بود
اینک بتو دادیم تو در عیش بسر بر

لغت : ''بر'' بردن سے فعل امر ہے ۔ ''بسربر'' = بسر کر ۔

جو زندگی تیری لگن میں غموں کا خزانہ تھی لو وہ ہم نے تجھے سونپ دی ، اب تو اسے عیش سے بسر کر (یعنی خوش ہو جا کہ تجھے ہمارے غموں کا کسی طرح کوئی ملال نہیں ہوگا) ۔

جاں می دہم از رشک بشمشیر چہ حاجت
سر پنجہ بدامن زن و دامن بہ کمر بر

میں تو رشک سے جان دے دوں گا تلوار کی کیا ضرورت ہے ۔ اپنا ہاتھ دامن پہ ڈال اور دامن کو کمر تک لے جا ۔

مطرب بغزلخوانی و غالب بسماع است
ساقی مے وآلات مے از حلقه بدر بر

مطرب نغمه گا رہا ہے اور غالب اُس کے سننے میں محو ہے۔ اے ساقی! یہ شراب، یہ جام و مینا (آلاتِ مے) محفل سے اُٹھا کے باہر لے جا۔

یعنی اس وقت نغمۂ مطرب سے ہم پر شراب کے نشے کی سی کیفیت طاری ہو رہی ہے۔ شراب کی حاجت نہیں۔

غزل نمبر ۶

اے دل از گلبن امید نشانے بمن آر
نیست گر تازه گلے برگ خزانے بمن آر

لغت: ''گلبن'' = پھولوں کی کیاری۔ چمن۔

اے دل! گلبن امید کی کچھ تو نشاندہی کر۔ اگر باغ امید سے کوئی تازہ پھول میسر نہیں آتا تو کوئی خزاں زدہ پتا ہی اُٹھا لا۔

تا دگر زخم به ناسور تونگر گردد
ہدیۂ ازکفِ الماس فشانے بمن آر

لغت: ''ناسور'' = گہرا اور ہمیشہ رسنے والا زخم، وہ زخم جس کے دونوں طرف سوراخ ہوں اور کبھی نہ بھر سکے۔

''الماس'' = ہیرا۔ کہتے ہیں کہ ہیرے کا کوئی ٹکڑا اگر زخم

میں پڑ جائے تو وہ کاٹتا چلا جاتا ہے۔

''کفِ الماس فشاں'' = ہیرے بکھیرنے والا ہاتھ ، معشوقِ ستمگر۔

''کسی الماس پاش ہاتھ سے کوئی تحفہ لے آتا کہ ہمارا زخم محبت دوبارہ ناسور کی دولت حاصل کرکے تونگر ہو جائے۔

''تونگر'' تواں گر کا مخفف ہے۔ ''قوی'' چونکہ امارت ایک طرح کی قوت ہوتی ہے اس لیے دولتمند کا مفہوم بھی دیتا ہے۔ شاعر نے تونگر کا لفظ بڑی معنوی رعایت سے استعمال کیا ہے الماس ایک قیمتی شے ہے۔ جس زخم میں ہیرے کے ٹکڑے پڑ جائیں گے وہ گھر ہو جائے گویا ناسور کی دولت سے مالا مال ہوگا۔

ہمدمِ روز گدائی سبک از جا بر خیز
جاں گرو ، جامہ گرو ، رطلِ گرانے بمن آر

فقیروں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ ایک مقررہ دن گداگری کے لیے نکلتے ہیں۔ اسے ''روز گدائی'' کہتے ہیں۔ جو دو آدمی مل کر گدائی کریں وہ ایک دوسرے کے ہمدم روز گدائی ہوں گے۔

لغت : ''رطل گراں'' = بڑا پیالہ

اے روز گدائی کے ہمدم ! جلدی سے اٹھ ، جاں جائے ، جامہ جائے ، دے دو ، کہیں سے شراب کا ایک پیالہ لے آؤ۔

دلم اے شوق ز آشوب غمے نکشاید
فتنۂ چند زہنگامہ ستانے بمن آر

لغت : ''ہنگامہ ستاں'' = ''ہنگاموں کی جگہ'' وہ جگہ جہاں

فتنے اور ہنگامے پرورش پاتے ہیں - ہنگاموں کا ٹھکانا -

اے شوق ، کسی ایک آدھ غم کے دکھ سے میرے دل کی کلی نہیں کھلتی ، اس کے لیے کسی ہنگامہ ستاں سے چند ہنگامے فتنے سمیٹ کے لے آ -

گیرم اے بخت ہدف نیستم ، آخر گاہے
غلط انداز خدنگے ز کمانے بمن آر

لغت : ''گیرم''= میں نے مانا -

اے میرے نصیبے ! میں نے مان لیا کہ میں نشانہ نہیں ہوں ، آخر کبھی کسی کہاں سے کوئی غلط جگہ پڑنے والا تیر ہی میرے لیے لے آؤ -

یعنی یوں تو میں اتنا خوش نصیب نہیں ہوں کہ کوئی مجھے اپنے محبت کے تیر کا نشانہ بنائے کبھی کوئی تیر ، نشانہ خطا ہو کر ہی میرے دل پر آ لگے -

اے نیاوردہ بکف نامۂ شوقے زکفے
بہ زباں ، مژدۂ وصلے ز زبانے بمن آر

قاصد سے خطاب کرکے کہتا ہے تو اپنے ہاتھ میں کسی کے ہاتھ سے لکھا ہوا نامۂ شوق تو لے کر نہیں آیا - مژدہ وصال کے بارے میں کوئی زبانی پیغام ہی سنا دو -

اے در اندوہِ تو جاں دادہ جہانے از رشک
مکش از رشکم و اندوہِ جہانے بمن آر

تیرے غم محبت میں ایک دنیا نے ایک دوسرے سے رشک کے باعث جان دے دی - مجھے اس رشک سے نہ مار بلکہ دنیا بھر کے غم میرے ہی سپرد کر دے -

سارے غم میرے ہوں گے تو مجھے کسی پہ رشک نہیں ہو گا -
قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو - کاش کے تم میرے لیے ہوتے

اے ز تارِ دم شمشیر توام بسترِ خواب
شمع بالیں ز درخشندہ سنانے بمن آر

میرا بستر خواب تیری تلوار کی دھار پر ہے ، کسی چمکتے ہوئے نیزے کو لا کے (اس بستر کی) شمع بالیں بنا دے -

یارب ایں مایہ وجود از عدم آوردۂ تست
بوسۂ چند ہم از کنج دہانے بمن آر

اے خدا! تو کائنات کے اس ہجوم کو عدم سے وجود میں لے آیا - میرے لیے کسی (محبوب) کے کنج لب سے چند بوسے میسر آنے کا امکان ہی پیدا کر دے -

سخن سادہ دلم را نفریبد غالب
نکتۂ چند ز پیچیدہ بیانے بمن آر

غالب سیدھی سادی بات میرے دل کو نہیں بھاتی - میرے لیے

کوئی دقیق اور پیچیدہ اندازِ سخن کے چند اعلٰی نمونے لے آ۔

غزل نمبر ۷

بر دل نفس غمم سر آور
چوں نالہ مرا زمن بر آور

میرے دل سے یہ غم بھری سانس ختم کر دے۔ جس طرح میری فریاد سینے سے باہر آتی ہے اسی طرح مجھے بھی، میرے وجود سے نکال دے۔

یا پایۂ آرزو بیفزا
یا خواہش ما ز در در آور

یا تو ہماری آرزو کا مقام ہی بلند کر دے یا پھر ہر دروازے پہ ہماری خواہش کے پورے ہونے کا اہتمام کر۔ یعنی یا تو ہماری آرزو اتنی بلند ہو کہ ہم ہر دروازے سے بے نیاز ہو جائیں اور کسی سے اس آرزو کے پورے ہونے کی توقع نہ رکھیں یا پھر خواہشیں اتنی ادنیٰ ہوں کہ جگہ جگہ پوری ہو جائیں۔

عمرے ز ہلاک تلخ تر رفت
مرگے ز حیات خوشتر آور

اک عمر ہلاکت سے زیادہ تلخ گزاری، اب کوئی ایسی موت

عطا کر جو اس زندگی سے اچھی ہو - یعنی ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے -

دردے بشکستِ ما بر انگیز
نے نے علیے بہ خیبر آور

ہمیں شکستہ حال کرنے کے لیے کوئی بے پناہ درد پیدا کر، نہیں نہیں (اس سے بھی کیا ہوگا) اس کے لیے کوئی علیؓ لا جو اس خیبر کو توڑے -

(حضرت علیؓ نے در خیبر کو فتح کیا تھا - اس لیے انہیں خیبر شکن بھی کہتے ہیں) -

بے کاریِ ما گدازش ماست
زخمے بہ تراوش اندر آور

شاعر کہتا ہے کوئی نہ کوئی شغل ہونا چاہیے ، اور کچھ نہیں تو ایک زخم ہی ہو جو رسنے لگے ورنہ یوں تو اس عالمِ بیکاری میں اندر اندر گھلتے چلے جا رہے ہیں -

وانگاہ ز ما بعرصۂ حشر
چسپیدہ تنے بہ بستر آور

(یہ شعر پہلے شعر سے قطعہ بند ہے)

یہ زخم رستا رہے اور پھر ہم یونہی عرصۂ محشر میں پہنچ جائیں اور ہمارا جسم بستر سے چپکا ہوا ہو (رستے ہوئے زخم کی وجہ سے) -

ور زانکه بہیچ می نیرزیم
مارا بربائے و دیگر آور

اگر ہم کسی قابل نہیں ہیں ، ہمیں ختم کر دے اور ہماری جگہ کسی اور کو لے آ۔

رنگیں چمنے ز شعلہ آرائے
ابراہیمے ز آذر آور

شعلوں سے کوئی رنگیں چمن آراستہ کر اور آگ سے ابراہیم کو باہر لے آ۔ حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تھا لیکن وہ آگ گلزار بن گئی تھی۔

آثارِ سہیل از یمن جوے
خورشید ز طرفِ خاور آور

سہیل ایک ستارہ ہے جو یمن کی طرف سے طلوع ہوتا ہے اور اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کی کرنیں اگر چمڑے پر پڑیں تو چمڑے میں ایک خوشگوار مہک پیدا ہو جاتی ہے۔

یمن میں سے سہیل کے نشان نمودار کر اور خورشید کو مشرق سے طلوع کر۔

لبہائے بُشکر دُر فشاں را
دلہائے بہ غم تونگر آور

جو لب تیرا شکر ادا کرنے میں دُر فشانی کرتے ہیں اُن کے لیے

ایسے دل لا جو غم سے مالا مال ہوں یا غم سے توانا ہوں ۔

یعنی تیرا عطا کیا ہوا غم ہوگا تو وہ تیرے اس عطیے پر نازاں ہوں گے اور تیرا مزید شکر بجا لائیں گے ۔

جاں ہاے براحت آشنا را
طوبیٰ بنشاں و کوثر آور

اور جن جانوں کو تو نے راحت سے آشنا کیا ہے اُن کے لیے طوبیٰ کا درخت کھڑا کر دے اور حوض کوثر مہیا کر ۔

اے ساختہ غالب از نظیری
ہا قطرہ رباے گوہر آور

غزل نمبر ۸

اے ذوق نواسنجی بازم بخروش آور
غوغاے شبیخونے بربنگۂ ہوش آور

یہ غزل مسلسل ہے اور ایک ہی کیفیت کی حامل ہے ۔ غالب کے کلام میں دو طرح کے احساسات بہت نمایاں ہیں ۔ کبھی وہ طوفانِ جذبات سے گھبرا کر الگ تھلگ ہونا چاہتا ہے ۔ اور کہتا ہے رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو اور کبھی اس بیدلی سے اُکتا کر پھر طوفانِ جذبات میں کھو جانا چاہتا ہے ۔ اُردو میں اس کی مشہور غزل میں یہی جذبہ کارفرما ہے ۔

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوش قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

لغت : ''ہنگمہ'' = ہنگاہ کا مخفف ہے ۔ منزل ، مکان یا ٹھکانا ۔ ایسی جگہ جہاں زر ونقد محفوظ کرتے ہیں ''شبیخون'' یا ''شب خون'' = رات کو چپکے سے چھاپہ مارنا ۔

اے میرے شوق نواسنجی ایک بار مجھے پھر آمادۂ فریاد کر دے ۔ میرے ہوش و خرد کی خوابگاہ میں ایک ہنگامہ پیدا کر دے تا کہ عقل سے جو افسردہ دلی سی پیدا ہو چکی ہے دور ہو جائے اور جنون شوق ابھر آئے ۔

گر خود بخہد از سر از دیدہ فرو بارم
دل خوں کن وآں خوں را در سینہ بجوش آور

میرا دل خون کر دے اور اس خون سے میرے سینے میں ایک تلاطم بپا کرتا کہ اگر یہ جوشِ جنوں سر میں نہیں ابھرتا تو میں اسے خون کے آنسوؤں کی صورت میں آنکھوں ہی سے ٹپکا سکوں ۔

ہاں ہمدم فرزانہ دانی رہِ ویرانہ
شمعے کہ نخواہد شد از باد خموش ، آور

لغت : ''ویرانہ'' = غریب خانہ ۔

اے میرے دانا ہمدم ، تو میرے غریب خانے کی راہ جانتا ہے ۔ جو شمع ہوا سے نہ بجھے میری کلبۂ احزاں میں لے آ ۔ یعنی شراب ۔

شورابهٔ ایں وادی تلخست ، اگر رادی
از شہر بسوئے من سرچشمهٔ نوش آور

لغت : ''راد'' = فیاض ۔

میں جس وادی میں ہوں اس کا پانی تو تلخ ہے (اے میرے ہمدم فرزانہ!) اگر تو فیاض ہے تو شہر سے میرے لیے سرچشمۂ نوش یعنی شراب لے آ ۔

دانم که زرے داری ہرجا گذرے داری
مے گرندہد سلطاں از بادہ فروش آور

تیرے پاس دام بھی ہیں اور تو ہر جگہ آتا جاتا بھی ہے ۔ اگر بادشاہ عطا کرے فبہا ، ورنہ بادہ فروش سے لا ۔

گرمغ بکدو ریزد برکف نه و راہی شو
ور شه بسبو بخشد بردار و بدوش آور

اگر مغ (آتش پرست) یعنی بادہ فروش تونبے میں ڈال دے تو تو تونبا ہاتھ پر رکھ اور چل دے ۔ اور جو بادشاہ گھڑا بھر کر عنایت کرے تو کندھے پر اٹھا اور لے آ ۔

ریحاں دمداز مینا رامش چکد از قلقل
آں در ره چشم افگن ، ایں ازپے گوش آور

مینا سے سنبل نمودار ہو رہی ہے اور قلقل صراحی سے نغمہ بھر رہا ہے ۔ ریحاں کو ہماری نظر کے سامنے رکھ اور قلقل کو ہمارے کانوں میں ڈال دے ۔

گاہے بسبکدستی از بادہ زخویشم بر
گاہے بہ سیہ مستی از نغمہ بہوش آور

کبھی جلدی سے شراب پلا کر مجھے مدہوش کر دے اور پھر جب میں مدہوش ہو جاؤں تو مجھے نغمہ سنا کر ہوش میں لے آ۔

غالب کہ بقایش باد ، ہمپائے تو گر ناید
بارے غزلے فردے زاں موئینہ پوش آور

لغت : ''ہمپا'' = ہمراہ ۔ ۔ ۔ ''موئینہ پوش'' اونی کپڑے پہننے والا ۔ مرزا غالب جاڑے میں روئی دار کپڑے کی جگہ اونی یا پشمینے کا چغہ کوٹ اور ٹوپی پہنتے تھے ۔ ۔ ۔ ''فرد'' = ایک شعر

غالب اللہ اُسے سلامت رکھے ، اگر تمہارے ہمراہ نہیں آتا اس پشمینہ پوش کی کوئی غزل یا ایک شعر ہی لے آؤ۔

غزل نمبر ۹

در گریہ از بس نازکی رخ ماندہ بر خاکش نگر
واں سینہ سودن از تپش بر خاکِ نمناکش نگر

یہ غزل نظیری کی زمین میں ہے اور اس میں نظیری ہی کے احساسات کا تتبع بھی کیا گیا ہے ۔ اس غزل میں خود معشوق کے کسی پہ عاشق ہو جانے کا تذکرہ ہے ۔

دیکھ کہ وہ (معشوق) اپنی نازکی کے باعث ، گریہ و زاری سے

نڈھال ہو کر خاک پر منہ رکھے پڑا ہے ۔ اور محبت کی تڑپ اور
سوز سے بیقرار ہو کر اپنا سینہ خاک سے مل رہا ہے جو اُس کے
آنسوؤں سے تر ہو رہی ہے (تاکہ اُس سے سینے کا سوز کچھ کم ہو) ۔

برقے کہ جانہا سوختے دل از جفا سردش ببیں
شوخے کہ خوں ہا ریختے دست از حنا پاکش نگر

وہ برق (معشوق) جو کبھی عاشقوں کی جانوں کو جلا دیتی
تھی ، اُس کا دل اپنے محبوب کی جفا سے سرد پڑ گیا ہے ۔ وہ شوخ جو
اپنے چاہنے والوں کا خون بہایا کرتا تھا آج اُس کے ہاتھ حنا سے عاری
ہیں یہ رنگ حنا گویا حنا نہیں خون عشاق ہی ہوا کرتا تھا ۔

آں کو بخلوت با خدا ہرگز نکردے التجا
نالاں بہ پیش ہرکسے از جور افلا کش نگر

وہ جو کبھی تنہائی میں چھپ کے خدا سے بھی التجا نہیں کیا
کرتا تھا اب اُس کی یہ حالت ہے کہ ہر ایک کے سامنے آسمان کے
جور وستم کی شکایتیں کرتا پھرتا ہے ۔

یعنی کبھی معشوق کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ خدا کے
آگے بھی نہیں جھکتا تھا ۔ اب وہ اپنے محبوب سے تنگ آ کر ہر ایک
کے سامنے اپنے دکھڑے روتا پھرتا ہے ۔

تا نام غم بردے زبان ، می گفت دریا درمیاں
دریائے خوں اکنوں رواں از چشم سفا کش نگر

اگر زبان پر غم کا لفظ آتا تو وہ کہتا کہ سمندر درمیان میں

ہے ۔ اب اُس کی سفاک (خونخوار) آنکھوں سے خونیں اشکوں کا ایک سمندر بہ رہا ہے ۔

یعنی کبھی غم اس کے پاس نہیں پھٹکتا تھا اب وہ خوہ غم میں غرق ہے ۔

آں سینہ کز چشم جہاں مانند جاں بودے نہاں
اینک بہ پیراہن عیاں از روزنِ چاکش نگر

اُس کے لطیف جسم کا وہ سینہ جو کبھی دنیا والوں کی نظروں سے یوں نہاں ہوتا تھا جیسے جان ، اب دیکھو یہ سینہ اُس کے پھٹے ہوئے لباس کے چاک کے روزن سے صاف صاف دکھائی دے رہا ہے ۔

بر مقدم صیدافگنی گوشے بر آوازش ببیں
در باز گشتِ توسنے چشمے بفترا کش نگر

لغت : ''مقدم صیدافگنی'' = صیدافگنی کے موقعے پر ۔ آمد شکار پر ۔ ۔ ۔ ''توسن'' = گھوڑا ۔ ''فتراک'' = لوہے کا وہ حلقہ جو زین کا حصہ ہوتا ہے اور جس پر شکاری اپنے شکار کو باندھ کر لٹکا دیتے ہیں ۔

دیکھ کہ اب صید افگنی کے وقت ایک کان اُس کی آواز پر لگا ہوا ہے ، گھوڑے کے مڑنے پر ایک آنکھ فتراک پر لگی ہوئی ہے ۔ یعنی کبھی وہ دوسروں کو شکار کرکے انھیں فتراک میں باندھ لیا کرتا تھا اب اُس کا معشوق اُسے شکار کر رہا ہے ۔

برآستانِ دیگرے در شکر دربانش ببیں
درکوئے از خود کمترے در رشکِ خاشاکش نگر

دیکھ کہ اب وہ کسی دوسرے کے آستانے پہ کھڑا ، دربان
کا شکر ادا کر رہا ہے اور اپنے سے ایک کم درجہ انسان کے کوچے
میں اس کوچے کی خاک راہ پر رشک کرتا نظر آتا ہے ۔

تاگشتہ خود نفریں شنو ، تلخ است برلب خندہ اش
زہرے کہ پنہاں می خورد پیدا ز تریاکش نگر

لغت : ''نفریں'' = ضدآفریں ۔ طعن وتشنیع کرنا...... ''تریاک''
علاج زہر ۔

(کبھی وہ اپنے عاشق کو کوسا کرتا تھا اور ہنسا کرتا تھا)
اب جبکہ خود اپنے محبوب سے طعن وتشنیع سننے لگا ہے اُس کے لبوں
کی ہنسی بھی اُس کے لیے تلخ ہو کر رہ گئی ہے ۔ اب جو زہر غم
وہ اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہے وہ زہر اس کے تریاک سے
(یعنی تلخ ہنسی سے) ظاہر ہو رہی ہے ۔

یعنی اُس کی مصنوعی اور تلخ ہنسی سے ظاہر ہے کہ اس کا دل
سخت غم زدہ ہے ۔

ھا خوبیِ چشم ودلش ، ھا گرمیِ آب و گلش
چشم گہر بارش بہ بیں ، آہِ شررناکش نگر

لغت : ''ھا'' = اینک ۔ یہ لو ۔ یہ دیکھو ۔

دیکھو یہ اس کی چشم و دل کی رعنائی ۔ یہ اس آب و گل کی

گرمی ۔ اس کی آنکھیں موتی برسا رہی ہیں اور آہوں سے چنگاریاں اُبھر رہی ہیں ۔

خواند بامید اثر ، اشعارِ غالب ہر سحر
از نکتہ چینی در گذر ، فرہنگ وا دراکش نگر

اب وہ اثر انگیزی کی امید پر ہر صبح غالب کے شعر پڑھتا ہے ۔ اب اس بات پر نکتہ چینی نہ کر ، اُس کی عقل و دانش کو دیکھ ۔

کبھی وہ غالب کے شعر سننے کے لیے آمادہ نہیں تھا اور انھیں خاطر میں نہیں لاتا تھا ۔ اب وہ اپنے محبوب کے دل کو موہ لینے کے لیے غالب ہی کے اشعار پڑھتا ہے کہ محبوب کے دل پر ضرور اثر کریں گے ۔

(ردیف ز)

غزل نمبر ۱

یارب ز جنوں طرحِ غمے در نظرم ریز
صد بادیہ در قالبِ دیوار و درم ریز

لغت : ”طرح ریختن“ طرح بنیاد کو کہتے ہیں ۔ مجازاً صورت اور نمونہ ۔ طرح ریختن = بنیاد رکھنا ۔ حافظ کا مشہور شعر ہے :

نبود نقش دو عالم کہ نقش رنگ تو بود
زمانہ طرح محبت نہ ایں زماں انداخت

لفظی ترجمہ :-

''اے خدا میری نظر میں جنون غم کی بنیاد رکھ دے ، میرے در و دیوار کے قالب میں سینکڑوں بیاباں ڈال دے ۔''

میرے غم عشق میں جنوں کی ایسی کیفیت پیدا کر دے کہ مجھے اپنے گھر کے در و دیوار بیاباں نظر آئیں ۔

از مہر جہاں تاب آمید نظرم نیست
ایں تشت پُر از آتشِ سوزاں بسرم ریز

مہر جہاں تاب کو دہکتی ہوئی آگ سے بھرے ہوئے تھال سے تشبیہ دی ہے ۔ اس دنیا کو روشن کرنے والے سورج سے مجھے مہربانی کی نظر کی امید نہیں ، اس جلا دینے والی آگ کے بھرے ہوئے تھال کو میرے سر پر گرا دے ۔

سورج نکلتا ہے تو آنکھوں میں روشنی آتی ہے لیکن ایک غمزدہ انسان کے لیے جو غم کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہو ، سورج سے سوائے تمازت اور آگ کے کیا میسر آ سکتا ہے ۔

دل را زغم گریۂ بے رنگ بجوش آر
اجزائے جگر حل کن و در چشم ترم ریز

لغت : ''گریۂ بے رنگ'' = ایسی اشک ریزی جس میں خون کی آمیزش نہ ہو ، بے دلی کے ساتھ رونا ۔ آنسو بے رنگ ہو کر رہ

گئے ہیں ، دل پر ایک بے دلی کا عالم طاری ہے اور مجھے اس کا غم ہے ۔ اس غم سے میرے دل میں ایک تڑپ پیدا کر اور میرے جگر کے اجزا کو حل کرکے میری نمناک آنکھوں میں ڈال دے تاکہ خون کا ایک سیلاب آنکھوں سے بہ نکلے اور یہ بیدلی دور ہو ۔

هر برق که نظاره گداز است نهادش
بگداز و به پیمانهٔ ذوقِ نظرم ریز

''ہر ایسی برق کہ جس کی طینت (نہاد) نظارے کو گداز کر دیتی ہو ، لا اور اسے پگھلا کر میرے ذوق نظر کے پیمانے میں ڈال دے'' ۔

یعنی میرا ذوق نظر اتنا تیز کر دے کہ بجلیوں کے نظارے کی تاب لانا تو در کنار ، ان بجلیوں کی تجلی اور گداز میری آنکھوں کا جز بن جائے ۔

سرمست مے لذتِ دردم ، بخرام آر
ایں شیشهٔ دل بشکن و در رهگذرم ریز

میں تیرے درد عشق کی لذت میں سر شار ہوں ، اس سرشاری کے عالم میں مجھے رقص میں لا اور میرا شیشۂ دل توڑ کر اس کے ریزے میرے راستے میں بکھیر دے تاکہ میرے پاؤں زخمی ہوں اور میری لذت درد میں اور بھی اضافہ ہو ۔

هر خوں که عبث گرم شود در دلم افگن
هر برق که بے صرفه جهد بر اثرم ریز

جو خون یونہی گرم ہو جائے قلب میں ڈال دے اور جو برق

بے فائدہ لپک اٹھتی ہو اُسے مجھ پر گرا دے۔

ہر جا نمِ آبے است بمژگانِ ترم بخش
از قلزم و جیحوں کفِ خاکے بسرم ریز

لغت: ''قلزم'' ایک خاص سمندر یعنی بحیرۂ قلزم ہے لیکن یہاں عام بحر مراد ہے۔ اسی طرح جیحوں خراسان کا مشہور دریا ہے اور یہاں عام دریا کے مفہوم میں آیا ہے۔

جہاں کہیں پانی کا کوئی قطرہ ہو وہ میری مژگان ترکی نذر کر دے۔ اور قلزم اور جیحوں کو کف خاک بنا کر میرے سر پر ڈال دے۔

یعنی دنیا کے دریا اور سمندر کا سارا پانی مجھے آنسو بہانے کے لیے عنایت فرما اور جب سمندر اور دریا خشک ہو جائیں تو اُن کی مٹی سر پر ڈال دے۔

از شیشہ گر آئیں نتواں بست شبم را
بارے گلِ پیمانہ بجیبِ سحرم ریز

لغت: ''آئیں بستن'' = آراستہ کرنا۔۔ ''شیشہ'' = صراحی مے۔

اگر میری رات صراحی مے سے آراستہ نہیں ہو سکتی تو کم از کم جام شراب کی ٹھیکری ہی میری صبح کی جیب میں ڈال دے۔

یعنی اگر رات کو عیش میسر نہیں تھا تو صبح کا آغاز ہی اچھا ہو۔

گیرم که با فشاندنِ الماس نیرزم
مشتے نمک سُوده به زخم جگرم ریز

میں نے مانا کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ میرے زخموں پر الماس پاشی کی جائے۔ مٹھی بھر پسا ہوا نمک ہی میرے زخم جگر پر ڈال دے۔

این سوز طبیعی نگدازد نفسم را
صد شعله بیفشار و به مغز شررم ریز

زندگی کی اس فطری حرارت سے تو میرے سانس کو گداز نصیب نہیں ہو سکتا۔ تو بھڑکتے ہوئے شعلے لے کر انھیں بھینچ اور ان کا آتشیں شیرہ، میری ان چنگاریوں کے مغز میں ڈال دے۔

مسکین خبر از لذت آزار ندارد
خارم کن و در رہگذر چاره گرم ریز

میرے چاره گر بے چارے کو کیا خبر کہ دکھ اٹھانے میں کیا لذت ہوتی ہے۔ مجھے کانٹا بنا دے اور اس چاره گر کی رہ میں ڈال دے (تاکہ یہ کانٹا اس کے پاؤں میں چبھے اور اسے درد محسوس ہو)۔

وجہے که به پا مزد توان داد، ندارم
آہم کن و اندر قدمِ نامه برم ریز

لغت: ''وجہ'' = رقم

نامہ بر کو اس کے پاؤں کی محنت کی مزدوری دینے کے لیے میرے

پاس کوئی رقم نہیں ۔ مجھے اس شرمساری سے پانی پانی کر دے تا کہ
میں یہی پانی نامہ بر کے قدموں پر ڈال سکوں ۔

دارم سرِ ہمطرحی غالب چہ جنون است
یا رب ز جنون طرحِ غمے در نظرم ریز

غالب کی ہم طرحی کا ارادہ کر رہا ہوں ۔ یہ کیا جنون ہے ؟
اے خدا جوشِ جنون سے میری نگاہوں میں غم کی طرح ڈال دے ۔

غزل نمبر ۲

اے شوق ، بما ، عربدہ بسیار میاموز
ابرام بدرویزۂ دیدار میاموز

لغت : ''عربدہ'' = جھگڑا ، تقاضا ۔ ۔ ۔ ''ابرام'' = اصرار ۔

اے شوق ہمیں زیادہ جھگڑا کرنے کا طریق نہ سکھا ۔ ہم میں
معشوق کے دیدار کو طلب کرنے کی عادت نہ ڈال ۔

از نغمۂ مطرب نتواں لخت دل افشاند
اے نالہ پریشاں رو و ہنجار میاموز

لغت : ''ہنجار'' = طور طریقہ ، ادب آداب ۔

نغمۂ مطرب کو سن کر ہم میں وہ بے تابی اور وحشت پیدا
نہیں ہو سکتی کہ ہمارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور ہم آں لخت

ہائے دل کو اِدھر اُدھر بکھیر دیں - اے میری فریاد ! آداب فریاد کو چھوڑ دو اور پریشان ہو کر فضا میں گونج اٹھو -

گویا نغمہ بھی ایک طرح کی فریاد ہے جو ضبط و نظم میں ہوتی ہے - جنون عشق کے اظہار کے لیے ایسی باضابطہ آواز نا کافی ہے اس کے لیے تو بے پناہ والہانہ فریاد کی ضرورت ہے -

صورت کدہ شد کلبۂ من سر بسر اے چشم
انگیختن نقش ز دیوار میاموز

میرا غریب خانہ سرتاپا تصویر خانہ بن گیا - اے آنکھ ! اب دیوار سے (محبوب کے) نقش ابھارنا چھوڑ دے یعنی عاشق ، معشوق کے تصور میں دیوار پر نظر ڈالتا تھا تو اس کی تصویر ابھر آتی تھی - اور اب یہ عالم ہے کہ سارا گھر ہی معشوق کے تصور سے تصویر خانہ بن چکا ہے -

ہمت زدمِ تیشہ فرہاد طلب کن
مجنوں مشو و مردن دشوار میاموز

فرہاد سے ہمت طلب کر کہ اس نے تیشہ سر پر مار کر ایک آن میں جان دے دی - تو مجنوں کیوں بنتا ہے سخت جانی سے جان دینا کیوں سیکھ رہا ہے - (موت کو کٹھن بنانا نہ سیکھ) -

اے غمزہ زہم طرحیِ نخچیر چہ خیزد
رم شیوۂ آہو است بہ دلدار میاموز

لغت : ''غمزہ'' آنکھوں کے وہ اشارے جو بقول شاعر ڈرے

ہوئے شکار کی طرح عاشق سے بھاگ رہے ہیں ۔ ''ہم طرحی'' = ہم شیوہ ہونا ۔

چنانچہ معشوق کے غمزوں کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ شکار کا سا طور و طریقہ اختیار کرنے سے کیا حاصل ؟ انسانوں سے بھاگنا تو ہرن کا شیوہ ہے ، یہ شیوہ معشوق کو کیوں سکھا رہا ہے ۔

منگر بسوے نعش من و اب مگز از ناز
جان دادنِ بے ہودہ باغیار میاموز

لغت : ''جاں دادنِ بے ہودہ'' = رائگاں جاں دے دینا ۔

میری نعش کی طرف مت دیکھ اور دیکھ کر ناز سے اپنے لب نہ کاٹ ۔ تیرا یہ انداز دیکھ کر رقیب میری طرح مفت جان دینے پر آمادہ ہو جائیں گے آنھیں یہ طریقہ مت سکھا ۔

(وہ اس بات کا اہل نہیں ہے یہ بات عاشق ہی کر سکتا ہے) ۔

باغنچہ مگر داں ورقِ بحثِ شگفتن
برداشتنِ پردہ ز رخسار میاموز

غنچہ کھلنے لگتا ہے ۔ تو اس کی پتیاں کھلنے لگتی ہیں گویا اس کے چہرے سے نقاب سرک جاتا ہے معشوق کے چہرے سے نقاب آٹھانا ایسا ہی عمل ہے ۔ چنانچہ کہتا ہے کہ کلی کے ساتھ شگفتہ ہونے کی بحث میں پڑ کر ورق گردانی نہ کر ۔ اپنے چہرے سے نقاب الٹنے کا سبق نہ سیکھ ۔ غنچے کی طرح تو نے بھی چہرے سے حجاب آٹھا دیا تو ستم ہو جائے گا ۔

طوطی شکرش طعمہ و بلبل جگرش قُوت
جاں تازہ کن از نالہ و گفتار میاموز

طوطی میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے جسے شاعر نے دوسرے مصرعے میں گفتار کہا ہے۔ بلبل فریاد کرتی ہے اُس کے لیے ''نالہ'' کا لفظ لایا ہے۔

لغت: ''قُوت'' = خوراک - - - - پہلے مصرعے کی ساخت یوں ہے۔ طعمۂ طوطی شکر است و قُوتِ بلبل جگر - - - یعنی طوطی میٹھی بات کرتا ہے گویا مٹھاس کھاتا ہے۔ بلبل فریاد کرتی ہے گویا اپنا خون جگر پیتی ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ دیکھ طوطی کی شیریں گفتاری، شکر خوری کی مرادف ہے اور بلبل کی فریاد جگر خوری کی طرح ہے۔ تو نالہ و فریاد سے اپنے میں ایک تازہ جان پیدا کر، طوطی کی شیریں بیانی (گفتار) نہ سیکھ۔

از ذوقِ میانِ تو شدن سر بسر آغوش
بے مہر! فن ماست، بہ زنار میاموز

لغت: ''زنار'' وہ دھاگا جو ہندو لوگ بدن کے گرد باندھ لیتے ہیں۔ جنیو۔

کہتا ہے تیری کمر سے لپٹنے کے شوق میں ہم سر بسر آغوش بن جاتے ہیں۔ یہ ہمارا شیوہ بلکہ فن ہے۔ یہ شیوہ تو زنار کو کیوں سکھا رہا ہے۔ یعنی زنار لپیٹنے کی بجائے ہم سے لپٹ جا کہ ہمارے دل میں جذبہ شوق ہے۔ زنار بے جان شے ہے اُسے ہم آغوشی کا کیا

لطف آئے گا۔

بلبل ز خراش رخِ گلبرگ بیندیش
شغل نگہِ شوق بہ منقار میاموز

بلبل بے تابی محبت میں پھول کی پتی پر چونچ مارتی ہے، شاعر کہتا ہے اے بلبل ڈر کہیں پھول کی پتی پہ خراش نہ آ جائے۔ پھول کو پیار سے دیکھتی جا۔ یہ نگاہِ شوق کا مشغلہ اپنی چونچ کو مت سکھا۔

غالب ہلہ کردار گزاراں بہ کمین اند
گفتم بتو آزادہ رو و کار میاموز

لغت: ''کردار گزار'' = اعمال صالحہ کی نمائش کرنے والے۔

غالب ہشیار! اعمال کی نمائش کرنے والے تیری گھات میں ہیں کہیں اُن کے نرغے میں نہ آ جانا۔ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ آزاد منش انسان کے طرح زندگی کی رہ سے گزر جا اور یہ کار گزاریاں نہ سیکھ۔

حافظ

بار ہا گفتم و از گفتۂ خود دلشادم
بندۂ عشقم و از ہر بردو جہاں آزادم

غزل نمبر ۳

خوں قطرہ قطرہ می چکد از چشم تر ہنوز
نگسستہ ایم بخیۂ زخمِ جگر ہنوز

ابھی ہم نے اپنے زخم جگر کے ٹانکے (بخیہ) نہیں کھولے - ابھی تو ہماری آنکھوں سے خوں ، قطرہ قطرہ بہ رہا ہے (جب ان میں خون جگر کھل کر بہے گا تو گویا سیلاب خون بہے گا) -

با آنکہ خاک شد بسر راہِ انتظار
پرمی زند نفس بہوائے اثر ہنوز

باوجود اس کے کہ ہمارا سانس انتظار محبوب کی راہ میں خاک ہو چکا ہے پھر بھی یہ اثر انگیزی کی امید میں کوشاں ہے (پرمی زند) -

تا خود پس از رسیدن قاصد چہ رو دہد
خوش می کنم دلے بامیدِ خبر ہنوز

ابھی تو میں محبوب کی طرف سے کوئی خبر آنے کی امید میں دل خوش کر رہا ہوں - نہ جانے قاصد کے آ جانے کے بعد کیا ہوگا -

بختم ز بزم عیش بہ غربت فگند و من
ستم چنانکہ پانشناسم ز سر ہنوز

میری بدنصیبی نے مجھے بزم عیش سے آٹھا کر پردیس کی کٹھن راہ پر ڈال دیا ہے پھر بھی میری مستی کا یہ عالم ہے کہ سر اور پاؤں میں فرق نہیں کر سکتا -

یعنی راہ چلتے چلتے اب سر کے بل چل رہا ہوں ۔

مستانہ طے کرے ہوں رہِ وادی خیال

دیدار جُوست دیدہ و دارد خجل مرا
از جوشِ دل نہ بستنِ راہِ نظر ہنوز

ایک طرف میرے دل میں جوش محبت کا یہ عالم ہے کہ راہ نظر بند کرلوں یعنی آنکھیں بند کرلوں اور اس کے تصور ہی میں کھویا رہوں ۔ لیکن ابھی تک مجھ سے یہ گوارا نہیں ہو سکا جس کے باعث میں شرمندہ ہوں ۔ دوسری طرف ، آنکھیں اس کے دیکھنے کے لیے بھی بے تاب ہیں ۔

یعنی آنکھیں اور دل دونوں باہم رقیب ہیں ۔

باہمدگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب

شد روز رستخیزو بیاد شب وصال
محوم ہماں بلذت بیم سحر ہنوز

قیامت کا دن آ پہنچا اور میں ابھی تک شب وصال کی یاد میں صبح کے طلوع ہونے کے خوف کی کیفیت میں کھویا ہوا ہوں ۔

اے سنگ بر تو دعوی طاقت مسلم است
خود را ندیدۂ بکفِ شیشہ گر ہنوز

اے پتھر تیری طاقت کا دعویٰ ابھی تک مسلّم ہے اس لیے کہ تو نے اپنے آپ کو ابھی تک شیشہ گر کے ہاتھ میں نہیں دیکھا

(جو پتھر کو پگھلا کر شیشہ بنا لیتے ہیں) ۔

پرویزن است تارگم از زخم خارِ پا
از سر بروں نرفته ہوائے سفر ہنوز

لغت : ''پرویزن'' = غربال ۔

میرے پاؤں میں چبھنے والے کانٹوں نے میری رگوں کو چھلنی کر رکھا ہے ، اس لیے سر سے سفر (یعنی صحرا نوردی) کا سودا نہیں جاتا ۔

یعنی محبت کی خلش مسلسل چلی جا رہی اور پیہم بیقرار رکھتی ہے ۔

بلبل سزد ز غیرتِ پروانه سوختن
رنگیں به شعله نیست ترا بال وپر ہنوز

بلبل پھول پہ عاشق ہے اُس کے گرد گھوم کر فریاد کرتی ہے ۔ لیکن پروانے کی طرح جو شمع پر عاشق ہے ، آتش حسن کے شعلوں پر گر کر جل نہیں جاتی ۔ گویا شاعر کے نزدیک اس کا عشق ابھی خام ہے ۔ چنانچہ کہتا ہے :

بلبل ! تجھے پروانے کو دیکھ کر غیرت آنی چاہیے کہ (عاشق ہوئے بھی) ابھی (پروانے کی طرح) تیرے بال و پر شعلوں سے رنگین نہیں ہوئے ۔

پروانے کا شعلے سے جل جانا گویا اس کے بال وپر رنگین بناتا ہے جو بلبل کو نصیب نہیں ۔ وہ تو پھولوں میں چہچہاتی ہے ۔

غالب نگشته خاک براہت، تو و خدا
گردے است پر فشاں بسرِ رہگذر ہنوز

لغت: ''پرفشاں'' = پھڑ پھڑانا - پھڑ پھڑانے کی حالت میں -
''تو و خدا'' محاورہ ہے ، تجھے اللہ کی قسم - تو ہی بتا دے یہ حالت کیوں ہے -

معشوق سے خطاب کرکے کہتا ہے غالب ابھی تیری راہ وفا میں خاک ہو کر نہیں پڑا ہے - دیکھ ابھی تو رہگذر میں ایک غبار اِدھر اُدھر پریشانی کے عالم میں اُڑتا چلا جا رہا ہے -

کسی کی محبت میں جان دے دینا اور پھر غبار رہ بن کر پریشان گھومنا اور بات ہے - لیکن ابھی وہ مقام دور ہے جب یہی غبار بیٹھ جائے اور جس کے لیے جان دی ہے اس کی راہ کی خاک بن جائے تاکہ وہ اس پر سے گزر سکے -

---

غزل نمبر ۴

یقین عشق کن و از سر گماں برخیز
به آشتی بنشیں یا به امتحاں برخیز

لغت: ''از سرِ گماں برخاستن'' = شک و شبہ کو چھوڑ دے

ہمارے دعوائے عشق کا اعتبار کر لے اور اس بارے میں تمام شبہات کو چھوڑ دے - یا تو پیار اور محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر ہمارے پاس بیٹھ جا یا پھر ہمارے جذبۂ وفاداری کو آزمانے کا اہتمام کرلے (یہ گو مگو حالت ٹھیک نہیں) -

گل از تراوش شبنم به تست چشمک زن
ز رختِ خواب بلبہاے مے چکان بر خیز

لغت : ''رخت خواب'' = بستر خواب ۔

صبح کا وقت ہے پھول پر شبنم کے قطرے پڑے ہیں اور چمک رہے ہیں اور وہ اپنے شبنمی حسن پر ناز کرتا ہوا چشمک زنی کر رہا ہے ۔ شاعر اپنے معشوق سے کہتا ہے کہ تو بھی اپنے بستر خواب سے آٹھ اور اپنے لبوں کی رعنائی سے جن سے مستی (شراب) ٹپک رہی ہے ، پھول کے اس غرور حسن کو توڑ دے ۔

محبوب کے مستی بھرے لب ، شبنم زدہ پھول سے کہیں زیادہ حسین و دل آویز ہیں ۔

به بزمِ غیر چه جوئی لب کرشمه ستاے
بدور باش تقاضاے الاماں برخیز

لغت : ''کرشمہ ستا'' = ناز وانداز کی تعریف کرنے والا ۔ اس کی داد دینے والا ۔

''دور باش'' لفظی معنے ہیں ''دور رہیے'' ایسے آلے کو بھی کہتے ہیں جس سے کسی شاہی جلوس وغیرہ میں عام لوگوں کے ہجوم کو گزرگاہ سے دور رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا ۔ یہاں ''دور باش'' احتیاط برتنے اور بچنے کے لیے آیا ہے ۔

رقیب کی محفل میں محبوب کے حسن کی ستائش کون کرے گا وہاں تو اس کی تاب لانے والا ہی کوئی نہیں ۔ وہ تو اسے دیکھتے ہی ''الاماں'' کا نعرہ لگاتے ہیں ۔

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ محفلِ رقیب میں اپنے حسن کی داد دینے والے کو کیا تلاش کر رہا ہے ۔ وہاں تو الامان! الامان! کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں اُن کا تقاضا یہی ہے کہ تو وہاں سے اٹھ کر آ جائے ۔

چرا بہ سنگ وگیا پیچی اے زبانۂ طور
ز راہ دیدہ بدل در رو و زجاں برخیز

لغت : ''زبانۂ طور'' = شعلۂ طور ۔ وہ آگ یا جلوۂ خدا جو حضرت موسیٰ کو طور پر چمکتا نظر آیا تھا ۔ کہتے ہیں کہ اس آگ سے کوہ طور جل گیا تھا ۔ ''سنگ و گیا'' = پتھر اور گھاس جن سے پہاڑ کی ساخت ہوتی ہے ۔

جلوۂ خدا کا صحیح مظہر ، انسان کا دل ہے پہاڑ نہیں ۔ چنانچہ کہتا ہے :

اے شعلۂ طور تو پتھروں اور گھاس پھوس سے کیا الجھتا ہے ہماری آنکھوں کی راہ سے دل میں اُتر جا اور روح میں سما کر اُبھر آ ۔

تو دُودی اے گلہ کام و زباں نہ درخورِ تست
بدل فرو شو و از مغز استخواں برخیز

لغت : '' کام وزباں'' = حلق و زباں ۔

گلہ و شکوہ ایک آتشیں شے ہے ، اس کا زبان پر آنے کا کیا کام ۔ اس کے لیے تو مناسب یہی ہے کہ شکایت ہو تو دل میں ڈوب جائے اور مغز استخواں سے اُبھرے ۔

گر از کشاکش جارفتهٔ، خودی باقی است
بذوق آنکه نباشی ، ازیں میاں برخیز

لغت : ''ازیں میاں برخیز'' = ان چیزوں سے بالاتر ہو جا ۔ انہیں ترک کر دے ۔

اگرچہ تو کشاکش مکان (جا) سے آگے نکل گیا ہے پھر بھی تجھ میں خودی کی رمق باقی ہے ۔ نیست کی لذت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اِن ظاہری امتیازات سے بھی بے نیاز ہو جا ۔

یعنی ترک مکان یا ترک علائق مادی سے مقام نیست میسر نہیں آتا ۔ نیست کا مقام تو یہ ہے کہ ان مادی علائق کا تصور بھی ذہن میں نہ آنے پائے ۔

فناست آنکه بداں کیں ز روزگار کشی
غبارگرد و ازیں تیرہ خاکداں برخیز

فنا اس کا نام ہے کہ تو زمانے سے برسر پرخاش رہے ، سرتاپا غبار بن کر اس خاکداں سے اٹھ جا ۔

رقیب یافتہ تقریبِ رخ بہ‌پا سودن
ترا کہ گفت کہ از بزم سرگراں برخیز

تجھے کس نے کہا تھا کہ بزم سے یوں سرگراں ہو کر اٹھ ۔ دیکھ کہ تیرے ایسا کرنے سے رقیب کو جبہہ سائی کا موقع نصیب ہوا ۔ بزم سے کوئی بگڑ کر جانے لگے تو میزبان کو منت سماجت کرنی پڑتی ہے ۔ یہاں بزم میں رقیب محبوب کے جانے پر خوشامد کا موقع

ملا ہے جسے عاشق برداشت نہیں کر سکتا ۔

عیادت است نہ پرخاش، تند خوئی چیست
بیاو غم زدہ بنشیں ولب گزاں برخیز

لغت: ''لب گزاں''= لب کاٹنے کی حالت میں ۔ دکھ درد میں ۔

تو میری عیادت کے لیے آیا ہے، دشمنی کے اظہار کے لیے نہیں آیا پھر یہ تند خوئی کیسی؟ آ اور غمزدہ ہو کر بیٹھ اور جانے لگے تو انتہائی رنج والم کے عالم میں (لب کاٹتے ہوئے) جا ۔

سبوچہ دہمت ہر سحر زمے غالب
خدائے را زسر کوچۂ مغاں برخیز

لغت: خدائے را ۔ را قسمیہ ہے = خدا کی قسم ۔

اے غالب! خدا کے لیے کوچہ مغاں سے اٹھ جا ۔ آ میں ہر صبح تجھے شراب کا ایک چھوٹا سبو دوں گا ۔

غزل نمبر ۵

باہمہ گم گشتگی خالی بود جایم ہنوز
گاہ گاہے در خیالِ خویش می آیم ہنوز

لغت: گم گشتگی = ۔ کھوئے جانے کی حالت ۔ عالم بیخودی ۔

عالم بے خودی کے باوجود ابھی میری جگہ یہاں خالی پڑی ہے کبھی کبھی اپنے آپ میں آ جاتا ہوں ۔

ترک خودی میں اس بات کا احساس بھی ہونا کہ میں نے اپنے آپ کو کھو دیا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ میری بے خودی کی تکمیل نہیں ہوئی۔

مرزا صاحب کا یہ شعر دیکھیے۔ ذرا دقیق ہے لیکن اسی کیفیت کو ادا کرتا ہے:

یک الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

تا سر خار کدامیں دشت درجاں می خلد
کز ہجوم شوق می خارد کف پایم ہنوز

(خدا جانے!) یہ کون سے بیاباں کے کانٹے کی نوک پاؤں میں چبھتی چلی جا رہی ہے کہ میرے پاؤں کے تلوے ہجوم شوق سے کھجلا رہے ہیں۔ رہ عشق میں فرطِ شوق کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

خشک شد چندانکہ مے جزو بدن شد شیشہ را
ہمچناں گوئی در انگور است صہبایم ہنوز

شراب اتنی خشک ہوگئی کہ صراحی کا جزو بدن بن کر رہ گئی۔ گویا میرے حصے کی شراب ابھی خوشۂ انگور ہی ہے، وہاں سے ٹپک کر صراحی میں نہیں آئی۔

حرماں نصیبی کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ کہتا ہے کہ صراحی سے تو کوئی قطرہ ہمارے نصیب میں نہیں تھا شاید ہمارا کچھ حصہ انگوروں میں کہیں پڑا ہو۔

بعد مردن مشتِ خاکم در نوردِ صرصر است
بیقراری می زند موج از سراپایم ہنوز

لغت : ''بیقراری موج می زند'' = بیقراری کا ایک طوفان امڈ آیا ہے ۔

میرے مرنے کے بعد میری مشتِ خاک تند جھونکوں (صر صر) کی لپیٹ میں آ گئی ۔ موت کے بعد بھی میری بے قراری کا یہ عالم ہے ۔

تازہ دور افتادۂ طرفِ بساطِ عشرتم
می تواں افشرد مے ازلاے پالایم ہنوز

لغت : ''تازہ دور افتادہ'' = جو ابھی ابھی دور جا پڑا ہو ۔ بزم سے سے تازہ تازہ باہر نکلا ہوا ۔

میں ابھی ابھی بزم نشاط سے باہر نکل کر آیا ہوں ۔ میرے جام کی تہ میں جو تلچھٹ ہے اس سے شراب صاف نچوڑی جا سکتی ہے ۔ اس سے دو مفہوم ابھرتے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ جس جام کو ابھی ابھی چھوڑا ہے اس میں تلچھٹ خشک نہیں ہوئی ۔ شراب الگ ہو سکے گی دوسرے یہ کہ پینے والے کے شوق مے نوشی نے دُرد کو شراب کا رنگ دے دیا ہے ۔

چشمم از جوش نگہ، خوں گشت و از مژگاں چکید
ہمچناں در حلقۂ دام تماشایم ہنوز

میرا شوق دید دیکھو کہ میری آنکھوں میں جوش دیدار سے

میری نظریں خون ہو کر مژگاں سے ٹپک پڑیں اور میں ابھی تک اسی طرح دامِ نظارہ میں اسیر ہو کر پڑا ہوں۔

مرزا کا یہ شعر اسی جذبے کی ترجمانی کرتا ہے۔

دمید دانہ و بالید و آشیاں گہ شد
در انتظار ہما دام چیدنم بنگر

صد قیامت در نوردِ ہر نفس خوں گشتہ است
من ز خامی در فشارِ بیمِ فردایم ہنوز

لغت: "فشار" = گھٹن۔

قیامت کے روز نظامِ روز وشب درہم برہم ہو جائے گا اور آج اور کل (امروز و فردا) کا امتیاز یکسر جاتا رہے گا۔

فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی (غالب)

شاعر کہتا ہے کہ یہاں تو زندگی کے ہر سانس میں سو قیامتیں خوں ہو کر رہ گئیں اور میری خامی دیکھو کہ میں ابھی تک کل کے خوف کی گھٹن میں پڑا ہوں۔

مرزا نے انسانی زندگی کے ہر لمحے کو ایک قیامت کہا ہے۔ جب زندگی کٹھن ہنگاموں کا یہ عالم ہو تو پھر فردائے قیامت کے انتظار کے کیا معنی۔

تا کجا یارب فرو شست اشک من ظلمت زخاک
لالہ بے داغ از زمیں روید بصحرایم ہنوز

اے خدا میرے آنسوؤں کے طوفان نے زمین کی کدورتوں

(ظلمتوں) کو کتنا دھو ڈالا ہے کہ اب زمین سے جو لالے کا پھول اُگتا ہے اس میں سیاہ داغ بھی نہیں ہوتا۔

اس میں ایک لطیف پہلو یہ بھی ہے کہ لالۂ بے داغ یکسر سرخ ہے گویا وہ سرتاپا خون میں ڈوب کر نکلا ہے جو میرے خونین آنسوؤں کا نتیجہ ہے۔

باتغافل برنیاید طاقتم ، لیک از ہوس
در تمنائے نگاہِ بے محابایم ہنوز

محبوب کی نگاہ تغافل آمیز ہی سے نپٹنے کا یارا نہیں ہے لیکن ہوس کا عالم دیکھو کہ ابھی تک اُس کی بے دھڑک نگاہوں کی تمنا لیے ہوئے ہوں۔

ہمرہاں در منزل آرامیدہ و غالب زضعف
پا بروں نارفتہ از نقش کفِ پایم ہنوز

میرے ہمراہ چلنے والے تو منزل پر پہنچ کر آرام کر رہے ہیں اور غالب! میرا پاؤں ضعف کی وجہ سے ابھی نقش سے الگ نہیں ہوا (باہر نہیں آیا)۔

لوگ منزل پر پہنچ گئے اور میں نے ابھی پہلا قدم بھی نہیں اُٹھایا۔

نقش پا جن کے سہارے آگے بڑھنا تھا انہی پر پاؤں دھرے کھڑا راستے کو دیکھتا ہوا رہ گیا ہوں۔

ردیف س

غزل نمبر ۱

داغِ تلخ گویانم لذتِ سم از من پرس
محوِ تند خویانم حیرتِ رم از من پرس

لغت: ''تلخ گویاں'' = تلخ باتیں کرنے والے۔ جن کی تلخ باتوں میں زہر کی سی لذت ہے۔

''تند خویاں'' = تند مزاج محبوب۔

عام طور پر تلخ گوئی سے لوگ گھبرا جاتے ہیں لیکن مرزا غالب کو اس کی زہریلی تلخی میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ لوگ تند خوئی سے بھاگتے ہیں لیکن مرزا صاحب اس میں اتنے محو ہو گئے ہیں گویا خود سرتاپا عالم رمیدگی بن کر رہ گئے ہیں۔ کہتے ہیں میں معشوقوں کی تلخ گوئی کا مارا ہوا ہوں اس کے زہریلے پن کی لذت پوچھنی ہو تو مجھ سے پوچھو۔

میں معشوقوں کی تندخوئی میں یوں محو ہوں کہ جیسے حیرت کا ایک مجسمہ ہو۔

موجے از شرابستم ، لختے از کبا بستم
شورِ من ہم از من جُو ، سوزِ من ہم از من پرس

میرا وجودخود شراب کی ایک لہر اور کباب کا ٹکڑا ہے۔ مجھے دیکھو کہ جوش شراب کیا ہوتا ہے اور مجھ سے پوچھو کہ مجھ میں سوز محبت کا کیا عالم ہے۔

نیست باغنودن ھا برگ پر کشودن ھا
از عدم بروں آمد ، سعیِ آدم از من پرُس

لغت : ''غنودن'' = اونگھنا

''برگ'' = سازو سامان

شاعر نے عدم کی حالت کو غنودگی سے تعبیر کیا ہے اور عالم غنودگی میں زندگی کی حرکات بے کار ہو کر رہ جاتی ہیں؛ اس حال میں زندگی کو اپنے بال وپر کھو لنے کا کوئی سامان میسر نہیں آتا ۔ گویا یہ انسان ہی کی کوشش کا کارنامہ ہے کہ وہ عدم سے عالم وجود میں آیا تاکہ زندگی کی تمام پوشیدہ استعدادوں اور قوتوں کو بروے کار لا سکے ۔ وہ عدم میں ایسا تھا جیسے کوئی اونگھ رہا ہو ۔

بے حد خوبصورت شعر ہے ۔ انسانی زندگی کے بارے میں بہترین افکار کا حامل ہے ۔

نفس چوں زبوں گردد دیو را بفرماں گیر
محرمِ سلیمانم نقشِ خاتم از من پرس

اس شعر میں صنعت تلمیح ہے یعنی حضرت سلیمانؑ اور اُن کی انگوٹھی (خاتم) کی طرف اشارہ ہے جس سے وہ دیو کو قابو کر لیتے تھے اور اس سے جو کام چاہتے تھے لیتے تھے ۔

شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ انسان کی اپنی ذات ہی خاتم سلیمانی کی حیثیت رکھتی ہے جس کے ذریعے وہ اپنے نفس سرکش کو قابو میں لا سکتا ہے ۔ چنانچہ کہتا ہے :

نفس اگر سرکش ہو جائے تو دیو کو حکم دے کہ وہ تیرے

فرمان کو بجا لائے مجھ سے پوچھو کہ خاتم سلیمانی کی حقیقت کیا ہے میں سلیمان کا راز دار ہوں۔

اے کہ در دل آزاری بیش را کم انگاری
در شمارِ غم خواری بیشی کم از من پرس

اگر معشوق عاشق کی دل آزاریوں کو زیادہ ہونے کے باوجود کم سمجھتا ہے تو عاشق، معشوق کی غم خواریوں کو جو بے حد کم ہیں، بہت زیادہ تصور کرتا ہے۔ کہتا ہے تو اتنی دل آزاریوں کے بعد یہ خیال کرتا ہے کہ یہ کم ہیں تو اِدھر دیکھ کہ میں تیری تھوڑی سی غمخواریوں کو بہت زیادہ سمجھتا ہوں۔

بوسہ از لبانم دہ، عمرِ خضر از من خواہ
جامِ مے بہ پیشم نہ عشرتِ جم ازمن پرس

حضرت خضر کی درازیِ عمر اور جمشید کی بزم عشرت ضرب المثل ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

اپنے لبوں کا ایک بوسہ عنایت کر اور دیکھ کہ یہ ایک بوسہ میرے لیے عمر خضر مل جانے کے مترادف ہے میرے سامنے جامِ مے لا کر رکھ دے اور پھر مجھ سے پوچھ عشرت جمشید کیا شے ہے؟

تیغ غمزہ با اغیار آنچہ کرد میدانی
خنجر تغافل را تیزیِ دم از من پرس

تجھے معلوم ہے کہ تیری تیغ غمزہ نے رقیبوں کا کیا حال کیا (تو نے ہم سے تو تغافل برتا)۔ اس خنجر تغافل کے دھار کی تیزی کا

عالم ہم سے پوچھ کہ اس سے ہم پہ کیا گزری ۔

رقیب بوالہوس پر معشوق کے ناز و انداز کا بھی اثر نہیں ہوتا اور سچا عاشق تو نگاہ تغافل شعار سے بھی شہید ہو جاتا ہے امیر خسرو نے کیا خوب کہا :

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

خلد را نہادم من ، لطفِ کوثر از من جوے
کعبہ را سوادم من شورِ زمزم ازمن پرس

لغت : ''خلد را نہادم'' اور ''کعبہ را سوادم'' دونوں جگہ ''را'' اضافی ہے یعنی اضافت کے لیے آیا ہے ۔ یعنی نثر یوں ہوگی ۔ من نہاد خلد ام (ہستم) اور من سواد کعبہ ام (ہستم) ۔

میرا وجود خود بہشت ہے مجھ سے کوثر کی لذتیں حاصل کر ۔ میری ذات خود کعبہ ہے مجھ سے پوچھ کہ آب زمزم کیا شے ہے ۔

وردِ من بود غالب یا علیِ بوطالب
نیست بخل با طالب اسم اعظم از من پرس

غالب ، میں علی بن ابوطالب کے نام کا ورد کرنے والا ہوں ۔ یہی ورد اسم اعظم کی حیثیت رکھتا ہے جس سے طالب کی ہر خواہش پوری ہو جاتی ہے اور خواہشیں پوری کرنے والا کبھی بخل سے کام نہیں لیتا ۔

غزل نمبر ۲

کاشانہ نشیں ، عشوہ گرے را چہ کند کس
بے فتنہ سرِ رہگذرے را چہ کند کس

لغت : ''کاشانہ نشیں'' = خانہ نشیں ، پردہ نشیں

ایک ایسے محبوب کا جو پردے میں رہ کر اپنی عشوہ گریاں دکھا رہا ہے کوئی کیا کرے ، اُس رہگذر کا کیا فائدہ جس میں کسی کے جلوۂ حسن کی فتنہ انگیزیاں بروے کار نہیں آتیں ۔

بگداخت دل از نالہ مگر اینہمہ بس نیست
بیہودہ امید اثرے را چہ کند کس

کیا یہی کافی نہیں ہے کہ دل آتشیں فریادوں کے ہاتھوں گداز ہو کر رہ گیا ، اب بے فائدہ یہ امید باندھنا کہ اس کا کوئی اثر ہوگا کیا معنی رکھتا ہے ۔

کیموس مپیما و ز اخلاط مفرما
تا دشنہ نباشد جگرے را چہ کند کس

در ہدیہ دل و دین بصدابرام پذیرد
منت نہِ سرمایہ برے راچہ کند کس

لغت : ''ابرام'' = اصرار ۔ ''منت نہ'' = احسان دھرنے والا ۔
''سرمایہ بر'' = سرمایہ خورد برد کر دینے والا ۔

میرا معشوق ، دل و دین کو ہدیے کے طور پر بھی ہزار اصرار کے بعد قبول کرتا ہے ۔ ایسے شخص سے جو سرمایہ بھی لوٹ لیتا ہے اور پھر احسان بھی جتاتا ہے کوئی کیسے نبٹ سکتا ہے ۔

انصاف دہم چوں نگراید بمن از مہر
دلدادۂ آشفتہ سرے راچہ کندکس

تو خود ہی انصاف کر کہ وہ (یعنی معشوق) میری طرف کیسے مہربانی سے مائل ہو سکتا ہے ۔ ایک آشفتہ سر انسان (عاشق) ہوں ایسے آشفتہ سر عاشق سے کیسے نبٹا جا سکتا ہے ۔

با خویشتن از رشک مدارا نتواں کرد
در راہ محبت خضرے را چہ کندکس

عشق میں تو اپنے آپ پہ رشک آنے کو بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا ۔ پھر بتائیے کہ راہ محبت میں خضر کی رہنمائی کو بھی کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے ۔

گر سر خوشی از بادہ مراد است بیا شام
واعظ تو ویزداں ،خبرے راچہ کندکس

لغت : ''تو ویزداں'' = محاورۃً تجھے اللہ کی قسم مراد ہے ۔

اے واعظ اگر جنت کی سر خوشیوں سے مقصود شراب ہے تو پی لے ۔ ورنہ تجھے اللہ کی قسم خود ہی بتا کہ خوشخبری دینے سے کیا بنتا ہے ۔

جی کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

نا یافتہ بارم بہ نراندن چہ شکیبم
گیرم کہ خود از تست درے راچہ کند کس

لغت : بار یافتن" = باریابی حاصل کرنا ۔

اگر تو نے مجھے اپنے دروازے سے واپس نہیں لوٹا دیا تو اس سے مجھے کیا تسکین ہو سکتی ہے جب کہ تیرے گھر میں باریابی کا شرف حاصل نہیں ہو سکا ۔ مان لیا کہ یہ سب کچھ تو نے ہی کیا ہے یعنی دروازہ کھلا رکھا ہے اور مجھے وہاں سے لوٹایا بھی نہیں اس سے کیا بنتا ہے ۔

آں نیست کہ صحرائے سخن جادہ ندارد
واژوں روشِ کج نگرے راچہ کندکس

لغت : "واژوں روش" = اُلٹی راہ چلنے والا ۔ "کج نگر" = غلط بیں ، دوسروں کی بات کا غلط مفہوم سمجھنے والا ۔

یہ بات نہیں کہ سخن گوئی کے میدان کی راہیں کھلی نہیں (بات کرنے کے سو انداز ہیں) ۔ ہاں اگر بات سننے اور سمجھنے والا کجفہم ہو اور غلط مفہوم لے تو اس کا کیا علاج ۔

غالب بجہاں بادشہاں از پے دادند
فرماں دہِ بیداد گرے راچہ کندکس

غالب ! دنیا میں بادشاہ عدل و انصاف کے لیے ہوتے ہیں

لیکن ایسے فرماں روا کا کوئی کیا کرے جو داد دنیا تو در کنار الٹا بیداد گر ہو ۔

غزل نمبر ۳

لطفے بہ تحتِ ہر نگہِ خشمگیں شناس
آرایش جبین شگرفاں زچیں شناس

لغت : ''شگرف'' =نادر ، خوبصورت ، نہایت عمدہ ۔ مرزا غالب نے اپنے شعر میں شگرفاں کا لفظ بڑے موزوں انداز میں استعمال کیا ہے : ایسے حسین و جمیل لوگ جو اپنا جواب نہیں رکھتے ۔

شناس کا لفظ بطور ردیف کے آیا ہے اور مختلف جگہ اس کا مفہوم سیاق و سباق کے مطابق مختلف ہے ۔ کہیں دیکھ ، کہیں پہچان ، کہیں امتیاز کر کا مفہوم دے رہا ہے ۔

دیکھ کہ حسینوں کی ہر خشم آلودہ نگہ کی تہ میں لطف و محبت کی جھلک ہے ۔ ان حسینوں کی جبیں کی آرایش ہی ان کی چینِ جبین سے ہوتی ہے یعنی معشوق کا چین بجبین ہونا اسے اور خوبصورت بنا دیتا ہے ۔

باز آکہ کار خود بہ نگاہت سپردہ ایم
مارا خجل ز تفرقۂ مہر وکیں شناس

معشوق سے خطاب کرکے کہتا ہے ، آ کہ ہم نے اپنا معاملہ تیری نگہ ہی پر چھوڑ دیا ہے ، وہ نگہ مہر آلود ہو یا خشم آلود ہمارے لیے دونوں انداز برابر ہیں (کیونکہ دونوں کا اپنا اپنا

حسن ہے) اور ہم محبت و کینہ (سہروکین) سے بے نیاز ہو گئے ہیں اور سہروکین میں امتیاز کرنے پر نادم ہیں ۔

بے پردہ تاب محرمی را ز ما مجوے
خوں گشتن دل از مژہ وآستیں شناس

ہم سے علی الاعلان اس بات کی توقع نہ رکھ کہ ہم نے راز کو کیسے سینے میں چھپا رکھا ہے ۔ ہمارا دل اس راز محبت کو چھپانے کی کوشش میں خوں ہو گیا ہے اس کا اندازہ ہم سے پوچھنے سے نہیں ہوگا ۔ ان خونی آنسوؤں سے پتا چل جائے گا جو ہماری مژگاں اور آستین پر پڑے ہیں ۔

داغم کہ وحشت تو بیافزود ز انتظار
جز صیدِ دام دیدہ نباشد کمیں شناس

لغت : ''کمین'' = کمین گاہ ۔ گھات ۔ ۔ ۔ صید دام دیدہ = وہ شکار جو پہلے کبھی جال میں پھنس چکا ہو ۔ چنانچہ ایسا شکار ہی کمیں گاہ سے آشنا ہو سکتا ہے ۔ ایسا شکار ہمیشہ کمیں گاہ سے بچ کے چلے گا ۔ اور شکاری اس کے انتظار ہی میں بیٹھا رہ جائے گا ۔ شاعر اپنے محبوب کو ایسے ہی شکار سے تشبیہ دیتا ہے اور کہتا ہے :

میرے انتظار سے تیری وحشت بڑھ گئی ہے (اور تو میرے پاس آنے سے گھبراتا ہے) یہ بات میرے لیے رشک کا باعث ہے کیونکہ میں سوچتا ہوں کہ تیرا یوں مجھ سے الگ الگ رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ تو کسی صیاد کے دام میں پھنس چکا ہے اور اسی لیے مجھ سے گھبراتا ہے ۔

میخواہد انتقام ز ہجراں کشیدنی
خوں گرمیِ دل از نفس آتشیں شناس

لغت : ''خوں گرمی'' = گرمی خون - جوش - نفس = سانس -

عاشق فراق میں بیٹھا ہوا آہیں بھر رہا ہے - اس کے سانس سے شعلے ابھر رہے ہیں - گویا یہ آتشیں آہیں اس کے دل کے جوش کی علامت ہیں - اس کا دل دراصل فراق سے انتقام لینا چاہتا ہے -

شاعر نے فراق میں آتشیں آہیں کرنے کی عجیب شاعرانہ توجیہ کی ہے -

آرائشِ زمانہ ز بیداد کردہ اند
ہر خوں کہ ریخت غازۂ روۓ زمیں شناس

لغت : ''غازہ'' = وہ سرخی جو چہرے پر حسن کو چمکانے اور آرائش دینے کے لیے لگائی جاتی ہے -

کہتا ہے : زمانے کی آرائش ہمیشہ جوروستم ہی سے ہوتی رہی ہے - یہ خون جو زمین پہ بہایا جاتا ہے اسے روۓ زمین کا غازہ کہنا چاہیے -

در راہ عشق شیوہ دانش قبول نیست
حیف است سعیِ رہرو پا از جبیں شناس

لغت : ''رہرو پا از جبیں شناس'' میں ''پا از جبیں شناس'' کے الفاظ رہرو کی صفت ہیں -

''پا از جبیں شناس'' اسم فاعل ترکیبی ہے یعنی فاعلی معنے دیتا ہے - مراد وہ شخص جو پاؤں اور جبین (پیشانی) میں فرق کر سکتا ہے - عقل کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی راہ چلنا ہو تو پاؤں کے ذریعے چلتے ہیں - لیکن عشق کی راہ طے کرنے کے لیے یہ شیوہ یا طریقہ قابل قبول نہیں - عشق کی راہ تو سر کے بل طے کرنی چاہیے اسی لیے شاعر کہتا ہے کہ ایسے رہرو پر افسوس ہے جو راہ عشق میں پاؤں اور جبیں یاسرمیں تمیز کرتا ہے -

از دہرِ غیر گردش رنگے پدید نیست
ایں روضہ را سراب گل و یاسمیں شناس

لغت : ''دہر'' = وقت 'زمانہ' مجازاً دنیا - - - سراب = دھوکہ -

یہ دہر سوائے گردش رنگ کے اور کچھ نہیں - اس باغ عالم کو گل و یاسمیں کا سراب ہی کہنا چاہیے -

زمانہ کیا ہے ، ایک رنگ آتا ہے ایک جاتا ہے اور کوئی بھی حقیقی رنگ نہیں - یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی سراب دیکھ رہا ہو جو دور سے پانی نظر آتا ہے اور وہ ریت ہوتی ہے -

حسرت صلائے ربطِ سرو دست می زند
نقشِ ضمیرِ شاہ ز تاج و نگیں شناس

لغت : ''نگین'' = خاتمِ شاہی کا نگیں جو مہر کا کام دیتا ہے - شاہی انگوٹھی کا نگینہ جس میں اسم شاہی کے الفاظ والقاب کندہ ہوتے ہیں اور وہ فرمانِ شاہی پر مہر کا کام دیتا ہے -

تاج اور نگین کو دیکھ کر اندازہ کر لے کہ بادشاہ کے ضمیر میں

کیا نقش پوشیدہ ہے۔ ایک عالم حسرت ہے جو پکار پکار کر کہہ رہا کہ ہے کاش اس شاہی ہاتھ میں (جو نگین لیے ہوئے ہے) اور سر (جو تاج شاہی پہنے ہے) کوئی باہمی ربط ہوتا۔

ایک بادشاہ کی زندگی کی بے بسی کی کتنی خوبصورت تصویر ہے۔ شاہی ہاتھ نظامِ حکومت کے ماتحت فرمان پر مہر لگائے چلے جا رہے ہیں۔ بادشاہ کے دماغ میں کیا افکار ہیں اور اس کا دل اندر سے کیا چاہتا ہے، اس کی کیفیت کسی کو کیا معلوم۔ اس کا سر تو تاجِ شاہی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے اور بس۔
حافظ کا شعر دیکھیے:

شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جاں درو درج است
کلاہ دلکش است اما بدردِ سر نمی ارزد

بے غم، نہادِ مرد گرامی نمی شود
زنہار قدر خاطر اندوہگیں شناس

مرزا غالب کا نظریۂ غم یہ ہے کہ غم ہی سے انسان کی خوابیدہ طبعی استعدادیں بیدار ہوتی اور ابھرتی ہیں اور اسی سے انسانی زندگی سنورتی ہے اور ایک اعلیٰ شخصیت کی تعمیر اور تکمیل ہوتی ہے۔

اس شعر میں اسی نظریے کو پیش کیا گیا ہے۔
معشوق سے خطاب کرکے کہتا ہے: بغیر غم کے انسان کی ہستی کوئی مقامِ عظمت حاصل نہیں کر سکتی۔ دیکھ (عاشق کے) غمگین دل کی قدر و اہمیت کو پہچان۔

دور قدح بنوبت و مے خوارگاں گروہ
آوخ زساقیانِ یسار از یمین شناس

لغت : ''یسار'' = بائیں - ''یمین'' = دائیں - ''آوخ'' = افسوس -
''یسار از یمین شناس'' = دائیں سے بائیں کی تمیز کرنے والے -
''بنوبت'' = باری سے - باری ، باری -

میخواروں کا ہجوم ہے اور شراب کا دور باری کے مطابق چلتا ہے - افسوس ہے اُن ساقیوں پر جو اس ہجوم میں بھی یہ سوچیں کہ دورِ جام بائیں طرف سے چلے کہ دائیں طرف سے -

غالب مذاق ماںتواں یافتن زما
رو شیوۂ نظیری و طرز حزیں شناس

مرزا غالب کو جن قدیم اساتذۂ سخن کا اسلوب بہت مرغوب تھا اُن میں نظیری اور حزیں بھی تھے -

کہتا ہے کہ غالب ! تجھے ہمارے مذاق سخن کا پتا ہم سے نہیں چلے گا ، اِسے معلوم کرنا ہے تو جا نظیری اور حزیں کے کلام کا طرز و اسلوب پہچان کہ وہ کیا تھا (اسی کا عکس ہمارے کلام میں بھی ہے) -

غزل نمبر ۳

تیغ از نیام بیہدہ بیروں نکردہ کس
مارا بہیچ کشتہ و ممنوں نکردہ کس

کسی نے (یوں) تلوار کو نیام سے رائگاں نہیں نکالا ہوگا ،

ہمیں یونہی مار دیا گیا اور ہمارے قتل سے کسی کو ممنون بھی
نہ کیا گیا ۔

فرصت ز دست رفته و حسرت فشرده پا
کار از دوا گذشته و افسوں نکرده کس

لغت : ''پافشردن'' = پاؤں پھیلا کر بیٹھ جانا ۔

موقع ہاتھ سے نکل گیا اور حسرت پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئی ،
مرض ، مداوا کی حد سے گزر گیا اور کسی نے کوئی سحر بھی نہ
پھونکا (کہ شاید افاقہ ہو جائے) ۔

داغم ز عاشقاں که ستم ہاے دوست را
نسبت به مہربانیِ گردوں نه کرده کس

میں اِن عاشقوں کے رویے سے جل گیا ہوں کہ انھوں نے محبوب
کے جوروستم کو لطفِ گردش آسماں سے منسوب نہیں کیا ۔ گویا محبوب
کے جوروستم ، عطیۂ آسمانی تھا ، جس کا تذکرہ اور شکریہ ضروری تھا ۔

یا پیش ازیں بلاے جگر تشنگی نبود
یاچوں من التفات به جیحوں نه کرده کس

لغت : ''جیحوں'' سرحد خراسان پر ایک دریا کا نام ہے ۔

شاعر اپنے شوق کی گرمی اور تشنگی (پیاس) کی افراط کا ذکر
کرتا ہوا کہتا ہے :

یا تو اس سے پہلے ، کسی عاشق کی تشنگی شوق کا یہ عالم ہی نہ

تھا یا پھر میری طرح کسی نے (اس پیاس کو بجھانے کے لیے) دریا کا رخ ہی نہ کیا تھا (دریا بھی پی لیا مگر تشنگی نہ گئی) ۔

بقدر ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا (غالب)

یا رب بہ زاہدان چہ دہی خلد رائگاں
جور بتاں ندیدہ و دل خوں نکردہ کس

اے خدا تو ان پرہیزگروں کو جنت یونہی بلا کسی جواز کے کیوں عطا کر رہا ہے ۔ ان میں سے کسی نے معشوق کے جور وستم اٹھائے نہ ہی محبت میں کسی کا دل ہی خون ہوا ۔ جنت تو عاشقانِ ستم زدہ کے لیے ہونی چاہیے ۔

جاں دادن و بہ کام رسیدن زما ولے
آہ از بہائے بوسہ کہ افزوں نکردہ کس

ہم نے تو (بوسۂ محبوب کے لیے) جان دے دی اور اپنا مقصد پا لیا ۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ بوسۂ محبوب کی یہ قیمت کچھ زیادہ نہ تھی اس قیمت کو بڑھانے کی کسی نے کوشش نہ کی ۔

شرمندۂ دلیم و رضا جوئے قاتلیم
ما چوں کنیم چارۂ خود چوں نہ کردہ کس

ہم تو صرف قاتل کی رضا جوئی پر خوش ہیں اور اپنے دل کے

ہاتھوں شرمندہ ہیں کہ ہم نے اس کا کچھ خیال نہ کیا ۔ ہم اس بات کا خود چارہ کرتے بھی تو کیا کرتے جب کہ کسی اور نے اس کا کوئی چارہ نہ کیا ۔

کسی اور سے مراد ، دوستانِ چارہ ساز بھی ہو سکتے ہیں اور خود محبوب بھی کہ جس کے لیے عاشق نے یوں جاں دے دی اور اپنے محبت بھرے دل کو یوں برباد کرکے اُس کے لیے کچھ چارہ نہ کیا ۔

پیچد بخود ز وحشتِ من پیش بیں من
تشبیہ من ہنوز بہ مجنوں نکردہ کس

میری وحشت کو دیکھ کر میرے آئندہ کے بارے میں پیش گوئی کرنے والا بڑے پیچ و تاب میں ہے کہ مجھے ابھی تک کسی نے مجنوں سے تشبیہ نہیں دی ۔ یعنی میری وحشت ، وحشتِ مجنوں تک پہنچ گئی اور ابھی تک کسی نے مجھے مجنوں نہیں کہا ۔ میرے بارے میں پیشگوئی کرنے والا اس گومگو کی حالت میں ہے کہ اگر اِس کی وحشت کا یہ عالم ہے تو پھر اِسے مجنوں بھی نہیں کہا جا سکے گا ۔ کچھ اور کہنا ہوگا ۔

گیرد مرا بہ پرسش بے رنگی سرشک
گوئی حساب اشکِ جگرگوں نکردہ کس

میں نے آنسوؤں میں اپنا سارا خونِ جگر ختم کر دیا ہے اور اب آنسو بے رنگ ہو کر رہ گئے ہیں میرا معشوق میرے آنسوؤں کی بے رنگی پر معترض ہے ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جوخون کے آنسو

میں اب تک بہا چکا ہوں اس کا ابھی تک کسی نے حساب نہیں کیا ۔
یعنی وہ رائیگاں گئے ۔

غالب ز حسرتی چہ سرائی کہ در غزل
چوں او تلاش معنی و مضموں نکردہ کس

لغت : ''حسرتی'' نواب مصطفیٰ خان شیفتہ فارسی شاعری میں حسرتی تخلص کرتے تھے ۔ اس شعر میں انہی کی طرف اشارہ ہے ۔

اے غالب تو حسرتی کی کیا تعریف کر رہا ہے ، اس کی طرح تو کسی نے بھی مضمون و معنی کی تلاش نہیں کی ۔

غزل نمبر ۵

ہر کرا بینی زمے بے خود ثنایش می نویس
بہر دفع فتنہ حرزے از برایش می نویس

لغت : ''حرز'' = تعویز ۔

جس کسی کو تو مے سے بے خود دیکھے اس کی تعریف کر ، ایک تعویز اس کے لیے لکھ کہ اس کی بے خودی میں کوئی رخنہ پیدا نہ ہو اور ہر طرح کا فتنہ اس سے دور رہے ۔

اے رقم سنج یمین دوست بے کاری چرا
خود سپاس دست خنجر آزمائش می نویس

لغت : ''یمین'' = دایاں ہاتھ ، ''رقم سنج'' = تحریر نویس ۔

کوئی حکم جاری کرنا ہو ، یا خنجر چلانا ہو بالعموم دائیں ہاتھ ہی کو کام میں لایا جاتا ہے کہتا ہے : تو اُس کے دائیں ہاتھ کی کارگزاری کی تحریر پر مامور ہے کیوں یوں بے کار بیٹھا ہے ۔ ذرا اُس کے خنجر آزما ہاتھ کی کارگزاریوں کا سپاس نامہ ہی لکھ ڈال ۔

آنچہ ہمدم ہرشب غم برسرم می بگذرد
ہر سحر یکسر بدیوار سرایش می نویس

ہرکہ بعد از مرگِ عاشق برمزارش گل برد
فتوی ازمن دربتان زود آشنایش می نویس

لغت : زود آشنا'' = جلدی سے آشنا ہو جانے والا ۔ دیرآشنا کی ضد ۔ یہاں زود آشنا طنزاً استعمال ہوا ہے ۔ کہتا ہے کہ جب کبھی کوئی معشوق اپنے عاشق کی موت کے بعد اُس کی قبر پر پھول چڑھانے کے لیے لے جائے تو اُس کے بارے میں فتویٰ مجھ سے لے اور اُسے زودآشنا معشوقوں کی فہرست میں لکھ دے ۔

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

اس شعر میں بھی زود پشیماں کا لفظ طنزاً آیا ہے ۔

رحمی از معشوق ہرجا درکتابے بنگری
برکنارآں ورق جانہا فدایش می نویس

''کتاب'' یہاں لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور تحریر کا مفہوم دیتا ہے ۔ ۔ ۔ ''جان ہا فدایش'' = اس پر جانیں فدا ہوں ۔

جہاں کہیں کسی معشوق کی طرف سے رحمدلی کے اظہار کا ذکر آئے تو اُس ورق کے حاشیے پر یہ الفاظ بھی لکھ دے ''ایسے رحم دل معشوق پر عاشقوں کی جانیں فدا ہوں۔''

اے کہ بایارم خرامی گر دل و دستیت ہست
نام من در رہگذر بر خاکِ پایش می نویس

لغت: ''گر دل و دستیت ہست'' = اگر ترا دل و دست ہست۔ یعنی تجھ میں دل گردہ ہے، تجھ میں حوصلہ اور قوت ہے۔

اے کہ تجھے یہ شرف حاصل ہے کہ تو میرے محبوب کے ہمراہ جا رہا ہے اگر تجھ میں حوصلہ اور ہمت ہو تو اُس کی رہگذر کی خاک پر میرا نام ہی لکھ دے تاکہ مجھے یہ سعادت حاصل ہو کہ اگر میں وہاں نہیں تو کم از کم میرا نام تو اس کی راہ میں ہے۔

تیرے پاؤں تک نہیں دسترس تیرے رہگذر کی زمیں سہی

ہر کجا غالب تخلص در غزل بینی مرا
می تراش آں را و مغلوبے بجایش می نویس

جہاں کہیں بھی تو غزل میں میرا تخلص غالب لکھا ہوا دیکھے اُسے تراش کر مٹا دے اور اس کی جگہ ''مغلوب'' لکھ دے۔

یعنی شاعری میں نام تو غالب رہا لیکن زندگی ایک مغلوب انسان کی سی گزری۔

(ردیف ش)

غزل نمبر ۱

دوشم آہنگ عشا بود کہ آمد درگوش
نالہ از تارِ ردائی کہ مرا بود بدوش

یہ غزل مسلسل ہے۔ اس کی ہیئت بظاہر غزل کی سی ہے لیکن ایک نظم ہے جس میں شاعر نے ایک زاویۂ نگاہ کے ماتحت اظہار خیال کیا ہے۔ کل رات میں نماز عشا کا اردہ کیے ہوئے تھا کہ میری چادر کے ایک تار سے جو میں کندھے پہ ڈالے ہوئے تھا ایک آواز ابھری اور میرے کانوں میں آئی۔

کاے خسِ شعلۂ آواز موذن، زنہار
از پی گرمی ہنگامہ منہ دل بخروش

لغت: ''خس'' = تنکا ۔۔۔ خس شعلہ آواز موذن یعنی موذن کے شعلہ آواز سے جل جانے والا ۔۔۔ زنہار حرف تنبیہ۔

اے موذن کی بھڑکتی ہوئی آواز پر فریفتہ ہونے والے! دیکھ ہنگامہ آرایوں کے شوق میں ایسے شور (شوراذان) پر دل کو مائل نہ کرنا۔

تکیہ بر عالم و عابد نتواں کرد کہ ہست
آں یکے بیہدہ گو، این دگرے بیہدہ کوش

لغت: ''بیہدہ کوش'' = بے فائدہ کام میں مصروف۔

عالم اور عابد پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عالم بیہدہ گوئی کرتا ہے اور عابد بیہدہ عمل میں محو ہے یعنی عالم کا فضول

و عظ اور عابد کی عبادت کوشی دونوں بے کار ہیں ۔

نیست جز حرف درآں فرقۂ اندرز سرای
نیست جز رنگ دریں طائفہ ارزق پوش

لغت : ''اندرز'' = وعظ و نصیحت ۔ ۔ ۔ ''اندرز گو'' = وعظ گو

اس وعظ گو فرقے (یعنی فرقۂ علما) میں سوائے لفاظیوں کے اور اس نیلا لباس پہننے والے (یعنی عابد) گروہ میں سوائے زیبائش رنگ کے اور کچھ نہیں ۔

جادہ بگذار و پریشان رو و در راہ روی
بفریب مے و معشوق مشو رہزنِ ہوش

اس پرانی ڈگر کو چھوڑ اور آزادانہ چل اور رہ چلنے میں شراب اور معشوق کی فریب کاریوں میں اپنے ہوش مت کھو دے ۔

بوسہ گر خود بود آساں ، مبر از شاہد مست
بادہ گر خود بود ارزاں ، مخر از بادہ فروش

اس شعر میں خود کا استعمال بڑا بلیغ ہے اور زور کلام کے لیے ہے ۔

بوسے کا ملنا آسان ہی کیوں نہ ہو پھر بھی معشوق سے قبول نہ کر اور شراب ارزاں بھی کیوں نہ ہو جائے بادہ فروش سے مت خرید ۔

این نشید است که طاعت مکن و زہد مورز
این نہیب است که رسوا مشو و بادہ منوش

لغت : ''نشید'' = نغمہ ، ۔ ۔ ۔ نہیب = خوف ، خوفناک آواز ۔
یہ تو ایک مژدۂ خوش آیند ہے کہ بندگی نہ کر زہد و تقوی کی ورزش چھوڑ دے ۔ اور یہ تنبیہ کہ رسوانہ ہو اور شراب نہ پی یہ سب ڈرانے والی باتیں ہیں ۔

حاصل این است درین جملہ نبودن کہ مباش
مانہ افسانہ سرائیم وتو افسانہ نیوش

اور یہ جو بار بار کہا گیا ہے کہ یہ نہ ہونا وہ نہ ہونا (نبودن) ان تمام کا خلاصہ یہ ہے کہ نفی ذات کر لو ۔ ہم افسانہ گو نہیں تو ان افسانوں کو نہ سن ۔

منکہ بودے کفم از مزد عبادت خالی
چوں دلم گشت تونگر بہ رہ آورد سروش

میرا ہاتھ تو عبادت کے سرمایے سے بالکل خالی ہوتا تھا جب میرا دل اس فرشتۂ غیبی کی خوش خبری کی دولت سے مالا مال ہوا ۔

گفتم از رنگ بہ بیرنگی اگر آرم رو
رہ دگر چوں سپرم ، گفت زخود دیدہ بپوش

میں نے کہا اگر میں اس رنگ سے بے رنگی کا رخ کرنا چاہوں

تو راستہ کیسے چلوں ، جواب ملا اپنے آپ سے آنکھیں بند کر لے -

جستم از جاے ولے ہوش و خرد پیشا پیش
رفتم از خویش ولے علم و عمل دوشا دوش

میں اچھل پڑا اور اپنی جگہ سے ہلا لیکن ہوش و خرد میرے آگے تھے - میں اپنے آپ سے نکل گیا لیکن علم و عمل ہمراہ تھے -

تا ببزمی کہ بہ یک وقت در آنجا دیدم
بادہ پیمودنِ امروز و بخوں خفتنِ دوش

یہاں تک ایک ایسی بزم میں پہنچا کہ میں نے دیکھا کہ وہاں بیک وقت کل رات کا خوں میں غوطہ زن ہو کر سونا اور آج کی سی نوشی دونوں جاری تھیں -

خانقاہ از روش زہد و ورع ، قلزم نور
بزم گاہ از اثر بوسہ ومے ، چشمۂ نوش

خانقاہ زہد و ورع کے باعث سراپا قلزم نورہی ہوئی تھی اور بزم گاہ بوسہ ومے کے اثر سے یکسر چشمۂ شیریں تھی -

شاہد بزم دراں بزم کہ خلوت گہ اوست
فتنہ بر خویش و بر آفاق کشودہ آغوش

اس بزم میں شاہد بزم نے کہ یہ بزم (دراصل بزم نہیں) اس کی خلوت گہ تھی اس کے حسن نے اپنے اور تمام آفاق پر فتنے کا آغوش

کھول رکھا تھا۔

خود حسن اور جلوۂ حسن سے سرشار ہونے والے دونوں اس ہنگامہ زار حسن میں کھو گئے تھے۔

ہمچو خورشید کزو ذرہ در خشاں گردد
خوردہ ساقی مے وگردیدہ جہانے مدہوش

سورج کی طرح کہ جس (کی ضوفشانیوں سے) ذرہ چمک اٹھتا ہے ساقی نے شراب پی تھی اور ایک دنیا بد مست ہو گئی تھی۔

رنگہا جستہ زبیرنگی و دیدن نہ بچشم
رازہا گفتہ خموشی و شنیدن نہ بگوش

اس مقام پہ بیرنگی سے عالم رنگ ابھر رہا تھا اور یہ عالم بیرنگی آنکھوں سے دیکھنے کا نہیں تھا۔ خموشی راز کہہ رہی تھی اور یہ راز گوئی کانوں سے سننے کی چیز نہ تھی۔

قطرہ نا ریختہ از طرف خم و رنگ ہزار
یک خم رنگ و سرش بستہ و پیوستہ بجوش

خم سے ایک قطرہ بھی نہیں ٹپک تھا اور ہزار رنگ رونما تھے۔ ایک خمِ رنگ تھا اور اس کا منہ بند تھا اور وہ ہمیشہ جوش سے لبریز تھا۔

ہمہ محسوس بود ایزد و عالم معقول
غالب ایں زمزمہ آواز نخواہد ، خاموش

لغت : ''زمزمہ'' = زرتشتی لوگوں کا وہ بھجن جو وہ اپنے معبدوں میں دھیمے سروں میں گاتے تھے ۔ نغمہ ۔

یہاں یہ لفظ اپنے اصلی معنوں میں آیا ہے اور بڑا موزوں ہے ۔

خدا بھی محسوسات میں سے ہے اور یہ کائنات بھی احاطہ عقل میں ہے ۔ لیکن اے غالب ! یہ زمزمہ' راز ، آواز میں سما نہیں سکتا اس لیے خاموش ہو جا ۔

غزل نمبر ۲

نیست معبودش حریف تاب ناز آوردنش
پیش آتش دیدہ ام روزے نیاز آوردنش

لغت : ''معبود'' سے یہاں مراد آتش ہے جو آتش پرستوں کی معبود ہے ۔

ایک نگار عجمی کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ میرے معشوق کے ناز حسن کی تاب ، آگ بھی نہیں لا سکتی ۔ میں نے اس کو آتش حسن کے سامنے عالم نیاز میں دیکھا ہے ۔

موعظت را سنگسارِ قلقلِ مینا کند
از رہ گوشم بدل یک رہ فراز آوردنش

نصیحت کو سن کر کانوں کی راہ سے دل میں لاتے ہی اس کی

یہ حالت ہوتی ہے کہ مینا کی قلقل کی آواز نے اس کو سنگسار کر دیا ہے - یعنی ہمارے کانوں میں نصیحت کا کیا اثر ہو سکتا ہے ، صراحی کی آواز ہی آسے درہم برہم کر دیتی ہے -

تا خود از بہر نثار کیست ، می میرم ز رشک
خضرو چندیں کوشش و عمر دراز آوردنش

مجھے یہ رشک مارے ڈالتا ہے کہ آخر خضر نے جو اتنی سعی و کوشش کی ہے اور عمردراز کو حاصل کیا ہے ، کس (محبوب) پر قربان کرنے کے لیے ہے - گویا ، حضرت خضر جو ابھی تک زندہ ہیں ، اس لیے عمر جاوداں لیے پھرتے ہیں کہ انھیں کوئی ایسا محبوب میسر نہیں آیا جس پر وہ اپنی جان قربان کر سکیں - یہ بات میرے جیسے جان نثار کے لیے قابل رشک ہے -

رحمت حق باد بر ہمدم کہ داند مستِ مست
بر سر نعشم بہ تقریب نماز آوردنش

اس دوست پر اللہ رحمت نازل فرمائے جو مرے محبوب کو عالم مستی ہی میں مری نعش پر نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے لے آیا -
محبوب کا نشے کے عالم میں نماز کے لیے آنا ، خاص کر جب مستی میں نماز کی اجازت نہیں ، بہت بڑی بات ہے اس لیے جو شخص اسے اس کار ثواب پر آمادہ کرے وہ رحمت حق کا سزاوار ہے -

شوق گستاخ است ومن درلرزہ ، کاخر سہل نیست
صبحدم در دل بچشم نیم باز آوردنش

لغت : ''چشم نیم باز'' = معشوق کی نیم وا آنکھیں صبح کو

خواب سے بیدار ہوتے ہوئی ایک خاص انداز حسن رکھتی ہیں ۔

چنانچہ کہتا ہے میرا شوق بے حد بے تاب اور بے باک ہے ، اس لیے صبح کو اس کی نیم باز آنکھوں کا دل میں خیال لانے سے بھی گھبراتا ہوں اور لرز رہا ہوں کیونکہ ایسا تصور کرنا کوئی آسان کام نہیں ۔

وائے ما کز غیر اندر خاطرش جا کردہ است
رفتن و پیرایہ و پیرایہ ساز آوردنش

لغت : ''پیرایہ'' = آرائش ، سامان آرائش - - - پیرایہ ساز = آرائش کرنے والا ۔

یہ بات ہمارے لیے کتنی افسوسناک ہے کہ معشوق کے دل میں غیر (رقیب) کا خیال سما گیا ہے اور وہ اس کی آمد پر اپنے مکان کی آرائش کی دھن میں لگا ہوا ہے ۔ کہیں آرائش کا سامان فراہم ہو رہا ہے کہیں آرائش کرنے والے کو بلانے کا اہتمام ہے ۔

امتحانِ طاقت خویش است از بیداد نیست
خلق را در نالہ ہائے جانگداز آوردنش

ہمارے محبوب نے جو خلق خدا کو جاں گداز نالہ و فریاد کرنے پر لگایا ہوا ہے یہ اس کے شوق جور وستم کے باعث نہیں بلکہ اس کا اپنی طاقت کا امتحان کرنا ہے (زور حسن کو آزمانا ہے) ۔

چوں نمیرد قاصد اندر رہ کہ رشکم بر نتافت
از زبانت نکتہ ہاے دل نواز آوردنش

میرے رشک کو یہ گوارا نہ ہوا کہ قاصد میرے معشوق کی زبان سے دلنواز نکتے سنے اور انھیں بطور جواب کے لا کر مجھے سنائے اس لیے قاصد رہ ہی میں کیوں نہ مر جائے ۔

مفتِ یارانِ وطن کز سادگی ہاے من است
در غریبی مردن و از جور باز آوردنش

لغت : ''غریبی'' = پردیس ، غربت ۔

میرا غربت میں جان دینا اور اس طرح محبوب کو جور و ستم سے باز رکھنا میری سادگی کی وجہ سے تھا ۔ اب میری ان سادگیوں سے میرے یاران وطن کو اچھے مواقع نصیب ہونگے اب وہ جو چاہیں کریں ۔

بے زبانی ہاے غالب را چہ آسان دیدۂ
اے تو نا سنجیدہ تابِ ضبطِ راز آوردنش

تو نے غالب کی حالت بے زبانی (خموشی) کو کتنا آسان سمجھ لیا ہے ۔ اُسے ضبط راز کی تاب لانے میں کیا کچھ کرنا پڑا اس کا تجھے کوئی اندازہ نہیں ۔

غزل نمبر ۳

مپرس حالِ اسیری که در خمِ ہوسش
بقدرِ کسب ہوا نیست روزن قفسش

ہماری اسیری کا حال مت پوچھ کہ اس کی ہوس کے پیچ و خم کے قفس میں کوئی ایسا روزن بھی نہیں جہاں سے سانس لینے کے برابر ہوا آ جا سکے۔

اسیری میں رہنے کا شوق تو بے حد ہے لیکن اس اسیری میں زندہ رہنے کا ساز و سامان بھی نہیں۔

ع گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

بعوضِ شہرتِ خویش احتیاجِ ما دارد
چوں شعلۂ کہ نیاز اوفتد بخار و خسش

اسے اپنی شہرت کے لیے ہماری ضرورت ہے، ایک شعلے کی طرح جو خود بھڑکنے کے لیے معمولی تنکوں کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ خیال کہ حسن ازلی نے اپنی جلوہ فرمائی کے لیے اس کائنات کو بنایا، ہزار طرح سے شعر میں باندھا گیا ہے لیکن مرزا غالب نے شعلہ و خس کا استعارہ استعمال کرکے اس میں فکر کی ندرت اور بیان کی جدت کا ثبوت دیا ہے۔ یہ شعر محاکاتی جذبات نگاری (Imagery) کی عمدہ مثال ہے۔

صفا نہ یافتہ قلب از غش و مرا عمرے است
کہ غوطہ می دہم اندر گدازِ ہر نفسش

لغت: ''غش'' = آلودگی ۔ ۔ ۔ آلائش۔

ایک عمر گزر گئی کہ میں اپنے ہر سانس کو گداز کر کے اُس میں اپنے دل کو غوط دے کر اُسے مادی آلائشوں سے پاک کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن ابھی تک کامیاب نہیں ہوا ۔

غالب کا یہ اُردو شعر دیکھیے :

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

زیاس گشتہ سگ نفس در تلاش دلیر
مگر ز رشتۂ طول امل کنم مرسش

لغت : ''مرس'' دراصل مرسہ کی جمع ہے ۔ مرسہ رسی کو کہتے ہیں ۔ یہاں مرس کو واحد باندھا گیا ہے ۔ ۔ ۔ ''طول امل'' = لمبی امیدیں ۔

ہمارا سگ نفس خواہشات کو پورا کرتے کرتے مایوس ہو گیا ہے اور اس مایوسی نے اُس کی تلاش و جستجو یعنی حرص کو زیادہ تیز کر دیا ہے ۔ اس کی روک تھام کے لیے اُس کی لمبی امیدوں ہی کی رسی سے اُسے باندھ لینا چاہیئے ۔

ز رنگ و بوے گل و غنچہ در نظر دارم
غبار قافلۂ عمر و نالۂ جرسش

جب میں گل و غنچہ کے رنگ و بو پر نظر ڈالتا ہوں تو کاروان حیات اور اس کے نالۂ جرس کا منظر میرے سامنے آ جاتا ہے ۔

مرا بہ غیر ز یک جنس در شمار آورد
فغاں کہ نیست ز پروانہ فرق تامگسش

میرا محبوب مجھے اور رقیب کو ایک ہی جنس میں شمار کرتا ہے افسوس اس کی نظر میں پروانے اور مکھی میں کوئی فرق نہیں۔ شاعر نے رقیب کے لیے مکھی کا لفظ استعمال کیا ہے اور اپنے لیے پروانے کا۔

جگرز گرمی ایں جرعہ تشنہ تر گردید
فغاں ز طرز فریب نگاہ نیم رسش

لغت: ''نگاہ نیم رس'' = وہ نگاہ جو زیادہ دور نہیں جاتی۔

شاعر، معشوق کی نیم رس نگاہ کو ایک قطرۂ شراب سے تشبیہ دیتا ہے جس کے پینے سے جگر کی تشنگی اور بھی تیز ہو جاتی ہے۔

اک عمر کے پیاسے کے لیے ایک ہی ساغر
ساقی یہ تری تنگ دلی یاد رہے گی — یاس یگانہ

خوشم کہ دوست خود آنمایہ بے وفا باشد
کہ در گماں نہ سگالم امید گاہ کسش

لغت: ''سگالیدن'' = خیال کرنا۔ سوچنا۔

میں خوش ہوں کہ دوست کو اتنا بے وفا ہونا چاہیے کہ مجھے اتنا گمان بھی ہو کہ کسی نے اسے (محبوب کی ذات کو) اپنی امید گاہ بنایا ہوا ہے۔

یعنی کسی کو اس سے امیدیں وابستہ کرنے کا حوصلہ ہو میں

اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور یہی محبوب کے بے وفا ہونے
کا خوش آیند پہلو ہے ۔

بہار پیشہ جوانے کہ غالبش نامند
کنوں بہ بیں کہ چہ خوں می چکد ز ہر نفسش

مرزا غالب نے اپنے لیے ''بہار پیشہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے ۔
یعنی بہاروں میں کھیلنے والا ۔ باغ و بہار آدمی ۔

وہ باغ و بہار آدمی جسے لوگ غالب کہتے ہیں ، آج اس کی حالت
دیکھو کہ اس کے ہر سانس سے خون ٹپک رہا ہے ۔ یعنی وہ انتہائی
المناک حالت میں ہے ۔

غزل نمبر ۴

خوشا حالم ، تن آتش بستر آتش
سپندی کو کہ افشانم بر آتش

لغت : ''سپند'' = ہرمل ۔ جسے نظر بد سے بچنے کے لیے آگ
میں جلایا جاتا ہے ۔

سبحان اللہ ! کیا خوش نصیبی ہے ۔ تن سرا سر آگ ، بستر
سرتاپا آگ ہے ۔ ہرمل کہاں ہے کہ آگ میں جلاؤں (اور اپنے آپ
کو نظر بد سے بچاؤں) ۔

یہاں آگ سے مراد الگ آگ نہیں یہی شاعر کا جلتا ہوا تن
بدن اور بستر ۔

ز رشک سینۂ گرمے کہ دارم
کشد از شعلہ بر خود خنجر آتش

میرے تپتے ہوئے سینے کی گرمی کو دیکھ کر آگ کو مجھ پر رشک آ رہا ہے اور وہ اپنے ابھرتے ہوئے شعلے کو جو خنجر کی طرح ہے اپنے سینے میں گھونپ رہی ہے ۔ (گویا آگ سے جو شعلہ ابھر رہا ہے وہ ایک خنجر ہے جو آگ کے سینے میں ڈوبا ہوا ہے) ۔

بہ خلد از سردیٔ ہنگامہ خواہم
بر افروزم بگردِ کوثر آتش

جنت میں دنیا کے ہنگاموں کی سی گرم بازاری نہیں ہوگی ۔ ایک سرد مہری کا عالم ہوگا چنانچہ شاعر اس پر طنز کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خلد کی بے کیف فضا دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ کوثر کے ارد گرد کچھ آگ جلائی جائے ۔ تا کہ زندگی کی گرمی کا کچھ سماں نظر آئے ۔

خنک شوقے کہ در دوزخ بغلتد
مے آتش ، شیشہ آتش ، ساغر آتش

دلے دارم کہ در ہنگامۂ شوق
سرشتش دوزخست و گوہر آتش

لغت : ''سرشت'' = طینت ۔ ۔ ۔ ''گوہر'' = اصل

مجھے اللہ نے وہ دل دیا ہے کہ عالم شوق میں اس کی طبیعت

دوزخ کی طرح ہوتی ہے اور اس کی اصل آگ ہے ۔

بسانِ موج می بالم بطوفاں
برنگ شعلہ می رقصم در آتش

میں لہر کی طرح طوفان میں پھلتا پھولتا ہوں اور شعلے کی طرح آگ میں رقصاں ہوتا ہوں ۔

بداں ماند ز شاہد دعوی مہر
کہ ریزد از دمِ افسوں گر آتش

معشوق کی زبان سے محبت کا دعویٰ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی سحر پھونکنے والے کے منہ سے آگ برس رہی ہو (جو مصنوعی اور نظر کو دھوکا دینے کے لیے ہوتی ہے)

دلم را داغ سوز رشک مپسند
مزن یارب بجانِ کافر آتش

اے خدا کسی کافر کو دوزخ کی آگ میں مت ڈال کیونکہ مجھے اسے اس عالم میں دیکھ کر اس پر رشک آئے گا اور میں رشک کی آگ میں جلوں گا ۔ مراد یہ ہے کہ میں تو عمر بھر غموں کی آگ میں جلتا رہا اور اس سے لذت اندوز ہوتا رہا اب یہ لذت کسی اور کو کیوں نصیب ہو ۔

چہار است آں کہ ہر یک را ازاں چار
بود از ناخوشی آبشخور آتش

قمر در عقرب و غالب بہ دہلی
سمندر در شطہ ماہی در آتش

یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں ۔

چار چیزیں ہیں جن میں سے ہر ایک کو صحبت ناساز گر سے دکھ ہوتا ہے ۔ قمر کو عقرب میں ، غالب کو دہلی میں ، سمندر (آگ میں رہنے والا کیڑا) کو دریا میں اور مچھلی کو آگ میں ۔

غزل نمبر ۵

مرزا غالب نے اس غزل کے بیشتر شعروں میں اس کائنات کے بارے ایک خاص زاویہ نظر پیش کیا ہے کہ یہ سب کچھ جو ہمیں نظر آ رہا ہے اس کا وجود خارجی کوئی نہیں ، یہ انسانی ذہن ہی کی تخلیق ہے ۔ یہ ایک سیمیا ہے ۔ ایک طلسم ہے جو انسانی وہم نے باندھ رکھا ہے خاکسار نے اس غزل کے بعض شعروں کو اردو میں نظم کیا ہے ۔ مناسب مواقع پر انہیں درج کر دیا جائے گا ۔

دود سودائے تتُق بست ، آسمان نامیدمش
دیدہ بر خواب پریشان زد ، جہان نامیدمش

لغت : ''تتق'' = تتق بست

خیال خام کا ایک دھواں سا ہمارے سر پر چھا گیا ، میں نے اُس کا نام آسماں رکھ دیا ۔ آنکھوں نے ایک پریشان خواب دیکھا اور میں نے اُس جہان کہہ دیا ۔

دود افسون نظر تھا ، آسماں کہنا پڑا
اک پریشاں خواب دیکھا اور جہاں کہنا پڑا (تبسم)

وہم خاکے ریخت در چشمم بیاباں دید مش
قطرۂ بگداخت ، بحر بیکراں نامید مش

وہم نے میری آنکھوں میں خاک ڈال دی اور وہ مجھے بیاباں بن کر نظر آئی ۔ ایک قطرہ تھا جو پگھل کر رہ گیا میں نے اُسے بحر بیکراں کا نام دیا ۔

تھا غبار وہم وہ ، میں نے بیاباں کہہ دیا
تھا گداز قطرہ ، بحر بیکراں کہنا پڑا (تبسم)

باد دامن زد بر آتش نوبہاراں خواند مش
داغ گشت آں شعلہ ، از مستی خزاں نامیدمش

ہوا نے آگ کو بھڑکایا میں نے اسے بہار کہہ دیا ۔ اسی آگ کے شعلے جل کر جب داغ بن کر رہ گئے تو میں نے اُسے خزاں کا نام دیا ۔

آگ بھڑکائی ہوا نے ، میں اُسے سمجھا بہار
شعلہ بن کر داغ جب اُبھرا خزاں کہنا پڑا (تبسم)

قطرۂ خونے گرہ گردید ، دل دانستمش
موج زہرابے بطوفاں زد زباں نامیدمش

لغت : ''گرہ گردید'' = بیچ و تاب کھا کر گرہ بن گیا ۔

ایک قطرۂ خوں تھا بل کھا کر گرہ بن گیا اور میں نے اُسے دل سمجھ لیا ۔ ایک زہراب کی لہر تھی ۔ اس میں تلاطم برپا ہوا (جوش آیا) میں نے اُسے زباں کہہ دیا ۔

قطرۂ خوں کا تھا پیچ و تاب ، دل جانا اُسے
لہر تھی زہراب غم کی اور زباں کہنا پڑا (تبسم)

یعنی دل کیا ہے ایک قطرۂ خوں ہے جو تڑپ کر ، پیچ و تاب کھا کر ، گرہ بن کر رہ گیا ہے ۔ انسانی زباں کیا ہے ، انسان کے قلب سے غم کی ایک لہر اُٹھی ہوئی ہے ۔

غربتم ناساز گار آمد وطن فہمیدمش
کرد تنگی حلقۂ دام ، آشیاں نامیدمش

پردیس مجھے راس نہ آیا ناچار میں نے اُسے وطن سمجھ لیا ۔ حلقۂ دام ، تنگ نکلا میں نے اُسے آشیاں کہہ دیا ۔

صوفیہ کے نزدیک یہ زندگی ایک سفر کی سی ہے جہاں انسان بھولے سے آکر اس پردیس ہی کو دیس بنا کر بیٹھ گیا ہے اور اس غربت سے اُبھرنا نہیں چاہتا ۔

حافظ کہتا ہے :

ترا ز کنگرۂ عرش می زنند صفیر
ندانمت کہ دریں دامگہہ چہ افتاداست

ناموافق تھی بہت غربت وطن کہتے بنی
تنگ نکلا حلقۂ دام آشیاں کہنا پڑا (تبسم)

بود در پہلو بہ تمکینی کہ دل می گفتمش
رفت از شوخی بہ آئینی کہ جاں نامیدمش

وہ ہمارے پہلو میں اس شان سے بیٹھا تھا کہ میں نے اسے دل کہا - وہ اس انداز سے اٹھ کر گیا کہ اسے جاں کہنا پڑا -

یعنی معشوق آغوش میں تھا تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ پہلو میں دل حرکت کر رہا ہے - ہم سے اس طرح وہ جدا ہوا جیسے جاں بدن سے نکل جاتی ہے (دوسرا مصرعہ اس بے بسی کے عالم اور بے جاں سی زندگی کی تصویر ہے) -

اس طرح پہلو میں آ بیٹھا کہ جیسے دل تھا وہ
اس روش سے وہ گیا اٹھ کر کہ جاں کہنا پڑا (تبسم)

ہرچہ ازجاں کاست درمستی بسود افزودمش
ہرچہ بامن ماند از ہستی زیاں نامیدمش

مستی (شوق) کے عالم میں جو کچھ زندگی (مال) میں کمی واقع ہوئی میں نے اسے نفع میں شمار کیا اور میری ہستی میں سے جو کچھ بچ رہا اسے نقصان سمجھ لیا - یعنی زندگی کے وہی لمحات تھے جو عالم مستی اور ذوق و شوق میں گزر گئے - بقیہ زندگی تو گویا زندگی ہی نہیں تھی -

کٹ گئی جو عمر مستی میں وہی تھا سود زیست
بچ رہا جو کچھ بھی مستی میں زیاں کہنا پڑا (تبسم)

یہ زندگی زندگی نہ سمجھو کہ زندگی سے مراد ہیں بس
وہ عمر رفتہ کی چند گھڑیاں جو اُن کی صحبت میں کٹ گئی ہیں

تا ز من بگسست عمرے خوشدلش پنداشتم
چوں بمن پیوست لختے بدگماں نامیدمش

جب تک وہ مجھ سے ایک طویل عرصے کے لیے الگ ہو کر رہا میں اُسے ایک خوش ذوق انسان سمجھتا رہا ۔ جب وہ تھوڑی مدت کے لیے مجھ سے آملا تو میں نے اُسے بد گماں کا لقب دیا ۔

او بہ فکر کشتنِ من بود ، آہ از من کہ من
لاابالی خواندمش ، نا مہرباں نامیدمش

وہ میرے مارنے کی فکر میں تھا ۔ کتنی افسوس کی بات ہے کہ میں اُسے لاابالی کہتا رہا اور نا مہرباں کے نام سے پکارتا رہا ۔

تا نہم بروے سپاس خدمتے از خویشتن
بود صاحب خانہ اما میہماں نامیدمش

وہ صاحب خانہ تھا اور میں اُسے میہماں کہتا رہا تا کہ میں اُس کی خدمت کرکے اُس پر کوئی احسان دھر سکوں ۔

تھا مجھے منظور اُسے مرہون منت دیکھنا
تھا وہ صاحب خانہ لیکن میہماں کہنا پڑا (تبسم)

دل زباں را راز دان آشنائی ها نخواست
گاہ ہمان گفتمش ، گاہے فلاں نامیدمش

میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ میری زباں محبت اور دوستی کی راز داں ہو اس لیے میں نے جب بھی محبوب کا تذکرہ آیا میں نے اُسے کبھی فلاں ، کبھی فلاں ۔ یعنی اصلی نام کو حذف کر دیا ۔

غالب کے دو شعر اس طرز کے یاد آگئے :

چوں بہ قاصد بسپرم پیغام را
رشک نگذارد کہ گویم نام را

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو ہے

ہم نگہ جاں می ستاند ، ہم تغافل می کشد
آں دمِ شمشیر و ایں پشت کماں نامیدمش

اُس کا التفات (محبت بھری نگہ) بھی جاں ستاں ہے اور اُس کا تغافل بھی مار ڈالتا ہے ۔ اُس کی توجہ تلوار کی دھار ہے اور اس کی بظاہر بے التفاتی پشت کمان کی طرح ہے کہ جس سے تیر نکل کر زخم لگاتا ہے ۔

در سلوک از ہرچہ پیش آمد گزشتن داشتم
کعبہ دیدم ، نقش پائے رہرواں نامیدمش

راہ سلوک میں جو کچھ راستے میں آیا اُسے نظر انداز کر کے

آگے نکل گیا ۔ کعبے کو دیکھا تو اسے رہروان راہ سلوک کا نقش پا کہہ دیا ۔

کعبے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

یوں طریقت میں ہر اک شے سے نظر آگے پڑی
کعبے کو بھی نقش پائے رہروان کہنا پڑا (تبسم)

بر امید شیوۂ صبر آزمائی زیستم
تو بریدی از من و من امتحان نامیدمش

میں اس امید پر جیتا تھا کہ تیرا جور و ستم کا شیوہ میری طاقت صبر کو آزمانے کے لیے ہے ۔ تو مجھ پر ستم ڈھاتا رہے گا اور میں زندہ رہوں گا ۔ لیکن تو مجھے چھوڑ کر چلا گیا ۔ اور میں نے اس ترے چلے جانے کو امتحان قرار دیا ۔

شیوۂ صبر آزمائی پر ترے جیتا تھا میں
یوں تری فرقت کو اپنا امتحان کہنا پڑا (تبسم)

بود غالب عندلیبے از گلستانِ عجم
من ز غفلت طوطیِ ہندوستان نامیدمش

غالب تو گلستان ایران کی ایک بلبل تھا میں نے غفلت میں اسے طوطی ہندوستان کہہ دیا ۔

غزل نمبر ۶

زِ لکنت می تپد نبضِ رگِ لعلِ گہر بارش
شہید انتظارِ جلوۂ خویش است گفتارش

لغت: ''لعل'' = سرخ لب - - - ''لعل گہر بار'' = ''لب جو باتیں کرتے ہوئے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اُن سے موتی ٹپک رہے ہیں -

لکنت کے باعث معشوق رک رک کے باتیں کرتا ہے - یہ رک رک کے باتیں کرنے کا انداز بہت پیارا ہے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے معشوق ایک بات جو اُس کے لبوں سے ٹپکی ہے ، دوسری بات کا انتظار کر رہی ہے اور اس پر جان نثار کرنا چاہتی ہے - معشوق کا باتیں کرنے کا انداز پیارا ہے لیکن لکنت کے باعث اس میں اور دلآویزی آ گئی ہے دوسرے تو اس کی باتوں پر فریفتہ ہیں خود اس کا اپنا حسین انداز گفتار اپنے پر فریفتہ ہو رہا ہے -

ادائے لاابالی شیوہ مستے در نظر دارم
سرِ پُر شورم از آشفتگی ماند بدستارش

لغت: ''لاآبالی شیوہ'' = بے پروا - - - ''سر پُر شور'' = وہ سر جس میں جنون عشق سمایا ہوا ہو - - - ''آشفتگی' = پریشانی -

مستی کے عالم میں بدمست اور بے پروا انسان کو اپنے سر پیر کا ہوش نہیں ہوتا اور اگر سر پر دستار ہو تو جگہ سے ہل جاتی ہے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ بھی نشے میں لہرا رہی ہے -

کہتا ہے :- ایک بے پروا مست (ناز) کی ادائیں میری چشم تصور میں ہیں اور اس سے میرا سر پُر شور اُس کی دستار کی طرح درہم برہم نظر آ رہا ہے -

ندانم راز دار کیست دل ، کز ناشکیبائی
کشم تا یک نفس، لرزد بخود صدره ز ہنجارش

لغت : ''ہنجار'' = راستہ ' طریق ۔

معلوم نہیں میرا دل کس کے راز محبت کو چھپائے ہوئے بیٹھا ہے کہ بے صبری کے عالم میں جب کوئی ایک سانس لینے لگتا ہوں تو وہ دل سو بار لرز کر رہ جاتا ہے ۔ یعنی دل کو یہ ڈر لگتا ہے کہ ، کہیں سانس میں راز ہی بیان نہ ہو جائے ۔

بدیں سوزم رواجے نیست ، ہے فرہاد را نازم
کہ از تاب شرار تیشۂ گرم است بازارش

میرے سوز عشق کا یہاں کوئی چرچا (رواج) نہیں ۔ فرہاد کے کمال کو تسلیم کرنا پڑے گا جس کے تیشۂ گرم کی شرر ریزیوں سے اس کی شہرت کا بازار گرم ہے ۔

چو بینم زلفِ خم درخم بعارض ہشتہ ، گویم
کہ اینک حلقہ درگوش کمند عنبریں تارش

لغت : ''حلقۂ درگوش'' پرانے زمانے میں زرخرید غلام کے کانوں کو چھید کر اس میں حلقہ ڈال دیتے تھے جو اس کی غلامی کی نشانی ہوتی ۔ ''بعارض ہشتہ'' = گالوں پر لٹکتی ہوئی ۔

جب میں کسی حسینہ کی بل کھائی ہوئی زلف اس کے رخسار پر لہراتی ہوئی دیکھتا ہوں تو بول اٹھتا ہوں یہ دیکھو ایک حلقہ بگوش (غلام) کس طرح عنبریں (سیاہ) تار والی کمند میں پھنسا

ہوا ہے۔

زہم پاشیدن گل افگند در تاب بلبل را
اگر خود پارہ ہاے دل فروریزد ز منقارش

لغت: ''زہم پاشیدن گل'' = پھول کی پتیوں کا بکھر جانا۔ ٹوٹ کر درہم برہم ہونا۔۔۔ ''اگر'' یہاں اگرچہ، خواہ کا مفہوم دیتا ہے۔

پھول کی پتیاں ٹوٹ کر بکھر جائیں تو بلبل کا دل پیچ و تاب کھانے لگتا ہے خواہ اس کی اپنی منقار سے دل کے ٹکڑے کیوں نہ ٹپکیں۔ بلبل کی فریاد درد ناک کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی اپنی فریاد میں اس کا اپنا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر رہا ہے لیکن وہ پھول کی پتیوں کو ذرا سی ٹھیس لگنے گوارا نہیں کرتی۔

بتی دارم کہ گوئی گر بروے سبزہ بخرامد
زمیں چوں طوطیِ بسمل تپد از ذوق رفتارش

میرا وہ معشوق ہے کہ اگر وہ سبزہ زار پر محو خرام ہو تو زمیں اس کے حسن خرام کی لذت سے سرشار ہو کر طوطی بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔

بدا، گر دوست زندان مرا تاریک بگذارد
بدیں حسنے کہ در گیرد چراغ از تاب رخسارش

لغت: ''بدا'' میں الف چہ قدر، کتنا کے معنے دیتا ہے جیسے

خوشامیں ۔

میری کتنی بدنصیبی کہ مرا دوست میرے زنداں کو اتنا تاریک چھوڑ دے جب کہ اُس کے حسن کا یہ عالم ہے کہ اُس کے روے درخشاں کی بھڑک سے چراغ جل اُٹھتے ہیں ۔ یعنی محبوب کا حسن تو ہر شے کو نور بخشے اور میں بدنصیب غم کی تاریکیوں میں پڑا رہوں ۔

بنائے خانہ ام ذوقِ خرابی داشت پنداری
کز آمدآمدِ سیلاب، در رقص است دیوارش

لغت : ''پنداری'' = تو خیال کرے ، معلوم ہوتا ہے ، گویا ۔

سیلاب کی آمد آمد سے میرے گھر کی دیواریں رقص کرنے لگی ہیں یوں لگتا ہے جیسے میرے گھر کی بنیاد ہی میں تباہی اور بربادی کی لذت سمائی ہوئی ہے ۔

غمم افگند در دشتے کہ خورشید درخشاں را
گدازد زہرہ وقتِ جذب شبنم از سرِ خارش

مرزا غالب نے اپنے غم کے درد و کرب کو طرح طرح سے باندھا ہے ۔ یہ شعر بھی اس کے طرز فکر کی ندرت اور اسلوب بیان کی جدت کا نمونہ ہے کہتا ہے ۔ کہ غم نے مجھے ایک ایسے بیابان میں لا ڈالا ہے کہ جہاں کانٹوں کی نوک سے شبنم کے قطروں کی نمی کو جذب کرتے ہوئے خورشید درخشاں کا زہرہ (پتا) پانی ہو جاتا ہے ۔

شبنم میں تازگی ہوتی ہے لیکن بیاباں کی گرمی کا یہ عالم ہے کہ سورج کی شعاعیں شبنم پر پڑنے سے پگھل جاتی ہیں ۔

وکالت کرد خواہم روز محشر کشتگانش را
نباشد تا درآں ہنگامہ جز بامن سروکارش

میں قیامت کے روز، اپنے معشوق کے کشتگانِ عشق کی وکالت کروں گا تاکہ ہنگامۂ محشر میں اسے میرے سوا کسی اور سے سروکار نہ ہو۔

نہ از مہر است کز غالب بمردن نیستی راضی
سرت گردم تو میدانی کہ مردن نیست دشوارش

معشوق سے مخاطب ہو کر کہتا ہے، اگر تو غالب کے مرنے پر راضی نہیں تو یہ بات تیرے لطف و کرم کی وجہ سے نہیں، تیرے قربان جاؤں تو جانتا ہے کہ غالب کا مرنا کوئی دشوار کام نہیں۔ (ایسے کو مارنا کیا)۔

غزل نمبر ۷

بیا بباغ و نقابِ از رخ چمن برکش
دل عدو نہ اگر خوں شود در آذر کش

باغ میں آ اور چمن کے چہرے سے نقاب اٹھا دے۔ اگر دشمن (رقیب) کا دل خوں ہو کر نہ رہ جائے تو اسے آگ میں ڈال دے۔

بیا و منظر بامِ فلک نشیمن ساز
بیا و شاہد کام دو کون در بر کش

لغت : ''منظر'' = نظارہ کرنے کی جگہ ۔ دریچہ ۔ ۔ ۔ ''کام'' = خواہش ، مقصود ، حصول مقصد ۔

آ اور بامِ فلک کے دریچے میں بیٹھ جا ، آ اور دونوں جہان کے شاہد مقصود کو آغوش میں لے لے ۔

سمن بجیب غنا از نوائے مطرب ریز
تتق بروے ہوا از بخور مجمر کش

لغت : ''غنا'' = موسیقی ، نغمہ ، کیف نغمہ ۔
''مجمر'' = انگیٹھی ۔ ''بخور'' = خوشبو جو کمرے کو مہکانے کے لیے آگ میں جلا کر پیدا ہوتی ہے ۔ ''جیب'' = گریبان ۔

آ کہ تیرے آنے سے مطرب کی آواز سے گریبانِ نغمہ سمن زار بن جائے اور بخور کی معطر خوشبو ہوا میں شامیانے کی طرح سروں پر لہرانے لگے ۔

نسیم طرزِ خرامِ تو در نظر دارد
تو طیلسانِ روش را طراز دیگر کش

لغت : ''طیلسان'' = چادر ۔
''روش'' = رفتار ۔ ۔ ۔ طراز آرائش = بیل بوٹے جو زیبائش کے لیے کپڑے پر بنائے جاتے ہیں ۔

نسیم کے خرام میں تیرا انداز خرام ہے تو اپنی چادر رفتار نیا

رنگ آرائش دے کر سنوار یعنی نسیم تیرے خرام ناز کی نقل کرتی ہے تو اپنے انداز خرام میں کوئی نیا اور نرالا حسن پیدا کر۔

هزار آئنهٔ ناز در مقابل نه
هزار نقشِ دل افروز در برابر کش

ناز و انداز کے طرح طرح کے آئینے سامنے رکھ (تزئین حسن کر) اور ہزاروں دلکش رعنائیوں کے تصور کو سامنے لا کر اور سنور کر جلوہ افروز ہو۔

اگر به باده گرائی قدح ز نرگس خواه
وگر به، سبحه ز شبنم برشته گوهر کش

اگر تیری طبع شراب کی طرف مائل ہو تو نرگس سے جام طلب کر (یعنی گل نرگس کو جام بنا لے) اور تسبیح کی طرف رغبت ہو تو شبنم کے قطروں کے موتی دھاگے میں پرولے۔

"ز شبنم برشته گوہر کش" کی نثریوں ہوگی "گوہر شبنم به رشته کش" یعنی شبنم سے پہلے حرف "ز" اضافت کے لیے آیا ہے۔

به لاله گو که هاں بسدیں قدح درده
به مرغ گوی که ہیں خسروی نوا برکش

لغت: "بسد" مرجان = بسدیں مرجان کا۔

"خسروی" ایک سُر کا نام ہے۔

"ہاں اور ہیں" دونوں حروف تاکید اور زور کے لیے ہیں۔

گلِ لالہ سے کہہ کہ وہ مرجان کا پیالہ پیش کرے اور مرغِ نغمہ سرا کو حکم دے کہ وہ خسروی نوا چھیڑے۔ لالہ کا رنگ سرخ ہوتا ہے اس لیے مرجان بُسّد کے پیالے سے مقصود خود لالہ ہی ہے۔

بدان ترانہ کہ ممنوع نیست مستی کن
ازآں شراب کہ نبود حرام ساغر کش

اس نغمے (راگ) سے جو (شرع میں) ممنوع نہیں ہے، کیف اندوز ہو اور اس شراب کے جام بھر بھر کے پی جو حرام نہیں۔

مذاق مشرب فقرِ محمدی داری
مےِ مشاہدۂ حق نیوش و دم در کش

لغت: ''مشرب'' = مسلک، طریق۔ چونکہ دوسرے مصرعے میں مے کا ذکر آیا ہے اس لیے مسلک کی جگہ مشرب بہت موزوں ہے۔

تجھے فقرِ محمدی کا ذوق ہے تو مشاہدۂ حق کی شراب نوش کر اور خاموش ہو جا۔

ز سرفرازی بختِ جوان بخویش ببال
بروے چرخ ز طرف کلاہ خنجر کش

اپنے بخت جواں کی سر بلندی پر نازاں ہو اور اپنی کلاہِ پرُ شکوہ کے کنارے سے (جو خنجر کی طرح تیز ہے) چرخ کے سینے میں چھری گھونپ دے۔ یعنی اپنی کلاہ پرُ شکوہ سے چرخ بلند افرازی مات کر دے۔

نشاط ورز و گہر پاش و شادمانی کن
جہاں ستان و قلمرو کشا ، و لشکر کش

عیش و نشاط سے سرفراز ہو ، گہر پاشی کر اور خوش ہو ۔
دنیا کو فتح کر ، سلطنت کو وسیع کر اور لشکر کشی کر ۔

ترا کہ گفت کہ منت کشی ز چرخ کبود
بہ قہر ، کام دلِ خویشتن ز اختر کش

تجھ سے کس نے کہا کہ تو نیلگوں آسماں کا احسان آٹھا ، تحکمانہ
انداز میں ستاروں کو حکم دے کہ وہ تیری خواہشیں پوری کریں ۔

ز نقشِ بندگی خویش در خرد مندی
رقم بہ ناصیۂ والیِ دو پیکر کش

لغت : ''دو پیکر'' = جوزا ۔ برج جوزا ۔

ز فرِ فرخیِ بخت در جہانداری
علم بسر حد فرماں روائے خاور کش

اپنے بخت ہمایوں کی شان و شوکت اور دبدبے کے بل پر جو
تجھے سلطانیِ جہاں کی بدولت حاصل ہے اپنے علم بلند کو شہِ مشرق
کے حدود حکومت تک بلند کر ۔ یعنی تیرا مرتبہ بلند تو آفتاب
(فرماں روائے خاور) پر غالب ہے ۔

سپس به تیغ توخونم ہدر کہ خواہم گفت
بگیر غالب دلخستہ را و در بر کش

میرا خون تجھ پر حلال کہ اِس کے بعد کہوں گا کہ غالب دلخستہ کو اُٹھا کر اپنے گلے سے لگا لے -

غزل نمبر ۸

من و نظّارۂ روے کہ وقت جلوہ از تابش
ہمی بر خویشتن لرزد پسِ آئینہ سیمابش

لغت : ''سیماب'' = پارہ جس کا ایک لیپ شیشے کے پیچھے چڑھا ہوتا ہے -

میں ہوں اور ایک ایسے حسن کا نظارہ ہے کہ جب وہ حسن جلوہ آرا ہوتا ہے تو اُس کی تب و تاب سے آئینہ کے پیچھے کا سیماب بے تاب ہو کر لرزنے لگتا ہے - پارہ لرزتا رہتا ہے اُس کی لرزش کی شاعر نے ایک حسین توجیہہ کی ہے - اس صنعت کو ''حسن تعلیل'' کہتے ہیں -

بذوقِ بادہ ، داغِ آں حریفِ دوزخ آشامم
کہ ہرجا بنگرد آتش بگردد در دہن آبش

لغت : ''حریف'' = مقابل اور موافق دونوں کے لیے آتا ہے - حریف ہم پیشہ کو کہتے ہیں جو دوست بھی ہو سکتا ہے اور دشمن بھی -

یہاں حریف سے مراد ''سے نوش'' ہے۔

''آشامیدن'' = پینا۔ ''دوزخ آشام'' = وہ شخص جو دوزخ پی جائے۔ شراب کو آتشِ سیال کہتے ہیں رندِ بلا نوش کو دوزخ آشام کہا ہے اور ایسے حریف پر غالب کو رشک آ رہا ہے جو صرف آتشِ سیال ہی نہیں بلکہ دوزخ ہی نگل جانے والا ہے۔ ''داغِ آں حریف'' = اُس حریف کے ہاتھوں جلا ہوا۔ اُس کو دیکھ کر رشک سے جلنے والا۔

''در دہن آب بگردد'' = منہ میں پانی بھر آتا ہے۔

''بذوق بادہ'' میں پہلی ب قسمیہ ہے یعنی ذوقِ مے یا ذوق مینوشی کی قسم۔

مجھے اپنے ذوقِ مے نوشی کی قسم کہ مجھے اپنے اس حریفِ بلانوش پر رشک آتا ہے کہ جہاں کہیں آگ دیکھتا ہے تو اس کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ چاہتا ہے کہ اس آگ کو پی جاؤں کیوں کہ اس میں شراب کی جھلک پائی جاتی ہے کہ وہ آتشیں ہے۔

زلیخا چہرہ بایعقوب شد نازم محبت را
ببوے پیرہن ماند قماش پردۂ خوابش

لغت: ''چہرہ باکسے شدن'' = مقابل ہونا۔۔۔ قماش۔ = انداز

میں محبت (کی کارفرمائیوں پہ) پہ نازاں ہوں کہ اس کی بدولت زلیخا بھی حضرت یعقوب کی حریف بن گئی۔ اُس کی خواب گاہ کے پردے میں وہی انداز پایا جاتا ہے جو یوسف کی بوے پیرہن میں تھا (جس سے حضرت یعقوب کی نابینا آنکھوں میں بینائی آ گئی تھی۔)

به گیتی ترکِ ذوق کامجوئی مشکل است اما
نویدِ خرمی آں را که گیرد دل ز اسبابش

لغت : ''گیرد دل زاسبابش'' = دل آو از اسباب (اسباب دنیا) گیرد یعنی جس کا دل مادی دنیا کے سازو سامان سے بے نیاز ہو جائے۔

''ذوقِ کامجوئی'' = خواہشات کے پورا کرنے کا شوق۔

دنیا میں خواہشات مادی کے پورا کرنے کے شوق کو ترک کرنا مشکل کام ہے۔ وہ شخص (جواں ہمت اور خوش بخت) قابل ستائش ہے جو دنیاوی اسباب زندگی سے دل برداشتہ ہو جائے۔

به فیضِ شرع بر نفس مزوّر یافتم دستے
چوآں دزدے که گیرد شحنه ناگهاں به مهتابش

لغت : ''نفس مزوّر'' (زور سے) نفسِ فریب کار۔ گمراہ کرنے والا نفس ۔۔۔ ''شحنه'' = کوتوال ۔۔۔ ''مہتاب'' = چاندنی۔

فیض شرع کی بدولت میں نے اپنے نفس حیوانی پر قابو پالیا۔ میرے اس نفس کی حالت اس چور کی طرح ہے جسے کوتوال چاندنی رات میں اچانک پکڑ لیتا ہے۔

چاندنی سے مقصود یہاں نور ہدایت شرع ہے۔

به مستی چتر بستن ہائے طاؤس است، پنداری
نشستِ ساقی و انگیز مینائے مے نابش

لغت : ''انگیز'' = انگیخت ،جوش۔

''چتربستن طاؤس'' = مور کا اپنی دم چتر بنا کر رقص کرنا۔

ساقی کا بڑے ناز و تمکنت سے بیٹھنے کا انداز اور اُس کی شراب کے نشے کا جوش ایسا ہے جیسے مور چھل بنا کر مستی میں ناچ رہا ہو - نئی تشبیہ ہے -

خرابی چو پدید آمد بطاعت داد تن زاہد
خمیدن ہاے دیوار سرا گردید محرابش

جب زاہد کو اپنی زندگی میں بربادی اور تباہی کی صورت نظر آئی تو اُس نے بندگی اور اطاعت کا شیوہ اختیار کر لیا گویا اس کے گھر کی جھکی ہوئی دیواریں اس کے لیے محراب کا کام دینے لگ گئیں -

بساطی نیست بزم عشرتِ قربانی مارا
مگر بافند از تارِ دمِ ساطور قصّابش

لغت : ''ساطور'' = چھری - - - - - ''دم ساطور'' = چھری کی دھار - - - - ''بساط'' = فرش -

ہماری قربانی کی بزم عشرت کے لیے کوئی فرش نہیں جو بچھایا جائے سوائے اس کے کہ قصاب چھری کی تیز دھار کے تار ہی سے اُس لبادۂ فرش کو تیار کریں -

ز تار شمع نیز آہنگ ذوق ناز می بالد
بشرطِ آں کہ سازی از پر پروانہ مضرابش

لغت : ''آہنگ'' = سر - - - : ''مضراب'' وہ چھلا جس سے ساز بجایا جاتا ہے -

شمع کے تار سے بھی ذوق ناز کے سُر اُبھر سکتے ہیں بشرطیکہ

تو پروانے کے پروں سے اس کا مضراب بنائے۔ جس طرح مضراب
سے ساز کے تار چھیڑے جائیں تو نغمے ابھرتے ہیں اسی طرح اگر پروانہ
ہو تو شمع بھی پھلتی پھولتی ہے۔

مناز اے منعم و دیماہ گلخن تاب را بنگر
کہ خوابش مخمل وخاکسترِ گرم است سنجابش

لغت: ''دے ماہ'' = سردی کا ایک مہینا۔ ''گلخن'' =
انگیٹھی۔ وہ جگہ جہاں آگ جلائی جائے۔ ''دیماہِ گلخن تاب'' =
سردی کا مہینا جو انگیٹھیوں کو جلاتا ہے (یعنی جب مکان کو گرم
کرنا پڑتا ہے)۔

امیر لوگ تو سمور اور سنجاب کے بستروں میں لیٹ کر سردی
کے دن گزار لیتے ہیں ناداروں کے لیے گلخن کی خاکسترِ گرم ہی
بستر خواب اور سنجاب لحاف کا کام دیتی ہے۔

ازیں رخت شراب آلودہ ات ننگ آیدم غالب
خدا را یا بشو یا بفگن اندر راہِ سیلابش

غالب تیرے شراب آلودہ کپڑوں سے مجھے شرم آتی ہے۔ خدا
کے لیے یا تو تو انہیں دھو لے یا انہیں کسی سیلاب کے راستے میں
ڈال دے کہ طوفانِ آب انہیں بہا لے جائے۔

ردیف ص

غزل نمبر ۱

چو عکسِ پُل بہ سیل بذوقِ بلا برقص
جا را نگاہدار و ، ہم از خود جدا برقص

پل کے عکس کی طرح ، جو پانی کے بہاؤ میں ہوتا ہے طوفان بلا میں خوش ہوتا ہوا اور رقص کرتا ہوا چلا جا ۔ اپنے مقام سے باخبر بھی رہ اور پھر بے خود ہو کر عالم وارفتگی میں رقصاں رقصاں گزرتا چلا جا ۔

نبود وفائے عہد دمے خوش غنیمت است
از شاہدان بنازش عہد وفا برقص

زمانے میں عہدوفا پائدار نہیں ۔ خوشی کا ایک لمحہ بھی غنیمت ہے ۔ معشوق کی طرح سے عہدوفا پر ناز کر اور رقص کر ۔

ذوقے است جستجو چہ زنی دم ز قطع راہ
رفتار گم کن و بصدائے درا برقص

جستجو خود ایک لذت ہے ۔ راہِ شوق کو ترک کرنے کا خیال چھوڑ دے ۔ حرکت رفتار کو بھلا دے اور قافلے کی بانگ درا پر رقص کر ۔

سرسبز بودہ و بچمن ہا چمیدہ ایم
اے شعلہ در گدازِ خس و خارما برقص

ہم تازہ و شگفتہ رہے ہیں اور چمن زاروں کی سیر کی ہے ۔ (آج

ہم خس و خاشاک ہو گئے ہیں تو کیا) ہماری خس و خاشاک کی آگ سے ابھرنے والے شعلے ، ہمارے اس خس و خاشاک کے گداز میں رقص کر ۔

ایسے انسانوں کے جنہوں نے زندگی انتہائی شگفتگیوں میں گزاری ہو ، خس و خاشاک میں بھی زندگی گا گداز پایا جاتا ہے ۔

ہم بر نوائے چغد طریقِ سماع گیر
ہم در ہوائے جنبشِ بالِ ہما برقص

لغت : ''چغد'' = الو ۔

الّو کی منحوس آواز سے بھی لذت اندوز ہو اور فضا میں ہما کے مبارک پروں کے ارتعاش پر رقص کر ۔

در عشق انبساط بپایاں نمی رسد
چو گردباد خاک شوو در ہوا برقص

لغت : ''گردباد'' = بگولا ۔

عشق میں خوشیوں کا سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوتا ۔ بگولے کی طرح خاک ہو جا اور دوش ہوا پر رقص کر ۔

فرسودہ رسم ہائے عزیزاں فرو گذار
در سُور نوحہ خوان ببزم عزا برقص

بزرگوں کی فرسودہ رسموں کو چھوڑ دے ۔ بزم طرب (سُور) ہو تو نوحہ خوانی کر ، اور بزم عزا ہو تو رقص کر ۔

چو چشم صالحاں و ولائے منافقاں
در نفس خود مباش ولے برملا برقص

لغت: ''صالحاں'' = وہ برگزیدہ لوگ جن کا ظاہر و باطن دونوں پاکیزہ ہیں۔ ''منافقاں'' = وہ لوگ جن کا باطن کچھ ہے اور ظاہر کچھ۔۔۔ صالح لوگوں کی پاک باطنی اُن کی آنکھوں سے نمایاں ہوتی ہیں اور منافقوں کا زہد و ولا فقط ظاہری ہوتا ہے وہ صاحب حال نہیں ہوتے یونہی مصنوعی وجد کرتے ہیں۔ کہتا ہے:

صالحین کی آنکھ اور منافقوں کے (ظاہرا) اتقا کی طرح، اپنی خودی سے باہر آ اور علانیہ رقص کر تاکہ منافقت کا کوئی شائبہ تجھ میں نہ رہ جائے۔

از سوختن الم، ز شگفتن طرب مجو
بیہودہ در کنار سموم و صبا برقص

لغت: ''سموم'' = گرم ہوا۔۔۔ ''صبا'' = صبح کی تازہ اور بالخصوص مشرق سے آنے والی ہوا۔

زندگی کے دکھوں میں جلنے سے غمزدہ نہ ہو اور زندگی کی شگفتگیوں میں طرب و نشاط کو تلاش نہ کر۔ اور زندگی کی سموم اور صبا جو بھی میسر آئے، اُن میں یونہی رقص کرتا رہ، کیونکہ یہ حرکت ہی زندگی ہے۔

غالب بدیں نشاط کہ وابستۂ کہ
بر خویشتن ببال و بہ بند بلا برقص

غالب تو نے اپنے آپ کو اس طرب و نشاط سے کیا وابستہ

کر لیا ہے ۔ اپنے آپ سے خوشی کی بالیدگی حاصل کر اور اپنے ہی غموں کی مصیبتوں پر رقص کر ۔

ردیف ض

غزل نمبر ۱

دل درغمش بسوز کہ جاں می دہد عوض
ورجاں دہی غمے بہ آزاں می دہد عوض

دل کو اس کے غم میں جلا کہ اس کے عوض میں تجھے جان ملے گی اور اگر تو جان دے گا تو پھر تجھے وہ غم عطا ہوگا جو جان سے بھی بہتر ہوگا ۔

بہ ازآں میں آں کا اشارہ جاں بھی ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا اور پھر غم بھی ، یعنی دوسرا غم جو جان دینے کے عوض میں ملے گا پہلے سے بہتر ہوگا ۔ بہرحال مرزا غالب نے اس شعر میں غم کا نہایت اعلیٰ تصور پیش کیا ہے اور اس کا اظہار وہ جگہ جگہ کرتا ہے ۔ اس کے نزدیک غم یاس و حرماں کے احساس کا نام نہیں بلکہ وہ ایک ایسا جذبہ ہے جو انسانی زندگی کو صحت اور توانائی بخشتا ہے اور اس سے انسان کی تمام خوابیدہ استعدادیں بیدار ہوتی ہیں اور بروئے کار آتی ہیں ۔ وہ غم ہی کو اپنے فن کا سر چشمہ خیال کرتا ہے ۔

فارغ مشو ز دوست بہ مے در ریاضِ خُلد
از ما گرفت آنچہ ہماں می دہد عوض

دوست سے اسی بات پہ خوش اور مطمئن نہ ہو جا کہ باغ

جنت میں اُس نے تجھے شراب (طہور) عطا کی ہے - اُس نے جو کچھ ہم سے لیا وہی لوٹا دیا - یعنی دنیا میں سے شراب (ممنوع قرار دے کر) چھین لی اور پھر وہی جنت میں دی ، تو بات کیا ہوئی - وہ تو ہماری ہی دی ہوئی شے تھی بخشش تو نہ ہوئی -

داغم ازآن حریف کہ چوں خانماں بسوخت
چشمی بسوے در نگراں می دہد عوض

میں اُس حریف مقابل سے جلتا ہوں کہ جب میرا گھر بار جل گیا (یا جلا دیا) تو پھر (حسرت سے) اُس گھر کو دیکھنے والی آنکھ عطا کر دی - یعنی ہم ایک تو خانماں برباد ہوئے اور دوسرے مسرت سے اپنی خانہ بربادی کو دیکھ رہے ہیں -

سرمایۂ خرد بجنوں دہ کہ ایں کریم
یک سُود را ہزار زیاں می دہد عوض

اس سرمایۂ عقل و خرد کو جنوں کی نذر کر دے کیوں کہ یہ کریم ایک نفعے کے عوض ہزاروں نقصان بخشتا ہے - کریم سے مقصود خرد ہے -

نبود سخن سرائی ما رائگاں کہ دوست
دل می برد زما و زباں می دہد عوض

ہماری سخن سرائی (شاعری) رائگاں شے نہیں ہے ، یہ تو دوست کی عنایت ہے کہ اُس نے ہم سے ہمارا دل چھینا اور اُس کے بدلے میں

زباں عطا کر دی ۔ یعنی ایسی قوت گویائی دی کہ جس سے ہمارا فن شعر آبھرا ۔

از هرچه نقش وہم وگماں است در گذر
کو خود بروں ز وہم و گماں می دہد عوض

وہم و گماں سے یکسر گزر جا کیوں کہ ہمارا محبوب (خدا) ہمیں ہمارے وہم و گماں سے بڑھ کے دیتا ہے ۔

آں را کہ نیستے نظر از ماہ و مشتری
چشم سہیل و زہرہ فشاں می دہد عوض

جس پر ماہ ومشتری کی نظریں نہیں پڑتیں انھیں تو ایسی آنکھیں عطا کرتا ہےجس سے خود سہیل اور زہرہ ٹپکتے ہیں ۔ ''ماہ و مشتری'' دو مبارک ستارے ہیں ۔

نازم بدست سبحہ شمارے کہ عاقبت
شوقش کفِ پیالہ ستاں می دہد عوض

تسبیح کے دانے گننے والے ہاتھوں پر قربان کہ آخرکار انہی ہاتھوں میں جامِ مے اٹھانے کی توفیق عطا ہوتی ہے ۔

آہ از غمش کہ چوں ز دل آرام می رود
نا سازیِ ز ہم نفساں می دہد عوض

اس کا غم بھی کیا بلا ہے کہ جب اس غم کے ہاتھوں دل

کا چین چھن جاتا ہے تو ہم نفس (قریبی دوست) کی دوستی سازگار نہیں ہوتی یعنی وہ ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔

پاداش هر وفا بجفائے دگر کند
غالب ببیں که دوست چساں می دہد عوض

غالب ، ہمارا دوست ہماری ہر وفا کی پاداش میں نئی جفا کرتا ہے دیکھ کہ اُس کے بدلہ اتارنے کا انداز کتنا انوکھا ہے۔

ردیف ط

غزل نمبر ۱

گوئی که هاں وفا که وفا بوده است شرط
آرے ہمیں ز جانب ما بوده است شرط

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے:

تو نے کہا کہ وفا پر قائم رہو کہ وفا کا ہونا شرط ہے ، بالکل بجا ہے ہماری طرف سے بھی وفا کی شرط ضروری ہے۔

ہے ہے نه یاد داشت نخستینه شرط بود
گفتی زیاد رفت چہا بوده است شرط

افسوس کہ یہ بھی یاد نہیں کہ محبت میں پہلی شرط کیا تھی ۔ تو نے کہا کہ میں بھول گیا کہ شرط کیا تھی۔

بس نیست اینکه می گزرد در خیال ما
گفتی به عشق آہِ رسا بودہ است شرط

یہی کافی نہیں کہ صرف خیال تک محدود رہے ۔ عشق میں
آہ رسا کا ہونا لازمی ہے (شرط ہے) ۔

لب بر لبت نہادن وجاں دادن آرزوست
در عرضِ شوق حسن ادا بودہ است شرط

تمنا ہے کہ تیرے لبوں پر لب رکھ کر جان دے دوں ،
کیوں کہ اظہار شوق کے لیے یہ بھی لازمی شرط ہے کہ اس
میں حسن ادا ہے کہ نہیں یعنی اظہار کس خوبصورتی سے کیا گیا ہے
(گویا جاں دے دینا حسن ادا ہے) ۔

میرم ز رشک گر ہمہ بویت بمن رسد
کا میزشِ شمال و صبا بودہ است شرط

لغت : ''شمال'' = شام کے وقت شمال سے چلنے والی ہوا ۔
''صبا'' = صبح کو مشرق سے چلنے والی ہوا ۔

اگر تیرے گل حسن کی تمام خوشبو کا رخ میری ہی طرف ہو
تو میں رشک سے جان دے دوں گا کیوں کہ اس میں کچھ شمال اور
صبا کا انداز ہونا چاہیے ۔ یعنی کبھی اِدھر کا رخ کرے کبھی
آدھر کا ۔ اتنی توجہ سے شبہ ہونے لگتا ہے ۔

گو درمیان نیامده باشد ولے بہ دہر
اندازۂ ز بہر جفا بودہ است شرط

اگر چہ کبھی ایسا ہوا نہ ہو لیکن زمانے میں جوروستم کی حد مقرر ہے ۔

گرم است دم بنالہ ، سرشکے فرو ببار
پاکی پے بساط دعا بودہ است شرط

نالہ و فریاد سے سانس میں گرمی پیدا ہو گئی کچھ آنسو بھی بہا لے ۔ دعا مانگنے کے لیے پاکیزگی اور طہارت (وضو) کی شرط ہے ۔

ہمدم نمک بہ زخم دلم مشت مشت ریز
آخر نہ پرسشے بسزا بودہ است شرط

اے میرے ہمدم! میرے زخموں پر مٹھی بھر بھر کے نمک چھڑک ۔ پرسشِ حال حالت کی خرابی کے مطابق ہونی چاہیے ۔ ہمدم علاج عشق تو کیا کرے گا اس کی چارہ گری زخموں پر نمک ہی چھڑکتی ہے ۔ اسی لیے طنزاً نمک پاشی پر زور دیا ۔

تانگزرم ز کعبہ چہ بینم کہ خود ز دیر
رفتن بہ کعبہ رُو بہ قفا بودہ است شرط

شاعر نے عجیب انداز میں بات کی ہے ۔ کہتا ہے دیر کو چھوڑ کر کعبے کی طرف جانے کی بھی یہ شرط کہ منہ پچھلی طرف ہی رہے

(یعنی دیر کی طرف) ۔ اب بتائیے کہ جب تک کعبے کو نہ ترک کروں آسے کیسے دیکھ سکوں گا ۔ کیوں کہ ترک کرتے ہوئے آنکھ پیچھے کی طرف رکھنی ہوگی اور یہی صورت اس کے دیکھنے کی ہے اور اس کے لیے کعبے سے رخصت ہونا شرط است ۔

مقصود یہ ہے کہ دیر سے قدم کعبے کی طرف نہیں اٹھتے ۔

غالب بعالمے کہ توئی خونِ دل بنوش
از بہر بادہ برگ و نوا بودہ است شرط

لغت : ''برگ و نوا'' = ساز و سامان یعنی گزک یا وہ چیزیں جو شراب کے ساتھ کھائی جائیں ۔

غالب ! تو جس عالم میں ہے خون دل پی ۔ شراب کے لیے کچھ تو کھانے کا سامان ہونا چاہیے ۔

غزل نمبر ۲

تکیہ بر عہد زبان تو غلط بود غلط
کاین خود از طرز بیان تو غلط بود غلط

تیرے زبانی وعدے پر بھروسا کرنا غلط ، کیوں کہ تیرے وعدہ کرنے کے انداز ہی سے پتا چلتا تھا کہ ایسا ہی ہے ۔

آنکہ گفت از منِ دل خستہ بہ پیش تو رقیب
کہ غلط بود ، بجان تو غلط بود غلط

یہ جو میرے رقیب نے تجھ سے میری خستہ حالی کا تذکرہ

کرتے ہوئے کہا کہ یہ بالکل غلط بات ہے تو تیری جان کی قسم
یہ واقعی آس نے غلط کہا ، غلط ۔ یعنی آس نے جھوٹ بولا ۔

غنچه را نیک نظر کردم ادائے دارد
ویں که ماند به دهان تو غلط بود غلط

میں نے کلی کو بڑے غور سے دیکھا اس میں ایک حسن تھا
لیکن یہ کہ وہ تیرے دہن تنگ کی طرح ہے ، غلط ہے ۔

دل نہادن به پیام تو خطا بود خطا
کام جستن به لبان تو غلط بود غلط

تیرے زبانی پیام پر دل لگانا یعنی آسے درست ماننا ، غلطی تھی
(جو ہم سے سرزد ہوئی) تیرے لبوں سے کسی خواہش کا پورا ہونے
کی توقع ہی غلط تھی ۔

ایں مسلم که لب ہیچ مگوئے داری
خاطر ہیچمدانِ تو غلط بود غلط

لغت : ''لب ہیچ مگو'' = جن لبوں سے کوئی بات نہ نکلے ۔
لب خاموش ۔

''خاطرِ ہیچمداں'' = وہ دل جو کچھ نہ جانتا ہو ۔ بالکل بے خبر
دل ، بے احساس دل ۔

یہ تسلیم ہے کہ تیرے لب سرتاسر خاموش ہیں لیکن یہ کہ
تیرا دل یکسر بے خبر غلط ہے ۔

هر جفائے تو بپاداشِ وفائے است ہنوز
دعویٔ مابہ گمانِ تو غلط بود غلط

ہمارا خیال تھا کہ تیری جفاکاریوں کی کوئی حد نہیں لیکن یہ خیال کرنا ہماری غلطی تھی (اس بارے میں ہمارا دعویٰ غلط نکلا) اب تک تونے جو جفا کی ہے وہ ہماری وفا کے صلے میں ہے اور محض اس وفا کے عوض میں ہے اور بس۔

آخر اے بو قلموں جلوہ کجائی کاینجا
ہرچہ دادند نشان تو غلط بود غلط

لغت: ''بوقلموں جلوہ'' = رنگ رنگ کے انداز میں جلوہ گر ہونے والا۔ (اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے)۔

اے سو انداز میں جلوہ افروز ہونے والے تو کہاں ہے کیوں کہ یہاں تو جو بھی تیرے بارے میں نشان دہی کی گئی غلط نکلی۔

تھک تھک کے رہ گئی ہے میری چشم جستجو
کس گوشۂ جہاں میں نہاں ہو صدا تو دو

شوق می تافت سر رشتۂ وہمے ورنہ
ہستی ماومیان تو غلط بود غلط

ہمارے شوق وصال ہی نے ایک طلسم باندھ لیا ورنہ ہمارے اور تیرے درمیان کسی غیر ہستی کا ہونا یکسر غلط ہے۔

آں تو باشی که نظیر تو عدم بود عدم
سایه در سرو روان تو غلط بود غلط

تو وہ ہے کہ تیری نظیر کالعدم ہے (تیرا کوئی ثانی نہیں) تیرے سرو رواں کا سایہ غلط تھا ۔

می پسندی که بدیں زمزمه میرد غالب
تکیه بر عہد زبان توغلط بود غلط

کیا تو یہ گوارا کرتا ہے کہ غالب یہی راگ الاپتا جاں دے دے کہ تیرا زبانی وعدہ کرنا غلط تھا ۔

ردیف ظ

غزل نمبر ۱

مرا که باده ندارم ، ز روزگار چه حظ
ترا که ہست ونیا شامی ، از بہار چه حظ

لغت : ''روزگار'' = زمانہ ، دنیا ، دنیاوی زندگی ۔ ۔ ۔ ''حظ'' = لذت ۔

میرے پاس شراب نہیں ، مجھے اس زندگی سے کیا لذت حاصل ہوگی ۔ تیرے پاس ہے اور تو پیتا نہیں ، تجھے بہار کا کیا مزا آئے گا ۔

خوش است کوثر و پاک است بادۂ کہ درو ست
ازآں رحیق مقدس ، دریں خمار چہ حظ

لغت : ''رحیق'' = شراب صاف ، مے ناب ۔

حوض کوثر کے کیا کہنے ، خوب جگہ ہے اور پاک ہے وہ شراب جو اس میں ہے لیکن ہمیں اس حالتِ خمار میں اُس مقدس اور پاکیزہ مے ناب کا فائدہ ۔

چمن پُر از گل و نسریں و دلربائے نے
بدشتِ فتنہ ازیں گرد بے سوار چہ حظ

چمن گل و نسریں سے پُر ہے لیکن محبوب نہیں ۔ اس بیابان فتنہ زار ہستی میں یہ بے سوار گرد کیسا بے کیف ہے ۔

شاعر نے ایسے چمن زار کو جہاں محبوب نہیں ہے ایک ایسے دشت سے تشبیہ دی جہاں گردِ راہ تو ہے لیکن اُس میں کوئی سوار نہیں ہے ۔ اِس عالم گل و نسریں کے پھول گرد و غبار کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

اس شعر میں ایک مؤثر محاکاتی کیفیت ہے جو صاحب ذوق سے پوشیدہ نہیں ۔

بذوق بے خبر از در درآمدن محوم
بوعدہ ات چہ نیاز و ز انتظار چہ حظ

میں تو اس ذوق میں محو ہوں کہ کوئی اچانک اندر آ جائے گا ، مجھے کسی کے آنے کے وعدہ پر کیا احساس نیاز مندی اور انتظار

سے کیا لذت ۔

درآں چہ من نتوانم ز اختیار چہ سُود
بدانچہ دوست نخواہد ز اختیار چہ حظ

جو بات میں کر نہیں سکتا اُس میں اختیار دے دینا کس کام کا اور جو بات دوست نہیں چاہتا اس بات کو کرنے پر ''اختیار'' حاصل ہونے سے کیا لذت نصیب ہو سکتی ہے ۔ جبرو اختیار کے مسئلے کی بڑی خوبصورت توجیہہ کی ہے کہتا ہے :

قدرت نے انسان کو اختیار تو دیا لیکن اُس اختیار کو بروے کار لانے کی طاقت نہ دی ۔ اور جہاں کچھ طاقت دی وہاں روک دیا گیا ۔

چنیں کہ نخل بلند است وسنگ ناپیدا
زمیوہ تا نفتد خود ز شاخسار چہ حظ

یا تو پھل کے درخت کی شاخیں اتنی نیچی ہوں کہ انسان ہاتھ اُٹھا کر پھل توڑ سکے یا پھر کوئی پتھر یا اینٹ کا ٹکڑا ہو کہ وہ مار کر پھل کو شاخسار سے گرا لیا جائے ۔ اب جب کہ درخت بلند اور پتھر نایاب ہے ایسے پھل سے کہ جب تک وہ شاخ سے خودبخود نیچے نہیں آ گرتا کیا لذت نصیب ہوگی ۔

نہ ہر کہ خونی و رہزن بپایہ منصور است
بدیں حفیض طبیعی زاوجِ دارچہ حظ

لغت : ''حفیض'' = پستی ------ ''حفیض طبیعی'' قدرتی

پستی ، دنیا ۔

ہر خونی اور رہزن (جسے پھانسی دی جاتی ہے) منصور کا مرتبہ نہیں رکھتا ۔ اس طبعی مقام پستی میں دار کی بلندی سے کیا لذت حاصل ہو سکتی ہے ۔

به بند زحمتِ فرزندوزن چه می کُشیم
ازیں نخواسته غمہاے ناگوار چه حظ

فرزندوزن کی مصیبت کے قید و بند میں ڈال کر ہمیں کیوں مار رہا ہے ۔ ان بن مانگے ناگوار غموں میں ہمیں کیا ملے گا ۔

تو آنی آنکه نشانی بجاے رضوانم
مرا که محوخیالم زکاروبارچه حظ

تیری ذات وہ ہے کہ جو مجھے رضوان کی جگہ پر بھی بٹھا سکتی ہے لیکن میری یہ حالت ہے کہ میں اپنے خیالات میں محو ہوں مجھے اس کاروبار بے معنی سے کیا فائدہ ۔

''رضوان'' باغ جنت کے پاسبان فرشتے کو کہتے ہیں ۔ جہاں وہ نیک لوگوں کو فردوس میں جانے کی اجازت دیتا ہے لیکن ایک ایسا انسان جو ان تمام امور سے بے نیاز ہو اسے اس بلند مرتبے سے کیا غرض ۔

بعرضِ غصه نظیری وکیلِ غالب بس
اگر تو نشنوی از ناله هاے زار چه حظ

لغت : ''غصہ'' فارسی میں انتہائی غم واندوہ کے لیے آتا ہے ۔

غالب انتہائی رنج والم کے اظہار کے موقع پر نظیری ہی ہمارا وکیل کافی ہے (جس کا یہ مصرعہ ہے) کہ:

اگر تو سنتا نہیں تو ہماری یہ گریہ وزاری کس کام کی

غزل نمبر ۲

تار رغبتِ وطن نبود از سفر چه حظ
آں را که نیست خانه به شهر از خبر چه حظ

جب تک وطن سے دلی لگاؤ نہ ہو سفر سے کیا حظ نصیب ہوگا۔ جس شخص کا کسی شہر میں گھر نہ ہوگا اُسے اُس نگری کی خبروں سے کیا فائدہ۔

از ناله مستِ زمزمه ام همنشیں برو
چوں نیست مطلبے ز نوید اثر چه حظ

میں فریاد کر رہا ہوں اور اس فریاد کی نغمہ بھری آواز ہی میں کھو گیا ہوں، اے ہم نشیں میرا ساتھ چھوڑ دے اور جا۔ جب مجھے فریاد کرنے سے کسی مقصود کے پورا ہونے سے غرض نہیں ہے تو پھر نالہ و فریاد کی اثر انگیزیوں کا مجھ سے تذکرہ کرنا بے سود ہے۔ اس سے مجھے کیا حظ نصیب ہوگا۔

درہم فگنده ام دل و دیده را ز رشک
چوں جنگ باخود است ز فتح و ظفر چه حظ

ہم نے رشک سے دل و دیدہ دونوں کو برباد کر لیا ہے۔ جب

جنگ اپنے آپ سے ہے تو اس میں فتحیابی اور کامیابی سے کیا لذت حاصل ہوگی - یعنی عشق میں اگر مزہ ہے تو ہار میں ہے - فتح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا -

عشق کی بازی کیا کہیے سوچ سمجھ کر کھائی مات

دلہائے مُردہ را ز نشاط نفس چہ کار
گلہائے چیدہ را ز نسیم سحر چہ حظ

افسردہ اور بجھے ہوئے دلوں کو خوشیوں سے سانس لینے سے کیا سروکار ، جو پھول شاخ سے چن لیے گئے ہوں انہیں نسیم سحر کے جھونکوں کا فائدہ ؟

دلہائے مردہ کو گلہائے چیدہ سے تشبیہ دینا بڑی خوبصورت بات ہے -

تافتنہ در نظر نتہی از نظر چہ سُود
تادشنہ بر جگر نخوری از جگر چہ حظ

جب محبت کا کوئی ہنگامہ نظر کے سامنے نہ ہو تو نظر کا کیا فائدہ - جب تک تو جگر پر خنجر نہیں کھاتا جگر کس کام کا -

زاں سوئے کاخ روزنِ دیوار بستہ اند
بے دوست از مشاہدۂ بام و در چہ حظ

محبوب کے مکان (محل) کے اس طرف تو دیواروں کے روزن بھی بند

ہیں تو پھر دیدار دوست کے بغیر فقط بام و در کو دیکھتے رہنے میں کیا لذت حاصل ہوگی ۔

اس شعر کا اطلاق شاہد حقیقی پر بھی ہوسکتا ہے جو گنبدِ در کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا ہے اور دنیا کی نظریں اوپر کی طرف لگی ہوئی ہیں ۔

لرزد بجانِ دوست دلِ سادہ ام زمہر
بیچارہ را ز غمزۂ تاب کمر چہ حظ

میرا سادہ دل محبت کے باعث دوست کی حالت کو دیکھ کر لرز اٹھتا ہے بیچارے کو کمر کے بل کھانے کی ادا سے کیا لذت نصیب ہوگی کہ کمر ہے ہی نہیں ۔ (بجانِ دوست) کا ایک مفہوم تو یہ بھی ہے کہ جان دوست کی قسم اور دوسرا یہ کہ دوست کی جان پر ۔

چوں پردۂ محافہ ببالا نمیزنند
از وے بہ داعیانِ سرِ رہگذر چہ حظ

لغت : ''محاذ'' = محمل ۔

جب محمل کے پردے ہی کو اوپر نہیں اٹھایا جاتا تو پھر سر رہگذر بیٹھنے والوں کا دعویِ محبت کس کام کا ۔

باید بنشت نکتۂ غالب بہ آب زر
زآنکہ وجہ مے شود از سیم و زر چہ حظ

غالب کے اِس نکتے کو آب زر سے لکھ لینا چاہیے کہ اس چاندی

سونے سے کیا لذت جو وجہ یہ ہے نہیں -

ردیف ع

غزل نمبر ۱

تاتفِ شوق تو انداختہ جاں در تنِ شمع
شرر از رشتۂ خویش است به پیراہنِ شمع

لغت : ''شرر در پیراہن بودن'' فارسی میں محاورہ ہے ، بے چین ہونا -

جب سے تیری محبت کی گرمی نے شمع کے تن میں جان بھر دی ہے (یعنی تیری محبت شمع کے تن سمائی ہے) شمع کا دھاگا اس کے پیرہن کا شرر بن گیا ہے -

یعنی تیری محبت نے شمع کے دل میں بھی آگ لگا دی ہے اور وہ اس آگ میں جل کر بے تاب ہو رہی ہے -

جاں به ناموس دہے چند فراہم شده اند
ورنه خود باتو چه بود است رگِ گردنِ شمع

ناموس پر جان دے دینے والے چند پروانے تیرے گرد جمع

ہو گئے ہیں ورنہ تیرے پاس اے شمع تھا کیا۔

مجمعے از دل وجاں است بگرد در دوست
تودۂ از پر و بال است بہ پیرامن شمع

لغت : ''پیرامن یا پیرامون'' = ارد گرد۔
یہ جو (پروانوں کے) پروبال کا ایک ڈھیر شمع کے گرد اکٹھا ہوا ہے یہ عاشقوں کے دل و جان دوست کے دروازے پر پڑے ہیں۔

روزم از تیرگی آں وسوسہ ریزد بنظر
کہ شبِ تار بہنگام فرو بُردن شمع

میرا دن اپنی تاریکی کے باعث میری نظر میں کچھ ایسا وسوسہ پیدا کر رہا ہے (دکھائی دے رہا ہے) جیسے سیاہ رات اپنی سیاہ کے باعث شمع ہی کو نگل جائے یعنی یوں محسوس ہو کہ بجھ گئی ہے۔

بے تو از خویش چہ گویم کہ بہ بزم طربم
پردۂ گوش گل افگار شد از شیون شمع

تیرے بغیر میں بتاؤں کہ بزم طرب کا کیا عالم ہوا۔ شمع کی فریاد سے پھولوں کے کان کے پردے پھٹ گئے۔

نازم آں حسن کہ در جلوہ زشہرت باشد
خاطر آشوبِ گل و قاعدہ برہمزنِ شمع

لغت : ''خاطرآشوب'' = دل کو پریشان کرنے والا۔۔۔

''قاعدہ برہم زن'' = بنیاد اکھیڑ دینے والا ۔

میں اس حسن پر نازاں ہوں کہ جو اپنے جلوہ ریزیوں کی شہرت سے بلبل کے دل کو پریشاں کر دے اور شمع کو ارزا دے ۔

بر نتابد زبتاں جلوہ گرفتار کسے
صبح را کردہ ہوا داری گل دشمن شمع

لغت: ''گرفتارِ کسے'' = کسی کا دل گرفتہ، کسی کا عاشق ۔۔۔
''ہواداری'' = طرفداری ۔

جو شخص کسی کے حسن پر فریفتہ ہو وہ دوسرے حسینوں کا جلوہ آرا ہونا گوارا نہیں کرتا ۔ دیکھو کہ پھول کی محبت (ہواداری) نے صبح کو شمع کا دشمن بنا دیا ہے ۔ (صبح ہوتی ہے تو شمع بجھ جاتی ہے) ''ہواداری'' کا لفظ صبح کی مناسبت سے یہاں بہت موزوں ہے ۔

می گدازم نفسے بے شرر و شعلہ و دُود
داغِ آں سوز نہانم کہ نباشد فنِ شمع

میں بغیر شرر، شعلہ اور دھویں کے سانس کو جلا رہا ہوں
میں اس سوز نہاں کا مارا ہوا ہوں کہ جو شمع کا فن نہیں ہے ۔

یعنی میں سوز باطن سے جل گیا ہوں اور یہ سوز شمع کو نصیب نہیں ۔

وقتِ آرائشِ ایوانِ بہار است کہ باز
کوہ از جوشِ گل و لالہ بود معدن شمع

ایوان بہار کی آرائش کا وقت آ گیا کہ کوہسار ایک بار پھر

جوش گل ولالہ سے شمعوں کی کان معلوم ہوتا ہے ۔

غالب از ہستی خویش است عذابے کہ مر است
ہم ز خود خارِ غم آویختہ در دامنِ شمع

اے غالب میں جس عذاب میں مبتلا ہوں یہ میری اپنی ذات کا پیدا کردہ ہے ۔ یوں سمجھ لو کہ جیسے شمع کے دامن میں چبھا ہوا کانٹا اس کا اپنا چبھویا ہوا ہے ۔

غزل نمبر ۲

شادم کہ برانکار من شیخ و برہمن گشتہ جمع
کز اختلاف کفر و دیں خود خاطر من گشتہ جمع

میں نے کفر و دیں کے باہمی اختلاف سے انکار کیا ہے اور میں خوش ہوں کہ میرے اس انکار نے شیخ و برہمن کو جمع کر دیا ہے اور اس کفر و دین کے اختلاف نے میرے دل کو تسکین بھی دی ہے (مجھے دلجمعی حاصل ہے) ۔

شیخ دین کا حامی ہے اور برہمن کفر کا ۔ میں نے دونوں کے وجود سے انکار کیا ہے اس پر شیخ و برہمن دونوں ان کی حمایت میں جمع ہوگئے ہیں اور مجھے یہ خوشی ہوئی یہ باہم مل تو بیٹھے اور مجھے اس کشمکش سے نجات مل گئی ۔

مقتول خویشانِ خودم ، جوئید خون ریز مرا
زینان که بر نعشِ من اند از بہر شیون گشته جمع

میں اپنوں کے ہاتھوں قتل ہوا ہوں ، یہ لوگ جو میری نعش پر ماتم کرنے کی غرض سے جمع ہوئے انہی میں سے میرے قاتل (خوں ریز) کو تلاش کرو کہ کون ہے ۔

در گریه تارفتم ز خود اندوہم از سر تازه شد
برہئیت دل ، لختِ دل ، بازم بدامن گشته جمع

لغت : ''اندوہم از سر تازه شد'' = میرا غم از سر نو تازه ہو گیا ۔ ۔ ۔ ''برہئیت دل'' = دل کی شکل و صورت پر ، اسی سانچے میں ڈھل کر ۔

میں رو رو کر بے خود (نڈھال) ہو گیا لیکن بجائے اس کے کہ اِس سے میرا غم ہلکا ہو جاتا میرا غم از سر نوتازه ہو گیا ۔ یہ جو میرے دامن پر میرے خونیں اشک بہانے سے دل کے ٹکڑے جمع ہو گئے ہیں انھوں نے از سر نو میرے دل کی صورت اختیار کر لی ہے ۔

رقصم بذوق روے او ، چوں بینم اندر کوے او
ہم رفته نفت و بوریا ، ہم سنگ و آہن گشته جمع

اے آنکه بر خاک درش ، تن ہاے بےجاں دیده ای
بر گوشهٔ بامش نگر ، جاں ہاے بے تن گشته جمع

لغت : ''تن ہاے بے جاں'' = بے روح جسم ، اُن لوگوں کی

نعشیں جو معشوق کے ہاتھوں جان دے چکے ہیں -

''جان ہائے بے تن'' = وہ شہیدانِ محبت جن کی موت کے بعد اُن
ن نعشیں اُٹھائی گئی ہیں اور اب اُن کی روحیں ، محبوب کے گھر کی
چھت پر منڈلا رہی ہیں -

تو نے اُس کے دروازے (یعنی محبوب کے) کی خاک پر بے جان
جسم (نعشیں) تو دیکھی ہیں ، اوپر بام پر نظر ڈال کہ کتنے عشاق کی
بے جسم روحیں جمع ہوگئی ہیں -

شہیدانِ محبت کی کثرت کی طرف اشارہ ہے -

ہے ہے چہ خوش باشد بہ دے، آتش بہ پیش و مرغ و مے
از بذلہ سنجاں چند کس در یک نشیمن گشتہ جمع

سبحان اللہ ! سردی کے موسم میں کیسا اچھا سہانا سماں ہے کہ
آگ سامنے ہے ، شراب ہے اور مرغ کباب اور پھر کتنے بذلہ سنج
لوگ ایک جگہ جمع ہوئے ہیں - یعنی ایک ایسی محفل ہے جس نے
سردی میں گرما رکھا ہے -

صبح است و گونا گوں اثر غالب بہ خسپی بے خبر
نیکاں بہ مسجد رفتہ در ، رنداں بگلشن گشتہ جمع

صبح کا سماں ہے ، اور فضا پر طرح طرح کی کیفیتیں طاری ہیں -
غالب بے خبر تو کیا سو رہا ہے ، دیکھ کہ پرہیزگار اور زاہد لوگ
مسجد میں آچکے ہیں اور رند مشرب باغ میں جمع ہو گئے ہیں ، تو بھی
اُٹھ اور اس کیف آور سحر سے لطف اندوز ہو -

''بہ مسجد رفتہ در'' میں در زائد ہے -

جیسے سعدیؒ کے اس مصرعے میں در زائد ہے :

بہ دریا در منافع بے شمار است ۔

ردیف غ

غزل نمبر ۱

بخون تپم بسرِ رہگذر دروغ دروغ
نشاں دہم برہت صد خطر دروغ دروغ

میں تیری رہ گزر میں تڑپتا رہوں غلط ہے اور اس طرح تڑپنے سے دنیا کو تیری راہ کی مصائب کی نشاں‌دہی کروں سرتاپا غلط بات ہے ۔

مرو بگفتِ بد آموز وبیم ناک مباش
من و ز نالہ تلاشِ اثر دروغ دروغ

لغت : ''بدآموز'' = برا سبق سکھانے والا ۔ گمراہ کرنے والا (مراد رقیب) ۔

رقیب بدآموز کے کہنے میں مت آ اور یونہی گھبرا نہیں ، میں (تیری محبت میں فریاد کروں) نالہ و زاری کروں اور پھر اس سے اثر انگیزی کی توقع رکھوں غلط ہے ۔ (یعنی میری فریادوں میں اثر کہاں ، تو رقیب کے کہنے پر ہراساں کیوں ہو رہا ہے) ۔

فریب وعدۂ بوس و کنار یعنی چه
دہن دروغ دروغ و کمر دروغ دروغ

محبوب کا بوس و کنار کا وعدہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور کون اس فریب میں آ سکتا ہے، بوسہ کیسا کہ اس کا دہن ہی نہیں اور ہمکنار ہونا کیسا کہ کمرندارد۔

معشوق کے دہن تنگ اور باریک کمر کو مبالغے سے عدم قرار دیتے ہیں کہ سرے سے ہے ہی نہیں۔

طراوت شکن جیب و آستینت کو
زنامه دم مزن اے نامه بر دروغ دروغ

اے قاصد اُس کے (محبوب کے) خط کے لانے کا ذکر نہ کر۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ اس خط کی تہوں میں اُس کے جیب و آستیں کی شکن کا انداز کہاں ہے؟

من و بذوقِ قدم ترکِ سر، درست درست
تو و زمہر بخاکم گزر دروغ دروغ

میں تیری قدم بوسی کے صدقے میں اپنا سر (اپنی جاں) دے دوں بالکل بجا اور درست لیکن یہ کہ تو از رہِ لطف و محبت میری، خاک پر سے گزرے، یکسر غلط اور جھوٹ۔

تو و زبیکسی ام اینهمه شگفت شگفت
من و به بندگیت اینقدر دروغ دروغ

تجھے میری بے کسی پر اتنا تعجب! اور میں تیری بندگی میں

قبول ہو جاؤں اتنا جھوٹ!

اگر بہ مہر نخواندی بناز خواہی کشت
نہ ہرچہ وعدہ کنی سر بسر دروغ دروغ

تو جو وعدہ کرتا ہے وہ سربسر غلط اور جھوٹ نہیں ہوتا۔ اگر تو محبت سے پیش نہیں آتا (نہیں بلاتا) نہ سہی تو اپنے ناز و ادا ہی سے مار ڈالے گا۔ یعنی تیرا مارنے کا وعدہ پورا ہو کے رہے گا، مہرو محبت سے نہیں ناز وادا ہی سے سہی۔

دگر کرشمہ در ایجاد شیوۂ نگہے است
تو و زعربدہ قطع نظر دروغ دروغ

لغت: ''کرشمہ'' = لغوی معنے آنکھوں کا اشارہ، ناز و انداز سے دیکھنا، غمزہ۔

تیرا ناز حسن اب ایک اور انداز نگاہ ایجاد کرنے کی فکر میں ہے ورنہ تو اور ہم سے الجھنے سے قطع نظر کرے، غلط بات ہے۔ تیری بے التفاتی یا بے اعتنائی کا یہ مفہوم نہیں کہ تو ہم سے الگ ہونا چاہتا ہے بلکہ تو کسی اور رنگ میں جلوہ گر ہوگا۔

دریں ستیزہ ظہوری گواہ غالب بس
''من و زکوئے تو عزم سفر دروغ دروغ''

ہماری اور تمہاری کشمکش عشق و حسن میں غالب کا گواہ ظہوری ہے جس نے کہا تھا کہ ''میں تیرے کوچے سے اٹھ کرچلا جاؤں، غلط ہے''۔

اس شعر کا دوسرا مصرعہ ظہوری کا ہے جس کے تتبع میں یہ
غزل کہی گئی ہے -

غزل نمبر ۲

ہنگامِ بوسہ برلب جاناں خورم دریغ
در تشنگی بچشمہٴ حیواں خورم دریغ

بوسہ لیتے ہوئے مجھے محبوب کے لب بھی مایوس کرتے ہیں
افسوس میری پیاس ، چشمہٴ حیوان بھی نہیں بجھا سکتا -

عاشق کی تشنگئی شوق کا یہ عالم ہے کہ محبوب کا بوسہ لیتے
ہوئے بھی گویا بوسے کو ترستا ہے -

بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی
جو تو دریاے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا (غالب)

آں سادہ روستائی شہرِ محبتم
کز پیچ وخم بہ زلفِ پریشاں خورم دریغ

میں شہر محبت کا وہ سادہ گنوار سا شہری ہوں کہ مجھے زلف
پریشاں کے پیچ وخم پر دکھ ہوتا ہے کہ کس پیچ و تاب میں الجھی
ہوئی ہے -

در رشکم از صلا ، و ملولم زُدور باش
بر خوانِ وصل و نعمت الوان خورم دریغ

لغت : ''صلا'' = دعوت ، بلاوا - - - دور باش ، صلا کا الٹ -
رد کر دینا -

بزم وصال میں ، سامان دعوت اور خوان نعمت دونوں سے طبیعت گھبراتی ہے ۔ دعوت ہو تو رشک مارے ڈالتا ہے اور نہ بلایا جائے تو محرومی پر دکھ ہوتا ہے ۔

خواہم ز بہر لذتِ آزار زندگی
بر دل بلا فشانم و برجاں خورم دریغ

میں چاہتا ہوں کہ زندگی میں دکھ درد کی بھرپور لذت پیدا کرنے کے لیے اپنے دل کو مصائب میں غوطہ دوں اور جاں کی نوحہ خوانی کروں ۔ گویا درد و غم ہی سے زندگی میں لذت پیدا ہوتی ہے۔

رفتار گرم و تیشۂ تیزم سپردہ اند
از خویشتن بکوہ و بیابان خورم دریغ

قیس کی صحرا نوردی اور فرہاد کی تیشہ سے کوہکنی مشہور ہے اور دونوں اس وجہ سے عشق و عاشقی میں سرفراز ہیں ۔ کہتا ہے :
مجھے قدرت نے رفتار گرم بھی دی ہے اور تیشۂ تیز بھی ، میرے سامنے یہ کوہ و بیاباں کیا ہیں مجھے ان دونوں کی کم مائگی پہ رونا کیا آتا ہے :

عرفی نے خوب کہا

رفتم ایں راہ و لیکن نہ چوں ایشاں رفتم

از خود بروں نرفتہ و درہم فتادہ تنگ
در راہِ حق بگبر و مسلماں خورم دریغ

حق کی راہ میں مجھے گبر و مسلماں دونوں کو دیکھ کر دکھ

ہوتا ہے کہ دونوں اپنی خودی سے باہر نہ آسکے اور ایک تنگ
دائرے میں ایک دوسرے سے الجھے رہے ۔

زیں دود و زیں شرار، کہ در سینۂ من است
سازم سپہر گر نہ بہ ساماں خورم دریغ

ان آہوں کے دھویں اور ان آتشیں فریادوں کے شرار سے جو
میرے سینے میں دبے ہوئے ہیں ایک آسماں کھڑا کر سکتا ہوں لیکن
پھر خیال آتا ہے کہ یہ سارا ساز و سامان ضائع ہو جائے گا ۔

دل زآنِ تست، ہدیۂ تن کن کنار و بوس
چند از تو بر نوازش پنہاں خورم دریغ

میں کب تک تمھاری پنہاں نوازشوں کو دیکھ کر جن سے تم
مرا دل لبھاتے ہو، افسوس کرتا رہوں گا، کیونکہ دل تو تمھارا ہی مال
ہے آسے چھوڑو اور کچھ میرے بدن کی تسکین کا بھی سامان کرو یعنی
کچھ بوسے اور کچھ ہم آغوشیاں اس جسم کی نذر کرو ۔

کارے ندید آنکہ تواں در من آفرید
در شورہ زار خویش بباراں خورم دریغ

جس ہستی نے مجھ میں زندگی کی توانائی (تواں) بھر دی آسے
اور کچھ اور بہتر نہ سوجھا جو وہ کرتی ۔ مجھے اس باران رحمت پر
جو میرے شورہ زار پر ہو رہی ہے اور ضائع ہو رہی ہے سخت
افسوس آتا ہے ۔

ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

غالب شنیدہ ام ز نظیری کہ گفتہ است
''نالم زچرخ گر نہ بافغاں خورم دریغ''

غالب میں نے نظیری سے یہ نکتہ سنا ہے جو کہتا ہے ''اگر مجھے فریاد کے ضائع ہونے کا ڈر نہ ہو تو آسماں سے جو دکھ پہنچے ہیں اُن کے ہاتھوں نالہ وفغاں کروں'' ۔

ردیف ف

غزل نمبر ۱

گل و شمعم بہ مزارِ شہدا گشت تلف
نشدی راضی و عمرم بدعا گشت تلف

مرزا غالب کی یہ غزل بھی اُس کی غزلوں کی طرح ایک خاص کیفیت کی حامل ہے اور اُس کے انفرادی طرز فکر اور اسلوب بیان کی آئینہ دار ہے ۔

شہدا کے مزار پر پھول اور شمعیں چڑھائی جاتی ہیں اور پھر حصول مقصد کے لیے دعائیں مانگی جاتی ہیں ۔ کہتا ہے کہ کتنے پھول اور شمعیں مزار شہدا پر ضائع ہو گئیں ، تو مائل التفات نہ ہوا اور میری عمر دعائیں مانگنے میں بسر ہو گئی ۔

سعی در مرگِ رقیبانِ گراں جاں کردی
می شناسم کہ چہ از ناز و ادا گشت تلف

لغت : ''گراں جاں'' = سخت جاں ۔

تو نے کتنی کوشش کی کہ رقیب تیرے عشق میں جان دے دیتے لیکن وہ سخت جان نکلے اور میں جانتا ہوں کہ تیری ان کوششوں میں کتنی حسین ادائیں اور کتنے لطیف ناز و انداز اکارت گئے ۔

باغمت مرگِ پدر سنجم و گویم ہیہات
نالۂ چند کہ درکار قضا گشت تلف

آمدی دیر بہ پرسش ، چہ نثارت آرم
من و عمرے کہ باندوہِ وفا گشت تلف

میں اور میری ساری عمر تو وفا کے غم میں ضائع ہو چکی ہے اب تو پرسش حال کے لیے آیا ہے اب تجھ پر کیا نثار کروں ۔

رنگ و بو بود ترا برگ و نوا بود مرا
رنگ و بو گشت کہن، برگ و نوا گشت تلف

تو حسن کی رنگینیوں سے مالا مال تھا اور میں شباب و جذبات محبت سے سرشار ۔ افسوس نہ وہ رنگینیاں رہیں نہ وہ سرشاریاں ۔

گل و مل باید و میرم کہ دریں رنج دراز
ہرچہ بود از زر وسیمم بہ دوا گشت تلف

لغت : ”گل و مل“ = پھول اور شراب ۔ سامان نشاط و طرب ۔
سامان نشاط درکار ہے اور مجھے اس دکھ نے مار ڈالا کہ اس مرض کہن (زیست) کے معالجے میں جو کچھ پونجی تھی وہ دواؤں

پر صرف ہو گئی - رنج دراز سے خود زندگی کے دکھ مراد ہیں - کیونکہ اس سے زیادہ دکھ کونسا ہو سکتا ہے -

بال و پر شاید و میرم کہ دریں بند گراں
تاب و طاقت بہ خم دامِ بلا گشت تلف

لغت : ''بند گراں'' = بھاری زنجیریں - - - - ''خم دام'' = حلقہ دام - یہاں بھی بندگراں سے مقصود زندگی کے دکھ ہیں -

انسان ان دکھوں کے جال میں اسیر ہے اور حلقہ ہائے دام اتنے کڑے ہیں اور دام اتنا بھاری ہے کہ اُن سے نجات نہیں مل سکتی - ایک ہی مدا وا ہے کہ بال وپر ہوں تو اس سارے جنجال کو ساتھ لے کر اُڑ جائے - لیکن وہ اب کہاں ، بال وپر اور اُن کی طاقت پرواز تو اس جنجال کی الجھنوں میں جاتی رہی -

لطف یک روزہ تلافی نکند عمرے را
کہ بدریوزۂ اقبالِ جفا گشت تلف

لغت : ''اقبال'' = قبول کرنا - - - ''اقبال جفا'' = حصول جفا - - - ''دریوزہ'' = بھیک -

عرفی کہتا ہے : اقبال کرم می گزد ارباب ہمم را (اہل ہمت لوگوں کو بخشش کا قبول کرنا کاٹنے کو دوڑتا ہے) - ایک دن کی مہربانی عمر بھر کی کیسی تلافی کر سکتی ہے وہ عمر جو تیری جفا کی طلب کرتے کرتے گزر گئی -

گیرم امروز دہی کام دل ، آں حسن کجا
اجر ناکامیِ سی سالۂ ما گشت تلف

میں نے مانا کہ ہمارے دل کی خواہشات اب پوری کر دو گے لیکن اب وہ تمہارا پرانا جوبن کہاں ؟ ہماری تیس سالہ ناکامیوں کا اجر ضائع ہو گیا ۔

نظیری :

قسمت چنیں فتاد کہ ترکان مست او
در دور مابطاق نہادند جام را

کاش پاے فلک از سیر بماندے غالب
روزگارے کہ تلف گشت چرا گشت تلف

غالب ! کاش اس آسمان گرداں کے پاؤں اس گردش کرنے سے رک جاتے ۔ جو زمانہ ضائع ہوا کیوں ضائع ہوا ۔ (یہ آسماں بے معنی گھومتا رہا) ۔

غزل نمبر ۲

اے کردہ غرقم بے خبر شوزیں نشا نہا یک طرف
رختم بسا حل یک طرف ، شستم بدریا یک طرف

لغت : ''رخت'' = لباس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ = ''دریا'' سمندر ۔ ۔ ۔ ۔
''نشان ہا'' = نشانیاں ۔

تو نے مجھے عالم بے خبری میں ڈبو دیا ، اب ان نشانیوں کو
چھوڑ - میرا لباس ایک طرف پڑا ہے اور میں سمندر میں نہا اور کہیں
رہا تھا - (تجھے کیا پتا چلے گا میں کہاں ڈوبا ہوں) -

از عشق و حسن ما و تو باہمدگر در گفتگو
خسرو بمجنوں یک طرف شیریں به لیلیٰ یک طرف

میرے عشق اور تیرے حسن کے بارے میں محو گفتگو ہیں ،
خسرو مجنوں کے ساتھ الگ اور شیریں لیلیٰ کے ساتھ الگ -

تادل بدنیا داده ام در کشمکش آفتاده ام
اندوہِ فرصت یک طرف ، ذوقِ تماشا یک طرف

جب سے میں نے دنیا سے دل لگایا ہے عجب کشمکش میں
پڑ گیا ہوں - ایک طرف ذوق تماشا کا جذبہ ہے اور دوسری طرف
مہلت تماشا -

جی چاہتا ہے کہ دنیا کے نظارے سامنے رہیں اور ان سے جی
بھر کے محظوظ ہوں - دوسری طرف اتنی فرصت کہاں کہ یہ
کر سکوں -

اے بستہ در بزمِ اثر بر غارتِ ہوشم کمر
مطرب باالحان یک طرف ، ساقی به صہبا یک طرف

'مطرب اور نغمہ اک طرف اور ساقی اور جام مے اک طرف' تو
نے ان دونوں کو مہیا کر کے میرے ہوش و خرد کے لوٹنے کا

اہتمام کر رکھا ہے۔

ساقی بہ جلوۂ دشمن ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے (غالب)

خار افگناں در راہ من ، ترساں ز برق آہِ من
طفلانِ ناداں یک طرف ، پیرانِ دانا یک طرف

ایک طرف نادان بچے میری راہ میں کانٹے بکھیر رہے ہیں اور دوسری طرف بوڑھے دانا میری برقِ آہ سے ہراساں کھڑے ہیں۔

وا ماندہ در راہ وفا از بے خودی ھا جابجا
نقدم بہ منزل یک طرف ، رختم بہ صحرا یک طرف

وفا کی راہ میں مجھ پر جا بجا مختلف بے خودی کے عالم طاری ہوئے اور میں ایسا عاجز اور بے بس ہو کر رہ گیا کہ میرا نقد سرمایہ منزل میں پڑا رہا اور لباس صحرا میں۔

یعنی راہ وفا میں چلا تو زندگی کا سرمایہ لٹا کر آیا اور صحرا میں پہنچا تو دیوانے کی طرح کپڑے اتار پھینکے اور عریاں دشت نوردی کرنے لگا۔

با دیدہ و دل از دو سُو ماندم بہ بند غم فرو
اندوہ پنہاں یک طرف ، آشوبِ پیدا یک طرف

ایک طرف میری اشکبار آنکھیں ہیں اور دوسری طرف درد بھرا دل ، اور میں دونوں کے درمیان اسیر غم ہو کر رہ گیا ہوں۔ ایک

طرف اندوہ پنہاں ہے (جو دل میں ہے) اور دوسری طرف غم نمایاں (آنسو بہانے والی آنکھیں) ۔

ہم مہر دارد ہم حیا ، بر نعشم آریدش چرا
خویشاں بشیون یک طرف، خصماں بغوغا یک طرف

میرے محبوب میں محبت کا جذبہ بھی ہے اور حیا کا مادہ بھی ۔ اُسے میری نعش پر کیوں لا رہے ہو ۔ وہاں میرے عزیز و اقارب رو رہے ہوں گے اور دوسری طرف دشمن شور مچا رہے ہوں گے ۔

ایسی حالت میں اُس کا موجود ہونا مناسب نہیں ۔ غیروں کے سامنے آتے ہوئے حیا مانع آئے گی اور اگر وہ سامنے آئے تو غیر چہ میگوئیاں کریں گے ۔ اور اگر اپنوں کے ساتھ مل کر اظہار غم کیا تو اُن کے دلوں میں شکوک پیدا ہوں گے کہ شریک غم ہونے والا کون ہے ؟

اے آئنہ پیش نظر ، مستانہ بر خود جلوہ گر
رحمے بہ جانِ خویش کن غمخواری مایک طرف

تو مستانہ وار آئینے کے سامنے بیٹھا ہوا اپنی جلوہ نمائیوں میں محو ہے ۔ ہماری غم خواری کو چھوڑ ، کچھ اپنے پہ رحم کر کہیں اپنے حسن کا ہی شکار نہ ہو جائے ۔

غالب چہ تسکینم دہی در ہجرآں سروِسہی
رشک رقیبم میکشد فرطِ تمنا یک طرف

غالب تو مجھے اُس سرو سہی محبوب کے فراق میں کیا تسکین

دلا رہا ہے ، ایک طرف فرط تمنا مجھے مارے ڈالے ہے اور دوسری طرف رقیبوں کا رشک ہلاک کر رہا ہے ۔ سکون ہو تو کیوں کر ۔

ردیف ق

غزل نمبر ۱

بگونہ مے نہ پذیرد ز ہمد گر تفریق
تجلیِ تو بہ دل ہمچو مے بجامِ عقیق

لغت : ''گونہ'' = رنگ ---- ''ز ہمدگر تفریق نپذیرد'' ایک دوسرے سے الگ پہچانی نہیں جاتیں ۔ ''عقیق'' = سرخ رنگ کا قیمتی پتھر ، ''جام عقیق'' = عقیق کا جام ۔

دل کو جام عقیق کہا اور اس میں شراب بھی اسی رنگ کی یعنی سرخ ہے ۔ جو محبوب کے حسن کی تجلی ہے ۔ شاعر کہتا ہے محض رنگ سے ایک شراب دوسری شراب سے الگ پہچانی نہیں جاتی ۔ (ان میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا) تیرے حسن کی تجلی میرے دل میں یوں سمائی ہوئی ہے جیسے شراب جام عقیق میں ہو ۔

براہِ شوق بر آن آب خوں ہمی گریم
کہ قطرہ قطرہ چو ابرم چکیدہ از ابریق

میں محبت کی راہ میں اس پانی پر خون کے آنسو بہاتا ہوں جو صراحی سے ابر کی طرح قطرہ قطرہ گرتا ہو (محبت کی تشنگی کبھی قطروں سے دور نہیں ہو سکتی) ۔

بجز دمے نکند خستہ ام چو سنگ در آب
ہجوم ریزشِ غمہائے سخت و قلبِ رقیق

لغت : ''رقیق'' = نرم و نازک ۔۔۔۔ قلبِ رقیق ، وہ دل جس پر آسانی سے رقت طاری ہو جائے ۔ جذبات سے لبریز ۔ جس طرح پانی میں کوئی پتھر گرتا ہے تو پانی میں ایک لحظہ کے لیے لرزش آ جاتی ہے اور پھر دور ہو جاتی ہے یہی حال میرے قلب رقیق کا ہے جس میں سنگین غم کثرت سے آ کر گرتے ہیں اور یہ قلب انھیں سکون کے ساتھ برداشت کرتا رہتا ہے مرزا نے قلب کے غم زدہ ہونے اور اپنے حوصلہ کے لیے نادر تشبیہ استعمال کی ہے ۔

بہیچ پایہ نگشت اضطرار ما زائل
بود ستارۂ عاشق در اوج دستِ غریق

لغت : ''غریق'' = ڈوبا ہوا ، ڈوبتا ہوا ۔۔۔۔ ''اضطرار'' = بے بسی کا عالم ۔ دستِ غریق = ڈوبنے والے کا ہاتھ ۔

ہماری اضطراری کیفیت کسی مقام پر بھی زائل نہ ہوئی ، ڈوبنے کی انتہائی حالت بھی ایسی تھی کہ جسے ستارۂ عاشق کا اوج کہا جائے ۔

بہانہ جوست کرم زآں کہ در گذارشِ کار
نبودہ حسنِ عمل بے علاقۂ توفیق

لغت : ''حسن عمل'' = نیک عمل ، نیک اعمالی ۔۔۔ ''توفیق'' = اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا انسان کے موافق حال یا شامل حال ہونا ۔

حق تعالیٰ کرم ہی کرم ہے۔ اور اُس کا کرم ہمیشہ اس بات کی تلاش میں ہوتا ہے کہ کب کسی کو اپنے سائے میں لے لے - یہی وجہ ہے کہ انسانی اعمال کے سلسلے میں ، حسن عمل کے قبول ہونے کے لیے توفیق ایزدی بھی لازمی ہے اور اسے بخشش ایزدی کی بہانہ جوئی کہنا چاہیے کہ نیک اعمال کے ساتھ توفیق کو اس لیے شامل کیا گیا کہ بے عمل لوگوں کو بھی اس کرم سے کچھ حصہ نصیب ہو سکے -

مرا که ذره لقب دادهٔ ، همی رقصم
که نسبتے بزبان تو کرده ام تحقیق

مجھے تو نے ذرے کا لقب دیا ہے اور میں خوشی سے رقصاں ہوں کہ اس طرح مجھ حقیر کو تیری زبان سے ایک نسبت پیدا ہو گئی ہے - یعنی یہ لفظ تیری زبان پر آیا ہے -

حدیث تشنگی لب به پیرِ ره گفتم
ز پاره جگرم در دہن نہاد عقیق

میں نے اپنے لبوں کی پیاس کا تذکرہ پیر رہ سے کیا - اُس نے میرے پارۂ جگر کے عقیق کو لے میرے منہ میں ڈال دیا یعنی محبت کے پیاسوں کی پیاس خون جگر ہی سے بجھ سکتی ہے -

براہ کعبہ ہلاکم نمی کنی باور
تو اے کہ بیہدہ باز آمدی زبیت عتیق

ندیدہ بہ بیاباں بہ زیرِ خار بنے
شکستہ مشربۂ آب و پارۂ ز سویق

ترا بہ پہلوے میخانہ جا دہم غالب
بشرط آں کہ قناعت کنی ببوے رحیق

لغت: ''رحیق'' = شراب ناب۔

غالب! میں تجھے میخانے کے پہلو میں جگہ دوں گا بشرطیکہ تو شراب ناب کی بو (سونگھنے) ہی پر قناعت کرے۔

اک تشنہ شراب کے لیے بوئے شراب بھی کافی ہوتی ہے کہ کچھ تو حاصل ہوا۔

غزل نمبر ۲

شدم سپاس گزار، خود از شکایتِ شوق
زہے زمن بدل بے غمش سرایت شوق

لغت: ''شوق'' = محبت، اشتیاق محبت۔۔۔۔ ''سپاس گزار'' = ممنون۔

محبت میں جو جو شکایتیں میرے لبوں پہ آئیں اُن کا میں

خود ہی ممنون ہوں کیونکہ آن کی بدولت میرے محبوب کے
غم سے بے نیاز دل پر میری محبت کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا ۔

به بزم باده ، گریباں کشودنش نگرید
خوشا بہانۂ مستی ، خوشا رعایت شوق

شراب مستی بھی پیدا کرتی ہے اور جسم میں گرمی بھی ۔
میخوار اکثر شراب پیتے وقت اپنا گریباں کھول دیتے ہیں ۔ شاعر
محبوب کے گریباں کھولنے کو دو باتوں پر محمول کرتا ہے ۔ ایک تو یہ
کہ نشے کا بہانہ ہے (مستی) اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے چاہنے والوں
کے ذوق و شوق سے خود بھی متاثر ہوا ہے اور اسی رعایت سے
آس نے اپنی گریبان کشائی کی ہے ۔ اور وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ
اسی بہانے سے ذرا حسن کی نمائش ہو جائے ۔ انہی تاثرات کو قلم بند
کرنے کے لیے شاعر نے ''خوشا بہانہ مستی اور خوشا رعایت شوق'' کے
الفاظ استعمال کیے ہیں جو صحیح منظر کشی کرتے ہیں ۔

ہر آں غزل که مرا خود بخاطر است ہنوز
ببانگ چنگ ادامی کند ز غایت شوق

جو غزل ابھی تک میرے ذہن میں ہے (اور لب پر یا صفحہ
قرطاس پہ نہیں آئی) وہ وفورِ شوق کے باعث ساز کی آواز سے ادا
ہو رہی ہے ۔

یعنی عاشق کے شوق کا یہ عالم ہے کہ ساز بھی اس کے جذبات
و احساسات کی ترجمانی کر رہا ہے ۔

دخاں ز آتش یا قوت گر دمد عجب است
عجب تر است ازیں بر لبش حکایتِ شوق

لغت : ''دخاں'' = دھواں ۔ ۔ ۔ ۔ ''یاقوت'' = سرخ رنگ کا پتھر جس کی چمک دمک میں آگ کا اشتباہ ہوتا ہے ۔ اگر یاقوت کی آتشیں چمک سے دھواں اٹھنے لگے تو بڑی عجیب بات ہے لیکن اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اس کے (محبوب کے) سرخ لبوں سے محبت کی داستان بلند ہو ۔

یعنی محبوب کا محبت کی باتیں کرنا عجیب ماجرا ہے ، یاقوت کے جلنے سے بھی زیادہ عجیب ۔

غلط کند رہ و آید بہ کلبہ ام ناگاہ
صنم فریب بود شیوۂ ہدایتِ شوق

محبت کچھ ایسے انداز خاص سے ہدایت فرماتی ہے کہ صنم بھی دھوکا کھا جاتا ہے ، میرے محبوب کو دیکھو کہ اسے جانا کہیں اور ہوتا ہے اور وہ راہ بھول کر میرے یہاں آ پہنچتا ہے ۔

محبت کی ہدایت کاری سے مراد ، محبت کی اثر انگیزی ہے جو محبوب کو کشاں کشاں عاشق تک لے آتی ہے ۔

متاعِ کاسد اہل ہوس بہم برزن
کنوں کہ خود شدۂ شحنہ ولایتِ شوق

اب جبکہ تو خود شہر محبت کا کوتوال ہو گیا ہے تجھے اہل ہوس کے تمام جھوٹے ساز و سامان کو درہم برہم کر دینا چاہیے ۔

شہر محبت کے کوتوال سے ایسا شخص مقصود ہے جسے محبت کا پورا شعور حاصل ہے اور وہ سچے اور جھوٹے عشق کو پرکھ سکتا ہے ۔

بخود مناز و بہ آموزگار ہم بپذیر
من و نہایت شوق و تُو و بدایت شوق

لغت : ''آموزگار'' = اُستاد ۔ ۔ ۔ ۔ ''بپذیر'' = قبول کر لے ۔ ۔ ۔ ۔ ''بدایت'' = ابتدا ۔ ۔ ۔ ۔ ''نہایت'' = انتہا ۔

اپنے آپ پہ اتنا ناز نہ کر ۔ کچھ اُستاد کی طرف بھی راغب ہو کر سیکھ لے ۔ دیکھ کہ تو ابھی محبت میں مبتدی ہے اور میں منتہی ہوں ۔ (ہمارے وفور شوق کا مقابلہ تو کیسے کرے گا) ۔

محبوب کو اپنی طرف راغب کرنے کی خوبصورت توجیہہ کی ہے ۔

مکن بورزشِ ایں شغل جہد، می ترسم
کہ چوں رسی بخطِ خطوۂ نہایت شوق

تراز پرسشِ احباب بے نیاز کند
غرور یکدلی و نازشِ حمایتِ شوق

(محبت کے) اس شغل میں مشق کرنے کی اتنی سعی و کوشش نہ کر کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ جب تو منزل شوق کے آخری قدم پر پہنچے گا تو تو دوستوں کی پرسش حال سے بے نیاز ہو جائے گا اور یہ بے نیازی تجھ میں اس لیے پیدا ہوگی کہ تجھے محبت میں اپنے

یکدل ہونے کا غرور ہوگا اور تو کسی ایک کے شوق کو دل میں لیے ہوئے ہونے پر ناز کرے گا۔

یکدل کا مفہوم یہ ہے کہ تو صرف ایک کو چاہے گا اور ترا دل اُسی کی محبت کے گن گائے گا اور دوست نظرانداز ہو جائیں گے۔

سرِ توسبز تر از حرفِ غالب است بدھر
خجستہ باد بفرقِ توظلّ رایتِ شوق

زمانے میں تیرا سر غالب کے کلام سے زیادہ سر سبز (آباد اور شاداں و فرحاں ہے) ہے۔ تیرے سر پر محبت کے پرچم کا سایہ مبارک ہو۔

ردیف ک

غزل نمبر ۱

مرد آنکہ در ہجومِ تمنا شود ہلاک
از رشکِ تشنۂ کہ بدریا شود ہلاک

جواں مرد وہ ہے جو تمناؤں کے ہجوم میں جان دے دے اور اُسے اُس پیاسے پر رشک آئے جو سمندر میں رہ کر پیاسا جان دے دیتا ہے۔

عشق کی تشنگی کبھی نہیں جاتی۔ ایک تمنا پوری ہونے کے بعد ہزاروں تمنائیں اُبھر آتی ہیں۔ یہ تمنائیں یہ آرزوئیں اور خواہشیں

پوری ہوں نہ ہوں ان خواہشات کی دنیا ہی منتہائے شوق ہے:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں و لیکن پھر بھی کم نکلے (غالب)

گردم ہلاکِ فرۂ فر جام رہروے
کاندر تلاشِ منزل عنقا شود ہلاک

میں اس رہرو کی عالی ہمتی اور مبارک انجامی پر قربان جاؤں
جو عنقا کی منزل کی تلاش میں جان دے دے۔ عنقا ایک فرضی پرندہ
ہے اس کو تلاش کرنا اور اسی دھن میں جان دے دینا، سعی و
کوشش کی انتہا ہے اور یہی زندگی ہے۔

نازم بکشتۂ کہ چو یابد دوبارہ عمر
در عذر التفاتِ مسیحا شود ہلاک

میں اس شہید مرنے والے پر ناز کرتا ہوں کہ جب اسے دوبارہ
زندگی ملے تو وہ اس بات پر مر جاتا ہے کہ اس میں مسیحا کی نظر
التفات کا شائبہ تھا۔
اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسیحا اپنے دم معجز نما سے
مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

دارم بہ کُنج غم کدہ رشک کسے کہ او
در جلوہ گاہِ دوست بغوغا شود ہلاک

مجھے اپنے غم کدہ میں گوشہ نشیں ہو کر اس شخص پر رشک

آتا ہے جو جلوہ گاہِ دوست میں آ کر محبوب کے جلوؤں کی ہنگامہ آرائی پر جان دے دیتا ہے ۔

رشک اس بات کا ہے کہ میں تو جلوۂ دوست کو ترس رہا ہوں لیکن اُدھر دیکھو ایک انسان ہے جو محبوب کو یوں ہنگامہ آرا دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتا اور مر جاتا ہے ۔

منمائے رخ بما که بدعویٰ نشسته ایم
در خلوتے که ذوقِ تماشا شود هلاک

اپنے چہرہ کو بے نقاب نہ کر کہ ہم بڑے ادعا سے ایک ایسی خلوت میں بیٹھے ہیں کہ جہاں جلوؤں سے لذت اندوزی کا ذوق ہی فنا ہو جاتا ہے ۔

با عاشق امتیاز تغافل نشان دهد
تا خود ز شرم شکوۂ بے جا شود هلاک

وہ عاشق کو تغافل شناسی کو پہچاننے کا انداز عطا کرتا ہے تا کہ عاشق اُس کے تغافل کا شکوہ کرے اور وہ یہ کہہ سکے کہ دیکھو تمہارے سارے شکوے بیکار ہیں اور ان بے جا شکووں نے مجھے مار ڈالا ہے ۔

یعنی محبوب اس انداز سے تغافل برتتا ہے کہ تغافل معلوم نہ ہو ، اس پر اگر عاشق تغافل کا انداز پہچان لے اور شکایت کرے تو وہ اُسے شکوۂ بے جا کہتا ہے ۔

تامرد را بلخلخه آسائش مشام
مرد از تفِ سموم به صحرا شود ہلاک

لغت: ''لخلخہ'' = وہ تیز خوشبو جس سے بے ہوش آدمی ہوش میں آ جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ''سموم'' = گرم ہوا ۔

ایک نامرد ہی کو لخلخے سے سکون دماغ حاصل ہوتا ہے ۔ مرد تو وہ ہے جو صحرا کی گرم ہوا کی تمازت کو برداشت کرتا کرتا جان قربان کر دے ۔

با خضر اگر نمی رویم از بیم ناکسی است
ترسم زننگِ ہمرہی ما شود ہلاک

اگر ہم خضر کے ہمراہ نہیں چل سکتے تو یہ ہمارے ناکس (نا اہل) ہونے کے دلیل ہے ۔

ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں خضر ہماری ہمراہی کو اپنے لیے باعث ننگ سمجھ کر جان نہ دے دے ۔

غم لذتے است خاص کہ طالب بذوقِ آں
پنہاں نشاط ورزد و پیدا شود ہلاک

غم ایک خاص لذت کا نام ہے کہ اُس کا طالب اُس کے ذوق میں پوشیدہ طور پر خوش رہتا ہے لیکن ظاہر میں ہلاک ہو جاتا ہے ۔

غالب ستم نگر که چو ولیم فریزرے
زینساں بچیرہ دستیِ اعدا شود هلاک

غالب ، ستم دیکھ کہ ولیم فریزر جیسا انسان اس طرح دشمنوں کی چیرہ دستیوں سے ہلاک ہو جائے ۔

غزل نمبر ۲

بحر اگر موج زن است از خس و خاشاک چه باک
باتو ز اندیشه چه اندیشه و از باک چه باک

لغت : ''اندیشہ'' = فکر ، خدشہ ، خوف ، ۔ ۔ ۔ ۔ ''باک'' = خوف ، ڈر ۔

سمندر میں اگر تلاطم بپا ہے تو پھر خس و خاشاک کا کیا ڈر ہے ۔ 'تو ہے تو پھر خوف کیا ہے اور ڈر کیا ہے ۔ سمندر میں طوفان ہو تو تنکے وغیرہ ابھر کر سطح آب پر آ جاتے ہیں لیکن اگر محبوب کا ساتھ ہو تو پھر طوفان کا خوف نہیں ہوتا ۔ ایسے میں خس و خاشاک انسان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں ۔

شاعر نے ایک طرح ، خطرات کو خس و خاشاک سے تشبیہ دی ہے ۔ خس و خاشاک تو طوفان میں خود بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں ۔

فیض سرگرمی دورِ قدح مے در یاب
برگریز است به دے ماہ اگر تاک چه باک

لغت : ''دیماہ'' = سردی کا مہینا ۔ ۔ ۔ ۔ ''تاک'' = انگور کی بیل ۔ ۔ ۔ ۔ ''برگریز است'' = بھاگا جا رہا ہے ۔ تیزی سے گزر رہا ہے ''دریاب'' = لذت اندوز ہو ، تمتع حاصل کر لے ۔

اگر دے کے مہینے میں انگوروں کی بیل تیزی سے ختم ہو رہی ہے تو کیا خوف ، بزم مے میں دورِ جام کی گرمی سے لذت اندوز ہوتا رہ ۔

وحشتے نیست اگر خانه چراغے دارد
با دل از تیرگیِ زاویۂ خاک چه باک

لغت : ''زاویۂ خاک'' = ظلمت کدۂ خاک ، یہ دنیا ۔

اگر گھر میں چراغ ہے تو پریشانی کیسی ۔ سینے میں دل ہے تو پھر اس ظلمت خاک سے گھبرانا کیسا ۔ یعنی دل ہی سے زندگی میں روشنی اور چمک آتی ہے ۔ دل کو نہیں بجھنا چاہیے ۔

حاش للہ که دریں معرکه رُسوا گردی
با چنیں خستگیم از جگر چاک چه باک

حاشا کہ اس ہنگامہ محبت میں رسوا ہونے کا کوئی امکان نہیں ۔ اس میری خستگی کے ہوتے ہوئے میرے جگر چاک کی کیا حیثیت ہے ، رسوائی کس بات کی ۔

غافل ، ایں برق بر اجزائے وجودم زدہ است
مر ترا از نفسِ گرمِ اثرناک چہ باک

لغت : ''اثر ناک'' = اثر انگیز - - - - ''اجزائے وجود'' = میری ہستی کے رگ و ریشے میں -

اے میرے غافل ہمدم تو میری ان آتشیں آہوں کی اثر انگیزی سے کیوں گھبرا رہا ہے - یہ برق بلا (محبت کی گرمی) تو میرے وجود کے رگ و ریشے میں سرایت کیے ہوئے ہے اور میں جل گیا ہوں - اس تپتے ہوئے سانس سے کیا خوف -

با رضائے تو ز ناسازیِ ایام چہ بیم
با وفائے تو ز بے مہریِ افلاک چہ باک

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے :

تو ہم سے خوش ہے تو زمانے کے ناموافق ہونے (ناسازگاری) سے کیا خطرہ اور تو باوفا ہے تو آسان اور سیاروں کی بے مہری کا کیا ڈر -

ھاں بگو تا خمِ زُلفت بفشارد دل را
خون صیدار چکد از حلقۂ فتراک چہ باک

لغت : ''فشردن یا فشاردن'' = بھینچنا - - - - ''فتراک'' = گھوڑے کی زین کا وہ لوہے کا حلقہ (کنڈا) جس سے شکر کو مار کر باندھ لیتے تھے -

معشوق کے خم زلف کو حلقۂ فتراک سے تشبیہ دے کر کہتا ہے :

ہاں اپنی پر پیچ زلفوں سے کہہ دے کہ وہ میرے دل کو بھینچ لے ۔ اگر شکار کا خون اس بھینچنے سے فتراک سے ٹپک پڑے تو کیا ڈر ہے ۔

دردم از چارہ گری ھا نپذیرد تسکیں
با چنیں زہر زدم سردیِ تریاک چہ باک

لغت : ''تریاک'' = زہر کے اثر کو دور کرنے والی دوا ۔

میرے دل کا مداوا کرنے سے میرے درد میں کوئی افاقہ نہیں ہوتا ، ایسے تیز زہر کے ہوتے ہوئے تریاک کی ٹھنڈک کا کیا ڈر ۔

کلکِ ما تا بکفِ ماست ز دشمن چہ ہراس
چوں فریدون علَم آراست ز ضحاک چہ باک

لغت : ''ضحاک'' = قدیم ایران کا ایک ظالم بادشاہ (جو کہا جاتا ہے غیر ایرانی تھا) جس کے جور و ستم سے تنگ آ کر ایک لوہار (کاوہ) نے سر اٹھایا اور فریدون نے جو ایک قدیم شاہی خاندان سے تھا ، باغیوں کی سپہ سالاری کرکے ضحاک پر فتح پائی ۔ یہ واقعہ ایران اور ایران کے باشندوں کی آزادی کی تاریخ میں ایک یادگار دن ہے اور ادب کا ایک جز بن چکا ہے ۔

جب تک قلم ہمارے ہاتھ میں ہے دشمن سے کیا خوف ۔ جب فریدون نے پرچم کشائی کی ہو تو ضحاک کا کیا ڈر ۔

غزل نمبر ۳

سبک روحم بود بار من اندک
چرا نشماری آزارمن اندک

لغت : ''سبک روح'' = وہ شخص جس نے دنیاوی زندگی کے ساز و سامان کا بوجھ اپنی روح پہ نہ ڈالا ہو ۔

''اندک شماردن یا شمردن'' = تھوڑا سمجھنا ، معمولی خیال کرنا ۔

میں سبک روح ہوں ، میرا بوجھ بہت ہلکا ہے ۔ تو جو جور و ستم مجھ پر ڈھاتا ہے اسے معمولی خیال کیوں نہیں کرتا اور مزید ظلم و ستم پر آمادہ کیوں نہیں ہوتا ۔ (جس نے اپنی زندگی کو دنیا سے بے نیاز بنا لیا ہو وہ دنیا کے دکھوں کو کیا سمجھتا ہے) ۔

تنم فرسود در بند تو بسیار
دلت بخشود برکار من اندک

تیری محبت کی قید و بند میں میرے جسم نے کیا کیا دکھ اٹھائے ۔ تیرے دل نے میرے معاملے میں بہت کم توجہ دی ۔

ازیں پرسش کہ بسیار است از تو
شد اندوہِ دل زار من اندک

تیری پرسش میرے حال پر (جو کم ہونے کے باوجود) بہت زیادہ ہے ، میرے دل کا دکھ کم ہو گیا ہے ۔

ہمانا زآں حکایت ها که دارم
شنیدستی ز غمخوار من اندک

یقیناً میری اتنی زیادہ داستانوں کو تو نے میرے غمخوار سے تھوڑی بہت ضرور سنی ہوں گی -

زخاصانت گرامی گوھرے ہست
که می داند ز اسرار من اندک

تیرے خاص ندیموں میں ایک ایسی عظیم ہستی بھی ہے جو کچھ تھوڑا سا میرے راز کو جانتی ہے -

سر کوچک دلی هاے تو گردم
که آساں کردہ دشوار من اندک

لغت : ''کوچک دلی'' = تنگ دلی - چھوٹے دل کا ہونا -
تیری اس تنگ دلی کے قربان جاؤں جس نے میری دشواریوں کو آسان کر دیا -

برآئی از نورد موج تشویر
نہی گر دل بگفتار من اندک

لغت : ''تشویر'' = پریشانی - - - ''نورد'' = لپیٹ - ''از نورد موج تشویر'' = پریشانیوں کی الجھنوں سے اگر تو میری باتوں پر زرا سی توجہ دے تو 'تو پریشانیوں کی الجھنوں سے نجات پالے گا -

مداں کز دست برد تست گرہست
متاعِ صبر دربار من اندک

اگر میرے صبر کا سرمایہ (متاع) کم ہے تو یہ مت سمجھ
کہ یہ تیری دست برد کی وجہ سے کم ہے۔

وجودم خوانِ یغما بُود غم را
تو ہم بُردی ز بسیار من اندک

لغت: ''وجود'' = ہستی۔۔ ''خوان یغما'' = لوٹ کا سامان۔
میری ہستی (زندگی) غم کے لیے لوٹ کا سامان تھی اس میں
سے تُو بھی تھوڑا سا اٹھا لے گیا۔

(نوٹ): (یہ شعر پہلے شعر سے قطعہ بند ہے)۔

نگویم تا نباشد نغز غالب
چہ غم گرہست اشعار من اندک

غالب اگر میرے اشعار کی تعداد کم ہے تو کیا غم۔
جب تک اچھے نہ ہوں میں شعر نہیں کہتا۔

ہمچو فرہادیکے گویم و شیریں گویم

ردیف گ

اے ترا و مرا دریں نیرنگ
دہن و چشم و دست و دل ہمہ تنگ

لغت: ''نیرنگ'' = یہ دنیا جہاں طرح طرح کی نیرنگیاں (حالات عجیب) ظہور میں آتی ہیں۔

دہن تنگ سے مراد چھوٹا اور تنگ منہ ۔ ۔ ۔ ۔ دست تنگ سے مراد افلاس زدہ ہاتھ ۔ خالی ہاتھ ۔

''چشم تنگ'' وہ آنکھ جس کا ظرف تنگ ہو ۔ دل تنگ سے مراد غمزدہ دل ۔ گھٹا ہوا دل ۔

اس عالم نیرنگ میں تجھے اور مجھے دو دو چیزیں ملی ہیں، دونوں کی دونوں تنگ ۔ تجھے دہن و چشم تنگ عطا ہوئے ہیں اور مجھے دست و دل تنگ میسر آئے ہیں ۔

ہم تو خود در کمیں خویشتنی
اے برخ ماہ و اے بخوے پلنگ

تو خود اپنی گھات میں آپ ہے ۔ چہرے کے اعتبار سے چاند اور طبیعت کے اعتبار سے چیتا ۔

ھاں مغنی کہ در ہوائے شراب
می سرائی غزل بنالۂ چنگ

لغت: ''می سرائی'' = ماضی استمراری، فعل امر کا مفہوم دے رہا ہے یعنی نغمہ سرا ہو ۔

اے مغنی اس فضائے مستی میں ساز چنگ کے ساتھ ایک غزل چھیڑ ۔

زخمه می ریز ہم بدیں انداز
نغمه می سنج ہم بدیں آهنگ

اسی انداز سے مضراب کو چلاتا جا اور اسی لے میں گا تا جا ۔

فرصتت باد ساقی چالاک
اے به دفع غم ، ایزدی سرهنگ

لغت : ''ساقی چالاک'' = چابک دست ساقی ۔ ساقی ہشیار ۔
''ایزدی سرہنگ'' = سرہنگ سے مراد سپاہی ، کارکن ، کارفرما ہے ۔ یعنی کارفرمائے ایزدی ۔ جسے قدرت نے کام پر لگایا ہو گویا غیبی فرشتہ ۔

اے ساقی! اللہ تجھے زندہ رکھے غموں کے دور کرنے کے لیے تیرا وجود فرشتہ غیبی کا ہے ۔

شیشه بشکن ، قدح بخم در زن
تانه گنجد دریں میانه درنگ

لغت : ''درنگ'' = تاخیر ، دیر ۔

صراحی توڑ ڈال اور پیالے کو واپس خم میں انڈیل دے تاکہ ان کے باعث ذرا سی تاخیر واقع نہ ہو خم سے منہ لگا کر ہی پی لیں ۔ یا خود تیرا قرب ہی کیف طاری کر دے ۔

شود انبان ، ادیم ، کو آن فیض
گردد انده ، نشاط کو آن رنگ
پرتو خاص در نہادِ سہیل
بادۂ ناب در دیار فرنگ

لغت : ''انبان'' = معمولی بوریا - - - ''ادیم'' = چمڑہ ، عمدہ خاص چمڑہ -

''سہیل'' ایک ستارہ جس کے متعلق مشہور ہے کہ اگر اُس کی روشنی رات کو ''ادیم'' یعنی چمڑے پر پڑے تو اُس میں سے بدبو دور ہو جاتی ہے اور خوشبو آ جاتی ہے - در اصل ایسے چمڑے ہی کو ادیم کہا جاتا ہے - عرب میں ایک جگہ طائف ہے وہاں کا چمڑہ مشہور ہے اُسے ادیم طائفی کہتے ہیں -

مولانا جامی نے ''یوسف زلیخا'' میں پیغمبر کو خطاب کرتے ہوئے ادیم طائفی کا ذکر یوں کیا ہے :

ادیم طائفی نعلین پا کن   شراک از رشتۂ جان ہائے ما کن

(یعنی طائف کے چمڑے کے بنے ہوئے نعلین پہن اور ہمارے رشتۂ جاں کو ان نعلین کا تسمہ بنا لے) -

معمولی بوریا ادیم بن جائے ایسا (چشمۂ) فیض کہاں - غم ، خوشی بن جائے وہ کیفیت کدھر ہے - ایسی خاص چمک تو صرف وجود سہیل میں ہے اور ایسی شراب (ناب) تو دیار فرنگ میں ہے ہمیں کہاں نصیب -

شکوہ وشکر ہرزہ و باطل
غالب و دوست آبگینہ و سنگ

معشوق کا شکوہ کرنا یا اُس کا شکر ادا کرنا ، بے کار اور سراسر غلط ہیں ، کیونکہ غالب اور معشوق ایسے ہیں جیسے شیشہ اور پتھر ۔

غالب اللہ کا کیا شکر کرے اور کیا شکایت ، وہاں سے اُس کے شیشۂ ہستی پر پتھر ہی برسے ہیں ۔

ردیف ل

غزل نمبر ۱

نہ مرا دولت دنیا ، نہ مرا اجر جمیل
نہ چو نمرود توانا نہ شکیبا چو خلیل

لغت : ''اجر جمیل'' لغوی معنے اچھا اجر کے ہیں ۔ اصطلاح میں وہ مراد ہے جو نیک لوگوں کو آخرت میں عطا ہوگا ۔
''شکیبا'' میں ''ا'' الف فاعلی ہے ۔ معنے ہیں صبر کرنے والا ۔ ۔ ۔ ''نمرود'' وہ مغرور بادشاہ جس نے خدائی کا دعوی کیا تھا اور جب حضرت ابراہیم نے اُس کی خدائی کو تسلیم نہ کیا تو اُنھیں آگ میں ڈال دیا ۔ ۔ ۔ ''خلیل'' حضرت ابراہیم جنھوں نے آگ میں خود کو بے خطر ڈال کر اپنے صبر و شکیب کا ثبوت دیا ۔

مجھے نہ دنیا کی دولت حاصل ہے نہ ہی آخرت میں اجر جمیل کی توقع ہے ۔ نہ میں نمرود کی طرح صاحب اقتدار ہوں نہ خلیل کی طرح صاحب صبر ۔

با رقیبان کفِ ساقی ہمہ نابِ کریم
با غریبان لبِ جیحون بہ دمِ آب بخیل

ہمارے رقیبوں کو ساقی کا ہاتھ بڑی سخاوت سے شراب ناب پلاتا ہے اور (ہم) اجنبیوں کے لیے جیحون دریا کا کنارا بھی ایک قطرۂ آب دیتے وقت بخل سے کام لیتا ہے ۔

غریب یا اجنبی کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ معشوق ، عاشق کو غیر ہی سمجھتا ہے ۔

بُنہ و بار بہ شبگیر در افگندہ براہ
آنکہ دانست سراسیمگیِ صبحِ رحیل

لغت : ''شب گیر'' کا ایک مفہوم رات کو لوٹنے والا ہے ۔ یہاں وہی معنے دیتا ہے ۔ دوسرا مفہوم ''رات کے آخری وقت میں سفر پر روانہ ہونا ۔''

''بنہ وبار'' = ساز و سامان (بالخصوص وہ سامان جو مسافر سفر میں ساتھ لے جاتا ہے) ۔

''صبح رحیل'' = سفر کی صبح ۔ ۔ ۔ ''سراسیمگی'' = پریشانی (سفر پر روانگی کے وقت ایک پریشانی سی طاری ہوتی ہے) ۔

جس کسی کو بھی سفر کی صبح کی پریشانی کا احساس ہوا اس نے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ہی اپنا سارا ساز و سامان رہزن کی راہ ڈال دیا کہ نہ سفر میں کوفت ہو نہ رہزن کا ڈر دامنگیر ہو ۔

ناصر علی سرہندی کا شعر ہے :

تو رہ از کثرت اسباب برخود تنگ می سازی
سبکروحاں چو بوے گل رہا کردند محملہا

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو (غالب)

ھان وھاں اے گہریں یارہ وسیمیں ساعد
کز دم تیغ بہ لیسی بہ زباں خونِ قتیل

لغت : ''یارہ'' = چوڑی ۔ ۔ ۔ ''ساعد'' = کلائی ۔ ''گہریں یارہ'' اور ''سیمیں ساعد'' دونوں اسم فاعل ترکیبی ہیں مفہوم ہے موتیوں کی چوڑیوں والا اور چاندی کی کلائی والا ۔ مراد نازک اندام اور نازک مزاج معشوق ۔

''قتیل'' بمعنی مقتول ۔ شہید عشق ۔ ۔ ۔ ہان و ہاں حرف تاکید ہے ۔

اے زیور سے آراستہ نازک مزاج ذرا غور تو کر کہ تو باطن میں کتنا ظالم اور بے رحم ہے کہ اپنے مقتول عاشق کا خون (قتل کے بعد) تلوار کی دھار سے اپنی زبان کے ساتھ (مزے لے لے کر) چاٹتا ہے ۔

بس کن از عربدہ تا چند ربائی بفسوس
از گدایاں سر و از تارک شاھاں اکلیل

لغت : ''بہ فسوس'' = فریب کاری سے ۔ ''تارک'' = سر ۔ ۔ ۔ ''اکلیل'' تاج ۔ ۔ ۔ ''عربدہ'' جنگ ، مخاصمت ۔

یہ مخاصمت چھوڑ دے تو کب تک فریب سے گداؤں کا سر کاٹتا رہے گا اور شاہوں کے سر سے تاج اتارتا رہے گا۔ یعنی کب تک تیرا جور و ستم شاہ و گدا پر جاری رہے گا۔

تو نباشی دگرے کوئے تو نبود چمنے
کے شدستیم به دلتنگیِ جاوید کفیل

تو نہیں ہوگا اور تیرا کوچہ بھی چمن نہیں رہے گا، ہم کیوں ہمیشہ کے لیے غم و اندوہ کی زندگی کے کفیل بن کر رہیں۔

ترس موقوف، چه شد رشک، به بینی که دگر
دارم آهنگ نیا یشگریِ رب جلیل

خوف کھانا تو درکنار، رشک کو کیا ہو گیا (تجھے رشک بھی نہیں آتا کہ تیرے ہوتے ہوئے) میں دوبارہ رب جلیل کے آگے التجائیں (نیایش گری) کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔
اس جگہ سے شاعر خدا کو خطاب کرکے اپنی التجا شروع کر رہا ہے۔

اے به مسمارِ قضا دوخته چشم ابلیس
بدمِ گرم روان سوخته بالِ جبریل

لغت: ''گرم رواں'' = گرم رو کی جمع، راہ حق میں تیز چلنے والے۔ سالکان بر حق۔۔۔۔ ''بسمار'' = میخ۔
تو نے قضا کی میخ سے ابلیس کی آنکھ کو سی دیا اور اپنے گرم رووں کے سانس سے جبریل کے پروں کو جلا دیا۔

قضائے الٰہی ہی سے ابلیس گمراہ ہوا اور جبریل کو پیغام رسانی کے منصب میں تیز رفتاری ملی۔

باتو ام خرمیِ خاطر موسیٰ بر طور
با خودم خستگیِ لشکرِ فرعون به نیل

تیرا ساتھ ہو تو میرے دل کو وہی راحت قلبی نصیب ہوتی ہو حضرت موسیٰ کو طور پر ہوئی تھی اور میں اگر اپنے آپ پر چھوڑ دیا جاؤں تو میرا وہی برا حال ہوتا ہے جو لشکر فرعون کا دریائے نیل میں = (تباہی)۔

بر کمال تو در اندازہ کمال تو محیط
بر وجود تو در اندیشہ وجود تو دلیل

تیرے کمال کا اندازہ لگانے کے لیے خود تیرا کمال ہی اس پر احاطہ کر سکتا ہے۔ تیری ہستی کے اثبات کے سلسلے میں خود تیرا وجود ہی دلیل کا کام دیتا ہے۔ یعنی تیرے کمال کا اندازہ تیرا کمال ہی کر سکتا ہے اور تیری ہستی کو ثابت کرنے کے لیے خود تیری ہستی ہی دلیل ہے کسی اور کے بس کا روگ نہیں۔

نہ کنی چارہ لب خشکِ مسلمانے را
اے بہ ترسا بچگاں کردہ مےِ ناب سبیل

لغت: ''ترسا'' = آتش پرست، زرتشتی ۔ ۔ ۔ ''ترسا بچگان'' زر تشتیوں کی اولاد ۔ ۔ ۔ سبیل کے لفظی معنے طریق کے ہیں۔

درست راستہ = جائز راہ۔ آتش پرستوں کے نزدیک شراب حلال ہے۔

تو ایک مسلمان کے لب خشک کا تو کوئی چارہ کرتا نہیں اور آدھر تو نے ترسا بچوں کے لیے شراب ناب کو جائز قرار دیا ہوا ہے۔

غالب سوختہ جاں را چہ بگفتار آری
بد یارے کہ ندانند نظیری را ز قتیل

تو نے غالب سوختہ جاں کو ایسے دیار میں سخن سرائی پر کیوں مامور کیا ہے، جہاں لوگ نظیری اور قتیل میں فرق نہیں کر سکتے۔

لغت: ''نظیری'' = نظیری نیشاپوری اکبر اور جہانگیر کے عہد میں فارسی کا بہت بڑا شاعر تھا جس نے ایک اسلوب خاص میں امتیاز حاصل کیا آسے اس رنگ میں یکتا کہا جا سکتا ہے۔ وہ عرصے تک عبدالرحیم خانخانان کے دربار سے وابستہ رہا۔ ''قتیل'' =

غزل نمبر ۲

راہے ست کہ در دل فتد از خوں، رود از دل
ناید بہ زباں شکوہ و بیروں رود از دل

خون دل کے راستے سے داخل ہو کر باہر آتا ہے اور پھر سارے جسم میں گردش کرتا ہے۔ کہتا ہے: کہ ایک راہ خون کے

ذریعے سے دل میں پہنچی ہے اور پھر باہر نکل جاتی ہے ، ابھی شکوہ زبان تک بھی نہیں آتا کہ دل سے نکل جاتی ہے ۔

محبت کا اثر نہاں طور پر دل پر ہوتا ہے اور انسان اس کو بیان بھی نہیں کرنے پاتا کہ وہ کیفیت جاتی رہتی ہے قلبی تاثرات ، کر زبان بیان نہیں کر سکتی ۔

آتش بدمے آب تسلی شود و من
خوں گردم ازآں تف کہ بہ جیحوں رود از دل

آگ کو تھوڑے سے پانی سے بجھایا جا سکتا ہے لیکن میں اس حدت کا مارا ہوا ہوں کہ جیحوں (دریا) کا پانی بھی اسے دور نہیں کر سکتا ۔

خواہم کہ غم از کلبۂ من گرد برآرد
تا خواہشِ پیمودنِ ھاموں رود از دل

لغت : ''گرد برآرد'' = تباہ کر دے ، خاک کر دے ۔ ۔ ۔ ۔
''ہاموں'' بیاباں ، صحرا ۔

میں چاہتا ہوں کہ غم مرے گھر کو برباد کر دے (اور اس سے خاک اڑے) تاکہ بیاباں نوردی کی خواہش ہی دل سے جاتی رہے (خود از تباہ شدہ گھر کی خاک ہی اڑاتا پھروں اور اسی میں مجھے بیاباں کی خاک چھاننے کا مزہ آئے) ۔

سیل آمد و جوشے زد و در بحر فروشد
نیرنگِ نگاہش چہ بافسوں رود از دل

اس کی نگاہوں کا طلسم کون سے سحر سے دل سے مٹ سکتا ہے ۔

وہ ایک سیلاب تھا ، آیا ، اس میں تلاطم بپا ہوا اور وہ غرق بحر ہو گیا ۔

جس طرح سیلاب کا پانی سمندر میں گر کر سمندر کا جزو بن جاتا ہے اسی طرح محبوب کی نگاہ ناز دل میں اتر گئی اور اسی کا جزو بن کر رہ گئی ۔ اب وہ دل سے الگ کیوں کر ہو سکتی ہے ۔

بامن سخن از سستیِ اوہام سراید
کم خرّمی فالِ ہمایوں رود از دل

لغت : ''سستی اوہام'' = توہمات کا بے بنیاد ہونا ---- ''از دل کم می رود'' کم نفی کا مفہوم دیتا ہے یعنی از دل نمی رود دل سے نہیں جاتا ۔

محبوب مجھ سے اوہام کے بے بنیاد ہونے کا تذکرہ کرتا ، درست ، لیکن اُس ظاہرا محبت سے (جو محض ایک وہم ہے) عاشق جو نیک شگون لیتا ہے وہ عاشق کے دماغ سے نہیں جاتا ، اس کا کیا علاج ؛ حالانکہ یہ شگون محض وہم ہے ۔

شخصش بخیالم نزند پائچہ بالا
ہر چند ز جوشِ ہوسم خوں رود از دل

ہر چند کہ محبوب کی محبت میں میری خواہش جوش میں آتی ہے اور دل سے خوں ابھر کر آتا ہے لیکن اُس کا تصور میرے ذہن سے ذرا بھی نہیں اُبھرتا ۔ دھندلا دھندلا جاتا ہے ۔

در طبع، دگر رہ ندہم ہیچ ہوس را
گر حسرتِ اشراقِ فلاطوں رود از دل

لغت: ''اشراق فلاطون'' = افلاطون کی خیالی دنیا۔

میں اب اپنے دل میں کوئی تمنا نہ ابھرنے دوں گا خواہ اس کوشش میں افلاطون کی ساری خیالی دنیا کی حسرت ہی دل سے مٹ جائے۔

گیرم ز تو شرمندۂ آرزم نباشم
نا رفتنِ مہرِ تو ز دل چوں رود از دل

لغت: ''آرزم'' = لطف، مہربانی، عنایت۔

میں نے مانا کہ مجھے تیری عنایات کے احسان سے شرمندہ ہونا نہیں پڑے گا لیکن میں دل سے یہ بات کیسے دور کر سکتا ہوں کہ تیری محبت دل سے نہیں جاتی۔ یعنی یہ احسان تو پھر بھی باقی رہے گا اور مجھے تیرا شرمندۂ منت ہونا پڑے گا۔

زاں شعر کہ در شکوۂ خوے تو سرایم
لفظم بہ زباں ماند و مضموں رود از دل

جب میں وہ شعر جس میں تیری بری خو کی شکایت ہو، کہتا ہوں تو لفظ تو زبان پر آ جاتے ہیں لیکن مضمون دل سے نکل جاتا ہے یعنی تیری شکایتیں محض لفظی ہوتی ہے اور میں اوپرے دل سے تیرا شکوہ کرتا ہوں۔

غالب نبود کشتِ مرا پارۂ ابرے
جز دودِ فغانے کہ بگردوں رود از دل

اے غالب میری کھیتی پر بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نہیں لہراتا سوائے میری آتشیں فریادوں کے اس دھوئیں کے جو دل سے نکل کر آسماں کی طرف جاتا ہے۔

غزل نمبر ۳

گفتم ز شادی نبودم گنجیدن آساں در بغل
تنگم کشید از سادگی در وصل جاناں در بغل

میں نے کہا کہ خوشی کے عالم میں میرے لیے (تیرے) آغوش میں سمانا آسان نہیں ہے، مرے محبوب کی سادگی دیکھ اس نے یہ سنتے ہی مجھے اپنے آغوش میں زور سے بھینچ لیا۔

نازم خطر ورزیدنش، وآں ھرزہ دل لرزیدنش
چینے بہ بازی برجبیں، دستے بدستاں در بغل

لغت: ''خطر ورزیدن'' = خیالی طور پر خطرے میں ہونا ---- ''بازی'' = کھیل ---- ''دستان'' = داستان کا مخفف۔ دستاں کا ایک مفہوم نغمہ و آہنگ بھی ہے۔

معشوق کا وصل میں یہ خیال کرنا کہ صورت حال کچھ خطرناک ہے وہ اپنے کو یونہی اس فرضی خطرے میں پڑا ہوا محسوس کرتا ہے۔

اور اس کا دل بھی اس تصور ہی سے لرزاں ہے۔ وہ مشغلۂ عیش میں (بازی و دستان) مصروف بھی ہے اور ماتھے پر شکن بھی ہیں اور ہاتھ بغل میں دبائے ہوئے ہے (ڈر سے) اس کا یہ انداز بہت پیارا ہے۔

آہ از تنک پیراہنی کافزوں شدش تر دامنی
تا خوے بروں داد از حیا، گردید عریاں در بغل

لغت: ''تنک پیراہنی'' = ہلکے پھلکے یا مختصر لباس میں ہونا ---- ''تر دامنی'' = تر دامن ہونے کی حالت ---- ''خوے'' = پسینا۔ اُس کے ہلکے اور مختصر لباس سے اُس کی تردامنی اور بھی بڑھ گئی، ابھی حیا سے پسینا آیا ہی تھا کہ آدھر آغوش میں آ کر اس کا بدن عریاں ہو گیا۔

دانش بہ مے در باختہ خود را زمن نشناختہ
رخ در کنارم ساختہ از شرم پنہاں در بغل

وہ شراب سے اپنی ہوش و خرد کھو بیٹھا ہے اور مجھ میں اور اپنے میں فرق نہیں کر سکتا۔ مرے آغوش آ کر اس نے شرم سے اپنا چہرہ اپنی بغل میں چھپا لیا ہے۔

تا پاسدارد خویش را، مے در گریباں ریختے
خستے چو رفتے زآں مے اش گل از گریباں در بغل

جب تک اُس کو اپنا پاس رہتا وہ شراب کو گریباں میں انڈیل دیتا۔ جب اس شراب سے گریباں میں ٹکا ہوا پھول اس کی بغل میں

چلا جاتا وہ اس پھول سے بھی خستہ حال ہو جاتا ۔

گاہم بہ پہلو خفتہ خوش بستے لب از حرف و سخن
گاہم ببازو ماندہ سر سُودے زنخداں در بغل

کبھی تو وہ میرے پہلو میں خوش خوش سویا ہوا خاموش پڑا رہتا اور کبھی میرے بازو پر سر رکھ کر اپنی ٹھوڑی کو بغل سے گھساتا ۔

ناخواندہ آمد صبح گہ بندِ قبایش بے گرہ
واندر طلب منشورِ شہ نکشودہ عنوان در بغل

صبح کو وہ بن بلائے اپنے بند قبا کھولے ہوئے آ گیا اور بلاوے کے سلسلے میں بادشاہ کا پیغام بند لفافے میں لیے اور بغل میں دبائے ہوئے آیا ۔

بارخشِ سرہنگی رواں ، کش خنجر وژو پیں بکف
و زپس جلو دارے دواں کش گوے وچوگاں در بغل

ایک لشکری گھوڑ سوار اس کے ساتھ ساتھ آ رہا ہے جس کے ہاتھ میں خنجر اور طمنچہ ہے اور اس کے پیچھے ایک آدمی اس کی جلو داری میں دوڑ رہا ہے جس کی بغل میں گیند اور چوگاں (پولو کا بلا) ہے ۔

مے خوردہ در بستاں سرا مستانہ گشتے سو بسو
خود سایۂ او را ازو صد باغ و بستان در بغل

بستان سرا میں شراب پی اور پھر بد مست ہو کر ادھر آدھر گھوم رہا ہے - ایسے میں اس کے اپنے سائے کے آغوش میں سینکڑوں باغ دبستان لہلہا رہے ہیں -

چوں غنچہ دیدے در چمن گفتے بہ گلبن کت زمن
چوں رفتہ ناوک از جگر چوں ماندہ پیکاں در بغل

باغ میں جب اس کی نظر کلی پر پڑتی تو وہ پھول کی کیاری سے کہتا کہ کیا مری طرح تیرے جگر سے بھی تیر چیر کر باہر نکل گیا ہے اور اس کا پیکان بغل میں چھپا ہوا رہ گیا ہے -

کلی کو خوں آلود پیکان سے تشبیہ دی ہے -

ہاں غالب خلوت نشیں بیمے چناں عیشی چنیں
جاسوسِ سلطان در کمیں مطلوب سلطان در بغل

غالب خلوت نشیں ایک طرف اتنا خوف اور دوسری طرف عیش و نشاط کا یہ سامان ، بادشاہ کا جاسوس گھات میں ہے اور بادشاہ کا محبوب بغل میں ہے

غزل نمبر ۴

داریم در ہوائیِ تو مستی ببوئے گل
ماراست بادۂ کہ تو نوشی بروے گل

تیری تمنا میں ہمیں بوئے گل سے مستی نصیب ہوتی ہے۔ جو شراب تو پھولوں کے سامنے بیٹھ کر پیتا ہے وہی ہمارے لیے شراب بن جاتی ہے۔

اندازہ سنج رشکم و ترسم ز انتقام
پوشم ز شمع چشم و نہ بینم بسوے گل

لغت: ''اندازہ سنج' = اندازہ ملحوظ رکھنے والا۔

میں رشک کرتے وقت اندازے کو ملحوظ رکھتا ہوں اور انتقام سے ڈرتا ہوں۔ میں شمع سے چشم پوشی کر لیتا ہوں اور پھول کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔

بزم میں شمعیں بھی جلتی ہیں اور پھول بھی ہوتے ہیں۔ شاعر محبوب کی محفل آرائی پر جو شمع و گل سے آراستہ ہے رشک نہیں کرتا اس لیے ادھر توجہ ہی نہیں کرتا۔ اگر وہ بھی ان کی طرف راغب ہو تو اسے رشک آئے گا اور اگر رشک کو پاس نہ آنے دے اور جی بھر کے خود ان چیزوں سے لطف اندوز ہو تو یہ ایک طرح محبوب سے انتقام لینا ہوا۔

ظاہر یہ کرنا ہے محبوب کے بغیر شمع و گل سے کوئی لطف حاصل نہیں ہوتا۔

بر گوشهٔ بساط غریب است و آشنا
گلبنِ دیارِ گل بود شاخ کوئے گل

پھولوں کا اصل وطن پھولوں کی کیاری (گلبن) ہے اور شاخ کا کوچۂ گل۔ بساط نشاط پر پھول اجنبی ہے اور صرف آشنا سا (مانوس) لگتا ہے۔

اندیشه را به نیم ادا می توان فریفت
خوں کن دلے که از تو کند آرزوے گل

خیال کا کیا ہے آسے تو معمولی سے انداز (نیم ادا) سے دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ جو دل تجھ سے پھول کی آرزو کرے آسے خون ہونے دے۔

غم میں دل کا خوں ہونا ایسا ہی ہے جیسے پھولوں کی سیر کر لی کیونکہ غمزدہ انسان کو پھولوں سے بجائے خوشی کے دکھ ہوتا ہے۔

تا گل به رنگ و بوے که ماند که در چمن
گل در پس گل آمده در جستجوے گل

باغ میں پھول کس کا رنگ و بو لے کے آیا ہے (لفظی کس کے رنگ و بوسے مشابہ ہے) کہ ایک پھول دوسرے پھول کی جستجو میں ہے۔

جوش بہار بسکہ مہارش گسستہ است
تازد بدشت ناقۂ بےراہہ پوے گل

لغت : ''پوے'' = دوڑ ۔

جوش بہار نے پھول کی مہار توڑ دی ہے ۔ اب پھولوں کی دوڑ دشت و میدان میں بے راہ ناقہ کی طرح ہے ۔ بہار میں پھولوں کی اس قدر کثرت ہے کہ بوئے گل کوہ و دشت و بیاباں میں شتر بے مہار کی طرح دوڑتی پھرتی ہے ۔

ہی زود گیرِ زود گسل، ہی جگی جگے
درخشم خوے شعلہ و در مہر خوے گل

لغت : ''زودگیر'' = جلدی سے گھل مل جانے والا ۔ ۔ ۔ ۔
''زود گسل'' = جلدی سے تعلق منقطع کر دینے والا ۔

یہ کیا ، زودگیر بھی اور زود گسل بھی ۔ ۔ ۔ ۔ غصے میں ہو تو شعلے کی خو تجھ میں پائی جاتی ہے اور محبت و لطف میں پھول خصلت ۔

زانکہ کہ عندلیب لقب دادۂ مرا
افزودۂ امید من و آبروے گل

تو نے مجھے عندلیب (بلبل) کا لقب دیا ہے اور ایسا کرنے سے تو نے ایک طرف میری حوصلہ افزائی کی ہے اور دوسری طرف گل کی آبرو میں اضافہ کیا ہے ۔

بلبل گل کی شیدائی ہوتی ہے ۔ معشوق کا عاشق کو بلبل کہنا گویا عاشق کی امید افزائی بھی ہے اور اس کی اپنی عزت افزائی بھی ۔

در موسم تموز گلابے به تن بریز
تا آبِ رفته باز بیاید بجوئی گل

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے:

گرمی کے موسم میں گلاب سے نہا۔ تاکہ جوئے گل سے جو پانی بہ چکا ہے وہ دوبارہ اس میں آ ملے۔ ''آب'' کے لفظ کو دو معنی استعمال کیا ہے، پانی بھی اور آب یعنی تاب بھی۔

گرمی سے محبوب کے حسن میں افسردگی سی آ گئی ہے جو گلاب سے غسل کرنے پر دور ہو جائے گی اور حسن تر و تازہ ہو جائے گا۔ (گویا محبوب گل ہے)۔

غالب زوضع طالبم آیدحیا که داشت
چشمے بسوئی بلبل و چشمے بسوئی گل

غالب مجھے وضع طالب دیکھ کر حیا آتی ہے جس کی ایک آنکھ بلبل پر لگی ہے اور ایک پھول پر۔

غزل نمبر ۵

تن بر کرانه ضائع دل درمیانه غافل
چوں غرقهٔ که ماند رختش بسوے ساحل

تن کنارے پر ضائع ہو گیا اور دل درمیان میں کھو گیا۔ اس ڈوبنے والے کی طرح جس کا لباس ساحل پر پڑا رہ جائے اور خود سمندر

میں معلوم نہیں کہاں ہو - یہ شعر انسانی زندگی کی بے چارگی کی تصویر ہے -

داغم به شعله زائی انداز برق خاطف
سعیم به نارسائی پروازِ مرغِ بسمل

لغت: ''برق خاطف'' = اچک لے جانے والی برق - برباد کر دینے والی -

''مرغ بسمل'' = نیم جان زخمی پرندہ -

مرے داغ شعلہ برسانے میں جلا دینے والی برق کی طرح ہیں اور میری کوشش ، ناکامی اور نارسائی میں ایک نیم جان پرندے کی پرواز کی طرح -

ذوق شہادتم را دستِ قضا به حنّا
سیرِ سعادتم را پاے ستارہ در گل

لغت: ''پا درِ گل'' = دلدل میں پھنسے ہوئے - مجبوری اور بے چارگی کا عالم -

میرے ذوق شہادت کی ناکامی کہ قضا کے ہاتھ مہندی سے بندھے ہیں - اور میری ''سعادت مندی'' کے لیے مبارک ستارے کی حرکت رک گئی ہے یعنی ستارہ حرکت ہی میں نہیں آتا - شاعر نے اپنی بدنصیبی کی تصویر کھینچی ہے -

فرسودہ گشت پایم از پویه هائے هرزه
آشفته شد دماغم ز اندیشه هائے باطل

میرے پاؤں بیہودہ قدم آٹھاتے آٹھاتے گھس گئے ہیں اور میرا

دماغ فضول خیال آرائیوں سے پریشان ہے۔

ہم در خمارِ دوشیں حالم تبہ بہ صحرا
ہم در بہائے صہبا رختم گرو بمنزل

رات کے نشے کے خمار میں آج تباہ حالی میں صحرا نوردی کر رہا ہوں اور شراب کی قیمت ادا کرنے کے لیے میرا سرمایۂ حیات گھر ہی میں گرو ہو گیا ہے۔ یعنی وہیں رہ گیا ہے۔

شمعم ز روسیاہی داغ جبیں خلوت
چنگم ز بے نوائی ننگِ بساط محفل

میری شمع اپنی بے نوری کے باعث میری خلوت کے ماتھے کا داغ ہے اور ساز (چنگ) بے صدا ہونے کے سبب محفل نشاط کے لیے باعث ننگ ہے۔

راز تو در نہفتن تبخالہ ریخت برلب
تیر تو در گزشتن پیکاں گداخت در دل

لغت: ''تب خالہ'' = بخار اترنے کے بعد بعض اوقات مریض کے لبوں پر گرمی کے دانے نکل آتے ہیں وہ تبخالہ ہے۔

تیرے راز کو چھپانے میں لبوں پر چھالے پڑ گئے اور تیرا تیر محبت دل کو یوں چیر کر گزرا کہ اس کا پیکاں دل ہی میں رہ گیا۔

نظارہ با ادایت موسی و طور سینا
اندیشہ با بلایت ہاروت وچاہ بابل

بامن نمودہ مجنوں بیعت بہ فنّ سودا
بر تو فشاندہ لیلیٰ زیور ز طرف محمل

جنوں میں قیس نے میری بیعت کی ہے اور لیلیٰ محمل میں سے اپنے زیور اتار کہ تجھ پر نثار کرتی ہے یعنی حسن و عشق میں ہم دونوں قیس و لیلیٰ کو مات کرتے ہیں ۔

غالب بہ غصہ شادم مرگم بخویش آساں
در چارہ نا مرادم ، کارم ز دوست مشکل

غالب ! میں رنج و اندوہ پرخوش ہوں ، میری موت میرے لیے آسان ہے ۔ چارہ سازی میں سخت بد بخت نامراد انسان ہوں ، دوست کے ہاتھوں میرا کام بن جائے یہ مشکل امر ہے ۔

میں نے غم و اندوہ کو اپنا لیا ہے ، موت کیا شے ہے ۔ ازلی بدنصیب ، ہوں عشق میں کیا کامیابی ہوگی اور دوست کیسے مہربان ہوگا ۔

ردیف م

غزل نمبر ۱

رفتم کہ کہنگی ز تماشا بر افگنم
در بزم رنگ و بو نمطِ دیگر افگنم

میں نے چاہا کہ تماشا سے کہنگی دور کر دوں اور اس بزمِ رنگ و بو میں ایک نئی طرز ڈال دوں ۔

در وجد اهل صومعه ذوقِ نظاره نیست
ناهید را به زمزمه از منظر افگنم

لغت : ”اہل صومعہ“ = خانقاہ نشیں لوگ ۔

”ناہید“ = ستارۂ زہرہ ، اسے رقص و سرود سے منسوب کیا جاتا ہے ۔ اس لیے اسے رقاصہ فلک بھی کہتے ہیں ۔

”منظر“ = نظارے کی جگہ ، دریچہ ، کھڑکی ۔

”اہل خانقاہ کا وجد و حال ذوق سے عاری ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے زمزمے سنا کر ناہید کو منظر فلک سے نیچے اتار لاؤں ۔“

اہل خانقاہ پر بظاہر وجد تو طاری ہوتا ہے لیکن چونکہ ان میں خلوص قلبی اور نشۂ سرمدی نہیں ہوتا اس لیے وہ دیکھنے والوں کے دلوں میں کیفیت اور محویت پیدا نہیں کر سکتے ۔

مرزا غالب اپنے نغموں سے وہ وجدانی کیفیتیں پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ نہ صرف دنیا والے ان سے لذت اندوز ہوں ، بلکہ آسمان کے جھروکے سے رقاصۂ فلک بھی عالم مستی میں زمین پر اتر آئے اور رقص کرنے لگے ۔

معشوق را ز نالہ بداں ساں کنم حزیں
کز لاغری ز ساعدِ آو زیور افگنم

لغت : ''ساعد'' = کلائی ۔

اپنی معشوق کو اپنے نغموں کی حزیں فریادوں سے اس حد تک غمگیں کر دوں ، کہ وہ (غم سے) لاغر ہو جائے اور لاغری سے اس کی کلائی سے زیور گر پڑیں ۔

ہنگامہ را جحیمِ جنوں بر جگر زنم
اندیشہ را ہوائے فسوں در سر افگنم

لغت : ''جحیم'' = دوزخ ۔
''ہنگامہ'' = جوش و خروش ۔
''اندیشہ'' = فکر و خیال ، انسانی ذہن ۔
''را'' کا حرف دونوں مصرعوں میں اضافی ہے یعنی اضافت کے لیے آیا ہے ۔

نثر یوں ہوگی ، جحیم جنوں بر جگر ہنگامہ زنم و ہوائے فسوں در سر اندیشہ افگنم ''میں ہنگامۂ عالم کے جگر پر جنوں و دیوانگی کا دوزخ رکھ دوں اور افکار کے سر میں سحر آفرینیاں بھردوں ۔''

ہنگامۂ عالم سرد پڑ گیا ہے ۔ اس میں جوش و ولولہ اور غلغلہ نہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے نئے سرے سے گرماؤں ۔ ولولوں کی یہ گرمی فرزانگی سے نہیں دیوانگی سے پیدا ہوتی ہے اس لیے میں اہل جہاں کو جنوں آشنا کرنا چاہتا ہوں ، اس کام کے لیے مجھے اپنے جنوں اور دیوانگی کی تڑپتی ہوئی آگ سے اُن کے سینوں کو آتش زار بنانے کی ضرورت ہے ۔ اسی طرح انسانی فکر و خیال پر جو جمود طاری ہو رہا ہے اس میں بھی نیا فسوں پھونکنا چاہتا ہوں ۔

نخلم کہ ہم بجاے رطب طوطی آورم
ابرم کہ ہم بروے زمیں گوہر افگنم

لغت: ''رطب'' = شیریں اور خوش ذائقہ پھل۔

''میں وہ درخت ہوں کہ میٹھے پھل کی بجائے شیریں سخن طائر پیدا کرتا ہوں ، میں ایک بادل ہوں کہ زمین پر بجائے قطرۂ آب کے موتی برساتا ہوں۔''

یعنی میرے کلام میں شیرینی ہے اور میرے شعر گوہر ہاے آبدار ہیں۔

با غازیاں ز شرحِ غم کار زارِ نفس
شمشیر را بہ رعشہ ز تن جوہر افگنم

لغت: ''غازی'' = بہادر سپاہی۔
''کار زار'' = جنگ ، مجادلہ۔
''نفس'' = انسان کا نفس امارہ۔
''رعشہ'' = لرزہ۔

''اگر میں بہادر غازیوں کو اس جنگ کی تفصیل بتاؤں جو مجھے اپنے نفس کے مقابلے میں کرنی پڑتی ہے تو اُن کی شمشیر لرزہ براندام ہو جائے اور اُس سے اُس شمشیر کی آب و تاب (جوہر) جاتی رہے۔

اس میں شک نہیں کہ مردان حق کو اللہ کی راہ میں جان جوکھوں میں ڈالنی پڑتی ہے لیکن انسان کو اپنے نفس سے جہاد کرنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں وہ اُن دشواریوں سے کہیں زیادہ کڑی ہیں۔ وہ دشواریاں اگر میں بیان کروں تو غازی بھی لرز اُٹھیں اور اُن کی تلوار بھی کند ہو جائے۔

با دیریاں زشکوہ بیداد اہل دیں
مہرے ز خویشتن بدلِ کافر افگنم

''اگر میں اس جور و ستم کی شکایت جو اہل دین نے مجھ پر ڈھائے ہیں، اہل دیر (بتکدہ) سے کروں تو کافر کے دل میں بھی میرے لیے محبت پیدا ہو جائے۔''

یعنی مجھ پر مسلمانوں نے وہ ستم ڈھائے ہیں کہ اگر کافر سنیں تو وہ بھی کانوں پہ ہاتھ رکھیں اور آن کے دلوں میں میرے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو۔

ضعفم بہ کعبہ مرتبۂ قرب خاص داد
سجادہ گستری تو و من بستر افگنم

''میرے ضعف و ناتوانی نے مجھے کعبے میں قرب خاص کا مقام عطا کیا تو تو کعبے میں ''جائے نماز'' بچھاتا ہے اور میں بستر بچھاتا ہوں۔''

دیار محبوب سے عقیدت رکھنے والوں کی انتہائی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہاں جا کر وہیں کے ہو رہیں۔ اس سے زیادہ شرف کیا ہو سکتا ہے۔

مرزا غالب کو یہ مقام بلند ناتوانی سے عطا ہوا۔

تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر
بگدازم آبگینہ و در ساغر افگنم

''میں صراحی پگھلا کر جام میں ڈال لیتا ہوں تاکہ شراب اور زیادہ تلخ اور سینہ اور زیادہ مجروح ہو جائے۔''

یہ شعر مرزا غالب کی بلند نظری اور عالی حوصلگی کی نشان دہی کرتا ہے ۔ اقبال نے اس شعر کو غالب کے فکری اور شعری مزاج کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا ہے ۔

راہے ز کُنج دیر بہ مینو کشادہ ام
از خم کشم پیالہ و در کوثر افگنم

''میں نے کنج دیر سے جنت تک کا راستہ کھول لیا ہے ، خم شراب سے پیالہ بھرتا ہوں اور کوثر میں ڈال دیتا ہوں ۔''

شاعر شراب کے نشے سے سرمدی سرور حاصل کرتا ہے جو اُسے روحانی کیفیت عطا کرتا ہے مرزا غالب کا یہ شعر دیکھیے :

مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

منصورِ فرقۂ علی اللّٰہیاں منم
آوازۂ انا اسد اللّٰہ در افگنم

لغت : ''منصور'' سے مراد حسین بن منصور ہے ، روایات کے مطابق آن پر معرفت حق کا اتنا غلبہ طاری ہوا کہ وہ اپنے آپ کو ذات خداوندی سے واصل محسوس کر کے انا الحق پکار اٹھے ۔ علمائے وقت کے فتوے کے مطابق انھیں دار پر چڑھا دیا گیا ۔

منصور کا لفظ ہمارے اردو اور فارسی ادب میں ایک ''علامت'' بن چکا ہے ۔

مرزا غالب کہتے ہیں :

میں ''علی اللّٰہیاں'' کے فرقے (پیروان حضرت علی) کا منصور ہوں ، میں اسد اللّٰہ کا نعرہ لگاتا ہوں یعنی اسد اللّٰہ پکارتا ہوں ۔

یعنی میں حضرت علی کا عاشق ہوں اور اُن کی ذات میں واصل ہوں ، منصور نے انا الحق کہا تھا میں انا اسد اللہ کا نعرہ لگاتا ہوں ۔

حضرت علی کا لقب اسد اللہ تھا اور شاعر کا نام اسد اللہ تھا ہی چنانچہ ''انا اسد اللہ'' کے الفاظ میں بڑی معنوی لطافت ہے ۔

ارزندہ گوہرے چوں من اندر زمانہ نیست
خود را بخاکِ رہگذر حیدر افگنم

لغت : ''حیدر'' بھی حضرت علیؓ کا لقب تھا ۔
''ارزندہ'' = قیمتی ، گراں بہا ۔

''میرے جیسا قیمتی موتی کوئی اور زمانے میں نہیں ۔ میں اپنے آپ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خاک رہ میں ڈالتا ہوں ۔''

شاعر ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قدموں پر اپنی زندگی نچھاور کرنے کو سب سے بڑی سعادت خیال کرتا ہے ۔

غالب بہ طرحِ منقبتِ عاشقانۂ
رفتم کہ کہنگی ز تماشا بر افگنم

اللہ تعالیٰ کی تعریف 'حمد' رسول پاک کی تعریف 'نعت' اور صحابۂ کرام ، اہل بیت اور اولیاء اللہ کی مدح و ستائش منقبت کہلاتی ہے ۔

''غالب میری تحریر منقبت کا انداز عاشقانہ ہے ، میں نے اس انداز بیان سے پرانے اسلوب کے طرز کہن کو بدلنا چاہا ہے ۔

اس غزل کے چند آخری اشعار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں ہیں اور اُن کا اسلوب بیان عاشقانہ ہے ۔

غزل نمبر ۲

بس کہ بہ پیچید بخویش جادہ ز گمراہیم
رہ بدرازی دہد عشوۂ کوتاہیم

لغت: ''جادہ'' پگڈنڈی - راستہ -

''میری گمراہی کے باعث راستہ پیچ و تاب کھا رہا ہے، چنانچہ میری اس کوتاہی سے عشوۂ محبوب راہ محبت کو دراز تر کر رہا ہے -''

راہ محبت میں کئی ایک کٹھن مقام آتے ہیں جنھیں شاعر نے راستے کے پیچ و تاب سے تشبیہ دی ہے - چنانچہ راستہ بھی جب ایسے بھٹکے ہوئے راہی کو دیکھتا ہے تو پیچ و تاب کھاتا ہے کہ یہ کیسا راہرو ہے کہ راہ پہ آتا ہی نہیں - اس سے محبوب کی بے نیازیاں بھی بڑھ جاتی ہیں -

شعلہ چکد، غم کرا؟ گل شگفد، مزد کو؟
شمع شبستانیم، باد سحرگاہیم

اگر مجھ سے شعلے نکلیں (ٹپکیں) تو اس کا کس کو غم؟ اور پھول بکھیروں تو اس کا کیا صلہ، میں خواب گاہ میں جلنے والی شمع ہوں اور صبح کو چلنے والی ہوا -

شمع محفل کو روشن کرتی ہے لیکن اس کے جلنے کا کسی کو دکھ نہیں ہوتا صبح کی ہوا پھول کھلاتی ہے لیکن اس کی داد نہیں ملتی -

شاعر نے اس شعر میں اپنی مصائب اور ادبی فیض رسانیوں کا تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ دنیا والے اتنے بے درد ہیں کہ غم میں شریک نہیں ہوتے اور اتنے نا قدردان ہیں کہ فن کی داد نہیں دیتے -

جور بتاں دلکش است محو بد اندیشیم
پند کساں آتش است داغِ نکو خواہیم

''حسینوں کے جور و ستم بڑے دلپذیر ہیں میں اُن کی اس بد اندیشی سے محویت کے عالم میں کھو گیا ہوں۔ لوگوں کی نصیحتیں، آگ کا کام کرتی ہیں، اُن کی اس نیک خواہی نے مجھے جلا کر داغ کر دیا ہے۔''

محبوبوں کے جور و ستم کی محبوبیت نے مجھ پر محویت طاری کر رکھی ہے کہ میں آواز تک بلند نہیں کرتا اور لوگ جو بظاہری خیر خواہی سے نصیحت کرتے ہیں اُن کی خیر خواہی کا بھی زخم خوردہ ہوں۔

گوشۂ ویرانہ را آفتِ ہر روزہ ام
منزلِ جانانہ را فتنۂ ناگاہیم

''ویران گوشے کے لیے روز روز کی آفت کی مانند ہوں۔ منزل محبوب کے لیے اچانک آنے والے فتنے کی طرح۔''

گھر کے ویران گوشے کے لیے ایک آفت بن چکا ہوں کہ وہ میرے باعث ویران سے ویران نظر آتا ہے اور اگر کبھی خانۂ محبوب میں پہنچوں تو وہاں مجھے ایک فتنہ ناگہان سمجھا جاتا ہے۔

دور فتادم زیار ماہیِ بے دجلہ ام
نیست دلم در کنار دجلہ بے ماہیم

لغت: ''ماہی بے دجلہ'' = ماہی بے آب۔

فراق میں بے تاب دل کو ماہی بے آب کہا ہے - اور سینے میں دل نہ ہونے یعنی بیدلی اور افسردگی کے عالم کو دجلۂ ماہی سے تشبیہ دی ہے -

''میں دوست سے جدا ہو کر ماہی بے آب ہو گیا ہوں اور دل ، پہلو میں نہیں اس لیے یہ سینہ دریاے بے ماہی کی طرح ہے -''

''ماہی بے دجلہ'' اور ''دجلۂ بے ماہی'' میں صنعت عکس یا تضاد بہت حسین ہے -

بندۂ دیوانہ ام ، مخطی و ساہی خوشم
حکم ترا مخطی ام ، قہرِ ترا ساہیم

لغت : ''مخطی اور ساہی'' وہ شخص جس سے خطا اور سہو سرزد ہو - خطا میں ارادہ اور سہو میں بھول کا پہلو ہوتا ہے -

''میں ایک دیوانہ ہوں خطا کار اور سہو کرنے والا ، خوش ہوں کہ ترے احکام سے سرتابی کرتا ہوں اور تیرے قہر و غضب کو بھول جاتا ہوں -''

غالب کو اپنی خطاؤں کا احساس ہے لیکن وہ اپنی خطاؤں پر اس لیے خوش اور مطمئن ہے کہ خالق کائنات جبار و قہار ہونے کے ساتھ ساتھ رحیم و کریم بھی ہے جو اس کی خطاؤں کو معاف بھی کر سکتا ہے اس لیے وہ ایک دیوانے کی طرح بے پروا ہے -

آں تنِ چو سیم خام ، وانہمہ انگیزِ تن
تا چہ فراہم شد است آجرتِ جانکاہیم

محبوب کا جسم ، چاندی کی سی آب و تاب رکھنے والا جسم

ہے اور اس پر اُس میں یہ انگیخت کا عالم (کہ دل ہل جائے) دیکھیے ہماری جانکاہی (عاشقانہ حالت زار) کے لیے کیا کیا اجرت کے سامان مہیا ہوتے ہیں۔

ازصفِ طفلان وسنگ، رہ شدہ بر خلق تنگ
زود زُکو نگزرد کوکبۂ شاہیم

لغت: ''کوکبہ'' = جلوس، شاہی سواری۔

اپنی دیوانگی کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

(میں دیوانہ جدھر سے گزرتا ہوں) بچوں کے ہجوم اور پتھروں کی کثرت سے (جو وہ مجھ پر پھینکتے ہیں) لوگوں کے لیے راستہ تنگ ہو جاتا ہے۔ دیکھو میری شاہی سواری راہ میں سے آسانی سے نہیں گزر سکتی۔

جذب توی باید قو کان بیرد، باک نیست
گر نتواند رسید بخت بہمراہیم

اگر نصیبہ (خوش بختی) یاوری نہیں کرتا اور میرے ہمراہ نہیں چلتا (اور تیرے در تک نہیں پہنچاتا) تو کچھ ڈر نہیں (پروا نہیں) تیری کشش قوی ہونی چاہیے وہ مجھے خود بخود کھینچ لے گی۔

غالب نام آورم، نام و نشانم مپرس
ہم اسد اللہ ام و ہم اسد اللہیم

میں مشہور و معروف غالب ہوں میرا نام و نشان کیا پوچھتے

ہو ، میں اسد اللہ بھی ہوں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا پیروکار بھی -

غزل نمبر ۳

بر لبِ یا علی سرا بادہ روانہ کردہ ایم
مشرب حق گزیدہ ایم ، عیش مغانہ کردہ ایم

اس شعر کی شرح مولانا حالی نے یوں فرمائی ہے :

''چونکہ لب پر یا علی جاری ہے اس لحاظ سے تو ہم نے مذہب حق اختیار کیا ہے اور چونکہ اس پر شراب (بھی) جاری ہے اس لحاظ سے مغوں ، یعنی آتش پرستوں کا ساعیش کرتے ہیں یعنی دین و دنیا دونوں ہم کو حاصل ہیں -

در رہت از پگہ رواں ، پیشہریم یک قدم
حکم دوگانہ دادۂ ، ساز سہ گانہ کردہ ایم

لغت : ''پگاہ'' = صبح - ''پگہ رواں'' = صبح کو چلنے والے -

ہم تری راہ میں چلنے والوں سے ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں -
تو نے دو رکعت نماز کا حکم دیا ہے ہم تین رکعت کا اہتمام کرتے ہیں -

یعنی دو رکعت نماز کے ساتھ ساتھ یا علی یا علی کا ورد بھی کرتے ہیں -

بو کہ بہ حشو بشنوی قصہٗ ما و مدعّی
تازہ ز روئداد شہر ، طرح فسانہ کردہ ایم

لغت : ''بو'' = بود کا مخفف ہے یعنی ہو سکتا ہے ، شاید -

''حشو'' = زائد ، رائگاں ، یونہی -

''ہم نے شہر کے واقعات کے سلسلے میں فسانہ بنا کر لوگوں میں رائج کر دیا ہے -

اس خیال سے کہ شاید اسی سلسلے میں تو میرے اور رقیب کے بارے میں کچھ باتیں سن لے -

مراد یہ ہے کہ لوگوں کی رقیب کے متعلق کیا رائے ہے اور آن کی نظروں میں میری کتنی عزت ہے -

زعم رقیب یک طرف ، کوری چشم خویشتن
ناوکِ غمزۂ ترا دیدہ نشانہ کردہ ایم

رقیب کے بارے میں ہماری بدگمانی ایک طرف رہی ، یہ ہماری بے بصری تھی ، ہم نے اپنی آنکھوں کو تیری ناوک ادا کا نشانہ بنا لیا (اندھا کر لیا) اور یہ نہ سوچا کہ ان تیروں کا نشانہ کوئی اور بھی ہو سکتا ہے -

بادہ بوام خوردہ و زر بہ قمار باختہ
وہ کہ زہرچہ نا سز است ہم بسزانکردہ ایم

مولانا حالی نے بڑی بلیغ شرح فرمائی ہے :

''یعنی شراب پینا اور روپیہ ضائع کرنا تو برا تھا ہی ، ہم نے ان برائیوں کو بھی خوبی کے ساتھ نہ کیا شراب پی تو قرض لی اور روپیہ کھویا تو جوے میں -''

''مثل ہے عیب کردن راہنرے باید'' یعنی عیب کرنے کا بھی ایک ڈھنگ ہوتا ہے -

ناله به لب شکسته ایم ، داغ بدل نهفته ایم
دولتیانِ ممسکیم ، زر بخزانه کرده ایم

لغت : ''دولتی'' میں ''یا'' فاعلی ہے ۔ دولت مند ۔

''ہم نے اپنی آہ و زاری کو ہونٹوں میں روک لیا ہے اور داغ (عشق) کو دل میں چھپا لیا ہے ہم بخیل دولت مند ہیں اپنی دولت کو خزانے میں محفوظ رکھا ہوا ہے ۔

شاعر ، داغ محبت اور آہ و فریاد کو بڑی دولت سمجھتا ہے جسے وہ دوسروں سے چھپا کر رکھتا ہے ۔

تابچه مایه سرکینم ناله ، به عذر بے غمی
از نفس آنچه داشتیم صرف ترانه کرده ایم

لغت : ''ناله سرکردن'' = فریاد ۔

''بچه مایه'' = کس برتے پر ۔

''اب ہمارے لبوں پر فریاد آئے تو کیسے؟ سانسوں کا جتنا سرمایہ تھا وہ ہم نے اپنے آپ کو بے غم ہونے کے بہانے ، خوشیوں کے ترانے گانے میں صرف کر دیا ۔''

انتہائی غم و الم کے عالم میں بھی فریاد نہ کی ، یہی ظاہر کرنے کا بہانہ کیا کہ ہم خوش ہیں ۔

خار ز جاده باز چیں ، سنگ بگوشه در فگن
از سر ره گرفتنش ترکِ بہانه کرده ایم

راستہ چلنے والوں کی راہ میں دو چیزیں حائل ہوتی ہیں ، کانٹے

اور پتھر ۔ انسان چلتے چلتے رک جاتا ہے اور کانٹوں اور پتھروں کو رستے سے ہٹا کر آگے بڑھتا ہے ۔ اس رکاوٹ کے بہانے کبھی کبھی رہروں میں مجبوراً ملاقات بھی ہو جاتی ہے کہتا ہے :

''کانٹوں کو راستے سے چن لو ، اور پتھروں کو اُٹھا کر ایک طرف پھینک دو ، اب ہم نے محبوب سے یونہی بہانے سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے ۔''

یعنی اب عشق کی جراحتوں نے ہمیں پختہ کار بنا دیا ہے ۔ اب راہ کے کانٹوں اور پتھروں سے بے نیاز ہو کر تلاش محبوب میں نکلیں گے اور منزل مراد تک پہنچیں گے ۔

ناخنِ غصہ تیز شد ، دل بستیزہ خُو گرفت
تا بخود اوفتادہ ایم از تو کرانہ کردہ ایم

لغت : ''غصہ'' = فارسی میں یہ لفظ انتہائی رنج و اندوہ کے لیے آتا ہے ۔

اب ہمارے رنج و اندوہ کے ناخن تیز ہو گئے ہیں (جن سے ہم دلخراشی کا کام لیتے ہیں) اور دل بھی اس قسم کے دکھ سہنے کا عادی ہو چکا ہے ۔ جب سے ہم اپنے آپ میں اُلجھ گئے ہیں تجھ سے کنارہ کش ہو گئے ہیں ۔

غالب ازآنکہ خیر و شر جز بقضا نبودہ است
کار جہاں ز پُر دلی بے خبرانہ کردہ ایم

اے غالب چونکہ دنیا میں اچھا بُرا (خیر و شر) جو کچھ ہوتا ہے وہ سوائے قضا کے نہیں آتا ، اس لیے ہم نے دنیا میں جو کام

بھی کیا بے نیازانہ کیا اور بڑی دلیری سے کیا ۔

غزل نمبر ۴

نو گرفتار تو و دیرینہ آزادِ خودم
وہ چہ خوش بودے کہ بودے ذوق بہباد خودم

''میں تیرے دام محبت میں تازہ تازہ اسیر ہوا ہوں ، اس سے پہلے میں بہت دیر سے اپنے آپ سے بھی آزاد تھا ۔ کیا اچھا ہوتا کہ مجھے اپنی بہتری اور بہبودی کا خیال ہوتا ۔''

پہلے بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ اپنے سے بھی بے نیاز تھا ۔ اب اسیر محبت ہوا تو محسوس ہوا کہ اب تک زندگی بے کار گزری کاش پہلے ہی سے اپنی بہبودی کا احساس ہوتا ۔ نظیری کہتا ہے :

نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

معنیِ بے گانۂ خویشم ، تکلف برطرف
چوں مہِ نو مصرعِ تاریخ ایجاد خودم

لغت : ''مصرع تاریخ'' فارسی اردو میں دستور ہے کہ حروف ابجد کے عدد گن کر کسی واقعہ کی تاریخ نکالتے ہیں اور پھر اسے کسی منظوم مصرعے یا شعر میں لاتے ہیں ۔ وہ مصرعۂ تاریخ ہوتا ہے ۔

''میں خود اپنا معنی بیگانہ ہوں ، تکلف چھوڑیے میری حالت نئے چاند (ہلال) کی سی ہے جو اپنی ایجاد کی خود ہی تاریخ ہوتا ہے ۔''

نئے چاند میں بدر کامل موجود ہوتا ہے ، مرزا غالب بھی ایک مہ نو تھے جنھوں نے اردو فارسی ادب کو نئے نئے افکار اور اسلوب بیان دے لیکن وہ دوسروں کے لیے اجنبی رہے ۔ وہ ایک معنی تھے جو اپنے سے بھی بے گانہ رہے ۔ لوگوں نے اُن کی قدر و اہمیت کو نہ پہچانا ۔

جوہرِ اندیشہ ، دل خون گشتنی درکار داشت
غازۂ رخسارۂ حُسنِ خدا داد خودم

لغت : ''جوہر'' = وہ چیز جو اپنی ذات سے قائم ہو ۔ اس کے برعکس عرض اس جز کو کہتے ہیں جس کا وجود کسی جوہر کا محتاج ہو ۔ مثلاً شعر کی ظاہری شکل و صورت و الفاظ و بیان عرض ہے اور شاعرانہ فکر جوہر ہے ۔

''اندیشہ'' = فکر و خیال ۔ ''دل خون گشتنی'' = ایسا دل جسے خون ہو جانا ہو ۔

''میرے جوہر فکر کے لیے ایک ایسا دل درکار تھا کہ خون ہو جائے ۔ فکر و خیال کا اظہار آسان نہیں ۔ دل اس کا متحمل نہیں ہو سکتا ۔ اس کے لیے دل خون ہو جاتا ہے اور اس خون کی رنگینی ہی سے حسن شعر ابھرتا ہے ، یعنی یہ غازۂ حسن شعر بنتا ہے ۔

غالب کے کلام کا حسن ، حسن خداداد ہے اور دل خون گشتہ کی رنگینی غازے کا کام دیتی ہے ۔ اقبال کہتا ہے :

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نالہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

از بہار رفتہ درسِ رنگ و بو دارم ہنوز
در غمت خاطر فریبِ جانِ ناشاد خودم

''ابھی تک بہار رفتہ سے رنگ و بو کا درس لیتا ہوں ، تیرے غم میں اپنی جان ناشاد کو فریب دیتا رہتا ہوں ۔''

غالب کو عیش و نشاط کے گزرے ہوئے دن یاد آتے رہتے ہیں ۔ وہ اس یاد سے اپنی موجودہ محرومیوں کے غم کو خوش گوار بنا لیتا ہے اور اس سے سوگوار دل کی تسکین کا سامان پیدا کر لیتا ہے ۔

گر فراموشی بفریادم رسد وقت است وقت
رفتہ ام از خویشتن چندان کہ دریاد خودم

''میں اپنے آپ سے تو گزر گیا ہوں مگر اس کے باوجود اپنے کو بھولا نہیں ہوں ۔ اگر فراموشی اس وقت میری فریاد کو پہنچے تو بہت مناسب ہے (وقت است وقت) ۔''

عاشق ، محبوب کی محبت میں محو رہتا ہے اور خود کو بھول جاتا ہے ۔ لیکن اس خود فراموشی میں بھی محبوب کی یاد اس کے دل کے گوشے میں باقی رہتی ہے جسے وہ دبانا نہیں چاہتا اسی لیے فراموشی سے داد رسی چاہتا ہے ۔

گرم استغناست با من گرچہ مہرش در دلش است
تا نہ نباشد دعوی تاثیر فریاد خودم

''وہ مجھ سے بے نیاز ہے اگرچہ اس کے دل میں میری محبت

ہے ۔ وہ استغنا اور ظاہر بے پروائی سے اس لیے کام لیتا ہے کہ کہیں میں یہ دعویٰ نہ کروں کہ اُس کے دل میں جو محبت کا اثر ہے وہ میری فریاد کا اثر ہے ۔"

ہر قدم لختے ز خود رفتن بود در بار من
ہمچو شمع بزم در راہ فنا زاد خودم

مولانا حالی فرماتے ہیں :

"راہ فنا میں جو کچھ میری خورجی یا زنبیل میں ہے وہ صرف یہی ہے کہ ہر قدم پر تھوڑا تھوڑا اپنے آپ سے دور ہوا جاتا ہے ۔ گویا جس طرح کہ شمع راہ فنا میں آپ ہی اپنا زاد راہ ہوتی ہے کہ برابر پگھلتی جاتی ہے اور زاد راہ کی طرح نبڑتی جاتی ہے اسی طرح میں بھی آپ اپنا زاد راہ ہوں ۔"

تاچہ خونہا خوردہ‌ام ، شرمندہ از روے دلم
غنچہ آسا پیچش طومار بیداد خودم

"میں نے محبت میں کتنا خون دل پیا ہے ، اس بارے میں میں اپنے دل سے بے حد نادم ہوں (کہ اس پر اتنا ظلم کیا ہے) اس شرمندگی کے باعث میں اپنے جور و ستم پر جو دل پر ڈھائے ہیں غنچے کی طرح پیچ و تاب کھاتا ہوں ۔"

می دہم دل را زبیدادت فریب التفات
سادگی بنگر کہ در دامِ تو صیادِ خودم

صیاد جب کسی پرندے کو دام میں اسیر کرتا ہے تو اُس کی طرف توجہ یا التفات کرنا کسی محبت کی علامت نہیں ہوتی بلکہ وہ

تو اس فکر میں ہوتا ہے کہ کہیں آزاد نہ ہو جائے۔
شاعر کہتا ہے:

تم مجھ پر جور و ستم کرتے ہو اور میں اسے تمہارے التفات پر محمول کرتا ہوں۔ میری سادگی دیکھو کہ محبت کی اسیری میں آپ اپنا صیاد بنا ہوا ہوں۔

جس طرح پرندہ اسیر دام ہو کر صیاد کی ظاہرا التفات سے مطمئن ہوتا ہے اسی طرح میں محبوب کے جور و ستم سے مطمئن ہوں۔

عالم توفیق را غالب سواد اعظمم
مہرِ حیدر پیشہ دارم، حیدرآباد خودم

''میں تائید الٰہی کی دنیا کا سواد اعظم (بڑا شہر) ہوں، عشق علی میرا پیشہ ہے، میں نے اپنی ذات کو حیدرآباد یعنی مقام حیدر بنا لیا ہے۔''

غزل نمبر ۵

یاد باد آں روزگاراں کاعتبارے داشتم
آہِ آتشناک و چشم اشکبارے داشتم

وہ زمانہ یاد ہے جب ہم بھی وقار رکھتے تھے۔ آہیں تھیں تو ان سے آگ کے شعلے برستے تھے اور آنکھیں تھیں تو اشکبار۔

آفتاب روز رستاخیز یادم می دهد
کاندر آن عالم نظر بر تابسارے داشتم

قیامت کے دن کا سورج دیکھ کر مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ جیسے میری نظر کسی کے روئے درخشاں پر پڑ رہی ہے -

تا کدا میں جلوہ ز آن کافر ادا می خواستیم
کز ہجوم شوق در وصل انتظارے داشتم

اس کافر ادا محبوب سے نہ جانے مجھے کون سے جلوے کی توقع تھی کہ وصل کے انتہائی عالم شوق میں میں ایک انتظار کی کیفیت لیے بیٹھا تھا -

یعنی وصل میں محبوب کے انتہائی قرب کے باعث دل مطمئن نہ تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی حسن کے وہ جلوے رو نما نہیں ہوئے جو میں چاہتا ہوں -

ترکتاز صرصرِ شوق تو ام از جا ربود
ورنہ باخود پاسِ ناموسِ غبارے داشتم

یہ تیرے شوق کی تیز آندھی کے طوفان تھے جنھوں نے مجھے اپنی جگہ سے ہلا دیا ورنہ مجھے ہر حال اپنے غبار کا پاس ناموس تھا -

یعنی محبوب کی راہ میں ہر کر خاک ہو گئے - اس وقت بھی دم نہ مارتے لیکن تیرے شوق نے ہمیں ہلا دیا اور ہماری خاک غبار بن کر فضا میں پھیل گئی -

خون شد اجزائے زمانے در فشار بے خودی
رفت ایامے کہ من امسال و پارے داشتم

لغت : ''فشار'' = دباؤ ۔ ''فشار بے خودی'' = بے خودی کا زور یا دباؤ ۔

''امسال'' = سال رواں ، ''پار'' = سال گذشتہ ۔

عالم بے خودی کے بوجھ تلے گویا وقت کے اجز اتنے دب گئے کہ اُن کا خون ہو گیا ۔

کبھی وہ دن تھے کہ ہمارا بھی سال رواں اور پار سال ہوا کرتا تھا اب تو وقت کا احساس ہی مٹ گیا ۔ سرتاپا بے خودی کے عالم میں غرق ہیں اور ماضی و حال سے بے خبر ۔

غالب :

فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

چوں سر آمد پارۂ از عمر ، قامت خم گرفت
ایں منم کز خویشتن بر خویش بارے داشتم

''جب زندگی کا کچھ حصہ گزر گیا تو میری کمر جھک گئی ۔ میں وہ ہوں کہ کبھی اپنے آپ کا (زندگی کا) بوجھ آٹھائے پھرتا تھا ، یعنی عمر کا بوجھ کم ہونے کے باوجود زندگی اور اس کے مصائب کے تلے دب گیا ہوں ۔''

آنہم اندر کارِ دل کرم فراغت آنِ تست
برق پیما نالۂ الماس کارے داشتم

لغت: ''برق پیما'' = بجلی کی رفتار والا، تڑپتا ہوا نالہ۔
''الماس کار'' = جو ہیرے کی کنی کی طرح سینے کو کاٹتا چلا جائے۔

''کبھی وہ وقت تھا کہ میرے لبوں پر وہ نالہ و فریاد تھے جن میں برق کی بے تابی اور الماس کی سی کاٹ تھی۔ اب اس نالے کو بھی میں نے صرفِ دل کر دیا، اب تمہیں کسی بات کا ڈر نہیں۔ یعنی میں ایسی فریاد کرتا کہ محبوب کا دل ہل جائے مگر اب وہ فریاد بھی دل میں سمیٹ لی۔ اب محبوب کے دل کو فراغت حاصل ہو گئی۔

خوے تو دانستم اکنون بہرِ من زحمت مکش
رام بودم تا دل امیدوارے داشتم

''اب تیری عادت جان لی ہے، اب میرے لیے کوئی زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ میں اس وقت تک تمہارا مطیع فرمان تھا جب تک میرے سینے میں ایسا دل تھا جو تجھ سے امیدیں لگائے ہوئے تھا۔''

دیگر از خویشم خبر نبود، تکلف برطرف
ایں قدر دانم کو غالب نام یارے داشتم

اب مجھے اپنی بھی کچھ خبر نہیں۔ تکلف چھوڑیے اب تو صرف مجھے اتنا یاد ہے کہ غالب نام میرا کوئی دوست تھا۔

غزل نمبر ۶

دیدم آں ہنگامہ ، بے جا خوف محشر داشتم
خود ہماں شور است کاندر زیست درسر داشتم

میں نے ہنگامۂ محشر کو دیکھا (کچھ بھی نہ تھا) ۔ میں یونہی خوفِ محشر میں مبتلا تھا ۔ معلوم ہوا کہ یہ تو وہی ہنگامہ (شور) تھا کہ زندگی بھر میرے سر میں تھا ۔

طول روز حشر و تاب مہر ذوق بود و بس
جلوۂ برقے در ابر دامن تر داشتم

''روز حشر کی طوالت اور اس دن کے سورج کی تمازت اور گرمی تو محض ایک ذوقی بات ہے ۔ میں تو اپنے دامن تر کے نیچے جلوۂ برق لیے ہوئے تھا ۔''

''دامن تر'' گنہ کی علامت ہے اور گنہگار کو روز حشر ، قیامت کے سورج کی گرمی سے گھبرانا چاہیے ۔ لیکن عاشق کیسے گھبراتا اس کے دامن تر میں تو حسن ، اس کے جلوے اور عشق کی بے تابیوں کی آتش پاشیاں تھیں ۔ اس کے لیے تو قیامت کا سارا سماں محض ایک کیفیت تھی ۔

تا چہ سنجم دوزخ و کوثر کہ من نیز این چنین
آتشے در سینہ و آبے بساغر داشتم

''میں دوزخ اور کوثر کو کیا سمجھوں ، اس طرح کی چیزیں تو پہلے میرے پاس تھیں ، آتش عشق سینے میں تھی (وہ دوزخ سے کیا کم تھی) اور شراب ، ساغر میں تھی (وہ کوثر ہی تو تھی) ۔''

دوش برمن عرض کردند آنچه در کونین بود
زآں همه کالاے رنگا رنگ دل برداشتم

کل دونوں جہاں میں (کونین یعنی متاع دو جہاں) جو کچھ تھا وہ میرے روبرو لایا گیا ، میں نے اس سارے سامان رنگا رنگ سے دل اُٹھا لیا (اسے در خور اعتنا نہ سمجھا) ۔

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں (غالب)

از خرابی شد فنا حاصل ، خوشم زیں اتفاق
بود مقصودم محیط و سیل رهبر داشتم

انسان کی زندگی کا مقصد فنا فی‌الذات ہونا ہے ، یہ قطرہ سمندر میں پہنچ کر اپنے وجود کو کھو دیتا ہے ۔ کہتا ہے :
سیلاب محبت میرا رہبر تھا ، اُس نے برباد کر دیا ، لیکن اس بربادی (خرابی) سے فنا کا مقام حاصل ہوا ۔ یہ حسن اتفاق تھا اس پر میں خوش ہوں ۔

یاد ایامے که در کویش ز بیم پاسباں
بستر از خاک ره و بالش ز بستر داشتم

وہ دن یاد ہیں (یعنی کیا اچھے تھے وہ دن) کہ اُس کے کوچے

میں اُس کے پاسبان کے ڈر سے خاک رہ کو اپنا بستر بناتا اور اپنے لپٹے ہوئے بستر کو تکیہ بنا لیتا ۔

بستر کو کھولنے کی جرأت نہ ہوتی اور اسی کو تکیہ بنا کر زمیں پر سو جاتا ۔

برسر راهش نشستم ، بردرش راهم نبود
خویش را از خویشتن لختے نکوتر داشتم

اس کے در تک تو رسائی نہ تھی اس کی رہ ہی میں بیٹھ گیا ۔ جو میری حیثیت تھی اس کے مقابلے میں میرے لیے یہ مقام میرے مرتبے سے کہیں بلند تر تھا ۔

نامۂ شاهد دگر ، عنوان شاهی دیگر است
آنچه ناید از ہما چشم از کبوتر داشتم

محبوب کے خط کی شان اور ہے اور شاہی پروانے کی حیثیت اور ۔ جو کچھ ہما سے نہیں ہو سکتا اس کی توقع ہم نے کبوتر سے رکھی ۔

کبوتر نامہ بر ہوتا ہے ۔ وہ محبوب کا پیام لاتا ہے عاشق کے لیے یہ بات زیادہ باسعادت ہے بہ نسبت اس کہ ہما کا سایہ اس پر پڑے اور اُسے شاہانہ شان حاصل ہو ۔

کور بودم کز حرم راندند ، رفتم سوے دیر
از جمالِ بت سخن میرفت ، باور داشتم

میں اندھا تھا ، بصیرت نہیں رکھتا تھا ، مجھے حرم سے نکال

دیا گیا اور میں بت خانے کی طرف چلا گیا ، بتوں کے حسن کی بات ہو رہی تھی میں نے اس بات پر یقین کر لیا ۔

سوزم از حرمانِ مے با آنکه آبم در سبوست
تا چه می کردم اگر بخت سکندر داشتم

باوجود اس کے کہ پانی (شراب) میرے پیالے میں ہے میں اپنی محرومی پر جلتا ہوں ۔
اگر میرا نصیبہ بھی بخت سکندر کی طرح ہوتا تو میں کیا کرتا ۔ کہ وہ تو پانی (آب حیات) سے محروم رہا ۔

هیچ می دانی که غالب چون بسر بردم بدهر
من که طبع بلبل و شغلِ سمندر داشتم

غالب ! کچھ تجھے معلوم ہے کہ میں نے دنیا میں زندگی کس طرح بسر کی ۔ میں نے کہ جسے قدرت سے بلبل کی سی طبع نغمہ سرا عطا ہوئی تھی اور سمندر کا سا شغل میسر آیا تھا ۔
(کہا جاتا ہے سمندر ایک کیڑا ہے جو آگ ہی میں پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی زندہ رہتا اور نشو و نما پاتا ہے) مرزا غالب ایک بلند پایہ سخن سنج تھے لیکن عمر بھر دکھوں کی آگ میں جلتے رہے ۔

غزل نمبر ۷

این چه شورے است که از شوق تو در سر دارم
دل پروانه و تمکین سمندر دارم

جنوں کا یہ ہنگامہ (زور و شور) ہے جو تیری محبت سے میرے

سر میں سمایا ہوا ہے ۔ مجھے پروانے کا دل ملا ہے اور سمندر کی
سی تمکنت ۔

یعنی پروانے کی طرح عشق کی آگ میں جل جاتا ہوں اور پھر
سمندر کی طرح وہی آگ مری زندگی کا سرمایہ بھی ہے اور وقار و
عظمت بھی ۔

آہم از پردۂ دل بے تو شرر می بیزد
شیشہ لبریز مے و سینہ پُر آذر دارم

تیرے ہجر میں میری آہیں دل سے ابھر کر شرر بار ہوتی ہیں ۔
صراحی (دل) شراب سے لبریز ہے اور سینہ آگ سے ۔ یعنی دل میں
تیری محبت کا سرور ہے اور سینے میں فراق کی آگ فروزاں ہے ۔

اے متاع دو جہاں رنگ بعرض آوردہ
ھاں صلائے کہ ازیں جملہ دلے بردارم

تو نے دونوں جہاں کے جلوہ ہائے رنگا رنگ سامنے لا رکھے
ہیں ۔ ذرا ان (سے لذت اندوز ہونے) کی دعوت تو دے (اور دیکھ)
کہ میں ان سب سے کیسے دل برداشتہ ہوتا ہوں ۔

من و پشتے کہ بخورشید قیامت گرم است
تکیہ برداوری عرصۂ محشر دارم

لغت: ''پشت'' = پیٹھ ۔ چونکہ پیٹھ کے بل تکیہ کا سہارا لیا
جاتا ہے اس لیے یہاں تکیہ اور پشت بہت موزوں واقع ہوئے ہیں ۔

میں ہوں اور میری پشت خورشید قیامت کی گرمی سے جل رہی

ہے - اس عالم میں میدان حشر میں صرف اللہ تعالیٰ کے انصاف ہی کا بھروسا اور سہارا ہے -

آں چرا در طرب وایں زچہ رہ در تعب است
خندہ بر غفلتِ درویش و توانگر دارم

اس کی شرح مولانا حالی یوں فرماتے ہیں :

''میں درویش اور تونگر دونوں کی غفلت پر ہنستا ہوں ، جبکہ دنیا کا طرب اور تعب دونوں ہیچ ہیں تو ایک خوش کیوں ہے اور دوسرا رنجیدہ کس لیے ہے -''

کیست تا خار وخس از رھگذرش بر چیند
دگر امشب سرِ آرایش بستر دارم

کون ہے جو اس (محبوب) کی راہ سے خار و خس کو اٹھا لے - میں آج پھر اپنے بستر کی آرایش کا سامان مہیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں -

خار و خس سے آرایش بستر کرنے میں ایک طنز ہے کہ عاشق کی رات بے چینی میں گزرے گی -

پرتو مہر سیاہی ز گلیمم نبرد
سایہ ام سایہ ، شب و روز برابر دارم

سورج کی روشنی بھی میری گوڈری کی سیاہی کو دھو نہیں سکتی - میں یکسر سایہ ہوں ، میرے لیے دن رات برابر ہیں -

سوخت دل بے تو ز وصلم چه کشاید اکنون
حسرتت بیشتر و ذوق تو کمتر دارم

تیری جدائی میں دل جل گیا اب وصل سے بھی اس میں کیا شگفتگی آئے گی ۔ اب تو دل میں حسرتیں زیادہ ہیں اور تجھ سے ملنے کا ذوق و شوق کم ۔

کہنه تاریخی داغم نفسم شعله ور است
شرح کشاف صد آتشکده ازبردارم

لغت : ''کشاف'' = علامہ زمخشری کی تفسیر قرآن کا نام ۔

''ازبرداشتن'' = زبانی یاد کر لینا ۔

''میں اپنے داغہائے محبت کا ایک پرانا تاریخ دان ہوں ، میرا سانس آتشیں ہے میں سو آتشکدوں کی تفسیر کشاف کی شرح ہوں ۔

گویا میرا ہر سانس کسی آتشیں داغ محبت کی شرح کرتا ہے جو آتشکدہ کی طرح بھڑک رہا ہے ۔

ہم ز شادابی ناز تو بخود می بالم
ریشه در آب ز تارِ دمِ خنجر دارم

لغت : ''بالیدن'' = پھلنا پھولنا ۔ ''بخود بالیدن'' = اپنے پہ نازاں ہونا ۔

تیرے ناز و ادا کی شادابیوں نے مجھے شاداب کر رکھا ہے ، (انہی پہ پھولتا پھلتا ہوں) تیری خنجر ستم (ناز) کی دھار یوں دل میں پیوست ہے جیسے کسی پودے کی جڑ پانی سے سیراب ہو ۔

راز دار تو و بدنام کن گردش چرخ
ہم سپاس از تو وہم شکوہ ز اختر دارم

خدا سے کہتا ہے کہ میں اس راز سے واقف ہوں کہ جو تکلیف مجھے پہنچتی ہے وہ تیری طرف سے ہے (اور اس میں کچھ مصلحت ہوتی ہے) - لیکن آسمان (اختر) کو بدنام کرتا ہے - میں دراصل تیرا احسان مند ہوں اور بظاہر ستارے کا شکوہ کرنے والا -

مرحبا سوہن و جاں بخشی آبش غالب
خندہ بر گمرہی خضر و سکندر دارم

لغت : ''سوہن'' = لوہے کا مشہور اوزار جسے ریتی کہتے ہیں جس کی رگڑ سے لکڑی میں صفائی اور لوہے میں چمک آتی ہے -

''آبش'' = آب چمک ہے ، آبش میں ''ش'' کا ضمیر سوہن کے لیے آیا ہے یعنی ریتی کی چمک - ریتی سے مراد یہاں محبوب کے عشق کے چرکے جن سے دل کی جلا ہوتی ہے (آب و تاب پیدا ہوتی ہے) کہتا ہے :

غالب اس محبت کی ریتی کی خراش اور اس آب (تاب) کے کیا کہنے (مرحبا) مجھے خضر و سکندر کی گمراہی پر ہنسی آتی ہے کہ وہ تلاشِ آب حیات میں سرگرداں رہے لیکن اس آبِ عشق کو نہ پا سکے کہ جو دراصل زندگی بخشتی ہے -

غزل نمبر ۸

شب ہائے غم کہ چہرہ بخونناب شستہ ایم
از دیدہ نقش وسوسۂ خواب شستہ ایم

غم کی راتوں میں ہم نے اپنے چہرے کو خونی آنسوؤں

(خونناب) سے دھو ڈالا اور اس طرح سے اپنی آنکھوں پر سے وسوسۂ خواب کے نقش دھو ڈالے۔

جدائی اور غم کی راتوں میں نیند حرام ہو چکی تھی اور خواب کے وسوسوں میں یعنی نیند کو ترستے گزرتی تھیں۔ اب رات کو خون کے آنسو بہانے لگے تو اس مشغلے سے آنکھوں سے اس وسوسہ خواب کا نقش دھل گیا گویا نیند کے انتظار سے نجات مل گئی۔

افسونِ گریہ بُرد ز خویت عتاب را
از شعلۂ تو دوُد بہفت آب شستہ ایم

لغت: ''چیزے را بہ ہفت آب شستن'' = کسی چیز کو سات مرتبہ دھونا یعنی خوب صاف کرنا۔ ''شعلہ'' سے مقصود محبوب کے غصے کا شعلہ ہے۔

''ہم نے رو رو کر تیری عتاب کی عادت کو دور کر دیا، گویا ہمارے آنسوؤں کے پانی سے تیرے غصے کے شعلے کی سیاہی دھل گئی۔''

عاشق کی گریہ و زاری سے حسن کا عتاب جاتا رہا۔

زاہد! خوش است صحبت، از آلودگی مترس
کایں خرقہ بارہا ز مےِ ناب شستہ ایم

''اے زاہد، ہماری صحبت بہت اچھی ہے، اس بات سے نہ ڈر کہ ترا دامن آلودہ ہو جائے گا۔ ہم نے اپنے خرقے کو بارہا شراب ناب سے دھو ڈالا ہے۔''

لوگوں کی نظروں میں مے نوشی گناہ ہے لیکن مرزا صاحب

کہتے ہیں کہ اس مینوشی نے ہمیں ہماری باطنی برائیوں ، مکر و ریا ، غرور و نخوت سے پاک کر دیا ہے۔"

اے در عتاب رفته ز بیرنگی سرشک
غافل که امشب از مژه خونناب شسته ایم

محبوب سے خطاب کر کے کہتا ہے:

"تو ہمارے اشک کی بے رنگی سے برہم ہو رہا ہے ، تو یہ نہیں جانتا کہ آج رات ہم نے مژگان سے خونناب پونچھ ڈالا ہے۔"

یعنی آنسو تو اب بھی امڈے چلے آتے ہیں ، لیکن خون کے آنسو اتنے بہا چکے ہیں کہ خون جگر ہی ختم ہو گیا ہے۔ اب آنسوؤں میں رنگ خوں آئے تو کہاں سے؟

پیمانه را ز باده بخوں پاک کرده ایم
کاشانه را ز رخت بسیلاب شسته ایم

لغت: دوسرے مصرعے میں "کاشانه را ز رخت" میں ز اضافت کے لیے آیا ہے یعنی "رختِ کاشانه را" = گھر کا سامان۔

سیلاب سے مقصود سیلاب اشک ہے۔

"ہم نے خون سے جام کو شراب سے پاک کر دیا ہے اور آنسوؤں کے سیلاب سے سر و سامان کو دھو ڈالا ہے۔

یعنی شراب کی جگہ ہمارے پیمانے میں خون جگر ہے اور آنسوؤں کا سیلاب میں گھر برباد ہو کر رہ گیا ہے۔

غرق محیط وحدت صرفیم و در نظر
از روے بحر موجه و گرداب شسته ایم

"ہم بحر وحدت میں سرتاپا غرق ہیں اور ہر چیز سے نظر ہٹا لی ہے ، سمندر کی لہروں اور بھنور کو مٹا دیا ہے۔"

اس شعر کا پس منظر نظریۂ وحدت‌الوجود ہے ، کہ کائنات کی ہر شے میں ایک ہی ذات (ذات حق) پوشیدہ ہے باقی جتنے مظاہر ہیں اُن کا وجود محض اضافی اور اعتباری ہے ۔ مثلاً اصل شے بحر ہے اور سطح بحر پر نمودار ہونے والی لہریں ، حباب اور بھنور وغیرہ سب پانی ہی کی مختلف صورتیں ہیں بذات خود کچھ نہیں غالب ہی کا اُردو شعر ہے :

ہے مشتمل نمود صور پر وجود بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

بے دست و پا به بحر توکل فتاده ایم
از خویش گردِ زحمتِ اسباب شسته ایم

ہم نے بے دست و پا ہو کر اپنے آپ کو توکل کے سمندر میں ڈال دیا ہے اور اس طرح سے (واقعات کے ظہور پذیر ہونے کے) تمام اسباب و علل کی زحمت سے نجات حاصل کر لی ہے ۔

یعنی دنیامیں جو کچھ ہوتا ہے وہ محض قضا و قدر سے ہوتا ہے ، واقعات کا دنیاوی اسباب سے کوئی تعلق نہیں ، انسان کی سعی و کوشش اس سلسلے میں بے کار ہے ۔ ان مخمصوں سے بے نیازی ہی اچھی ہے جو ہم نے اختیار کر لی ہے ۔

در مسلخِ وفا ز حیا آب گشته ایم
خون از جبین و دست ز قصاب شسته ایم

لغت: ''مسلخ'' = مذبح ، مقتل -

''وفا کے مذبح میں آ کر ہم شرم کے باعث پانی ہو گئے - اپنی پیشانی پر سے خون کو دھو ڈالا اور قصاب (قاتل) سے ہاتھ اُٹھا لیے -''

ہر چند کہ ہم نے وفا میں قربانیوں سے منہ نہیں موڑا اور ہمیں اس پر ناز بھی تھا تاہم جب آزمائش کا وقت آیا یہ قربانیاں حقیر معلوم ہوئیں اور سخت ندامت ہوئی چنانچہ شرم سے جو خون اپنی جبین پر نشان وفا کے طور پر لگا رکھا تھا پونچھ لیا اور قصاب سے آنکھ نہ ملا سکے -

غالبؔ رسیدہ ایم بہ کلکتہ و بمے
از سینہ داغ دوری احباب شستہ ایم

غالب جب اپنی پنشن کی بحالی کے لیے کلکتے گئے تو علاوہ سفر کی کوفتوں کے آنھیں احباب کی جدائی کا بہت دکھ ہوا - اسی سلسلے میں کہتے ہیں :

غالب ہم کلکتے پہنچے اور شراب پی پی کر دوستوں کی جدائی کے داغ دھو لیے -

غزل نمبر ۹

بخت در خواب است می‌خواہم که بیدارش کنم
پارۂ غوغاے محشر کو که درکارش کنم

لغت: دونوں مصرعوں میں قافیے کا آخری حرف ''ش'' بخت کے لیے آیا ہے۔

بعض لوگوں کا نصیب سویا ہوتا ہے اور اُس کے جاگنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ قیامت کا ہنگامہ ہی اُسے بیدار کر سکتا ہے چنانچہ کہتا ہے:

''میرا بخت سویا ہوا ہے، چاہتا ہوں اُسے جگاؤں، قیامت کے شور و غوغا کا کہاں سے کوئی ٹکڑا ملے کہ اُسے اس کام میں لاؤں''۔

با تو عرض وعده ات حاشا که از ابرام نیست
هر چه می گوئی همی خواہم که تکرارش کنم

لغت: ''ابرام'' = اصرار اور تکرار۔

تیرے وعدے (کے الفاظ) کا تیرے سامنے دہرانا (تذکرہ کرنا) حاشا و کلا کسی اصرار کی وجہ سے نہیں، جو کچھ تو کہتا ہے میں چاہتا ہوں انہی الفاظ کا تکرار کروں (کیوں کہ مجھے اُن کے دہرانے میں مزا آتا ہے)، مرزا غالب کے بیان میں اکثر اس طرح کی شوخیٔ ادا پائی جاتی ہے یہ شعر دیکھیے:

کہا تو نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

جاں بہائش گفتم و اندر ادائش کاہلم
تادگر دل سرد ازیں مشتے خریدارش کنم

میں نے اپنی جان کو محبوب (کے وصال) کی قیمت کہا لیکن اس قیمت کے ادا کرنے میں اس لیے کاہل ہوں کہ اس کے دل کو اس کے چند اور خریداروں کی طرف سے مایوس (ٹھنڈا) کر دوں۔

میں تو جب چاہوں جان دے سکتا ہوں، دوسرے چھوٹے دعوے داروں کا بھرم کھلنا چاہیے۔

برلبِ جویش خراماں کردہ شوقم، دُور نیست
کز ہنر چوں خود اسیرِ دام رفتارش کنم

''میرا جذبۂ شوق محبوب کو ندی کے کنارے خراماں خراماں لے آیا ہے، (اور میں اس خرام کا پرستار ہوں) کوئی عجب نہیں ہے کہ (میں اپنی پرستاریٔ خرام کے) ہنر سے محبوب کو خود اپنے خرام ناز کا اسیر بنا دوں۔''

محبوب کا خرامِ ناز ایک فطری جوہر ہے۔ فطری جوہر کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ کوئی اس کا دیکھنے والا یعنی پرستار ہو، میں اس کا پرستار اور شیدائی ہوں۔ میرے اس ذوق و شوق سے ممکن ہے وہ خود اپنے خرام پر فریفتہ ہو جائے۔ علاوہ بریں اس شعر میں ایک لطیف پہلو یہ بھی ہے کہ اس کا اپنے خرام پہ فریفتہ ہونا اس لیے بھی ہے کہ اسے ندی میں اپنا عکس خراماں نظر آ رہا ہے۔

مُردم و برمن نه بخشود و کنوں باز از ہوس
امتحان تازہ می خواہم کہ درکارش کنم

لغت : کارش کی ضمیرش کا مرجع امتحان ہے ۔

"میں نے جان دے دی لیکن اس نے مجھے معاف نہ کیا ، اب لالچ (یعنی مرنے کی لذت سے) کے باعث چاہتا ہوں کہ کوئی اور تازہ امتحان عشق ہو جسے کام میں لا سکوں :

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحان اور بھی باقی ہے تو یہ بھی نہ سہی (غالب)

گرم صد بار سوزی باز برگردسرت گردم
نیم پروانہ کزیک سوختن از دست و پا فگنم (نظیری)

راحت خود جستم و رنج فراواں یافتم
مژدہ دشمن را اگر جہدے در آزارش کنم

"میں نے دنیا میں راحت تلاش کی اور سخت دکھ اٹھایا ۔ یہ بات ہمارے رقیب (دشمن) کے لیے خوش خبری ہوگی اگر میں اس کو آزار پہنچانے کی کوشش کروں ۔

اس آزار کا کچھ اثر نہ ہوگا کیوں کہ ہم جو چاہتے ہیں اس کا اثر الٹ ہوتا ہے ۔

درغمش عمرے بسر بُردم ز دعوا شرم نیست
فرصتے کُو کز وفائے خود خبردارش کنم

"میں نے اس کے غم عشق میں زندگی بسر کر دی ، اس بات

کا دعویٰ کرنے سے شرمسار نہیں ہوں ۔ ہاں اتنی فرصت نہ ملی کہ محبوب کو اپنی وفاداریوں سے آگاہ کرتا ۔

اختلاطِ شبنم و خورشید تاباں دیدہ ام
جرأتے باید کہ عرضِ شوق دیدارش کنم

میں نے شبنم اور سورج کو باہم ہوتے دیکھا ہے ، محبوب کے شوق دیدار کے اظہار کرنے کے لیے جرأت درکار ہے ۔ شبنم سورج کے روبرو آتے ہی فنا ہو جاتی ہے ۔ محبوب کے دیدار کی تاب لانا بھی ایسا ہی ہے ۔

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
ہم بھی ہیں ایک عنایت کی نظر ہونے تک (غالب)

تا بیاگاہانمت از ناتوانی ہائے خویش
طاقتِ یک خلق باید صرفِ اظہارش کنم

اپنی ناتوانائیوں سے تمہیں آگاہ کرنے کے لیے مجھے ایک مخلوق کی طاقت چاہیے کہ اپنی ان ناتوانائیوں کا اظہار کر سکوں ۔

نکتہ ہائش بے دہن می ریزد از لب غالبا
بے زباں گردم کہ شرح لطفِ گفتارش کنم

محبوب کے لبوں سے بغیر دہن استعمال کیے (یعنی خموشی میں بھی) کئی نکتے تراوش کرتے ہیں میں اس کے انداز گفتار کی تعریف

بیان کرنے کی کوشش کروں تو بے زبان ہو جاتا ہوں یعنی عاجز ہو جاتا ہوں ۔

غزل نمبر ۱۰

بے خویشتن عنانِ نگاهش گرفته ایم
از خود گذشته و سر راهش گرفته ایم

محبوت کے دیدار حاصل کرنے اور اسے پا لینے کے لیے انسان کو اپنے آپ کو کھو دینا پڑتا ہے کہتا ہے کہ

بے خود ہو کر ہی ہم اس کی نگاہ کی باگ تھام سکے (نگاہیں چار ہوئیں) ۔

اپنے آپ سے گزرے تو پھر اسے سر راہ روک سکے (ملاقات ہوئی) ۔

دل با حریف ساخته و ما بسادگی
بر مدعاے خویش گواهش گرفته ایم

انسان بے بسی کے عالم میں بعض اوقات ایسے سہارے بھی ڈھونڈ لیتا ہے جو اسے نہیں ڈھونڈنے چاہییں ۔ چنانچہ ایک عاشق کا سہارا لینا گویا اس کی انتہائی سادگی ہے ۔ کہتا ہے :

ہمارے دل نے رقیب سے موافقت کر لی اور ہماری سادگی دیکھو

کہ ہم اسی رقیب کو اپنے معاملات عشق میں گواہ بنا رہے ہیں کہ وہ ہمارے حال زار کا تذکرہ محبوب سے کرے گا اور ہمارا سہارا بنے گا۔

آوارگی سپردہ بما قہرمانِ شوق
ماہمتے ز گرد سپاہش گرفتہ ایم

لغت: قہرمان = فرماں روا ے جابر و قاہر۔

سالار شوق نے آوارگی ہمارے سپرد کی ہے، ہم راہ عشق میں چل رہے ہیں، ہمارے سفر شوق کو تیز کرنے کے لیے اس کی سپاہ کی گرد راہ ہمت افزائی کرتی ہے۔

ازچشمِ ما خیالِ تو بیروں نمی رود
گوئی بدام تار نگاہش گرفتہ ایم

لغت: دوسرے مصرعے میں ''نگاہش'' کی ش کا مرجع ''خیال'' (خیال محبوب) ہے۔

''ہماری آنکھوں میں تیرا تصور یوں سمایا ہوا ہے (باہر نہیں جاتا) گویا ہم نے اسے اپنے تار نگاہ کے جال میں گرفتار کر لیا ہوا ہے۔

درھر نوردش از دلِ اغیار محضرے است
صد خردہ بر دو زلف سیاھش گرفتہ ایم

لغت: ''خردہ گرفتن'' = عیب چینی کرنا۔ ''نورد'' = لپیٹ، پیچ و خم۔ ''اغیار'' سے مقصود رقیب ہیں۔

کہتا ہے کہ ہم نے اس کی زلف سیہ پر بڑی بڑی نکتہ چینیاں کی ہیں اس لیے کہ ان زلفوں کی ہر لپیٹ میں رقیبوں کے دل اٹکے ہوئے ہیں ۔ جو بطور محضر نامہ کے ہیں یعنی صاف گواہی دیتے ہیں ۔

در عرضِ شوق صرفه نبردیم در وصال
در شکوه هاے خواه مخواهش گرفته ایم

وصل کے اوقات بے جا شکایتوں میں بسر ہوئے اور عرض شوق سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہو سکا ۔

باحسن ، خویش را چه قدر میتوان شکست
عبرت ز حالِ طرفِ کلاهش گرفته ایم

لغت : ''شکست'' = (شکستن) لغوی معنے ٹوٹنے کے ہیں ۔ استعارۃ کسی چیز میں شکن آنا یا کجی پیدا ہونا مثلاً شکستِ کلاوہ کج کلاہی ہوگی ۔ اس رعایت سے کہتا ہے :

ہمیں اس کی طرف کلاہ (شان کج کلاہی) سے عبرت حاصل ہوئی ہے کہ حسن کے ساتھ کس قدر جھکاؤ درکار ہوتا ہے ۔ محبوب کی کلاہ دیکھو کیسی شکست کھا رہی ہے ۔

دیگر ز دام ذوقِ تماشا نمی رود
در حلقۂ کشاکش آهش گرفته ایم

اب ہمارا محبوب ہمارے ذوق تماشا (ذوق نظارہ) کے جال سے

نکل کر نہیں جا سکتا ، ہم نے آسے اپنی آہوں کے حلقے میں گھیر لیا ہے -

آہیں بھرنے سے محبوب کا خود بخود متوجہ ہونا مقصود ہے -

دلتنگی پری رخِ کنعاں ز رشکِ دوست
دانیم ما که در بن چاهش گرفته ایم

لغت : ''دل تنگی'' = افسردگی ، غمگینی -

''پری رخِ کنعاں'' مراد حضرت یوسف جنھیں بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا تھا - کہتا ہے ہمیں معلوم ہے کہ یوسف ، ہمارے محبوب رشک حسن سے کنویں میں گرے تھے -

حرفے مزن ز غالب و رنج گرانِ آو
کوہے معارض پرکاهش گرفته ایم

لغت : ''معارض'' = مقابل -

غالب اور اس کے غم کا ذکر نہ کر - وہ تو یوں ہے کہ ایک پہاڑ ہے (غم کا) جس کے مقابلے میں وہ ایک تنکا ہے (پرکاہ) -

غالب دنیا کے رنج گراں کی تاب کیسے لا سکتا ہے -

غزل نمبر ۱۱

تا فصلے از حقیقتِ اشیا نوشتہ ایم
آفاق را مرادف عنقا نوشتہ ایم

جب ہم نے اشیائے عالم کی حقیقت کے بارے کچھ لکھا (ایک باب) تو کائنات کو عنقا کا ہم معنی قرار دیا (کہ جس کا نام تو ہے لیکن وجود نہیں) ۔

اہل معرفت کے نزدیک اس مادی دنیا کا وجود عنقا کی طرح خیالی ہے ۔

ایمان بغیب تفرقہ ہا رُفت از ضمیر
ز اسما گزشتہ ایم و مسمّی نوشتہ ایم

لغت: ''اسما'' = اسم کی جمع ہے ، جس شے یا شخص کا نام ہو وہ مسمیٰ ہے ۔

نام محض امتیاز کے لیے رکھ لیا جاتا ہے ، اصل شے مسمیٰ ہے ۔

اس شعر کا پس منظر بھی عقیدۂ وحدت الوجود ہے ۔ کہتا ہے :
''ہمارا غیب پر ایمان ہے اور اس ایمان بالغیب نے ہمارے ضمیر سے سب تفرقوں کو مٹا دیا ہے ہم اسما کو چھوڑ کر مسمیٰ سے وابستہ ہیں ۔''

خالق کائنات ہمیں نظر تو نہیں آتا لیکن ہمارا اس پر ایمان ہے ، ایمان بھی ایسا کہ ہم سمجھتے ہیں کائنات خدا ہی خدا ہے ۔ خدا کے سوا اور کچھ نہیں ، یہ جس قدر چیزیں ہیں اُن کے ہم نے نام رکھ

لیے ہیں تاکہ اُن میں باہمی امتیاز ہو سکے - اصل وجود ، وجود باری تعالیٰ ہے - ہم اسی وجود پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے یہ تمام نام ، دنیا کی تمام اشیاء کا فرق و امتیاز (تفرقہ) ہماری نظروں سے اٹھ گیا ہے ہمارے لیے تو بس

''وہی اک چیز ہے جو یاں نفس واں نکہت گل ہے''

اصل حقیقت ذات خداوندی ہے -

عنوان راز نامۂ اندوہ سادہ بود
سطر شکست رنگ بسیما نوشتہ ایم

لغت : ''سیما'' = پیشانی -

''شکستِ رنگ'' = رنگ اُڑ جانا -

راز نامۂ اندوہ ، اس لیے کہا کہ دل کے غم کو سینے میں چھپا کر رکھا ہوا ہے -

عنوان کے سادہ ہونے کا مفہوم ایک تو سادہ یعنی آسان اور دوسرے صاف ہے -

''ہماری سرگزشتِ الم کا عنوان بالکل سادہ تھا ، ہم نے شکست رنگ کی ایک لکیر اپنی پیشانی پر کھینچ دی -''

ہم نے اپنے رنج و الم کی سرگزشت کو لوگوں سے چھپایا ہوا تھا ، لیکن چہرے کے رنگ کے اڑ جانے نے اس راز کو فاش کر دیا -

قلزم فشانی مژہ از پہلوے دل است
ایں ابر را برات بہ دریا نوشتہ ایم

لغت: طوفان اشک کو شاعر نے قلزم فشانی کہا ہے جو مرزا غالب کی جدت طرازی کی نشانی ہے دریا کا لفظ فارسی میں سمندر کے لیے آتا ہے۔

فراقِ دوست میں آنسوؤں کا جو طوفان مژگاں سے بہتا ہے اس کا سرچشمہ دل ہے۔ گویا ''پہلوے دل'' ایک ابر ہے اس ابر کی قسمت میں سمندر ہی بننا ہے۔

خاکے بروے نامہ نیفشاندہ ایم ما
رخصت بداں حریف خود آرا نوشتہ ایم

لغت: ''خاک افشاندن بر نامہ'' = خاک ڈالنا، کسی معاملے کو چھپانے کی خاطر چھوڑ دینا۔ یوں پرانے زمانے میں دستور تھا کہ خط لکھ کر سیاہی سکھانے کے لیے اس پر مٹی بھی ڈالتے تھے اس شعر کے سلسلۂ خیال کی متعدد کڑیاں غائب ہیں۔ جو مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہیں۔

محبوب کا خط آیا ہے اور اس میں غرور و نخوت کا اظہار ہے جس سے عاشق کی ساری امیدیں خاک میں مل گئی ہیں اب ایسے خط کا جواب کیا دیا جائے، یہی جواب ہو سکتا ہے کہ خاک ڈالو ایسے خط پر اور لکھ دو بس رخصت۔

چنانچہ کہتا ہے کہ ہم نے خط پر مٹی نہیں ڈالی بلکہ اس مغرور اور خود آرا مقابل کو خدا حافظ کہہ دیا ہے۔

در هیچ نسخه معنی لفظ امید نیست
فرهنگ نامه هائے تمنا نوشته ایم

ہم نے تمنا کے متعدد فرہنگ نامے لکھے ہیں کسی نسخے میں بھی لفظ امید کے معنی نہیں یعنی تمنا میں کبھی امید کا کوئی پہلو نہیں ابھرتا ۔

دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

آئندہ و گذشتہ تمنا و حسرت است
یک ''کاشکے'' بودکه به صد جا نوشته ایم

لغت : ''کاشکے'' = کاش ایسا ہوتا ۔

ہماری زندگی مستقبل سرتاپا تمنا ہے اور ماضی سراپا یاس و حسرت یوں سمجھ لیجیے کہ ایک ہی لفظ کاشکے ہے جو ہم نے سو جگہ لکھا ہے ۔

یعنی ہم زندگی میں طرح طرح کی امیدیں باندھتے رہے اور وہ کبھی شرمندۂ تکمیل نہ ہوئیں ۔ وقت گزرتا تو ہر تمنا حسرت بن کر رہ جاتی ۔ زندگی گزر گئی اور ہم یہی کہتے رہے کاشکے یہ تمنا پوری ہو ، وہ تمنا پوری ہو جائے ۔ گویا زندگی ''کاشکے'' لکھتے لکھتے گزر گئی ۔

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

دارد رخت بہ خونِ تماشا خطِ زحسن
روشن سوادِ ایں ورقِ نا نوشتہ ایم

لغت: ''تماشا'' = نظارہ۔ ''سواد'' = روشنائی، سیاہی۔
''ورقِ نانوشتہ'' = بے لکھا ورق، سادہ، یہاں چہرۂ سادۂ محبوب مراد ہے۔

محبوب سے کہتا ہے تیرے چہرے کی رعنائی ہماری ہی حسرت نظارہ کے باعث ہے۔ ہم اس ورق سادہ کی چمکتی ہوئی سیاہی ہیں۔

ز رنگِ شکستہ عرضِ سپاس بلائے تست
پنہاں سپردۂ غم و پیدا نوشتہ ایم

ہمارا اڑا ہوا رنگ تیرے جور و ستم (بلا) کے شکریے کا اظہار ہے، تو نے غم چپکے چپکے دیا ہم نے اسے ظاہر کر دیا (نمایاں لکھ دیا)۔

یعنی ہمارا رنگ شکستہ، ہمارے غمِ پنہاں کی غمازی کر رہا ہے۔

آغشتہ ایم ہر سرِ خارے خونِ دل
قانونِ باغبانیِ صحرا نوشتہ ایم

ہم نے (صحرا کے) ہر کانٹے کو اپنے خون دل سے رنگا ہے اور اس طرح سے گویا باغبانیِ صحرا کے قانون اور قاعدے لکھ دیے ہیں۔

باغبان ، پانی دے کر باغ کو سر سبز و شاداب بناتا ہے ، ہم نے صحرا نوردی کر کے اور کانٹوں سے پاؤں زخمی کر کے اور خون دل بہا کر صحرا کو گلزار بنا دیا ہے اور دنیا کو بتا دیا ہے کہ باغبانی صحرا کا یہ طریقہ ہوتا ہے ۔

کویت ز نقش جبہۂ ما یک قلم پُر است
لختے سپاسِ ہمدمی پا نوشتہ ایم

تیری گلی سراسر ہماری پیشانی کے نقش سے پُر ہے ۔ ہم نے اپنے پاؤں کی ہمدمی کا شکریہ ادا کیا ہے عاشق پاؤں کے سہارے ہی کوچۂ محبوب میں پہنچتا ہے ، چنانچہ اُن کا شکر ادا کرنے کے لیے وہ ہر قدم پر سجدہ بھی کرتا ہے اور پاؤں کا شکر گزار ہوتا ہے ۔
شاعر نے محبوب کے کوچے میں ہر قدم پر جبیں سائی کرنے کی بڑی حسین توجیہہ کی ہے ۔

غالب الفِ ہماں علمِ وحدتِ خود است
بر لا چہ بر فزودگر الاّ نوشتہ ایم

لغت : ''علم'' = نشان ، اعلان ۔
الف کی شکل ا کی طرح ہوتی ہے جو ایک کی علامت بھی ہے ۔

توحید الٰہی کے اعلان کے لیے ہم کلمہ لاالہ الااللہ کہتے ہیں (کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے) لا کا مفہوم نہیں ہے ۔ اور نفی ہستی غیر کو ظاہر کرتا ہے یعنی اُس ذات واحد کا کوئی شریک نہیں لیکن جب ہم الا کہتے ہیں اور گویا لا کے ساتھ ''ا'' بڑھاتے

ہیں تو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا آخر ا کا حرف خود اُسی کی وحدت کو ظاہر کرتا ہے ؏

غزل نمبر ۱۲

صبح است خیز تا نفسے درہم افگنم
از نالہ لرزہ در فلکِ اعظم افگنم

لغت: ''فلکِ اعظم'' = عرش۔

اُٹھ کہ صبح ہو گئی ہے، تاکہ سانس کو حرکت میں لائیں اور غلغلہ بپا کریں اور اپنی فریاد سے عرش کو لرزہ براندام کر دیں۔

دعاے سحر گاہی میں اثر انگیزی ہوتی ہے۔

آتش فرو نشاند، نمِ دامنم، بیا
کایں دلقِ نیم سوختہ در زمزم افگنم

لغت: ''نمِ دامن'' = تردامنی۔
''آتش فرو نشاندن'' آگ = کو دبا دینا، بجھانا۔

با من ز سر کشی نرود راست، لاجرم
دل را بہ طرہ ہاے خم اندر خم افگنم

لغت: ''طرہ ہاے خم اندر خم'' = پیچ در پیچ زلف۔

میرا دل سرکش ہے اور میرے ساتھ سیدھا نہیں چلتا ، لازمی ہے کہ اسے محبوب کی پر پیچ زلفوں کے شکنجے میں ڈال دوں (تاکہ اس کے بل نکل جائیں) ۔

بہتر ہمی پرد ز ملک ، بہر کسرِ نفس
خود را بہ بند سلسلۂ آدم افگنم

میرا نفس روحانی تو فرشتوں سے بھی بہتر پرواز کرتا ہے ۔ میں نے محض کسر نفسی کے طور پر اپنے کو سلسلۂ آدم کی قید و بند میں ڈال رکھا ہے ۔

نفس جو عالم علوی سے تعلق رکھتا ہے اس کی پرواز بھی اپنے اصلی مرکز ہی کی طرف ہوتی ہے جہاں وہ فرشتوں سے بڑھ کر پرواز کرتا ہے مگر میں ہوں کہ اسے عالم خاکی کی زنجیروں میں لا ڈالتا ہوں ۔

حافظ کہتا ہے :

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود
آدم آورد دریں دیر خراب آبادم

پُرسد ز ذوقِ گرم روی ها و خامشم
دوزخ کجاست تا بره ہمدم افگنم

میرا ہمدم ، عشق کی رہ میں گرمی روی کے بارے میں پوچھتا ہے ، (میں کیا جواب دوں) چپ ہوں ۔ دوزخ کہاں ہے تاکہ اسے اٹھا کر اپنے ہمدم کے راستے میں ڈال دوں (تاکہ اسے احساس ہو) کہ عشق کی گرم روی دوزخ کی آگ میں سے گزرنے کے

مترادف ہے ۔

خواہم ز شرح لذّت بیدادِ پردہ دار
خوننابہ حسد بہ دل محرم افگنم

میں چاہتا ہوں کہ اُس محبوب پردہ نشین کے جور و ستم کو بیان کر کے اپنے محرم راز کے دل میں حسد کا خون ڈال دوں ۔

دوست کو راز عشق کا تو پتا ہے لیکن اُس نے محبوب کو دیکھا نہیں ۔ جب وہ اُس انداز ستم کی محبوبیت اور دلآویزی کی باتیں سنے گا تو اُسے حسد ہوگا ۔

خوشنودم از تو وز پے ''دور باش'' خلق
آوازۂ جفائے تو در عالم افگنم

کہتا ہے میں نے تجھ کو اس لیے جفا کار مشہور کر رکھا ہے کہ اور کوئی تری طرف رغبت نہ کرے ورنہ درحقیقت میں تجھ سے ہر طرح خوش ہوں ۔

از ذوقِ نامہ تو رود چو ز کار دست
از بال ہدہدش بہ کبوتر دم افگنم

مزے سے تجھے خط لکھتے لکھتے جب ہاتھ تھک جاتے ہیں تو ہدہد کے پروں سے کبوتر پر دم کرتا ہوں ۔ نامۂ شوق تو ختم نہیں ہوتا اور ہاتھ تھک چکے ہیں اب پیغام کیسے جائے یہی سوچتا ہوں کہ ہدہد کے بال لے کر کبوتر پر سحر کروں تاکہ نامۂ شوق کے

بغیر ہی ہمارا پیغام پہنچا دے ۔

ہدہد کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ بغیر کسی تحریر کے ملکہ سبا کا پیغام حضرت سلیمان کے پاس لے گیا تھا اور وہاں سے پیغام لے کر آیا تھا ۔

دوزند گر بہ فرض زمیں را بہ آسماں
حاشا کزیں فشار در ابرو خم افگنم

اگر بالفرض آسمان و زمین باہم مل جائیں اور میں درمیان میں پس جاؤں ، تو حاشا للہ اگر میرے ابرو پر بل بھی آئے ۔

سلطانیِ قلمرو عنقا بمن رسید
کو نقش نا پدید کہ بر خاتم افگنم

عنقا کی سلطانی اب ہمیں مل گئی ہے ، ظاہر نہ ہونے والا نقش کہاں ہے کہ میں اسے اپنی انگوٹھی کا نگینہ بنا لوں ۔

غالب ز کلکِ تست کہ یابم ہمی بدہر
مشکے کہ بر جراحت بند غم افگنم

مشہور ہے کہ زخم کو الماس کے ریزے اور مشک دونوں خراب کرتے ہیں ۔ غالب چونکہ لذت آزار کا پرستار ہے اور اس کا ہمیشہ طالب رہتا ہے اسے اسیر غم ہو کر جراحت کا مزہ تو ملتا ہے لیکن اتنا ہی اس کے لیے کافی نہیں ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جراحت غم پر کوئی مشک پاشی بھی کرے چنانچہ کہتا ہے :

غالب! بند غم کی جراحت کے لیے مشک کی ضرورت ہوتی ہے وہ میں تیرے ہی قلم سے حاصل کرتا ہوں ۔

غزل نمبر ۱۳

بے پردگیِ محشرِ رسوائیِ خویشم
در پردۂ یک خلق تماشائی خویشم

لغت: ''تماشائی'' میں ''یا'' فاعلی ہے = دیکھنے والا ۔
''محشر رسوائی'' = کثرت رسوائی ۔ رسوائیوں کا ایک محشر ۔

میں اپنی رسوائیوں کا ایک محشر ہوں کہ عریاں ہو چکا ہوں ، انسانوں کے پردے میں خود اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں ۔

بعض وقت انسانی کردار کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ دیکھنے والی آنکھ شرماتی ہے ۔ ان سے انسانوں کی رسوائی منظر عام پر آ جاتی ہے ۔ شاعر کہتا ہے کہ میں اولاد آدم کا یہ کردار دیکھتا ہوں تو اس میں مجھے اپنا عکس جھلکتا نظر آتا ہے اس لیے سمجھتا ہوں کہ گویا خود میری ہی رسوائیاں ہیں جو منظر عام پر آ گئی ہیں ۔

نقشِ بضمیر آمدۂ نقش طرازم
حاشا کہ بود دعوی پیدائی خویشم

لغت: ''نقش طراز'' = نقش گر ۔

میں تو ایک نقش ہوں جو نقش طراز کے ذہن میں ابھرا تھا ،

حاشا مجھے اپنے ظہور و نمود کا کوئی دعویٰ نہیں ہے ۔

یعنی اگر اہل عالم کو مجھ میں کوئی کمال نظر آتا ہے تو حاشا اس کمال پر مجھے کوئی فخر نہیں ۔ یہ کمال تو میرے نقش گر کا ہے کہ اُس نے ایک پیکر خاکی کو یہ رتبہ عطا کیا ۔ اب اگر اس وجود خاکی سے کمالات کا ظہور ہوا ہے تو یہ اُسی کا عطیہ ہے ۔

؎ آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

نے جلوۂ نازے نہ تفِ برقِ عتابے
اُو فارغ و من داغِ شکیبائی خویشم

نہ جلوۂ ناز ہی نظر آتا ہے نہ برقِ عتاب کی حدت اور گرمی محسوس ہوتی ہے ۔ وہ تو فارغ ہو بیٹھا ہے اور یہاں ہم ہیں کہ داغ شکیبائی لیے بیٹھے ہیں ۔

محبوب کا جلوۂ ناز دیکھنے میں آئے تو زہے نصیب اس سے ہمارے دل کو تسکین ہو ۔ اگر یہ نہ ہو تو برق عتاب ہی ہو کہ اُس کی گرمی سے تڑپ جائیں ۔ بارگاہ حسن میں کوئی رابطہ تو ہو ، کچھ نہ کچھ میسر تو آئے ۔ اب تو نہ لطف ناز ہے نہ قہر و عتاب ۔ محبوب ہم سے بالکل بے نیاز ہے اور ہم اپنے صبر و تحمل کا سرتاپا داغ بن کر رہ گئے ہیں ۔

لاگ ہو اُس کو تو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا (غالب)

عتاب کا عالم ہو تو ہمیں اپنے صبر و شکیب کو آزمانے کا

موقع ملے لیکن محبوب تو بے تعلق ہو بیٹھا ہے اور ہمارے دل پر ایک داغ رہ گیا کہ صبر و شکیب کو آزمانے کا موقع بھی ہاتھ سے گیا۔

؎ اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

از کشمکش گریہ ز ہم ریخت وجودم
ہر قطرہ فرو خواندہ بہ ہمتائی خویشم

''کشمکش گریہ نے میرے وجود کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے اس لیے میں قطرۂ اشک کو اپنا ہمسر کہہ کر پکارتا ہوں (یعنی میرا ہر قطرہ اشک بہ زبان حال میری ہمسری کا دعویٰ کر رہا ہے)۔''

ذوق لب نوشین کہ آمیختہ در جاں
کایں مایہ در انداز جگر خائی خویشم

لغت: ''جگر خائی'' = جگر کا خون پینا۔

کسی کے لب شیریں کا ذوق، میری زندگی کا جز بنا ہوا ہے کہ میں اس قدر جگر خائی میں مصروف ہوں۔

کوئی ذوق جب انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو جز و حیات بن جاتا ہے۔ اسی طرح لب شیریں کا ذوق میرے رگ و ریشے میں سما گیا ہے اب میں بڑے مزے سے خون جگر پی رہا ہوں۔

آسودگی از خس که به تابِ زمیاں رفت
چوں شمع در آتش ز توانائی خویشم

لغت : خس = تنکا ۔

تنکا شعلے کی ایک لپک سے جل کر ٹھنڈا پڑ جاتا ہے جسے شاعر آسودگی کا نام دیتا ہے ۔

''آسودہ حال تو خس ہے کہ ایک آن میں جل گیا میں تو توانائی کے باعث شمع کی طرح شعلوں کی لپیٹ میں ہوں (یعنی مجھ میں مسلسل جلنے کی تاب ہے) ۔''

اہل ہوس خس کی طرح ہوتے ہیں کہ جلے اور گرمی ختم ہو گئی ۔

غالب کا یہ شعر دیکھیے :

فروغ شعلہ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاس ناموسِ وفا کیا

تارے شدہ از ضعف سراپایم و اکنوں
از گریہ بہ بند گہر آمائی خویشم

لغت : ''گہر آمائی'' = موتی پرونا ۔

''ضعف و ناتوائی سے میرا وجود ایک تار کی حیثیت اختیار کر چکا ہے ۔ اب جو آنسو ٹپکتے ہیں میں آنھیں اس تار میں پروتا چلا جا رہا ہوں ۔''

بابوے تو جولانِ سبک خیزی شوقم
در کوے تو مہمانِ گراں پائی خویشم

لغت: ''گراں پا'' = وہ مسافر جس کے پاؤں تھکن کی وجہ سے بھاری ہو گئے ہوں۔

''گراں پائی'' گراں پا کا مصدر ہے۔

''تیری خوشبو ہو تو میں شوق کی سبک خیزی سے اچھلتا کودتا چلا جاتا ہوں۔ جب تمہاری گلی میں آتا ہوں تو میں گراں پائی کا مہمان بن جاتا ہوں۔''

جہاں جہاں تیری خوشبو پہنچتی ہے میرا شوق بڑی تیزی سے مجھے اس کے پیچھے لیے جاتا ہے لیکن تیری گلی میں پہنچ کر پاؤں آگے بڑھنے سے جواب دے جاتے ہیں۔

پایم بہ پیش از سر کویش نمی رود
یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گہِ کیست (غالب)

عرض ہنرم زرد کند روے حریفاں
مہتابِ کفِ دستِ تماشائی خویشم

لغت: ''عرض ہنر'' = ہنر کی نمائش۔

''حریف'' = مقابل۔

دست تماشائی = ہنرمند ہاتھ۔

''میرے عرض ہنر سے میرے حریفوں کے چہرے زرد پڑ جاتے ہیں گویا میں اپنے دست تماشائی (ہنرمند ہاتھ) کی ہتھیلی کا ماہتاب ہوں۔''

یعنی میرا ہنرمند ہاتھ چاند کی طرح درخشاں ہے جس کی چمک سے میرے حریفوں کے چہرے زرد پڑ جاتے ہیں ۔

غالب ز جفاے نفسِ گرم چه نالی
پندار که شمع شبِ تنہائی خویشم

"اے غالب تو اپنے نفسِ گرم کی جفاؤں سے کیا گلہ کرتا ہے تو یہ سمجھ لے کہ میں اپنی شبِ تنہائی کی خود آپ ہی شمع ہوں ۔"

شمع کو دیکھو تنہا ہے اور جل رہی ہے ، آنسو بہا رہی ہے اور خاموش ہے اس کی خاموش اشکباری سے سبق حاصل کرو ۔ جلتے جاؤ اور صبر و شکیب کو ہاتھ سے نہ دو ۔"

غزل نمبر ۱۴

گم گشته بکوے تو نه دل بلکه خبر ہم
در لرزه ز خوے تو نه دم بلکه اثر ہم

"تیری گلی میں دل ہی گم نہیں ہوا بلکہ اس کی خبر تک نہیں ملتی ۔ تمہاری خوے (تند) سے ہماری آہ ہی نہیں کانپتی بلکہ آہ کا اثر بھی کانپتا ہے ۔"

ہر کھوئی ہوئی شے کا سراغ مل جاتا ہے لیکن دل ایسا گم ہوا ہے کہ اس کوئی خبر تک نہیں آئی ۔

یا رب چه بلائی که دم عرضِ تمنا
اجزاے نفس می خزد از بیم تو درہم

لغت : ''یا رب'' (معنی اے خدا) ۔ یہ الفاظ کبھی کبھی محاورۃً آتے ہیں ۔ اس وقت ان کا مفہوم ''اے خدا'' نہیں ہوتا ۔ بلکہ توبہ! اللہ!

''خزیدن'' = گھس جانا ۔ ''درہم خزیدن'' ایک دوسرے میں مل کر خلط ملط ہو جانا ۔

محبوب سے خطاب کر کے کہتا ہے ، ''توبہ! تو کیا بلا ہے کہ عرض تمنا کرتے وقت خوف سے ہمارے سانس کے اجزا بکھر بکھر کر ایک دوسرے میں چھپ کر پناہ لینے کی کوشش کرتے ہیں ۔''
یعنی محبوب کے سامنے بات کرتے وقت دم خطا ہوتا ہے ۔

در آئینه با خویش طرف گشتهٔ امروز
هان تیغ نگهدار ، بینداز سپر ہم

''آج تم آئینے میں خود اپنے مد مقابل ہو ، ہاں احتیاط ، تلوار کو میان میں کر لو اور سپر بھی ڈال دو ۔

محبوب آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر خود آس پر فریفتہ ہو جائے گا اور شکست کھائے گا ۔

دیدیم که مے مستیِ اسرار ندارد
رفتیم و به پیمانه فشردیم جگر ہم

لغت : ''مستیِ اسرار'' = مستیِ عرفان ۔

''ہم نے دیکھا کہ شراب میں کوئی روحانی سرور و کیف نہیں ہے اس لیے ہم نے اپنے جگر کا خون بھی نچوڑ کر پیالے میں ڈال دیا۔''

یعنی عرفان کی مستی خالی شراب سے نہیں بلکہ خون جگر پینے سے میسر آتی ہے۔

اے نالہ نہ تنہا شب غم گردِ رہ تست
شبگیر ترا مشعلہ دار است سحرہم

لغت: ''شبگیر'' = آخر شب کو کہتے ہیں۔ آدھی رات کے بعد اور صبح سے پہلے کا وقت۔ صبح سے پہلے رات کا سفر۔

''مشعلہ دار'' = مشعلچی۔ جو مشعل جلا کر رات کو سفر کرنے والوں کو روشنی کا سامان مہیا کرتا ہے۔

شاعر اپنی فریاد (نالہ) کو خطاب کر کے کہتا ہے، ''اے نالہ صرف شب غم تیرے راستے کی گرد و غبار نہیں، صبح بھی تیرے سفر میں مشعل دکھاتی ہے۔''

عاشق شب غم میں نالہ و فریاد کرتا ہے لیکن اس شب غم کی سیاہی کے علاوہ جسے شاعر گرد راہ کہتا ہے صبح کی آمد اور اس کی روشنی کی امید بھی شامل ہوتی ہے۔

با گرمیِ داغِ دل ما چارہ زبون است
پروانۂ این شمع بود پنبۂ مرہم

لغت: ''پنبہ مرہم'' = وہ روئی جو مرہم کے ساتھ ہوتی ہے۔ پھاہا۔

"ہمارے داغ دل کی گرمی کو دور کرنے کے لیے ہر چارہ بے بس ہو کر رہ جاتا ہے - مرہم کا پھاہا اس شمع کا پروانہ ہے -"

شاعر نے داغ دل کو شمع سے تشبیہ دی ہے اور مرہم کے پھاہے کو اس شمع کا پروانہ قرار دیا ہے -

یعنی داغ دل کی گرمی کا یہ عالم ہے کہ زخم دل پر جو پھاہا رکھا جاتا ہے وہ اس طرح جل اٹھتا ہے جیسے پروانہ شمع پر جل مرتا ہے - اور اس طرح چارہ گری بےکار جاتی ہے :

؎ الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

تا حسن بہ بے پردگی جلوہ صلا داد
دیدیم کہ تارے ز نقاب است نظر ہم

حسن نے بے پردہ ہونے کا اعلان کیا (دعوت دی) تو ہجوم جلوہ سے ہماری نظر اٹھ نہ سکی ہم نے دیکھا کہ ہماری نظر خود چہرۂ محبوب کے نقاب کا ایک تار بن کر رہ گئی -

یعنی پہلے تو عاشق اور محبوب میں حجاب حائل تھا ، نقاب اٹھا تو نظریں حسن کی تاب نہ لا سکیں اور وہ گویا خود نقاب بن گئیں -

نظارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی (غالب)

چوں است کہ در عرصۂ دہر اہل دلے نیست
در بحر کف و موج و حباب است و گہر ہم

یہ کیا بات ہے کہ عرصۂ دہر میں کوئی اہل دل نہیں ہے

حالانکہ سمندر کو دیکھیے کہ اس میں اگر جھاگ ہے ، لہریں ہیں ، حباب ہیں تو گوہر بھی ہیں ۔ سمندر کا استعارہ لا کر شاعر نے عوام کو کف و موج و حباب کہا ہے اور اہل دل کو گوہر ۔

دنیا میں اگر عام لوگ ہیں تو اہل دل کا ہونا بھی ضروری تھا لیکن اہل دل نایاب ہیں ۔

اسکندر و سرچشمۂ آبی که زلال است
ما و لب لعلے که شراب است و شکر ہم

سکندر کو چشمۂ آب حیات کی تمنا تھی جو آب شیریں ہے ۔ ہمیں حیات جاوید کی تمنا ہے البتہ ہمارے لیے لب لعلیں شراب کا کام دیتے ہیں اور ان سے ہمیں شیرینی بھی میسر آتی ہے ۔

تنہا نہ من از شوق تو در خاک تپانم
نشتر بہ رگ سنگ مزار است شرر ہم

تنہا میں ہی ترے شوق کی وجہ سے خاک میں نہیں تڑپتا ہوں بلکہ میرے لوح مزار میں جو چنگاری چھپی ہوئی ہے وہ بھی سنگ مزار میں نشتر کا کام دیتی ہے ۔

عاشق کے شوق کی بے تابیوں کا یہ عالم ہے کہ خاک میں دفن ہو کر بھی تڑپ رہا ہے اور ساتھ ہی سنگ مزار کو بھی بے تاب کر رکھا ہے ۔

آں خانہ برانداز بدل پردہ نشین است
اے دیدہ تو نامحرمی و حلقۂ در ہم

لغت : ''خانہ برانداز'' = گھر پر تباہی لانے والا ۔ گھر کو تج

دینے والا ۔

''حلقۂ در'' = دروازے کا کنڈا یا حلقہ ۔

خدا کسی گھر میں محصور نہیں ، وہ گھر سے بے نیاز ہے ، البتہ وہ دل کے پردے میں چھپا بیٹھا ہے ۔ شاعر اپنی آنکھ کو نامحرم کہتا ہے اور اُسے حلقۂ در بھی کہتا ہے ۔ نامحرم گھر میں داخل نہیں ہو سکتا اور حلقۂ در کو ، دروازے کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گھر میں کون ہے اور کیا کچھ ہے ہماری آنکھیں بھی اس معشوق کو نہیں دیکھ سکتیں ۔ اُن کی حیثیت بھی ایک نامحرم اور حلقۂ در کی سی ہے ۔

تا بند نقاب کہ کشود است کہ غالب
رخسارہ بہ ناخن صلہ دادیم و جگر ہم

لغت : ''رخسارہ'' = غم و غصہ ۔

غالب ہمارے ناخن نے کس کا بند نقاب کھولا ہے کہ ہم نے اُسے اپنا دکھ درد اور جگر بھی صلے میں دے دیا ۔

کہنا یہ مقصود ہے کہ محبوب کے بند نقاب کے کھولنے میں ہم سب کچھ کھو بیٹھے ۔

غزل نمبر ۱۵

جلوۂ معنی بجیب وہم پنہاں کردہ ایم
یوسفے در چار سوے دھر نقصاں کردہ ایم

لغت : ''چار سوئے'' = وہ جگہ جہاں چار سڑکیں ملتی ہوں ۔

چوک ۔ چوراہہ ۔

''جلوۂ معنی'' = جلوۂ حقیقت ۔

''ہم نے حقیقت کو وہم و گماں کے گریباں میں چھپا لیا ہے ، ایک یوسف تھا جو چوراہے میں کھو گیا ہے'' حقیقت تو بے نقاب ہوتی ہے لیکن انسان طرح طرح کے وہم و گماں میں الجھ کر اسے نظروں سے اوجھل کر لیتا ہے اور اس طرح یہ گوہر مراد جسے شاعر نے یوسف کہا ہے کھو جاتا ہے اور کہیں نہیں ملتا ۔

پشت بر کوہ ہست طاقت ، تکیہ تا بر رحمت است
کار دشوار است و ما بر خویش آسان کردہ ایم

لغت : ''تکیہ'' = سہارا ۔ ۔ ۔ ''پشت برکوہ بودن'' = یعنی مضبوط سہارے کا ہونا ۔

''جب تک انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سہارا اور پشت پناہی حاصل ہوتی ہے وہ مضبوطی سے قائم رہتا ہے ۔ یہ کام مشکل تھا لیکن ہم نے اسے اپنے لیے آسان بنا لیا ہے ۔''

انسان اپنی کوتاہیوں اور گناہوں سے ہراساں تھا لیکن جب اس نے اللہ کی رحمت کا سہارا لیا تو اس کے لیے یہ کٹھن کام آسان ہو گیا ۔

رنگ ہا چوں شد فراہم مصرفے دیگر نداشت
خلد را نقش و نگار طاق نسیاں کردہ ایم

لغت : ''مصرف'' = صرف کرنے کی جگہ یا وقت ۔ استعمال یا قاعدہ ۔

''نسیان'' = بھول - ''طاق نسیان'' = ایسا طاق جہاں انسان کوئی بے مصرف چیز رکھ کر بھول جائے -

انسان نے جنت کو رنگینیوں کی ایک دنیا بنا لیا ہے جہاں گویا رنگینیوں کے اتنے انبار ہیں کہ ان کا کوئی مصرف نظر نہیں آتا - سوائے اس کے کہ انسان انھیں بے مصرف اور بے کار سمجھ کر کسی طاق پر رکھ دے اور بھول جائے - چنانچہ شاعر کہتا ہے :

جب بہت سے رنگ جمع ہو گئے تو اُن کا کوئی اور مصرف نظر نہ آیا چنانچہ ہم نے ان جنت کی رنگینیوں کو اپنے طاق نسیان کے نقش و نگار بنا لیا (اور ان کے سوا ان کا کوئی مصرف تھا بھی نہیں) -

نالہ را از شعلہ آئین چراغاں بستہ ایم
گریہ را از جوش خوں تسبیح مرجاں کردہ ایم

لغت : ''آئین بستن'' = چیز کو سنوارنا اور آراستہ کرنا -

''مرجان'' = نباتات نما بے حرکت حیوانات کی قسم جو سمندر میں پائی جاتی ہے - جب اسے کاٹا جاتا ہے تو سوکھ کر پتھر کی صورت اختیار کر لیتی ہے - اس کا رنگ بالعموم سرخ ہوتا ہے - مونگا

''ہم نے اپنی فریاد کے شعلوں سے ایک چراغاں سجا لیا ہے اور اپنے خونیں آنسوؤں کو مرجان کی تسبیح بنا لیا ہے -'' مونگا -

آتشیں فریادوں کو چراغاں اور خونیں نسوؤں کے تار کو تسبیح مرجاں سے تشبیہ دے کر شدت جذبات کا اظہار کیا ہے -

از شرر گل در گریبان نشاط افگنده اند
خنده ها بر فرصت عشرت پرستاں کرده ایم

مرزا غالب کے کلام میں درد و غم پایا جاتا ہے لیکن اس حزن و ملال میں یاس نہیں - غم کو بھی زندگی کا ایک سرمایہ خیال کرتے تھے اور اس سے زندگی کو سجاتے اور سنوارتے تھے - اسی سے اُن کا عظیم فن بھی اُبھرا تھا - کہتے ہیں :

کہ قدرت نے غم کی چنگاریوں میں پھول رکھے ہیں جو گریباں نشاط میں سجائے گئے ہیں -

ہم انہی پھولوں سے خوش ہیں اور ان کے بل پر عیش پرستوں کی (عارضی) خوشیوں پر ہنس دیے - فرصت کا لفظ فارسی میں ، وقت ، فرصت اور فراغت تینوں معنوں میں آتا ہے شاعر نے اس لفظ کو تینوں معانی ملحوظ رکھ کر استعمال کیا ہے -

کہتا ہے کہ ہمیں غم میں وہ فراغت اور لذت نصیب ہوتی ہے جو خوشیوں کے متوالوں کو میسر نہیں آتی - ہمارے غم و الم کے لمحات اُن کی بظاہر فراغتوں اور عیش پرستیوں پر خندہ زن ہوتے ہیں -

مے گساراں قحط وما ے صبر ، عشرت مفت کیست
بادۂ ما تا کہن گردید ارزاں کرده ایم

لغت : ''عشرت مفت کیست'' = یعنی کون ہے جو اس مفت کے عیش و عشرت سے فائدہ اُٹھائے -

''مے پینے والے ملتے نہیں ، اُن کا قحط ہے اور ہم شراب لیے

بیٹھے بے صبری سے اُن کے منتظر ہیں اس انتظار میں چونکہ ہماری شراب ، پرانی شراب بن گئی ہے ہم نے اُسے مستی کر دیا ہے ۔''

پرانی اشیاء خریداروں کے قحط کے باعث سستے داموں بکتی ہیں لیکن شراب کہن تو قیمتی شے ہوتی ہے اس کے باوجود اگر خریدار بالکل میسر نہ آئیں تو ارزاں ہو کر رہ جاتی ہے ۔ یہاں مرزا غالب نے شراب کا استعارہ اپنے کلام کے لیے استعمال کیا ہے ۔ اس شعر کا مفہوم بھی کم و بیش وہی ہے جو اس شعر کا ہے :

تاز دیوانم کہ سر مست سخن خواہد شدن
ایں مے از قحط خریداری کہن خواہد شدن

مفہوم یہی ہے کہ یہ شراب پڑی بے کار ہو گئی ہے دیکھیں اس سے کون لذت اندوز ہوتا ہے ۔ ہم نے تو اسے باوجود شراب کہن ہونے کے ارزاں کر دیا ہے ۔

زاہد از ما خوشۂ تاکے بچشم کم مبیں
ہے نمیدانی کہ یک پیمانہ نقصاں کردہ ایم

لغت : از ما خوشۂ تاکے یعنی ہمارا انگوروں کا ایک گچھا ۔

''کم مبیں'' = کم نہ جان ، حقیر نہ سمجھ ۔ ''ہے'' کلمہ تنبیہ ۔

''اے زاہد! ہمارے انگوروں کے گچھے کو حقیر نہ خیال کر ، کیا تو نہیں جانتا کہ ہم نے اس ایک گچھے سے پیمانہ بھر شراب کا نقصان کر ڈالا ہے ۔

راز ما از پردۂ چاک گریباں باز جوے
نامۂ شوق تو باز از طرف عنوان کردہ ایم

''ہمارے چاک گریباں سے ہمارا بھید پا لے ۔ تیرے نامۂ شوق کو ہم نے عنوان ہی سے شروع کر دیا ہے ۔''

جس طرح دیوانے کی چاک دامانی اُس کے دیوانہ پن کو ظاہر کرتی ہے اسی طرح ہم نے جو نامۂ شوق تجھے لکھا ہے اُس کا عنوان ہی نفس مضمون کا پتہ دیتا ہے گویا عنوان کی پریشاں صورت ہی سے داستان کا پتا چل جاتا ہے جو خط میں درج ہے ۔

؎ وہ میرے چیں جبیں سے غم پنہاں سمجھا
راز مکتوب بہ بے ربطی عنوان سمجھا

حیف باشد خارہا در راہ مہماں ریختن
باخیالش شکوہ از بیداد مژگاں کردہ ایم

''مہماں کی راہ میں کانٹے بکھیرنا اچھا نہیں ۔ ہم نے اُس کے تصور سے اُس کی پلکوں کی ستم آفرینی کا ذکر کیا ہے ۔ عاشق تصور میں محبوب سے باتیں کر رہا ہے اسی سلسلے میں اُسے محبوب کی تیکھی پلکوں کی ستم آفرینی یاد آ جاتی ہے ۔ یہ پلکیں کانٹوں کی طرح ہیں ۔ محبوب کے تصور کی حیثیت ایک مہمان کی ہے اور مژگاں کے جور و ستم کی یاد کانٹوں کی طرح ہے جو اس مہمان کی راہ میں بچھائے جا رہے ہیں ۔

حق شناس صحبت بے تابی پروانہ ایم
گرچہ مشق نالہ با مرغ سحر خواں کردہ ایم

''اگرچہ ہم نے مرغ سحر خواں کے ساتھ آہ و زاری کی مشق کی ہے لیکن ہم پروانے کی بے تابیوں کی صحبت کا حق بھی خوب پہچانتے ہیں۔''

اہل درد درد مندوں کے حال سے خوب آگاہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی ہم نوائی کرتے ہیں۔ صبح کے وقت پرندوں کا نغمہ بھی ایک دکھ بھری فریاد ہے۔ پرندوں کی یہ پکار شاعر کو بیقرار کر دیتی ہے لیکن وہ پروانوں کی تڑپ میں بھی شریک ہوتا ہے گویا اس کے صبح و شام یونہی گزرتے ہیں۔

می دہد چشمش بیک پیمانہ ہر میخوار را
عشوۂ ساقی بہ کار کفر و ایماں کردہ ایم

لغت: ''عشوہ'' = آنکھ کا اشارہ۔ ناز و ادا۔

ساقی کی آنکھ ہر میخوار کو ایک ہی پیمانے سے بھر بھر کر شراب دیتی ہے۔ ہم نے ساقی کی اس عشوہ گری کی وسیع المشربی کو کفر و ایمان کے معاملے میں اپنا لیا ہے۔

یہاں ساقی سے مراد خالق کائنات ہے جس کے نزدیک تمام مخلوق یکساں ہے۔

اس کی نظر میں مومن و کافر سب برابر ہیں۔ جو جام محبت مسلمان کو ملتا ہے وہی دوسروں کو بھی ملتا ہے۔ ہم بھی اسی مشرب کے پرستار ہیں اور سب کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔

ے ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

غالب از جوشِ دمِ ما تربتش گل پوش باد
پردۂ سازِ ظہوری را گل افشاں کردہ ایم

اے غالب ، ہمارے دم کے جوش سے ظہوری کی قبر پھولوں سے لدی رہے ہم نے اس کے پردہ ساز کو گل افشان کر دیا ہے ۔

غالب نے شاعری میں جن لوگوں کا تتبع کیا اُن میں ظہوری بھی تھا ۔ اس پیروی کی کامیابی پر وہ ناز بھی کرتا ہے چنانچہ اس شعر کے مقطع میں اپنی اس کامیابی پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم نے ظہوری کے رنگ شعر کو چمکایا ہے اللہ کرے ہماری ان شعری گل افشانیوں سے اُس کی تربت پھولوں سے لدی رہے ۔

غزل نمبر ۱۶

ہم بہ عالم ز اہلِ عالم برکنار افتادہ ام
چوں امامِ سبحہ بیروں از شمار افتادہ ام

لغت : ''برکنار افتادن'' = الگ ہو جانا ، بے تعلق ہو جانا ۔

''سبحہ'' = تسبیح ۔ ''امام سبحہ'' = تسبیح کا وہ لمبا دانہ جو شمار میں نہیں آتا ۔ ''از شمار افتادن'' = گنتی میں نہ آنا ۔

''دنیا میں ہوتے ہوئے بھی میں دنیا سے الگ تھلگ ہوں ، تسبیح کے امام کی طرح ہوں کہ تسبیح کی طرح تو ہے لیکن تسبیح کے دانوں میں شمار نہیں ہوتا ۔ حقیقت شناس لوگ ، دنیا میں رہ کر دنیا سے بے نیاز ہوتے ہیں ۔

حافظ کہتے ہیں :

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود
ز ہرچہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

ریزم از وصف رخت ، گل را شرر در پیرہن
آتش رشکم بجان نوبہار افتادہ ام

لغت : ''شرر در پیرہن کسے ریختن ۔'' = کسی کے لباس میں چنگاریاں ڈالنا ، جلانا ، بے چین کرنا ۔

پہلے مصرعے میں گل کے لفظ کے بعد ''را'' کا حرف اضافی ہے یعنی اضافت کا مفہوم دیتا ہے اس مصرعے کی نثر یوں ہو گی : از وصف رخ تو شرر در پیرہن گل ریزم ۔

''میں تیرے چہرے کا وصف بیان کر کے پھول کے پیرہن میں چنگاریاں ڈالتا ہوں ۔ میں رشک کی آگ ہوں اور نوبہار کی جان کو جلاتا ہوں ۔''

یعنی میں پھول کے روبرو جب محبوب کے حسن و جمال کا تذکرہ کرتا ہوں تو وہ رشک کی آگ میں جلنے لگتا ہے ۔ ایک ہی پھول پہ موقوف نہیں سارا چمن جل اٹھتا ہے ۔ یوں لگتا ہے جیسے

خود بہار جل رہی ہے۔

مولانا جامی کہتے ہیں:

در چمن دوش ببوے تو گذرمی کردم
قدح لالہ پر از خون جگرمی کردم

می فشانم بال و در بند رہائی نیستم
طائر شوقم بدامِ انتظار افتادہ ام

لغت: ''بال فشاندن'' = پر پھڑ پھڑانا۔

''بند رہائی'' = رہائی کا خیال۔

''میں پروں کو پھڑ پھڑاتا ہوں لیکن (میرا ایسا کرنا) رہائی کے خیال سے نہیں، میں طائر شوق ہوں اور انتظار کے جال میں پھنسا ہوا ہوں۔''

پرندے جال میں پھنستے ہیں اور صیاد کے آنے سے پہلے پر پھڑ پھڑاتے ہیں کہ آزاد ہو جائیں لیکن شاعر کہتا ہے کہ میرا پروں کو پھڑ پھڑانا دام سے رہائی پانے کی غرض سے نہیں۔ میں تو طائر محبت ہوں، میرا ایسا کرنا صیاد (یعنی دوست) کی قید میں رہنے کے لیے شدید بے تابی کا اظہار ہے۔

نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود (نظیری)

کاروبار موج یا بحر است خود داری محو
در شکست خویشتن بے اختیار افتادہ ام

لہریں سمندر میں ابھرتی اور ٹوٹتی ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے

کہ وہ اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے کوشاں ہیں لیکن وہ خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتیں ۔

شاعر کہتا ہے کہ میری حیثیت ایک لہر کی ہے اور لہر کا سابقہ سمندر سے پڑتا ہے اس لیے لہر سے یہ توقع رکھنا بے سود ہے کہ وہ اپنی خودی کو قائم رکھ سکے گی ۔ میں اپنے ٹوٹنے اور وجود کو ختم کرنے میں لاچار ہوں ۔

انسانی زندگی ، اس بحر کائنات میں ایک لہر کی طرح ہے جو لمحہ بھر کے لیے سطح آب پر نمودار ہوتی ہے لیکن پھر فوراً اپنے آپ کو سمندر میں مدغم کر دیتی ہے گویا وہ اپنے مرکز اصلی سے پیوست ہونے کے لیے بے تاب ہے ۔

سر بسر میناست اجزایم چو کوه ، اما هنوز
بر نمی خیزم ز بس سنگین خمار افتاده ام

لغت : ''مینا'' = شیشۂ مے ، صراحی ۔

''اجزایم'' = اجزائے من ، میرے اعضا (جسمانی) ۔

''سنگیں'' = بھاری ۔

''میرے اعضا سر بسر شیشۂ مے کی طرح ہیں ، نازک اور سبک لیکن خمار کی کیفیت کچھ اتنی سنگین ہے کہ جسم پہاڑ کی مانند بھاری ہے اور قدم آٹھ نہیں سکتا ۔ خمار کی کیفیت دکھانا مقصود ہے ۔ جب میخوار کا نشہ ختم ہو جاتا ہے ' جسم پر کسلمندی اور ماندگی طاری ہو جاتی ہے ' اعضا ٹوٹنے لگتے ہیں ، اٹھنا محال معلوم ہوتا ہے ۔

هر شکست استخوانم خندۂ دنداں نماست
رازِ غم را بخیۂ بر روے کار افتادہ ام

لغت : ''خندۂ دنداں نما'' = وہ ہنسی جس سے دانت نظر آجائیں ۔ کھل کر ہنسنا ۔

''(دکھ درد سے) میری ہڈیوں کا ہر بار ٹوٹنا ایسا ہے جیسے خندۂ دنداں نما ہو (یعنی جیسے میں ہنس رہا ہوں) گویا میں اس معاملے میں اپنے راز غم کو چھپانے کے لیے بخیے کا کام دے رہا ہوں ۔''

انتہائی درد و کرب کو بھی میں ہنس کر ٹال دیتا ہوں اور میری ہنسی راز غم کو چھپانے کا کام دیتی ہے ۔

شکست استخوان کو خندۂ دنداں نما سے تشبیہ دی ہے اور پھر اس خندۂ دنداں نما کو بخیہ کہا ہے ۔

ہم ز من طرز آشناے عشق بازاں گشتہ
ہم ز تو عاشق کشاں را راز دار افتادہ ام

لغت : ''زمن'' اور ''ز تو'' میں ز علت کا ہے یعنی وجہ یا باعث کا مفہوم دیتا ہے ۔

''عشق بازاں'' = عاشق لوگ ۔ ''عاشق کشاں'' = عاشقوں کو ہلاک کرنے والے لوگ ۔ معشوق ۔

''تو میری وجہ سے عاشقوں کے طور طریقے سے آشنا ہو گیا ہے اور میں تری وجہ سے عشاق کو ہلاک کرنے والوں کا راز دار ہو گیا ہوں ۔''

عاشق پر جو کیفیات گزرتی ہیں اس سے معشوق کو معلوم ہو گیا ہے کہ عشق کی راہ و رسم کیا ہے ۔ دوسری طرف عاشق نے بھی ایک بات معشوق سے سیکھی ہے اور وہ یہ کہ معشوقوں کی دل آزاریاں کس ڈھب کی ہوتی ہیں ۔ وہ عاشقوں کو کس کس انداز سے ستاتے ہیں ۔

تا ز مستی می زنی بر تربتِ اغیار گل
خویشتن را ہم چو آتش در مزار افتادہ ام

لغت: "گل می زنی" = تو پھول بکھیرتا ہے ۔ "تا" = جب سے ۔

"جب سے تم مستی کے عالم میں غیروں کی تربت پہ پھول چڑھانے لگے ہو میری یہ حالت ہے کہ گویا میرے مزار میں آگ لگی ہے ۔"

معشوق کو رقیبوں کے مزاروں پر پھول چڑھاتے دیکھ کر رشک آتا ہے اور وہ رشک سے اپنی قبر میں جل رہا ہے ۔

یک جہاں معنی تنومند است از پہلوے من
چوں قلم ہر چند در ظاہر نزار افتادہ ام

لغت: "یک جہاں معنی" = جہاں معنی میں فک اضافت ہے یعنی بغیر اضافت ہے یعنی ایک جہان معنی ۔ معانی کی ایک دنیا ۔ "از پہلوے من" میرے وجود سے ۔

"ہر چند کہ میں ظاہرا قلم کی طرح نحیف و نزار ہوں لیکن میرے دم سے معانی کی ایک دنیا استوار ہوئی ہے ۔"

شاعر کو اپنی عظمت کا احساس ہے اور کیوں نہ ہو ، حقیقت یہ ہے کہ اس کی ذات اپنے اندر دنیا جہاں کے افکار بلند لیے ہوئے ہے ۔

شاعر بظاہر نحیف الجثہ ہے ، اس کی ظاہری حالت ابتر ہے لیکن اس کا ذہن افکار بلند کا خزانہ لیے ہوئے ہے ۔

جاں بہ غم می بازم و می نالم از جور سپہر
وہ کہ ہم بد نقشم و ہم بد قمار افتادہ ام

لغت : ''وہ'' کلمۂ استعجاب ہے ۔

''قمار'' = جوا ۔ ''نقش'' = پانسے پر جو نشان ہوتے ہیں نقش کہلاتے ہیں ۔ ''باختن'' = ہارنا اور ''می بازم'' = میں ہارتا ہوں ۔

''بد نقش'' = وہ قمار باز جسے کبھی کسی داؤ میں اچھا نقش نہ پڑے ۔ ''بد قمار'' = برا جوئے باز یہاں وہ جوے باز مراد ہے جو ہارتا ہے تو چیختا ہے ۔

عام طور پر بد بخت انسان اپنے دکھوں کو آسمان کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ شاعر کہتا ہے :

''میں خود جان کو غم میں ہار دیتا ہوں اور پھر آسمان کے جور و ستم پر فریاد بھی کرتا ہوں ۔ میں ایک بد نصیب جوے باز ہوں اور پھر ایسا جوئے باز بھی ہوں ۔ کہ ہارنے پر روتا بھی ہوں ۔

یعنی جاں تو غم عشق میں دے دی اور اپنی مرضی سے دے دی اور پھر آسمان کا گلہ بھی کیا ۔

بد نصیب اس لیے کہا کہ عشق میں سوائے غم کے کچھ نہ ملا ۔ اور بدقمار اس لیے کہا کہ اپنی بد نصیبی کا شکوہ بھی کر رہا ہے ۔ گویا وہ اناڑی جوے باز ہے ۔

کشتی بے ناخدایم سرگذشت من مپرس
از شکست خویش بر دریا کنار افتادہ ام

لغت : ''ناخدا'' = ناؤ اور خدا کا مرکب ۔ ناؤ کشتی ہے اور خدا مالک یعنی کشتی کا مالک مجازاً ملاح ۔

''میری سرگزشت کیا پوچھتا ہے ۔ میں ایک کشتی ہوں جس کا کوئی ناخدا نہ ہو ۔ اور جو ٹوٹ پھوٹ کر کنارے پر آ لگی ہو ۔

ناتوانی محو غم کردہ است اجزاے مرا
در پرند نالہ نقش زر نگار افتادہ ام

لغت : ''پرند'' = لطیف ریشمی کپڑا ۔
''نقش'' ‏‏اا بیل بوٹے ۔

ناتوانی نے میرے اجزاے جسانی کو غم میں سمو دیا ہے ، میری ہستی کا یہ عالم ہے جیسے آہ و زاری کے ریشمی لباس میں زریں پھول ہوں ۔

جس طرح سنہری پھولوں کی چمک نازک لطیف کپڑے میں

اپنے وجود کا پتا دیتی ہے اسی طرح میری آہ و زاری سے میری ہستی کا ثبوت ملتا ہے۔

رفتہ از خمیازہ ام برباد ناموسِ چمن
چاک اندر خرقۂ صبح بہار افتادہ ام

لغت: ''خمیازہ'' یہ لفظ خم اور یازہ سے مرکب ہے۔ فارسی میں یازیدن (مصدر) کا مطلب دست دراز کرنا یا ہاتھ اوپر آٹھانا ہوتا ہے۔ چنانچہ انگڑائی کا مفہوم بھی دیتا ہے۔

''خمیازہ'' یعنی انگڑائی کی کیفیت نشے کے اترتے وقت یا عام کسل اور ماندگی کی حالت میں پیدا ہوتی ہے میری انگڑائی یا کسلمندی سے گلشن کی عزت برباد ہو گئی ہے۔ میں جامۂ صبح بہار کا چاک بن کر رہ گیا ہوں یعنی میری افسردگی نے چمن اور چمن کی صبح بہار کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔

از روانی ھائے طبعم تشنۂ خون است دھر
آبم آب اما تو گوئی خوشگوار افتادہ ام

میری طبیعت کی روانی سے ایک دنیا میرے خون کی پیاسی ہے۔ ہوں تو میں پانی لیکن یہ پانی خوشگوار ہے کہ اسے سب خوشی سے پیتے ہیں۔

اس محل پر روانی طبع کو آب سے تشبیہ دینا بے حد خوبصورت ہے۔

این جواب آن غزل غالب که صائب گفته است
''در نمود نقش ها بے اختیار افتاده ام''

لغت : ''نقش ہا'' = رنگیں خیالات ۔ ''نمود'' = نمائش ، اظہار ۔

غالب یہ وہ غزل ہے جو میں نے صائب کے جواب میں کہی ہے کہ '' میری طبع رنگیں سے جو طرح طرح کے مضامین رنگیں ابھر رہے ہیں آن کے اظہار پر مجبور ہوں''۔

سوخت جگر تا کجا رنج چکیدن دہیم
رنگ شوائے خون گرم تا بپریدن دہیم

''ہمارا جگر جل گیا ، کب تک آسے (آنکھوں سے) قطرہ قطرہ ٹپکنے کا دکھ دیتے رہیں ۔ اے خون گرم ، رنگ بن جا تاکہ ایک ہی بار اڑا کر اس سے نجات حاصل کریں ۔''

عرصۂ شوق ترا مشت غباریم ما
تن چون بریزد زہم ، ہم بہ تپیدن دہیم

لغت : ''عرصۂ شوق'' = منزل شوق ۔
''از ہم ریختن'' = ریزہ ریزہ ہو کر گرنا ۔

''تیری منزل شوق میں ہماری حیثیت ایک مشت غبار کی ہے ۔ جب ہمارا جسم (تیری محبت میں) خاک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے تو ہم آس میں بھی تپش اور تڑپ پیدا کرکے غبار کی طرح منتشر کر دیتے ہیں ۔

مرنے پر جسم تو فنا ہو جاتا ہے لیکن محبت کی تڑپ فنا نہیں ہوتی ، خاک شدہ جسم غبار بن کر اڑتا ہے ۔

جلوہ غلط کردہ اند رخ بکشا تا ز مہر
ذرہ و پروانہ را مژدۂ دیدن دہیم

لغت : ''جلوہ غلط کردہ اند'' = جلوۂ حق کا غلط تصور کیا گیا ہے ۔ اسی غلطی سے ذرہ سورج پر اور پروانہ شمع پر مرتا ہے ۔

لوگوں نے جلوۂ حق کا غلط تصور کیا ہے ۔ اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دے تاکہ محبت سے ذرہ اور پروانہ دونوں کو صحیح جلوے کے دیکھنے کی خوشخبری ملے ۔

ہر قوم کے افراد کا تصور خداوندی الگ الگ ہے ۔ اگر وہ اپنے چہرے سے پردہ اٹھا دے تو حقیقت آشکار ہو جائے اور غلط فہمی دور ہو جائے ۔

عرفی کا شعر ہے :

فقیہاں دفترے را می پرستند
حرم جویاں درے را می پرستند

بر افگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را می پرستند

اسی مضمون کو عرفی ایک اور پیرائے میں یوں بیان کرتا ہے ۔

آنانکہ وصف حسن تو تفسیر می کنند
خوابِ ندیدہ را ہمہ تعبیر می کنند

کسی کا شعر ہے -

حرم و دیر کے جھگڑے ترے چھپنے سے پڑے
تو اگر پردہ اُٹھا دے تو توہی تو ہو جائے

سبزۂ ما در عدم تشنۂ برق بلاست
در رہ سیل بہار شرح دمیدن دہیم

لغت : ''سبزۂ ما'' = ہمارا وجود ، ہماری ہستی جو عدم کی خاک سے سبزے کی طرح اُبھرتی ہے اور بہار آنے پر اپنا جوبن دکھاتی ہے لیکن خزاں آنے پر یا برق بلا کے گرنے سے فنا ہوتی ہے -

گویا ہر وجود فنا آمادہ ہے -

کہتا ہے کہ گویا ہستی عدم میں فنا آمادہ ہے - بہار کی رو میں بہ کر ہم اُبھرتے ہیں اور اپنے پھولنے پھلنے (دمیدن) کی صورتیں دکھا کر برباد ہو جاتے ہیں - صائب کا شعر ہے :

از بیابان عدم تا سرِ بازارِ وجود
بتلاشِ کفنے آمدہ عریانے چند

بو کہ بہ مستی ز نیم بر سرو دستار گل
تا مے گلفام را مزد رسیدن دہیم

لغت : '' بو'' = ''بوَد کا مخفف - شاید ہو سکتا ہے -

''مے گلفام'' = شراب سرخ ۔

''رسیدن مے'' = نشے کا عروج ، مستی کی پوری کیفیت ۔

''برسرو دستار گل زدن'' = سر اور دستار پر پھول سجاتا ، انتہائی خوشی اور نشاط کا عالم ''مے را مُزدِ رسیدن دہیم'' = یعنی شراب کے نشے کی داد دیں ۔

''چاہیے کہ ہم اپنے سرو دستار پر پھول سجائیں ، تاکہ عالم مستی میں شراب کے نشے کی پوری داد دے سکیں ۔''

بر اثر کوھکن نالہ فرستادہ ایم
تا جگر سنگ را ذوق دریدن دہیم

کوہکن یعنی فرہاد جس نے پہاڑ کو کاٹا تھا ۔ ''اثر'' = نشان ، نشان پا ۔

ہم فرہاد کے نقش قدم پر چل کر نالہ و فریاد کر رہے ہیں تاکہ پتھر کے جگر کو پھٹ جانے کی لذت نصیب ہو ۔ پتھر سخت شے ہوتا ہے ، اُسے توڑنے کے لیے فرہاد نے اپنی جان دے دی تھی ۔ کہتا ہے کہ ہم اُس کے ماتم میں نالہ کناں ہیں تاکہ احساس رحم سے پتھر دل پھٹ جائے اور اُسے محسوس ہو کہ اُس نے فرہاد پر کیا ستم ڈھایا تھا ۔

اس شعر میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ ہماری فریاد محبوب کے پتھر جیسے سخت دل کو موم کر سکتی ہے ۔

شیوۂ تسلیم ما بودہ تواضع طلب
در خم محراب تیغ تن بخمیدن دہیم

ہمارا شیوۂ تسلیم و رضا تواضع کا طالب ہے ۔ تیغ کے محراب

میں جب خم دیکھتے ہیں (یعنی خفیف سا اشارہ پاتے ہیں) تو ہم بھی گردن جھکا دیتے ہیں اور سر تسلیم خم کر دیتے ہیں -

دامن از آلودگی سخت گران گشته است
وه که در آرد ز پا ، به که به چیدن دهیم

لغت : ''از پا در آرد'' = ہمیں عاجز کر دے - ''وه'' یہاں تاسف کا مفہوم دے رہا ہے -

''به'' کلمۂ تحسین -

ہمارا دامن گناہوں کی آلودگی سے سخت بھاری ہو چکا ہے - اگر یہ گراں دامنی ہمیں گرا دے تو افسوس کی بات ہوگی - بہتر یہی ہے کہ دامن اٹھا لیں -

خیز که راز درون در جگر نے زنیم
نالهٔ خود را ز خویش داد شنیدن دهیم

''اٹھ کہ ہم اپنا راز جگرِ نے (بانسری) میں بھر دیں اور جب وہ فریاد کرنے لگے تو اس کی داد دیں -''

کہتا ہے کہ بنسری کے دل سے جو فریاد ابھرے گی وہ ہمارے ہی درد دل کے اثر سے ہوگی - اس کی پر سوز آواز و فریاد سن کر داد دینا گویا اپنے ہی درد و الم کی داد دینا ہے -

غالب از اوراق ما نقش ظهوری دمید
سرمهٔ حیرت کشیم دیده بدیدن دهیم

کہتا ہے ہمارے اوراق (اشعار) سے ظہوری کا رنگ ٹپکتا ہے ،

ہم اپنی اس کامیابی کو سرمۂ حیرت لگا کر دیکھ رہے ہیں یعنی ہم کامیابی پر حیران بھی ہیں اور خوش بھی -

غزل نمبر ۱۸

بود بدگو سادہ با خود ہمزبانش کردہ ایم
از وفا آزردنت خاطر نشانش کردہ ایم

لغت : ''ہمزبان'' = متفق الرائے -
''وفا آزردنت'' = وفا آزردن تو یعنی تیرا وفاؤں سے آزردہ ہونا - - ''خاطر نشان'' = دلنشیں -

ہماری برائی بیان کرنے والا (رقیب) بہت سادہ لوح واقع ہوا ہے - ہم نے اُسے اپنا ہمنوا بنا لیا ہے اور یہ بات اُس کے دلنشیں کر دی ہے کہ تو (محبوب) وفاؤں سے آزردہ ہو جاتا ہے -

رقیب ہماری برائیاں کرتا رہتا ہے لیکن وہ سادہ بھی ہے - ہم نے یہ بات اس کے دل میں بٹھا دی ہے کہ محبوب وفا نا آشنا ہے - جو شخص اُس سے وفا کرے وہ اُس سے بگڑتا ہے - چنانچہ رقیب بھی بدظن ہو گیا ہے - اب وہ نہ ہمیں برا کہے گا اور نہ محبوب سے محبت کرنے کی جرأت کرے گا -

بر امید آں کہ اختر در گذر باشد مگر
ہرزہ می گویم کہ با خود مہربانش کردہ ام

لغت : ''ہرزہ می گویم'' = فضول ، بے فائدہ بات کرتا ہوں -

''اس امید پر کہ میرا ستارۂ بخت برا ہی سہی لیکن آخر بدل جائے گا ، میں یونہی کہتا رہتا ہوں کہ میرا محبوب مجھ پر مہربان ہے (آخر کبھی تو مہربان ہوگا) ۔

گوشۂ چشمش بہ بزم دلربایاں بامن است
وقت من خوش باد با خود بدگمانش کردہ ام

لغت : ''وقت من خوش باد'' = دعائیہ الفاظ ہیں ، مفہوم ہے یہ میری خوش نصیبی ہے ، اللہ کرے یہ اچھا وقت یونہی رہے ۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محبوب کی طرف بے التفاتی کی جائے تو اسے گوارا نہیں ہوتا اور وہ یہ سمجھ کر کہ مجھ سے ہٹنا چاہتا ہے وہ عاشق کی طرف مائل ہونے لگتا ہے ، اس کیفیت کو یوں بیان کیا کہ حسینوں کا مجمع ہے اور میرے محبوب کی توجہ میری طرف ہے ۔ یہ اچھا ہوا کہ میں نے اسے اپنی طرف سے بدگمان کر لیا ، اس کی بدولت یہ اچھا وقت نصیب ہوا ۔

جاں بتاراج نگاہے دادن از عجز شمرد
آنکہ قطع ربط دامن بامیانش کردہ ام

کسی کی کمر سے دامن کا بندھا ہونا ، انتہائی ربط کی علامت ہے ، ہم نے محبوب سے یہ رشتہ توڑ دیا ۔ ہم تو محبوب کی ایک نگہ پر جان دینے والے ہیں ۔ محبوب نے ہماری طرز وفا کو ہماری کمزوری پر محمول کیا ۔

دل ز جوش گریہ گر برخویشتن بالد رواست
قطرۂ بود است و بحر بیکرانش کردہ ام

لغت : ''برخویشتن بالیدن'' = آپنے آپ میں پھولے نہ سمانا ۔

اگر محبت میں ہمارا دل اپنی اشک فشانیوں پر نازاں ہے ۔ تو بجا ہے ۔ یہ دل ایک قطرہ تھا ہم نے اسے بحر بے کراں (بے کنار سمندر) بنا دیا ۔

در حقیقت نالۂ از مغز جان روئیدہ است
کز برائے عذر بے تابی زبانش کردہ ام

عاشق بے تاب ہوتا ہے ، اپنے دلی جذبات کے اظہار کے لیے فریاد کرتا ہے ۔ اسے شاعر عذر بے تابی کا نام دیتا ہے کہتا ہے کہ میرے منہ میں زبان نہیں جو فریاد کرتی ہے یہ در اصل ایک نالہ ہے جو ہماری جان کی گہرائیوں (مغز جاں) سے ابھرتا ہے ۔ ہم نے اپنی بےتابیوں کو چھپانے کے بہانے اسے زبان بنا لیا ہے ۔

بدگماں و نکتہ چیں و عیب جویش دیدہ ام
امتحانے چند صرف امتحانش کردہ ام

لغت : ''امتحان'' = اندازہ کرنا ، آزمائش کرنا ۔

میں نے اپنے محبوب کو بدگمان نکتہ چیں اور عیب جو پایا ہے ، یہ بات میں نے آزما کر دیکھی ہے اس آزمانے (امتحان) میں میں نے اسے کئی طرح آزمایا ہے ۔

در تلاش منصب گل چینی ام دارد هنوز
آنکه ساقی را به مستی باغبانش کرده ام

عاشق چاہتا ہے کہ ساقی محبوب کو اتنا بدمست بنا دے کہ وہ بے تکلف محبوب کے باغ حسن سے گل چینی کر سکے، لیکن محبوب کا یہ عالم ہے کہ وہ اسے یہ موقع نہیں دیتا اور عاشق بدستور اپنے منصب گلچینی کی تلاش میں ہے۔

چنانچہ کہتا ہے:

وہ شخص (محبوب) جس کے لیے مستی میں ہم نے ساقی کو اس کا باغبان (محافظ) بنایا تھا اس نے ابھی تک منصب گلچینی کی تلاش میں مصروف رکھا ہے یعنی ہم ابھی تک گلچینی حسن میں کامیاب نہیں ہوئے۔

شعر سے دونوں پہلو نکلتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ساقی محبوب کو شراب پلانے میں محتاط ہے اور دوسرے یہ کہ محبوب جام پہ جام پینے کے باوجود ہشیار ہے۔

جوہر ہر ذرہ از خاکم شہید شیوۂ ایست
وائے من کز خود شمار کشتگانش کردہ ام

میری خاک کا ہر ذرہ اُس کی (یعنی محبوب کی) ناز و ادا کا شہید ہے لیکن افسوس کہ میں نے محبوب کو اپنے کشتگان ناز (عشاق) کو شمار کرنے کے کام پر لگایا ہے۔ وہ بھلا مجھے کب شمار میں لائے گا۔ (اور ہم اپنی زبان سے یہ بات کہ نہیں سکتے کہ ہم کشتۂ ناز ہیں)۔

تانیارد خوردۂ بدمستی دوشم گرفت
بوسه را در گفتگو مُہر دھانش کردہ ام

لغت: ''خوردہ گرفتن'' = چھوٹی چھوٹی باتوں پر گرفت کرنا، نکتہ چینی کرنا۔

میں نے باتوں باتوں میں محبوب کا منہ چوم لیا اور گویا اس کے منہ پر مُہر (خاموشی) لگا دی تا کہ وہ میری رات کی بدمستی کی حالت پر نکتہ چینی نہ کر سکے۔

مرزا غالب کی شوخی مشہور ہے۔ اسی نوعیت کا ایک اور شعر ہے:

می ربایم بوسہ و عرض ندامت میکنم
اختراعے چند در آداب صحبت میکنم

در طلب دارم تقاضائے کہ گوئی در خیال
بوسہ تحویلِ لبِ شکّر فشانش کردہ ام

لغت: ''لب شکر فشاں'' = شکر فشانی کرنے والے لب۔ لب شیریں۔

اس کے میٹھے لبوں سے بوسہ طلب کرنے کی خواہش (تقاضا) دل میں اس قدر بڑھ گئی ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ میں بوسے کو اس کے شیریں لبوں کی تحویل میں دے دیا ہے۔ گویا چوم ہی لیا ہے۔

شاعر نے شعر میں ایک لطیف نفسیاتی کیفیت کو بڑے لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے۔

غالب از من شیوۂ نطق ظہوری زندہ گشت
از نواجاں در تن ساز بیانش کردہ ام

مرزا غالب نظیری ، طالب ، عرفی کے ساتھ ساتھ ظہوری کے اسلوب بیان سے بہت متاثر تھے ۔ چنانچہ انھوں نے ان بزرگوں کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں ۔ حسب معمول اس مقطع میں ظہوری کے اسلوب بیان اور ساتھ ہی اپنے کلام کی تحسین کی ہے ۔

غالب میری شاعری سے ظہوری کا انداز بیان زندہ ہو ۔
میں نے اپنے شاعرانہ نغموں (نوا) سے گویا اس کے ساز سخن میں جان ڈال دی ہے ۔

غزل نمبر ۱۹

می ربایم بوسہ و عرض ندامت می کنم
اختراعے چند در آداب صحبت می کنم

لغت : بوسہ ربودن" "بوسہ دادن" = چومنا ۔ دونوں میں فرق ہے کہ :

"بوسہ ربودن" = دوسرے کی مرضی کے بغیر چپکے سے منہ چوم لینا ، جو آداب صحبت کے خلاف ہے ۔

"میں محبوب کا چپکے سے بوسہ لے لیتا ہوں اور پھر شرمساری کا اظہار کرتا ہوں (معذرت چاہتا ہوں) میں (ایسا کرنے سے

آداب صحبت میں کچھ جدتیں کر رہا ہوں (یوں معذرت چاہنا بھی آداب صحبت میں شامل ہے لیکن نئے انداز میں۔

ناتوانم بر نتابم صدمه لیک از فرط آز
تا در آویزد بمن اظهار طاقت می کنم

یوں تو میں ناتواں ہو کسی طرح کا صدمہ برداشت نہیں کر سکتا ، لیکن اس خیال سے کہ وہ میرے ساتھ اُلجھ جائے ، اپنی طاقت کا اظہار کرتا ہوں ۔

گوئی از دشواریِ غم اندکے دانسته است
می کشد بے جرم و می داند مروت می کنم

وہ مجھے بے جرم ہلاک کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھ سے مروت برت رہا ہے ، شاید اُسے غم کی دشواریوں کا کچھ اندازہ ہو گیا ہے ۔

گویا مجھے ہلاک کر کے مجھ پر احسان کر رہا ہے ۔

در تپش هر ذره از خاکم سویداے دل است
هر چه از من رفت، هم برخویش قسمت می کنم

لغت : ''سویدا'' = دل پر ایک سیاہ تل ۔

تڑپ میں میری خاک کا ہر ذرہ سویداے دل کی طرح ہے ۔

جو کچھ میں نے کھو دیا اُسے پھر اپنے میں تقسیم کر لیا ۔

یعنی عشق میں مٹ کر خاک ہو گئے لیکن اس خاک میں

اب تک عشق کی تڑپ باقی ہے۔ گویا ہر ذرہ سویدائے دل کی مانند ہے یعنی تڑپتا ہوا دل ہی ہے۔

زندگی کھو گئی لیکن زندگی کی تڑپ باقی ہے ہم نے اسے سمیٹ لیا گویا کھوئی ہوئی شے کو پھر پا لیا۔

غافلم ز آں پیچ و تاب غصہ کز غم در دل است
دل شگاف آہے بامید فراغت می کنم

لغت: ''دل شگاف آہ'' = دل کو چیر دینے والی آہ۔
''غصہ'' = انتہائی رنج و اندوہ۔

میں اس خیال سے دل شگاف آہیں بھرتا ہوں کہ طبیعت کو سکون اور فراغت نصیب ہوگی لیکن رنج و الم کا جو پیچ و تاب دل میں ہے اس سے غافل ہوں۔

یہ نہیں جانتا کہ ایسی آہیں اور فریادیں کرنے سے بھی، دل کی بیقراریاں کم نہیں ہوں گی۔ بلکہ اور بڑھ جائیں گی۔ غالب کا یہ شعر دیکھیے:

دل میں پھر گریے نے اک شور اٹھایا غالب
حیف جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

رونے سے دل ہلکا نہ ہوا بلکہ جو قطرے آنکھوں سے نہیں بہے تھے اور دل میں رہ گئے تھے وہ طوفان بن کر ابھرے۔

سنگ و خشت از مسجد ویرانہ می آرم بشہر
خانۂ در کوئے ترسایاں عمارت می کنم

لغت: ''ویرانہ'' اور ''عمارت'' معناً ایک دوسرے کی

ضد ہیں ۔

''مسجد ویرانہ'' سے شاعر کا مقصود وہ سجدہ گاہ ہے جہاں جبینیں جھکنے کو میسر نہیں آتیں البتہ آتش پرستوں یا کافروں کے معبدوں میں رونق ہے ۔ چنانچہ کہتا ہے ۔

ویرانے کی مسجد سے جو گر چکی ہے پتھر اور اینٹیں اٹھا کر لاتا ہوں اور آتش پرستوں کی گلی میں اپنے لیے گھر تعمیر کرتا ہوں ۔ کیونکہ :

وہاں تو کوئی رونق بھی ہے یاں اللہ ہی اللہ ہے

کردہ ام ایمان خود را دست مزد خویشتن
می تراشم پیکر از سنگ و عبادت می کنم

لغت : ''دست مزد'' = ہاتھوں کی محنت مزدوری ۔

میں نے اپنے ایمان کو اپنی محنت کی مزدوری بنا لیا ہے ، خود ہی پتھر تراشتا ہوں اور پھر خود اسی کی عبادت کرتا ہوں ۔

کسی معبود پر ایمان لانے کا کم از کم یہ حاصل تو ہو کہ اس کا قرب نصیب ہو جائے ۔ اپنے ہاتھوں کے ایک تراشے ہوئے بت کا قرب تو میسر آتا ہے ۔

اور بت پرست پتھر کی مورتی کو نہیں پوجتے وہ اس کے پردے میں خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں ۔

چشم بد دور التفاتے در خیال آوردہ ام
ہرچہ دشمن می کند با دوست نسبت می کنم

خدا نظر بد سے بچائے ، میرے ذہن میں التفات (محبوب) کا ایک

نیا تصور آیا ہے ۔

وہ یہ کہ جو کچھ دشمن ہم سے کرتا ہے اُسے ہم دوست سے منسوب کر لیتے ہیں ۔

چونکہ رقیب کی دشمنی بھی محبوب ہی کے باعث ہے اس لیے اس دشمنی اور دشمن کی رغبت یا علاقے کو جو اُسے ہم سے پیدا ہو جاتی ہے ، دوست ہی کا التفات قرار دیتے ہیں ۔

دست گاہِ گل فشانی ہائے رحمت دیدہ ام
خندہ بر بے برگیِ توفیق طاعت می کنم

لغت : ''دستگاہ'' = سامان اور دولت و ثروت ، ''بے برگی'' = بے سر و سامانی ۔

میں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی گلفشانیوں کے سرمایے کی فراوانیاں دیکھی ہیں (جو ہر کس و ناکس پر برستی ہیں اور بے پناہ برستی ہیں) اس لیے اُن لوگوں کی بے بضاعتی اور بے سر و سامانی پر ہنسی آتی ہے جو محض اپنی بندگی (طاعت) کی توفیق کے سہارے اس کی رحمت کے طلب گار ہیں (اور محروم ہیں) ۔

زنگ غم ز آئینہ دل جز بمے نتواں زدود
دردم از دھر است و با ساقی شکایت می کنم

زدودن = صاف کرنا ۔

شراب کے سوا غم کے زنگ کو آئینہ دل سے صاف نہیں کیا جا سکتا ۔ میرے دکھ زمانے کے دیے ہوئے ہیں لیکن اُن دکھوں کی شکایت ساقی سے کرتا ہوں ۔

شکایت اس بات کی کہ ساقی اتنی شراب نہیں پلاتا کہ ان سب

دکھوں کا مداوا ہو سکے ۔

غالبم غالب ، ہم آئیں برنتابم در سخن
بزم برہم می زنم چنداں کہ خلوت می کنم

غالب کو اپنی شاعرانہ انفرادیت کا شدید احساس تھا ۔ دوسروں کا ہم آئیں (ہمنوا) ہونا اُسے گوارا نہ تھا اُس کی یہی انفرادیت گویا اس کی خلوت تھی کہ دوسروں سے الگ تھلگ تھا لیکن وہ جتنا دوسروں سے الگ راہ اختیار کرتا (دوسرے الفاظ میں خلوت نشیں ہوتا) اُتنا ہی ہمنواؤں اور ہمعصروں کی محفل میں تھلکہ مچا دیتا اور اُن کی بزم کو درہم برہم کر دیتا ۔

غزل نمبر ۲۰

صبح شد ، خیز کہ رُوداد اثر بنمایم
چہرہ آغشتہ بخونناب جگر بنمایم

صبح ہو گئی ، اُٹھ کہ اب فراق کی رات (روداد اثر) میں جو کچھ مجھ پر گزری ہے اُسے ظاہر کروں اور خون ناب جگر سے لتھڑا ہوا چہرہ دکھاؤں ۔ (رات بھر خون کے آنسو بہاتے رہے) ۔

پنبہ یک سُونہم از داغ کہ رخشد چوں روز
آخرے نیست شبم را کہ سحر بنمایم

لغت: ''داغ'' = داغ زخم ، زخم ۔

"پنبہ" = روئی ، سفید روئی کا پھاہا جو زخم پر رکھتے ہیں ۔

میں اپنے زخم سے روئی کا پھاہا ہی ہٹاؤں کہ وہی داغ ہی دن کی طرح چمکے کیونکہ رات کے ختم ہونے اور صبح طلوع ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ۔

خویشتن را دگر از گریہ نگہداشت بہ زور
جگرِ خستہ خود آں بہ کہ دگر بنمایم

جگر نے پھر ایک بار ضبط سے اپنے کو رونے اور خون بہانے سے روکے رکھا ۔ اب جگر خستہ کو کسی اور انداز میں ظاہر کرنا چاہیے ۔

یعنی یہ ضبط کی حالت کب تک قائم رہے گی ۔ غم کی حالت کے اظہار کی اب کوئی اور صورت ہو کہ دل ہلکا ہو جائے ۔

حدِ من نیست کہ بنمائمش ، آرے از دور
با من آ تا سرِ آں راہگذر بنمایم

مجھ سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ محبت کی دشوار رہگذار (میں جو کچھ گزرتی ہے وہ) تمہیں دکھا سکوں ۔ البتہ میرے ساتھ آ تا کہ دور اس رہگذر کے آغاز کی نشان دہی کروں ۔

می کند ناز ، گماں کردہ کہ خط دیر دمد
خیز تاشعبدۂ جذب نظر بنمایم

محبوب ناز کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس کے چہرے پر

خط ابھی دیر میں ظاہر ہوگا ، آ تجھے اپنے جذب نظر کا شعبدہ دکھاؤں
کہ میں اس سبزۂ خط کو ابھرتا دیکھ رہا ہوں ۔

آتش افروختہ و خلق بحیرت نگراں
رخصتے دہ کہ بہنگامہ ہنر بنمایم

محبوب کا حسن بھڑکتی ہوئی آگ ہے اور لوگ (دور سے) حیرت زدہ ہو کر اسے دیکھ رہے ہیں مجھے اجازت دو کہ میں اس ہنگامے میں اپنا ہنر دکھاؤں ۔

یہ ہنر صرف حسن درخشاں کو دیکھنے کی تاب لانے تک محدود نہیں بلکہ پروانہ وار اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جل جانا بھی شامل ہے ۔

چوں بہ محشر اثر سجدہ ز سیما جویند
داغ سودائے تو ناچار زسر بنمایم

جب قیامت کے دن لوگوں (اطاعت گزاروں) کی پیشانیوں سے سجدوں کے نشان طلب کیے جائیں گے تو مجھے بھی چار و ناچار اپنے سر میں پوشیدہ تیری محبت کا داغ جنوں دکھانا پڑے گا ۔

یعنی میں عبادت کی ظاہری رسوم کا پابند نہیں ۔ مجھے تمہاری ذات سے محبت ہے اور اس محبت کے پوشیدہ داغ ، پیشانی کے عوض سر میں موجود ہیں اور وہی میرا سرمایۂ عبودیت ہیں ۔ میں نے ظاہری سجدہ ریزیاں نہیں لیکن تم سے محبت کی ہے ۔ (خدا سے خطاب ہے) ۔

دلربایانه بزندان همه روزم گزرد
بسکه خود را بتو از روزنِ در بنمایم

زنداں میں میرا سارا وقت بڑے دلربا یا نہ انداز میں گزرتا ہے
کہ روزن در سے اپنے آپ کو تمہیں دکھانے کا موقع ملتا ہے۔

بر رقم سنج یسار تو زنم بانگ به حشر
کش رضانامهٔ خون هاے هدر بنمایم

لغت: ''یمین ویسار'' = دائیں اور بائیں۔

''رقم سنج'' = لکھنے والا، یہاں مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔

''رقم سنج یسار'' = بائیں طرف لکھنے والا یعنی گناہ درج کرنے والا۔

''خون ہدر'' = وہ خون جو ضائع ہو جائے۔ جو قابل توجہ نہ سمجھا جائے۔

''کش'' کہ او را (ش کا مرجع فرشتۂ یسار) اللہ سے خطاب کرکے کہتا ہے:

قیامت کے روز میں انسانی گناہوں کو درج کرنے والے فرشتے کو پکاروں گا اور اُسے خون رائگاں کے رضا نامے دکھاؤں گا۔

یعنی اس فرشتے نے ہماری برائیاں تو درج کر لیں لیکن محبت میں جو ہم نے اپنا خون بہایا اور کوئی صلہ بھی نہ پایا اُسے نہ دیکھا بلکہ اُسے بھی بدیوں میں شمار کیا حالانکہ یہ سب کچھ محبوب کی رضامندی سے ہوا۔

غالب ! ایں لعب بہ گل مہرہ رضاجوئیِ تست
تو خریدار گہر باش گہر بنمایم

لغت : ''لعب'' = کھیل -
''گل مہرہ'' = مٹی کا مہرہ -

غالب ! مٹی کے مہروں کے ساتھ میرا شغف محض تیری رضا جوئی اور خوشنودی کے لیے ہے ورنہ اگر تو موتی کا خریدار ہو تو موتی بھی دکھا سکتا ہوں -

ماحول کی ناسازگاری کے باعث کبھی کبھی فنکار کو اپنے بلند مقام سے نیچے بھی اترنا پڑتا ہے ، ورنہ اگر خریدار ہو تو اُس کے پاس قیمتی جواہر ریزے بھی ہوتے ہیں -

غزل نمبر ۲۱

تا بہ کے صرف رضا جوئیِ دلہا باشم
فرصتم باد کزیں پس ہمہ خود را باشم

لغت : ''تا بہ کے'' = کب تک (اُردو میں بھی رائج ہے) -
''فرصتم باد'' = خدا موقع نصیب کرے -

میں آخر کب تک دوسروں کی دلجوئی اور خوشنودی میں مصروف رہوں - چاہتا ہوں موقع ملے تو اس کے بعد کچھ اپنے لیے بھی زندہ رہوں اور اپنی طرف بھی دھیان دوں کیونکہ زندگی پر کچھ حق میرا بھی ہے -

گاہ گاہ از نظرم مست و غزل خواں بگذر
ورنہ بر عہدۂ من نیست کہ رسوا باشم

کبھی کبھی میرے سامنے سے مست ہو کر غزل خوانی کرتا ہوا گزر، ورنہ یہ صرف میرا ہی منصب نہیں ہے کہ تمہاری محبت میں رسوائی سمیٹتا رہوں۔ کچھ تیری بھی تشہیر ہونی چاہیے اور میری رسوائیوں کا بھی صلہ ملنا چاہیے۔

سخت جانانِ تو در پاس غم آستاد خود اند
شرر از من نجہد گر رگِ خارا باشم

لغت: ''سخت جان'' = جو دکھ اور غم میں ڈوبے رہیں اور پھر بھی آسانی سے جان نہ دیں۔

محبوب سے کہتا ہے کہ:

تیرے سخت جان اپنے غم محبت کی ناموس کی پاسداری میں بڑے ماہر ہیں۔ میں اگر پتھر بھی ہوں تو میری رگوں سے آتش غم کی چنگاریاں باہر نہیں آئیں گی۔ ضبط سے کام لوں گا۔

بادلِ چوں تو ستم پیشۂ داور نشناس
چہ کنم گر ہمہ اندیشۂ فردا باشم

میں تیرے جیسے کے ساتھ کیسے نبٹ سکتا ہوں کہ تو ستم پیشہ ہے تو نے میری زندگی تلخ کی ہوئی ہے اور تجھے احساس تک

نہیں ۔ اب اگر فردائے قیامت پر بھروسا کروں کہ وہاں انصاف طلب کروں گا تجھ پہ اس کا کیا اثر کہ تو سرے سے خدا کو نہیں مانتا (خدا نشناس ہے) ۔

حسرتِ روئے ترا حور تلافی نکند
از تو آخر بچہ امید شکیبا باشم

تجھے دیکھنے کی حسرت حور کو دیکھ کر بھی دور نہیں ہو سکتی ۔ آخر تو ہی بتا دے کہ پھر کس اُمید پر صبر کروں ۔

ہوش پر کار کشائے ورقِ بے خبری است
گم شوم از خود و در نقشِ تو پیدا باشم

ہوش ہی بے خبری کے ورق کو نقش و نگار بخشا ہے ۔
میں اپنے آپ سے کھو جاتا ہوں اور تجھ میں سما کر نمایاں ہوتا ہوں ۔

یعنی جب سے میرا احساس بیدار ہوا ہے میں دنیا اور اپنے آپ سے بے خبر ہو گیا ہوں ۔ اس بے خبری کی کیفیت نے مجھے اپنے سے بھلا دیا لیکن حقیقت میں بیدار بحق ہوا اور پھر مرا صحیح فقش اُبھر ۔
گویا میرا وجود حق کے سوا کچھ حقیقت نہیں رکھتا ۔

باچنیں طاقتم آیا کہ بریں داشت کہ من
طرفِ فتنۂ دلہائے توانا باشم

لغت : ’’طرف باشم‘‘ = مقابل یا حریف بنوں ۔

''چنیں طاقت'' = ایسی طاقت ضعیف (ضعف) ۔

ایسی کمزور طاقت کے ہوتے ہوئے آخر کس نے مجھے اس پر آکسایا کہ میں توانا دلوں کا مقابلہ کروں یعنی ہر چند کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں لیکن محبت کے دکھ سہنے میں بڑے بڑے توانائوں کا حریف ہو سکتا ہوں اور یہ حوصلہ مجھے تیری محبت ہی کا عطا کردہ ہے ۔

در کنارم خز و ز آلائش دامن مہراس
تاب آں کو کہ ترا یابم و خود را باشم

لغت : ''خز'' = مصدر خزیدن سے فعل امر ہے یعنی سما جا ۔
مہراس = نہ ڈر ۔

میرے آغوش میں سما اور میری آلودہ دامنی سے نہ ڈر ، مجھ میں اتنی تاب کہاں کہ تجھے پالوں اور پھر اپنے آپ میں رہوں ۔

ہم چوآں قطرہ کہ برخاک فشاند ساقی
دورم از کُنج لبت گر ہمہ صہبا باشم

اگر سرتاپا شراب بھی ہوں تو تیرے گوشہ لب سے دور رہ کر میں اُس قطرۂ مے کی طرح ہوں جسے ساقی خاک پر گرا دیتا ہے ۔ یعنی مری ہستی بےکار شے ہے جب تک تو مجھے قبول نہ کرے ۔

قبلۂ گم شدگانِ رہ شوقم غالب
لاجرم منصبِ من نیست کہ یکجا باشم

غالب ! میں راہ شوق میں بھٹک جانے والوں کا قبلہ (رہنما)

ہوں ۔ بے شک میرا منصب یہ نہیں کہ ایک جگہ پر مقیم رہوں ۔

غزل نمبر ۲۲

دگر نگاہِ ترا مست ناز می خواہم
حسابِ فتنہ ز ایام باز می خواہم

ایک بار پھر تیری نگاہوں کو مست ناز دیکھنا چاہتا ہوں تا کہ زمانے (ایام) سے اُس کے پیدا کیے ہوئے فتنوں کے بارے میں باز پرس کروں ۔

چاہتا ہوں کہ تو ایک بار پھر لطف و محبت کی نظر میری طرف کرے تا کہ تیری بے التفاتیوں کے باعث زمانے نے جو جور و ستم ہم پر ڈھائے ہیں اُن کی تلافی ہو سکے ۔

وفا خوش است ، اگر داغِ ہم فنی نہ بود
زبانہ ھاے سمندر گداز می خواہم

لغت : ''زبانہ'' = شعلہ ۔

''سمندر'' = وہ کیڑا جو آگ ہی میں پرورش پاتا ہے ۔

''ہم فنی'' = ہم فن ہونا ، ایک دوسرے کا حریف ہونا ، ہم پیشہ ہونا ۔

وفا اچھی ہے اگر دل پر کسی ہم پیشہ یعنی حریف یا رقیب کا داغ دل پر نہ ہو (یعنی دوسرا ہماری محبت میں شریک نہ ہو) ۔

میں تو ایسی آتش عشق چاہتا ہوں جو سمندر کو بھی جلا دے۔

سمندر (آگ کا کیڑا) وفا کی آگ میں جلتا نہیں ، پھلتا پھولتا ہے۔ میں اگر آتش عشق میں پڑوں تو وہ اتنی تیز ہو کہ سمندر کو جلا دینے والی ہو تاکہ میں جل سکوں اور سمندر کے داغ رقابت سے بچوں۔

داغ کا سادہ شعر اسی قسم کے جذبے کی ترجمانی کرتا ہے:

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

گذشتم از گله در وصل ، فرصتم بادا
زبان کوته و دستِ دراز می خواهم

میں وصل میں گلے شکووں سے در گزرا۔ چاہتا ہوں اب کے وصل نصیب ہو تو زبان کوتاہ (کم گوئی) ہو اور ہاتھ دراز (یعنی شوق کو جرأت رندانہ کا موقع ملے)۔

گرفته خاطر از اسباب و سرخوشی باقی است
ترانهٔ که نگنجد بساز ، می خواهم

سرخوشی کے اسباب ہی کچھ ایسے ہیں جن سے دل آ کتا گیا ہے ورنہ سرور و نشاط باقی ہے میں تو ایسا نغمہ چاہتا ہوں جو ساز میں نہ سما سکے۔

یعنی ایسا نغمہ چاہتا ہوں جو محتاج ساز نہ ہو۔

وہ چیز جو اسباب سے حاصل ہو بے کیف ہوتی ہے اس لیے کہ

ہر شخص انہی اسباب کے ذریعے تمتع حاصل کرتا ہے ۔ ہم تو کوئی جدت چاہتے ہیں ۔ اور دنیاوی کیفیتیں تو فرسودہ ہو چکی ہیں ۔

دوئی نہ ماندہ و من شکوہ سنج ، اینت شگفت
میانہ تو و خویش امتیاز می خواہم

مجھ میں اور محبوب میں کوئی دوئی نہیں رہی ، اور میں پھر لبریز شکایت ہوں ، یہ عجیب بات ہے (کہ میں واصل ہونے پر بھی) چاہتا ہوں کہ تیرے اور میرے درمیان امتیاز قائم رہے ۔

عاشق اپنی انفرادیت کو کھو دینا نہیں چاہتا ۔

بروں میا ، کہ ہم از منظرِ کنارۂ بام
نظارۂ ز درِ نیم باز می خواہم

محبوب سے خطاب کرتا ہے :

باہر نہ آ کہ بام کی نظارہ گاہ سے بھی اس طرح تجھے دیکھوں جیسے کسی در نیم باز سے کسی کو دیکھا جاتا ہے (کیونکہ اس میں ایک خاص لذت ہوتی ہے) ۔

چو نیست گوش حریفاں سزائے آویزہ
نہاں نسفتہ گہر ہائے راز می خواہم

چونکہ میرے حریفوں کے کان کسی آویزے کے شایاں نہیں ، اس لیے میں اسرار شعر کے ایسے موتی چاہتا ہوں جو چھدے ہوئے نہ ہوں ۔

جب لوگ میرے کلام کو سننے اور سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے تو اُن کے حضور شعر کہنا لا حاصل ہے ۔

زمانه خاکِ مرا در نظر نمی آرد
زنقشِ پاے تو اش سرفراز می خواہم

دنیا میری خاک کو نظر میں نہیں لاتی ، میں اُسے تیرے نقش پا سے سرفراز کرنا چاہتا ہوں ۔

ہمیں بس است که میرم زرشکِ خواہشِ غیر
زعرضِ ناز ترا بے نیاز می خواہم

میں تجھے ناز کی نمائش سے بے نیاز چاہتا ہوں کہ کہیں اس سے رقیب کو تری خواہش پیدا ہو اور یہ بات مرے لیے بڑی اذیت کا باعث ہے ۔

وکیل غالب خونیں دلم ، سفارش نیست
به شکوه تو زباں را مجاز می خواہم

میں غالب خونیں دل کا خود وکیل ہوں ، مجھے کسی سفارش کی ضرورت نہیں میں صرف زبان کو ترا شکوہ کرنے کا جواز چاہتا ہوں ۔

غزل نمبر ۲۳

زمن حذر نه کنی گر لباس دیں دارم
نهفته کافرم و بت در آستیں دارم

اگر میں نے ظاہر میں دیں داروں سا لباس پہنا ہوا ہے تو مجھ سے پرہیز نہ کر کیونکہ میں پوشیدہ طور (در اصل) کافر ہوں اور میں نے اپنی آستیں میں بت چھپا رکھا ہے۔

اس شعر میں محبوب سے شوخی سے بات کرنے کے علاوہ عام منافق زاہدوں پر طنز بھی ہے جو بقول حافظ:

چو بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

ز مردیں نبود خاتمِ گدا ، دریاب
که خود چه زهر بود کاں تهِ نگیں دارم

لغت: ''خاتم'' = انگوٹھی --- ''نگیں'' = انگوٹھی کا نگینہ۔

عام عقیدے کے مطابق زہر کا رنگ سبز سمجھا جاتا ہے۔ زمرد کا رنگ سبز ہوتا ہے۔

ایک گدا کی انگوٹھی زمرد کی نہیں ہوتی ، یہ جان لے کہ اس نگینے کے نیچے کیا زہر پوشیدہ ہے۔

اگر به طالعِ من سوخت خرمنم چه عجب
عجب ز قسمتِ یک شهرِ خوشه چیں دارم

اگر میرے (برے) نصیبے کے ہاتھوں میرا خرمن جل گیا ہے

تو کوئی عجیب بات نہیں ، عجیب بات تو یہ ہے کہ ایک شہر میرے خرمن کا خوشہ چین ہے ۔

غالب کی بدنصیبی ضرب‌المثل ہے ، یہ کوئی نئی یا تعجب کی بات نہیں ۔ تعجب تو اس بات کا ہے کہ سب اُس کے بلند افکار کے خوشہ بردار تھے اور اس اکتساب فیض کرتے تھے ۔

نشستہ ام بگدائی بہ شاہراہ ہنوز
ہزار دزد بہر گوشہ در کمیں دارم

خود شاہراہ (زندگی) پر بیٹھا ہوا ہوں اور ہزاروں چور ہیں جو ہر طرف کمینگاہوں میں چھپے ہوئے تاک لگائے بیٹھے ہیں زندگی میں میرا یہ حال ہے اور لوگ مجھ سے میری متاع افکار لوٹنے کے در پے ہیں ۔

ز وعدہ دوزخیاں را فزوں نیاز ارند
توقعے عجب از آہِ آتشیں دارم

کلام الٰہی کی رو سے گنہگاروں کو اُن کے گناہوں کے مطابق عذاب ہوگا اور اُس سے زیادہ نہیں ہوگا ۔ اس اعتبار سے کہتا ہے ۔

وعدے کے مطابق دوزخیوں کو زیادہ عذاب نہیں دیا جائے گا ۔ میں اپنی آہ آتشیں سے عجیب توقع لگائے بیٹھا ہوں ۔

یعنی گنہگار ہوں اور ان گناہوں کے باعث آہ آتشیں میں جل رہا ہوں ، یہی میرے لیے دوزخ ہے ۔ بعد از مرگ اس سے زیادہ عذاب اور کیا ہوگا ۔ توقع اسی بات کی ہے ۔

غالب کا یہ شعر دیکھیے:

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں

ترا نہ گفتم اگر جان و عمر ، معذورم
کہ من وفائے تو با خویشتن یقیں دارم

اگر میں نے تمھیں جان اور زندگی نہ کہا تو اس بات میں معذور ہوں کیونکہ میں تم سے وفا کی توقع رکھتا ہوں (جان اور زندگی تو وفا نہیں کرتیں) ۔

بہ مطلعم بوَد آہنگ زلہ بندی مدح
ز قحط ذوقِ غزل خویش را بریں دارم

لغت: ''آہنگ'' = ارادہ ۔

''زلہ بندی'' = ''زلہ'' وہ ریزے جو دسترخوان سے بچ رہیں ۔ یہاں افکار کی ریزہ بندی مراد ہے شاعر ایک اور مطلع کہنا چاہتا ہے جو مدح حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں ہے ۔ کہتا ہے:

چونکہ غزل کے ذوق کا قحط ہے ، میرا ارادہ یہ ہے کہ ایک مطلع لکھوں اور اس میں اپنے افکار کے ریزے چن کر مدح کا رنگ بھروں ۔

طلوعِ قافیہ در مطلع از جبیں دارم
بہ ذکرِ سجدۂ شہ، حرفِ دلنشیں دارم

''شہ'' = سے مراد حضرت علی ہیں ۔

میں نے مطلع میں جبیں کے لفظ کو بطور قافیے کے انتخاب کیا ہے اس لیے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے سجدۂ نیاز پیش کرنا چاہتا ہوں اور اُن کا ذکر ایک حرف دلنشین ہے۔

علیِؓ عالیِ اعلیٰ کہ در طوافِ درش
خرام بر فلک و پائے بر زمیں دارم

وہ علیؓ عالی مقام کہ جن کے دروازے کا طواف کرتے ہوئے میرے پاؤں تو زمین پر ہوتے ہیں لیکن خرام آسمان پر (اور پھرتا آسمان پر ہوں)۔

از آنچہ بر لبِ آو رفتہ در شفاعت من
فسانۂ بہ لب جوئے انگبیں دارم

میری شفاعت کے بارے میں جو کچھ اُن کے لبوں پر آیا ہے اس کے مقابلے میں جنت کی انگبیں (شہد) ایک فسانہ ہے۔

بہ دشمناں بخلاف و بدوستاں زحسد
بحکم مہرِ تو با روزگار کیں دارم

لغت: ''بحکم مہرتو'' = تیری محبت کے باعث۔

تیری محبت کے باعث زمانہ مجھ سے برسر پیکار ہے۔ دشمن اس لیے مخالف ہیں کہ میرے دل میں علی کرم اللہ وجہہ کی اتنی محبت کیوں ہے اور دوست اس لیے حسد کرتے ہیں کہ وہ اس جذبۂ محبت سے محروم ہیں۔

بکوثر از تو کرا ظرف بیش ، قسمت بیش
بباده خوئے کنم ، عقل دوربیں دارم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں عقیدہ کہ وہ ساقیِ کوثر ہوں گے ۔

جتنا کسی کا ظرف ہوگا اتنی ہی شراب آپ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کی طرف سے ملے گی ۔ میں دور اندیش ہوں اور عقل دوربیں رکھتا ہوں اس لیے اپنے میں پہلے سے شراب نوشی کی عادت پیدا کر لی ہے کہ حصۂ وافر ملے اور زیادہ پی سکوں ۔

جواب خواجہ نظیری نوشتہ ام غالب
خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

لغت : ''چشم داشتن'' = امید رکھنا ۔

''چشم آفریں دارم'' = شاباش کی توقع رکھتا ہوں ۔

مرزا غالب نے یہ غزل نظیری کی زمین میں کہی ہے ۔ اُس غزل میں ایک بہت خوبصورت شعر ہے :

مرا بہ سادہ دلی ہاے من تواں بخشید
خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

محبوب حقیقی سے خطاب کرتا ہے مجھے میری سادگی کی وجہ سے بخش دیا جا سکتا ہے کہ میں نے خطائیں کی ہیں اور پھر داد کا طلب گار ہوں مرزا نے اس غزل کے دوسرے مصرعے کو استعمال کیا ۔ کہتا ہے کہ میں نے یہ غزل نظیری کی غزل کے جواب میں کہی ہے دیکھو ایک تو غلطی کی ہے اور پھر داد بھی چاہتا ہوں ۔

اس میں ''جواب غزل'' کے الفاظ بڑے اہم ہیں جواب غزل کہنے میں صرف مقابلہ ہی مقصود ہی نہیں ہوتا ۔ بہتر غزل کہنے کا پہلو بھی پنہاں ہوتا ہے ۔

غزل نمبر ۲۴

بیا که قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بگردشِ رطل گراں بگردانیم

یہ غزل مرزا غالب کی مشہور ترین غزلوں میں سے ہے اور غزل مسلسل ہے ۔ اس سے اُن کی سوچ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ۔

لغت : ''رطل گراں'' = شراب کا بڑا پیالہ ۔

کہا جاتا ہے کہ گردش آسماں انسانی زندگیوں پر اثر انداز ہوتی ہے ۔

محبوب سے خطاب کرکے کہتا ہے :

آ کہ آسمان کے قاعدے کو بدل ڈالیں ، شراب کا بڑا پیالہ گردش میں لائیں اور نظام قضا کو درہم برہم کر دیں ۔ (ایک ایسی دنیا وجود میں لائیں جو ہمارے موافق ہو) ۔

بیا تاگل بر افشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم (حافظ)

ز چشم و دل به تماشا تمتع اندوزیم
ز جان و دل به مدارا زیان بگردانیم

اس منظر سے تو اور میں دل اور آنکھوں کو لذت اندوز کریں اور ہماری جان و دل کو جو جو دکھ (زیاں) پہنچے آن کی تلافی کریں اور جی بھرکر خوش ہوں ۔

بگوشۂ بنشبنیم و در فراز کنیم
بکوچه بر سر ره پاسبان بگردانیم

ایک گوشے میں دونوں بیٹھ جائیں اور دروازہ بند کر دیں اور گلی میں پاسبان کو پاسبانی پر لگائیں (تا کہ ہماری اس خلوت میں کوئی مخل نہ ہو) ۔

اگر ز شحنه بود گیر و دار نندیشم
و گر زشاه رسد ار مغان ، بگردانیم

اگر کوتوال کی طرف سے کوئی گرفت ہو تو ہم بے خوف رہیں اور اگر ایسے میں بادشاہ بھی کوئی تحفہ بھیجے تو آس تحفے کو لوٹا دیں ۔

اگر کلیم شود ہمزبان سخن نه کنیم
و گر خلیل شود، مہماں بگردانیم

لغت : ''کلیم'' = حضرت موسیٰ کا لقب ہے کہ کوہ طور پہ

اللہ سے ہم کلام ہوئے تھے - آن کا لقب بھی اسی لیے کلیم اللہ ہے - حضرت ابراہیم کی مہمانوازی معروف ہے اور اس کا تذکرہ توریت میں ہے -

اگر کلیم ہم سے ہم کلام ہونا چاہیں تو ہم بات نہ کریں اور اگر خلیل ہمارے مہمان ہونا چاہیں تو آنھیں بھی واپس بھیج دیں -

گل افگنیم و گلابے بہ رہگذر پاشیم
مے آوریم و قدح درمیاں بگردانیم

گل پاشی کریں اور راستے میں گلاب چھڑکیں - شراب لا کر جام کو گردش میں لائیں -

ندیم و مطرب و ساقی ز انجمن رانیم
بہ کاروبار زنِ کارداں بگردانیم

اس مختصر سی محفل سے ندیم (ہم مشرب) مغنی اور ساقی سب کو نکال دیں اور کام کاج کے لیے ایک ایسی عورت کو متعین کریں جو اس طرح کی صحبتوں کے رموز و آداب سے واقف ہو - غرض :

جہانے مختصر خواہم کہ در وے
ہمیں جائے من و جائے تو باشد

گہے بہ لابہ سخن با ادا بیامیزیم
گہے بہ بوسہ زباں در دہاں بگردانیم

کبھی خوشامد کی باتوں میں بھی حسین انداز (ادائیں) پیدا

کریں ، کبھی بے تکلف ایک دوسرے کا منہ چوم لیں اور پھر چٹخارے لیں ۔

خوشامد میں لطیف اشارہ بوسہ طلب کرنے کی طرف ہے ۔

نہیم شرم بہ یک سو و باہم آویزیم
بہ شوخیِ کہ رخِ اختراں بگردانیم

پھر شرم و حجاب ایک طرف رکھ دیں اور (بے اختیاری کے عالم میں) ایک دوسرے سے لپٹ جائیں اس شوخی اور بے باکی سے کہ ستارے اپنا منہ موڑ لیں ۔

ز جوش سینہ سحر را نفس فروبندیم
بلائے گرمیِ روز از جہاں بگردانیم

ہمارے سینے میں سانس جوش محبت سے یوں اچھل رہا ہو کہ صبح کا سانس رک جائے (صبح کی ہوا بند ہو جائے یعنی صبح طلوع ہی نہ ہو) اور دنیا سے دن کی گرمی کی مصیبت ٹل جائے ۔

شبِ وصال کو اتنا طویل کر دیں کہ صبح نمودار ہی نہ ہو ۔

بوہم شب ہمہ را در غلط بیاندازیم
ز نیمہ رہ رمہ را با شباں بگردانیم

(وصل کی رات کا سماں یوں طاری کر دیں کہ ہم تو درکنار دوسرے دھوکا کھا جائیں) سب لوگوں کو یہ غلط تصور دیں کہ

وہ سمجھیں رات ہے ، یہاں تک کہ گلہ بان جو ریوڑ لے کر (صبح سے ذرا پہلے) باہر میدان کو جا رہے ہوں آدھے راستے سے لوٹ جائیں ۔

اس شعر میں علاوہ اور محاسن کلام کے موسیقی کا عنصر بہت نمایاں ہے ۔ خصوصیت سے ہمہ اور رمہ کے ہموزن الفاظ لطیف و حسین کیفیت پیدا کر رہے ہیں ۔

به جنگ باج ستانانِ شاخساری را
تہی سبد ز درِ گلستاں بگردانیم

لغت : ''باج'' = خراج ۔ ''باج ستانان شاخسار'' = ٹہنیوں سے پھول چننے والے (باغبان) ۔
''سبد'' = ٹوکری ۔

صبح کو درختوں کی شاخوں سے پھول چننے والوں کو سختی سے روک دیں تا کہ وہ خالی ٹوکری لے کر باغ کے دروازے ہی سے واپس ہو جائیں ۔

ایک تو رات کا تصور کرکے اور دوسرے اس لیے کہ باغ کی ساری شادابیاں اب ہماری ہیں ، ان کی نہیں ہیں ۔

به صلح بال فشانانِ صبحگاہی را
ز شاخسار سوے آشیاں بگردانیم

لغت : ''بال فشاناں'' = پرندے جو صبح کو اڑنے کے لیے پر پھڑ پھڑاتے ہیں ۔

پرندوں کو جو صبح کے وقت گھونسلوں سے نکل کر شاخوں

پر اڑنے کے لیے آمادہ ہوں انھیں دوبارہ گھونسلوں کی طرف صلح و آشتی کے ساتھ بھیج دیں ۔

باغبانوں کو تو جھگڑا کرکے نکالا جا رہا ہے لیکن پرندوں کا کچھ پاس خاطر ہے اس واسطے اُن کے لیے صلح و آشتی کا برتاؤ کیا جا رہا ہے ۔

ز حیدریم من و تو زما عجب نبود
گر آفتاب سوے خاوراں بگردانیم

لغت : ''حیدر'' = حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۔ اُن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے اشارہ کرکے سورج کو مشرق کی طرف لوٹا دیا ۔

''خاوراں'' = مشرق ۔

میں اور تو حیدر سے وابستہ ہیں ، اگر ہم آفتاب کا رخ مشرق کی طرف پھیر دیں تو یہ کوئی عجیب بات نہ ہوگی ۔

بمن وصالِ تو باور نمی کند غالب
بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم

دو دوستوں کا ملنا یا عاشق و معشوق کا وصال مشکل بات ہے ، آسمان کی گردش (حالات) ہمیشہ آڑے آتی ہے ۔ کہتا ہے : غالب کو میرے اور تیرے وصال کا یقین نہیں آتا (اس لیے یہ قاعدۂ آسماں ہے) آ مل جائیں اور آسماں کے اس کہنہ آئین کو یکسر بدل دیں ۔

غزل نمبر ۲۵

رفت برما آنچہ خود ما خواستیم
وایہ از سلطاں بہ غوغا خواستیم

لغت: ''وایہ'' = آرزو ، خواہش ، مقصود ۔

ہم پر وہی کچھ گزرا جو ہم خود چاہتے تھے ، بادشاہ سے شور و غوغا کرکے اپنی حاجت چاہی ۔ انسانوں کو جو کچھ ملتا ہے وہ عطیہ الہی ہے ۔ اللہ کی رحمت جس کو جس طرح چاہے نوازے اور بے استحقاق دے ۔ ہم نے اپنی بھرپور خواہشوں کو پورا کرنے کا تقاضا کیا اور محروم رہے ۔ ہم اپنی محرومیوں کے خود ہی ذمہ دار ہیں ۔

دیگراں شستند رختِ خویش و ما
تریِ دامن ز دریا خواستم

اوروں نے تو سمندر کے پانی سے اپنا جامہ دھولیا (اور پاک صاف ہو گئے) ہم نے سمندر سے فقط تردامنی ، چاہی (اپنے دامن کو آلودہ کر لیا ۔ اس میں سمندر کا کیا قصور؟) ۔

دانش و گنجینہ پنداری یکے است
حق نہاں داد آنچہ پیدا خواستیم

سمجھ لے کہ عقل و دانش اور زر و مال دونوں ایک ہیں ۔ یعنی دونوں عطیۂ ایزدی ہیں ہاں زر و مال ایسا عطیہ ہے کہ نظر آتا ہے ۔ عقل و حکمت کا عطیہ چپکے سے عطا ہوتا ہے ۔ ہم نے

جو کچھ ظاہرا مانگا تھا وہ پوشیدہ طور پر ملا ۔ اس شعر میں اپنی محرومی کا لطیف اشارہ بھی ہے اور اس بات کا اشارہ بھی کہ دانش و حکمت بہرطور بہتر عطیہ ہے جس سے دولت مند محروم ہیں ۔

چو بخواہش کارہا کردند راست
خویش را سر مست و رسوا خواستیم

قدرت نے ہر انسان کی خواہش کے مطابق کاموں کو ترتیب دیا ، ہم نے سرمستی اور رسوائی کی خواہش کی وہ ہمیں مل گئی ۔ (اب گلہ کس بات کا) ۔

غافل از توفیق طاعت کاں عطاست
مزدِ کار از کار فرما خواستیم

اطاعت اور بندگی محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہوتی ہے ۔ اس کا صلہ (جنت کی نعمتوں کی صورت میں) مانگنا غلط ہے ۔ کسی کی اطاعت قبول ہو اور اس کا صلہ ملے یہ عطیۂ ایزدی ہے ۔
کہتا ہے : ہم نے اطاعت کی (اور اس کام کی مزدوری) آقا سے مانگی اور اس بات سے غافل رہے کہ اطاعت کی توفیق تو عطیہ الٰہی ہے ۔

گر گنہگاریم واعظ گو مرنج
خواجہ را در روضہ تنہا خواستیم

لغت : روضہ سے مقصود روضۂ جنت ہے اور
خواجہ سے خواجۂ عالم ، سرور کائنات ۔

ہم گنہگار ہیں تو واعظ سے کہو چین بجبیں نہ ہو ۔ (ہمیں جنت میں جانے کی خواہش نہیں ہے) ہم تو باغ جنت میں صرف خواجۂ دو عالم کا دیدار چاہتے تھے ۔

سینہ چوں تنگ است پرُخوں بود دل
دیدۂ خونابہ پالا خواستیم

لغت: ''خوننا بہ پالا'' = آلودۂ خون ناب ۔
''تنگ'' کا مفہوم انتہائی غمگین اور افسردہ اور گھٹا ہوا کا ہے ۔

ہمارے سینے میں غم کی گھٹن تھی دل اس گھٹن میں پس کر خون ہو گیا ۔ ناچار ہم نے چاہا کہ آنکھوں کو خون آلود کریں (یعنی خون کے آنسو بہائیں تا کہ غم ہلکا ہو) ۔

رفت وباز آمد ہما در دام ما
باز سر دادیم و عنقا خواستیم

ہمارے جال سے ہما نکل گیا اور پھر دام میں آ گیا ، ہم نے اُسے پھر چھوڑ دیا اور عنقا کو اسیر دام کرنے کی دھن میں لگ گئے ۔
ہما سے مراد دولت دنیا اور عنقا سے مقصود ذات الہی ۔
یہ مرزا کی عالی حوصلگی اور بلند نظری ہے کہ دنیا کی نعمتوں کو تج کر وہ فقط احدیت ذات کے طالب ہیں ۔

ہم بخواہش قطعِ خواہش خواستند
عذرِ خواہش ہاے بے جا خواستیم

لفظی ترجمہ: محبوب خواہش ہی سے قطع خواہش چاہتا

تھا چنانچہ ہم نے اپنی بے جا خواہشوں کا عذر چاہا (خواہش ظاہر کی) -

محبوب عاشق کی بے جا خواہشوں کے طویل سلسلے سے تنگ آ چکا تھا وہ چاہتا تھا ہم اس سلسلے کو منقطع کرنے کی خواہش کریں یعنی عذر خواہی کریں - ہم نے عذر خواہی کی لیکن یہ عذر خواہی بھی تو ایک خواہش ہی تھی -

جز بپا بوسی خطاے نیست کز من رفتہ است
ہم بپائش بہر عرض اعتذار افتادہ ام (طغرائی)

گرچہ می دانم قسم خوردن بجانت خوب نیست
ہم بجان تو کہ یادم نیست سوگندے دگر (نظیری)

قطعِ خواہشہا ز ما صورت نہ داشت
ہمت از غالب ہمانا خواستیم

قطع خواہش ہمارے بس کی بات نہیں ، ہم نے غالب سے اس ہمت کا تقاضا کیا -

خواہش ہی سے زندگی میں جان ہے یہ ختم ہو جائے تو زندگی ختم ہو جائے :

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں و لیکن پھر بھی کم نکلے

غزل نمبر ۲۶

اگر بر خود نمی بالد ز غارت کردنِ ہوشم
مر آورا از چہ دشوار است گنجیدن در آغوشم

"برخود نمی بالد" = اپنے آپ پہ ناز نہیں کرتا۔

"اگر اُسے میرے ہوش و حواس کو لوٹنے پہ ناز نہیں تو آخر اُسے میرے آغوش میں جانے میں کیا دقت ہے۔"

محبوب اپنے جلوۂ ناز سے ہمارے ہوش و خرد کو چھین سکتا ہے ، اگر یہ نہیں تو ہمارے دل ہی میں سما جائے یعنی اگر ہم محبوب حقیقی کا جاوہ روبرو نہیں دیکھ سکتے تو وہ ہمارے دل میں تو سما سکتا ہے۔

نیم دربند آزادی ، ملامت شیوہ ھا دارد
شنیدم جامہ رنداں ترا عیب است می پوشم

آزاد لوگ دنیا کی رسوم کی پروا نہیں کرتے۔ کہتا ہے: (میں رسوم دنیا سے) آزاد نہیں ہوں (جانتا ہوں کہ کوئی غیر معمولی بات کروں گا تو لوگ ملامت کریں گے) لیکن ملامت کے بھی کئی تیور ہوتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ تو جامہ رندی کو ناپسند کرتا ہے اور اُسے عیب سمجھتا ہے۔ میں نے وہی جامہ پہن لیا ہے۔

یعنی محبوب کے لیے ہدف ملامت بننا گوارا ہے اور اس میں لذت ہے۔

نیرزم ہیچ چوں لفظ مکرر ضائعم ضائع
مگر کزلک کشد دستِ نوازش بر سر و دوشم

لغت: "کزلک" = چاقو جس سے سہوِ کتابت کھرچا جائے ، لفظ تراش۔

لفظ مکرر کی طرح میرا وجود رائگاں ہے ۔ شاید لفظ تراش کا دست نوازش میرے سر و دوش پہ چلے اور مجھے مٹا دے ۔

کہتا ہے کہ میری زندگی بے کار ہے میرا خالق مجھے دوبارہ لکھے ہوئے لفظ کی طرح مٹا ہی دے تو بہتر ہے ۔

خدایا زندگی تلخ است گر خود نُقل و مے نبود
دلے دہ کز گداز خویش گرد د چشمۂ نوشم

لغت : نقل ۔ شراب کے ساتھ منہ کا مزہ بدلنے کے لیے جو چیز کھائی جائے ۔

اے خدا زندگی شراب و نُقل کے بغیر تلخ ہے ۔ شراب و نقل تو میسر نہیں تو ایسا دل ہی عطا کر جو پگھل کر شراب (چشمۂ نوش) بن جائے ۔

مرنج از وعدۂ وصلے کہ بامن درمیان آری
کہ خواہد شد بہ ذوقِ وعدۂ دیگر فراموشم

جو وعدۂ وصل تم کرتے ہو آس سے گھبراؤ نہیں کیوں کہ تمہارے دوسرا وعدہ کرنے کی لذت میں یہ پہلا وعدہ مجھے بھول جائے گا ۔

محبوب کا وعدہ تو کبھی پورا ہوتا نہیں ، عاشق ایسے وعدوں سے صرف لذت اندوز ہی ہوتا رہتا ہے ۔

گر امشب میرم و در ہفت دوزخ سرنگوں غلتم
ہماں دانم کہ غرقِ لذت بے تابیِ دوشم

اگر آج رات کو مر جاؤں اور سات دوزخوں (دوزخ کے سات طبقات کے اعتبار سے سات دوزخ کہا) میں آلٹا تڑپوں تو مجھے یہ محسوس ہوگا کہ جیسے میں کل رات کی بے تابیوں کی لذتوں میں غرق ہوں ۔

فراق میں تڑپنے میں جو لذت ہے وہ عاشق کو دوزخ میں تڑپنے میں بھی نصیب ہوگی ۔

بخندم بر بہار و روستائی شیوہ شمشادش
زگل چینانِ طرزِ جلوۂ سروِ قبا پوشم

لغت : ''روستائی شیوہ'' = دہقانوں جیسے طور طریقے رکھنے والا ، گنوار ۔

''سرو قبا پوش'' = محبوب سے خطاب ہے ، کہ وہ قبا پوش سرو ہے ۔

کہتا ہے مجھے بہار پر اور اس کے بے ڈھنگے درخت شمشاد پر ہنسی آتی ہے ، اس لیے کہ میں تو اپنے سر و قبا پوش یعنی محبوب کے جلووں کی گلچینی کرنے والا ہوں ۔

یعنی میرے لیے باغ و بہار کے نظاروں سے محبوب کا نظارہ کہیں زیادہ دلکش ہے ۔

بہار گلشن کوے توام ، مسپار در خاکم
چراغ بزم نیرنگ توام ، مپسند خاموشم

لغت : ''چراغ خاموش'' = بجھے ہوئے چراغ کو کہتے ہیں ۔

میں تیرے کوچے کی بہار گلشن ہوں ، مجھے خاک میں نہ ملا ؛
میں تیری بزمِ نیرنگ کا چراغ ہوں ، مجھے نہ بجھا ۔
محبوب کے حسن و جمال کی رونق ، عاشق کے ذوق نظر سے
ہوتی ہے ۔

ادا ے مے بہ ساغر کردنت نازم زہے ساقی
بیفشاں جُرعہ بر خاک وزمن بگذر کہ مدہوشم

میرے ساقی ترے کیا کہنے ، تری ساغر میں شراب ڈالنے کی
ادا پر قربان جاؤں ۔ تھوڑی سی شراب زمین پر گرا دے ، میرا خیال
نہ کر ، میں تو تیری اس ادا پر ہی مدہوش ہو گیا ہوں ۔

مرنج از من اگر نبود کلامم را صفا غالب
خمستان غبارم ، سر بسر دردے است سرجوشم

''درد'' = جو میل خم مے کے نیچے بیٹھ جاتا ہے ۔ تلچھٹ
''سر جوش'' = جب شراب پختہ ہونے کے لیے دیر تک

مٹکے میں پڑی رہتی ہے تو اس کے اوپر کے حصے میں ایک جوش سا نمایاں ہوتا ہے۔ وہ بہترین سمجھی جاتی ہے۔

غالب اگر میرے کلام میں صفائی نہیں تو مجھ سے کبیدہ خاطر نہ ہو، میں خمستانِ غبار ہوں میری شراب کا سرجوش بھی تلچھٹ ہے۔

میں تو زندگی کی تلخیوں کا پینے والا ہوں، کلام میں دلکشی کہاں سے آئے۔

غزل نمبر ۲۷

وحشتے در سفر از برگِ سفر داشتہ ایم
توشۂ راہ دلے بود کہ بر داشتہ ایم

''توشۂ راہ'' = زاد راہ۔

سفر میں لوگوں کو بھاری سامان ہمراہ لے کر جاتے ہوئی گھبراہٹ ہوتی ہے اس لیے اکثر فقط زاد راہ لے کو چل پڑتے ہیں۔ کہتا ہے:

ہمیں سفر میں سامان سفر سے بڑی وحشت تھی، زاد راہ صرف ایک دل تھا وہی اٹھا کے چلتے رہے۔

زندگی کے سفر میں ہمارا رفیق سفر صرف دل تھا اور بس

لغزد از تابِ بنا گوشِ تو مستانہ و ما
تکیہ بر پاکیِ دامانِ گہر داشتہ ایم

لغت: ''پاکی دامان گہر'' = موتی کی پاک دامنی۔ موتی کی

چمک دمک سے اس کی پاکیزگی ٹپکتی ہے ۔

''بنا گوش'' = کان کا نیچے کا نرم حصہ جس میں چھید کرکے عورتیں زیور لٹکا لیتی ہیں (جو عموماً موتی ہوتے ہیں) ۔

تیرے کان کا موتی ، تیرے بنا گوش کی آب و تاب سے مست ہو کر جھومتا ہے اور ہم اس کی اس کی پاکدامنی پر اعتماد کیے ہوئی ہیں ۔ (موتی تو ویسے ہی ہلتا رہتا ہے شاعر اسے محبوب کے حسن سے مست ہونا قرار دیتا ہے ۔ اسے صنعت حسن تعلیل کہتے ہیں ۔ یعنی واقعہ کے اصل سبب سے ہٹ کر اس کی کوئی اور علت بیان کرنا) ۔

زخمِ نا خوردۂ ما روزیِ اغیار مکُن
کان بآرائشِ دامانِ نظر داشتہ ایم

جو زخم ہم نے (تمہاری محبت میں تمہارے ہاتھوں) نہیں کھائے اُن سے غیروں کو بہرہ مند نہ کرنا ۔ کیونکہ وہ زخم تو ہم نے اپنے دامان نظر کی آرائش کے لیے رکھے ہیں ۔

یعنی اگرچہ وہ زخم ابھی ہمارے دل پر نہیں لگے لیکن نظریں انھیں دیکھ کر خوش تو ہو رہی ہیں کہ یہ زخم بھی ہمیں ہی کھانے ہیں ۔

نالہ تاگم نکند راہِ لب از ظلمتِ غم
جان چراغے است کہ بر راہگذر داشتہ ایم

ہم نے زندگی کو چراغ بنا کر رہگذر میں رکھ دیا ہے کہ غم کے اندھیرے میں ہماری فریاد دل سے لب تک آتے ہوئے راستہ نہ

بھول جائے۔

زندگی غم میں کھو گئی ہے لیکن نالہ و فریاد کرنے سے غم ہلکا ہو جاتا ہے۔ ڈر یہ ہے کہ کہیں فریاد کرنے کا موقع بھی نہ گم ہو جائے۔

تو دماغ از مے پُر زور رسانیدہ و ما
بر درِ میکدہ خشتے تہِ سرداشتہ ایم

تو نے تو شراب تند و تیز پی کر پورا سرور حاصل کر لیا ہے اور ہم ہیں کہ میکدے کے دروازے پر اینٹ کو تکیہ بنائے ہوئے پڑے ہیں۔

شراب کا میسر آنا تو درکنار، میکدے میں داخل نہیں ہو سکتے۔

جاگرفتن بہ دلِ دوست نہ اندازۂ ماست
تو ہماں گیر کہ آہیم و اثر داشتۂ ایم

دوست کے دل میں جگہ پانا تو ہمارے بس کی بات نہیں۔ تو یہی سمجھ لے کہ ہماری حیثیت ایک آہ کی ہے اور آہ کا اثر ہوتا ہے۔

ہمارے جذبۂ محبت نے گھل گھل کر آہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ آہ کا اثر مسلم ہے خواہ ایک عمر کے بعد ہی ہو۔ اسی کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔

مژہ تا خونِ دل افشاند ز ریزشِ اِستاد
ماتم طالعِ اجزائے جگر داشتہ ایم

ہماری پلکیں خون دل بہاتے بہاتے رک گئیں۔ اب ہم اجزائے

جگر کی قسمت کا ماتم کر رہے ہیں ۔

محبت میں رونا تو مقدر ہے لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ پوری طرح رو نہ سکے ۔ کچھ اجزائے جگر رو کر ضائع ہوئے اور جو باقی رہے وہ تقاضاے محبت پورا نہ کر سکے ۔ اسی کا رونا ہے ۔

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

داغِ احسان قبولی ز لئیمانش نیست
ناز بر خرمیِ بختِ ہنر داشتہ ایم

''لئیماں'' = پست ذوق اور کمینے لوگ ۔ لئیمانش میں ش کا ضمیر ہنر کے لیے آیا ہے ۔

پست ذوق لوگ ہمارے ہنر (اشعار) کو قبول (پسند) نہیں کرتے ۔ ہم خوش ہیں کہ ہماری ہنر مندی (فن شعر) کو ان کمینوں کا احسان نہ اٹھانا پڑا ۔ ہمیں تو اپنے ہنر پر ناز ہے کہ اسے نااہلوں کی مقبولیت کا احسان مند نہ ہونا پڑا ۔

بیش ازیں مشربِ ما نیز سخن سازی بود
لختے از خوشدلی غیر خبر داشتہ ایم

اس سے پہلے ہم بھی محبوب کے عارضی التفات کے بارے میں سخن طرازیاں کیا کرتے تھے ۔ آج کل کچھ کچھ ہمیں رقیب کے بارے میں اطلاع ملتی رہتی ہے کہ وہ محبوب کے اسی نوعیت کے التفات پر خوش ہیں (اور سوچتے ہیں کہ آخر اس کا بھی ہم جیسا

حشر ہونے والا ہے) ۔

نظیری کہتا ہے:

چو می بینم کسے از کوئے او دلشاد می آید
فریبے کز وے اول خوردہ بودم یاد می آید

وارسیدیم که غالب بمیان بود نقاب
کاش دانیم که از روے که برداشته ایم

غالب! ہمیں یہ تو معلوم ہو گیا ہمارے (عاشق و معشوق) درمیان ایک نقاب حائل تھا (وہ اٹھ گیا) کاش ہمیں یہ پتا چلے کہ یہ نقاب کس کے چہرے سے اٹھا ہے (عاشق کے یا معشوق کے) ۔

اس شعر کا پس منظر مسئلہ وحدت‌الوجود ہے ۔ عاشق معشوق سے الگ نہیں البتہ ان میں مظاہرات مادی کا پردہ حائل ہے ورنہ ، اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے:

حرم و دہر کے جھگڑے ترے چھپنے سے پڑے
تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے

غزل نمبر ۲۸

خود را ہمی به نقش طرازی علم کنم
تا با تو خوش نشینم و نظارہ ہم کنم

لغت: "علم کردن" = مشہور ۔ "نقش طرازی" = مصوری ۔

میں نے اپنے آپ کو مصوری کے فن میں مشہور کر رکھا ہے
تاکہ تیرے پاس آرام سے بیٹھوں خوشی سے وقت گزاروں اور تیرا
نظارہ بھی کرتا رہوں۔

سیکھے ہیں گرخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے (غالب)

خواہی فراغ خویش بیفزاے بر ستم
تا در عِوض ہماں قدر از شکوہ کم کنم

لغت: ''فراغ'' = فراغت، آرام۔

اگر تو اپنی فراغت چاہتا ہے تو اپنے ستم میں اضافہ کر دے
تاکہ اُس کے عوض میں اتنا ہی شکوہ کم کروں۔ گویا ستم اُٹھانے
میں زیادہ وقت صرف ہوگا تو شکایت کے موقع کم ملیں گے۔

قاتل بہانہ جوے و دعا بے اثر، بیا
کز گریہ آبگیریِ تیغ ستم کنم

لغت: ''آبگیری تیغ'' = تلوار کو تیز کرنا، آبدار بنانا۔

ہمارا قاتل ہمیں قتل نہیں کرتا، طرح طرح کے بہانے تلاش
کرکے ہمیں اسی گو مگو کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔ اُسے ہماری
اس حالت سے لذت ملتی ہے، ہماری دعائیں بھی اثر نہیں کرتیں۔
یہی صورت ہے کہ ہم زار زار روئیں اور ان آنسوؤں سے قاتل کی
تیغ ستم کی آبیاری کریں، (اُسے چمکائیں)۔

شاید اُسے ہماری حالت زار پر رحم آ جائے اور فوری قتل پر
آمادہ ہو جائے۔

طفل است تند خوے ، به بینم چه می کند
رامم ولے بعربده دانسته رم کنم

میرا محبوب ایک سادہ نادان ضدی سا انسان ہے ، کیا جانے کیا کرے ۔ میں اُس کا مطیع ہوں لیکن جان بوجھ کر بگڑتا ہوں اور اس سے دور بھاگتا ہوں ۔

گردون وبالِ گردن من ساخت مدتی است
کودست تا بگردن دلدار خم کنم

وہ ہاتھ کہاں جو محبوب کی گردن میں (پیار سے) ڈالوں ، ایک مدت ہوئی آسماں نے ان ہاتھوں کو میری گردن کا وبال بنا رکھا ہے ۔

یا رب به شهوت و غضبم اختیار بخش
چندانکه دفع لذت و جذب الم کنم

محبوب ہمیشہ غیظ و غضب کے عالم میں رہتا ہے اور عاشق اُس سے لذت اندوز ہونے کی کوشش کرتا ہے ۔ لیکن یہ بات کب تک چلے گی ۔ کہتا ہے :

اے خدا مجھے محبوب کے اس غصے پر اختیار دے تاکہ میں اس اختیار کے بل پر اُس کے جور و ستم سے مجھے جو لذت آتی ہے اور غم و الم کو دل میں سمیٹتا رہتا ہوں ، ان سے نجات حاصل کر سکوں ۔

تا دخلِ من به عشق فزوں تر بود زخرج
خواہم که از تو بیش کشم ناز وکم کنم

لغت : ''دخل'' = آمدنی ۔ ''خرج'' = خرچ ۔

عاشق کی آمدنی محبوب کی نازکشی ہے ۔ وہ ناز سمیٹتا رہتا ہے ، اور محبت کے دکھ درد میں ناز کشی کی لذتیں صرف کر دیتا ہے ۔

کہتا ہے میں چاہتا ہوں کہ اب میں تیری ناز برداریاں زیادہ کروں تا کہ عشق میں میری آمدنی بڑھ جائے اور خرچ کم ہو جائے ۔

یعنی محبوب سے کسی دلداری اور محبت کی توقع تو نہیں ہے ۔ ہمارا کام ناز برداری کرنا ہے وہی کرتے رہیں گے ۔

غلطد دلم بمشک ز فیض ہوائے زلف
قانونِ فنِ غالیه سائی رقم کنم

لغت : ''غالیہ'' = عطر ۔

محبوب کی زلفوں کی معطر ہوا آنے سے دل مشک کی خوشبوؤں میں لوٹنے لگتا ہے ، (اور ان زلفوں کی کیفیت یوں دل و دماغ میں سرایت کر جاتی ہے کہ فکر شعر میں سما جاتے ہیں) میری شعر گوئی کیا ہے گویا میں فن عطر و غالیہ کے اصول لکھ رہا ہوں ۔

خشک است کشت شیوۂ تحریر رفتگاں
سیرابش از نم رگ ابر قلم کنم

شعرائے سلف کے اسلوب شعر کی کھیتی خشک ہو گئی ہے

میں اپنے قلم کے ابر کی رگوں کی نمی سے اس کھیتی کو سیراب کر رہا ہوں ۔

یعنی میں نے اپنے کلام کے اسلوب سے متقدمین کے کلام میں جان ڈال دی ہے ۔

غالب بہ اختیار سیاحت زمن مخواہ
کو فتنۂ کہ سیر بلادِ عجم کنم

غالب مجھ سے ارادۂ سیاحت کی توقع نہ کر ، وہ کون سا ہنگامہ (فتنہ) ہے کہ جس کے لیے میں وطن چھوڑ کر بلاد عجم کی سیر کو جاؤں ۔

غزل نمبر ۲۹

نشاط آرد بآزادی ز آرائش بریدن ہم
گلم بر گوشۂ دستار زد دامن ز چیدن ہم

پھولوں کو لوگ ، دستار پر آرائش کے لیے سجاتے تھے ۔

لغت : ''ز آرائش بریدن'' = آرائش سے قطع تعلق کر لینا ۔
''دامن چیدن'' = دامن اٹھا لینا ۔

آزاد منش لوگ دنیا کی آرائشوں سے اپنا دامن کھینچ لیتے ہیں ، اور ان کی اس آزادی میں بھی ایک نشاط کا پہلو ہوتا ہے کہتا ہے کہ ۔

دنیا کی آرائش (لذت اندوزی) سے آزاد ہونے میں بھی ایک

لذت ہے ۔ میں نے پھولوں سے اپنا دامن اٹھا لیا تو میری اسی دامن چینی نے میری دستار پر پھول سجا دیے ۔ یعنی مجھے دنیا کی لذتوں سے آزاد ہونے میں بھی ایک لذت نصیب ہوئی ۔

بیا لطف ہوا بنگر کہ چوں موجِ مے از مینا
گل از شاخ گل استے جلوہ گر پیش از دمیدن ہم

ہوا کی لطافت کو دیکھو کہ پھول کھلنے سے پہلے ہی شاخ کی رگوں میں نظر آ رہا ہے ۔ جس طرح صراحی میں شراب صراحی کے اندر ہی جوش مارتی ہوئی نظر آتی ہے ۔

دلا خوں گشتی و گفتی کہ ہے گردید کار آخر
مشو افسردہ غافل عالمے دارد چکیدن ہم

''ہے'' = کلمۂ تاسف ہے ۔ ''عالمے دارد'' = ایک کیفیت ہے (رکھتا ہے) ۔

اے دل تو خون ہو گیا اور تو پکار اٹھا افسوس کام تمام ہوا ۔ غافل! تو افسردہ نہ ہو ، یوں خون بن کر ٹپکنے میں بھی ایک کیفیت ہے ۔

نہ از مہر است گر بر داستانم می نہد گوشے
بہاں از نکتہ چینی خیزدش ذوق شنیدن ہم

اگر وہ میری داستان پر کان لگائے ہوئے ہے تو یہ مہر و محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے داستان سننے کا ذوق اس لیے پیدا

ہوتا ہے کہ وہ داستان سن کر اس پہ نکتہ چینی کرے ۔

چہ پرسی کز لبت وقت قدح نوشی چہ می خواہم
ہمیں بوسیدنی، چوں مست تر گردی میکدن ہم

لغت : ''بوسیدنی'' = چومنا ۔ ۔ ۔ ۔ ''مکیدن'' چوسنا ۔

محبوب سے کہتا ہے :

تو کیا پوچھتا ہے کہ تیری شراب نوشی کے وقت میں تیرے لبوں سے کیا چاہتا ہوں ۔ بس یہی انھیں چوم لینا اور جب تو نشے سے اور زیادہ مست ہو جائے تو انھیں زور سے چوسنا ۔

بہ بالینم رسیداستی ، زہے بیکس نوازی ھا
فدایت یکدو دم عمر گرامی وارسیدن ہم

آپ میرے بالیں پر تشریف لے آئے ۔ آپ نے کس قدر بے کس نوازی فرمائی ، عمر گرامی کے جو دو ایک لمحے باقی رہ گئے ہیں وہ بھی آپ کی تشریف آوری پر نثار ہیں ۔

سرت گردم شکار تازہ گر ہردم ہوس داری
بہر بندم رہا می کن بقدر یک رمیدن ہم

لغت : ''سرت گردم'' = تیرے قربان جاؤں ۔ ۔ ۔ ۔ ''رمیدن'' = بھاگنا (بقدر یک رمیدن) جال سے ذرا آزاد ہو کر تھوڑی دور نکل جانا ۔

تیرے قربان جاؤں اگر تو فقط مجھے اسیر دام کرنے پر مطمئن

نہیں ہے اور ہر لحظہ ایک شکار تازہ چاہتا ہے تو کسی اور شکار کی تلاش کی کیا ضرورت ہے مجھے ہی ایک بار گرفتار کرنے کے بعد چھوڑ دے اور جب تھوڑی دور نکل جاؤں تو پھر اسیر کر لے۔

(اس طرح اسیری اور آزادی کا سلسلہ جاری رہے گا تو نئے شکار کو اسیر کرنے کا ذوق پورا کر سکے گا اور میرے شوق اسیری کی بھی تسکین ہوتی رہے گی)۔

ز تیغت، منت زخمے ندارم، خوش را نازم
که حسرت غرق لذت داردم از لب گزیدن ہم

لغت: ''لب گزیدن'' = ہونٹوں کو کاٹنا جو حسرت و ارمان کی علامت ہے۔

''حسرت از لب گزیدن غرق لذت داردم'' = حسرت از لب گزیدن مرا ذوق لذت دارد یعنی حسرت میں بیٹھے لبوں کو کاٹنے سے مجھے لذت میسر آتی ہے۔

میں تیری تلوار کا شرمندۂ احسان نہیں، مجھے اپنے پہ فخر ہے کہ تیرے ہاتھوں قتل نہ ہونے کی حسرت میں بھی ایک لذت ہے۔

ادب آموزئیش در پردۂ محراب می بینم
نخست از جانب حق بودہ انداز خمیدن ہم

لغت: ''ادب آموزی اش'' میں ش کی ضمیر کا مرجع حق تعالیٰ ہے یعنی اس کی ادب آموزی کے انداز میں لوگ مسجد میں محراب کی طرف رخ کرکے سجدہ کرتے ہیں۔ محراب جھکی ہوئی

ہوتی ہے -

کہتا ہے :

پہلے خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھکنے کا انداز ظاہر ہوا ، اس لیے کہ اس نے محراب کی جھکی ہوئی صورت کو میرے سامنے لا کر مجھے ادب آموزی سکھائی ، اور یہ بتایا کہ یوں جھکنا چاہیے -

گویا محراب مسجد ایک سجدۂ مجسم ہے جس سے ہمیں سجدہ کرنے کا سبق ملتا ہے -

چه خیزد گر نقابے از میاں برخاست کو تسکیں
که می بینم نقاب عارض یار است دیدن ہم

اگر ہمارے (یعنی میرے اور محبوب کے) درمیان سے نقاب اٹھ بھی گیا تو دل کو تسکین کہاں ؟ کیونکہ اس نقاب کے اٹھ جانے کے بعد بھی خود اس کو دیکھنا بھی (دیدار) رخ دیدار کا نقاب بن جاتا ہے -

یعنی عاشق کی نگاہیں خود حجاب بن جاتی ہیں :

نظارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی (غالب)

نخواهد روز محشر داد خواه خویش ، عالم را
بتو بخشید ایزد شیوۂ ناز آفریدن ہم

اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن بھی دنیا والے اس سے داد خواہی کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ناز آفرینی کا شیوہ بھی

تجھے ہی مرحمت فرمایا ہے۔

اہل دنیا اس وقت محبوب کے ہاتھوں ''داد داد'' پکار رہے ہیں اور داد خواہی کے لیے روز محشر پہ امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ قیامت کے دن بھی اُن کی فریاد نہیں سنی جائے گی۔ خدا نے محبوب ہی کو ناز وادا کے تمام معاملات کا مختار کل بنایا ہے۔

دل از تمکیں گرفت و تاب وحشت نبودم غالب
نگنجد در گریبان من از تنگی دریدن ہم

لغت: ''دریدن'' = پھاڑنا، یہاں مقصود دریدن گریباں ہے۔
''تمکین'' = تمکنت، وضعداری اور خود داری۔

عاشق عشق میں مدت تک ضبط سے کام لیتا رہا اور خود داری کو قائم رکھا اور جنون و وحشت عشق کا اظہار نہ کیا۔ لیکن اب معاملہ حد سے گزر گیا۔ اب بے بسی کا عالم ہے کہتا ہے:

غالب! خود داری اور تمکنت سے دل افسردہ ہو گیا اور وحشت کی تاب نہیں۔ اب تو گریبان بھی اتنا تنگ ہو گیا ہے کہ اس میں چاک ہونے کی بھی گنجائش باقی نہیں رہی۔

غزل نمبر ۳۰

آنم کہ لب زمزمہ فرسائے ندارم
درحلقۂ سوہان نفساں جائے ندارم

لغت: ''زمزمہ'' = وہ بھجن جو آتش پرست اپنے معبدوں میں

دھیمی آواز میں گاتے ہیں ۔ مراد نغمہ و سرود ۔ ''سوہان'' = ''ریتی'' ۔
''سوہان نفس'' = وہ لوگ جن کی سانس ریتی کی طرح حلق کو کاٹتی ہے ۔ آہ و فریاد کرنے والے ۔

میں وہ ہوں کہ مجھے لب نغمہ سرا نصیب نہیں ۔ میرا شمار آہ و فریاد کرنے والوں کے حلقے میں نہیں ہوتا ۔

محبت میں ضبط کرتا ہوں اور فغاں کو لب تک آنے نہیں دیتا ۔

خاموشم و در دل ز ملالم اثرے نیست
سرجوش گداز نفسم ، لاے ندارم

لغت : ''سر جوش'' = خم کے اوپر کی شراب جس میں جوش ہوتا ہے ۔

''لا'' = درد ، شراب کا میل جو نیچے بیٹھ جاتا ہے ۔

میں خاموش ہوں ، میرے دل میں حزن و ملال کا کوئی اثر نہیں ۔ میرا سانس ضبط سے گداز ہو چکا ہے میں اسی گداز نفس کا سر جوش ہوں ، اس میں تلچھٹ نہیں ۔

غم اور غم کے ہاتھوں فریاد کرنے کو ''لا'' یعنی درد کہا ہے ۔
اس شعر میں بھی ضبط نفس اور وسعت قلب کا ذکر کیا گیا ہے ۔
عاشق کو سخت ترین واردات محبت سے سابقہ پڑتا ہے لیکن انتہائی ضبط سے کام لیتا ہے اور اپنے جذبات کو فریادوں سے آلودہ نہیں کرتا ۔

خود رشتہ زند موج گہر، گرچہ من اکنوں
جز رعشہ بدست گہر آماے ندارم

لغت : ''دست گہر آماے'' = موتی پرونے والا ہاتھ ۔ ''موج گہر''

موتیوں کی آب و تاب ۔

"رعشہ" = لرزۂ بدن ۔

اگرچہ اب میرے موتی پرونے والے ہاتھوں میں سوائے رعشے کے اور کچھ نہیں ۔ پھر بھی موتیوں کی چمک (کی لہر) خود بخود ان سوتیوں میں دھاگا ڈال رہی ہے ۔

بڑھاپا ہے اور اعضا مضمحل ہو چکے ہیں اور جسم پر رعشہ طاری ہے پھر بھی افکار کے تابدار موتی ذہن میں چمک رہے ہیں ۔

لرزد ز فرو ریختنش خامہ در انشا
آں نیست کہ حرفے جگر آلاے ندارم

"جگر آلا" = خون جگر سے آلودہ ۔ "حرف جگر آلا" ۔ غم انگیز اور المناک باتیں (شعر) ۔ یہ بات نہیں کہ (میرے دل میں) اندوہ گیں افکار نہیں ہیں یا اُن کے اظہار کے لیے المناک الفاظ کی کمی ہے ، بلکہ لکھتے وقت ان خیالات کے اظہار (ٹپکنے) سے قلم کانپ جاتا ہے ۔

بگذار کہ از راہ نشینان تو باشم
پائے کہ بود مرحلہ پیمائے ندارم

اب مجھے اپنے راہ نشینوں میں بیٹھنے دے ۔ اب میرے پاؤں میں اتنی سکت نہیں کہ تیری رہ محبت میں مرحلہ پیمائی کروں (مرحلے پہ مرحلے طے کروں) ۔

ناز تو فراواں بود و صبر من اندک
تو دست و دلے داری و من پاے ندارم

عاشق اب مضمحل ہو چکا ہے اس میں نہ وہ صبر و شکیب ہے نہ پائے استقلال لیکن محبوب کی ناز آفرینیاں بدستور قائم ہیں اور ان میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے ۔

خاشاک مرا تاب شرز چہرہ فروز است
در جلوہ سپاس از چمن آرائے ندارم

میرا جسم نزار راکھ ہو چکا ہے (لیکن اس میں ابھی محبت کے شرر موجود ہیں) اور اس تاب شرر سے میری خس و خاشاک میں چمک ہے ۔ میں اس سلسلے میں چمن آرائے جہاں کا احسان مند نہیں ۔

یعنی رونق تب و تاب عشق ابدی اور غیر فانی ہے اور بدستور قائم ہے ۔

بے بادہ خجالت کشم از باد بہاری
صبح است و دم غالیہ اندائے ندارم

لغت : ''دم غالیہ اندا'' = معطر سانس ۔

بہار آئی ہے ، صبح کا عالم ہے ، پھول کھلے ہیں ، خوشبوئیں مہک رہی ہیں ، ہر طرف بہار کا خیر مقدم ہو رہا ہے لیکن میں بہار سے شرمسار ہوں کہ اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا اس لئے کہ افسردہ خاطر ہوں اور بغیر شراب کے خمار زدہ ہوں ، شراب کے

کے بغیر میرا سانس معطر ہو تو کیسے؟

واعظ دم گیراے خود آرد بمصافم
گوئی دل خود کامۂ خودراے ندارم

لغت: ''دم گیرا'' = رکا ہوا سانس ---- ''بمصاف آمدہ است'' = مجھ سے الجھنے کے لیے آیا ہے۔

''گوئی کہ'' گویا کہ۔

واعظ اپنا رکا ہوا، اکھڑا ہوا سانس لے کر (یوں) مجھ سے الجھنے کے لیے آیا ہے گویا کہ مجھ میں اپنا پختہ ارادہ اور عقیدہ نہیں ہے۔

واعظ سمجھانے کے لیے آیا لیکن اس کا اپنا یہ حال ہے کہ خود اس کا عقیدہ متزلزل ہے کہ بات کرتا ہے تو زبان لڑکھڑاتی ہے۔ وہ مجھے کیا سمجھائے گا:

حضرت واعظ گر آئیں دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجائیں گے کیا

غالب سرو کارم بگدائی بہ کریم است
گروایۂ من دیر رسد، واے ندارم

غالب میں اپنے مقصد اور خواہش کو پورا کرنے کے لیے ایسی ذات سے بھیک مانگتا ہوں جو بڑا کریم ہے۔ اگر میرے حصول مقصد میں دیر لگے تو میں ہائے وائے نہیں کرتا (واے ندارم)۔ یعنی میں جانتا ہوں کہ میری احتیاج پوری ہونے میں دیر لگے تو

مضائقہ نہیں ، یہ التماس یقیناً پوری ہوگی ۔ بے تاب ہو کر افسوس کرنے کی کیا ضرورت ۔

''وایہ اور وائے'' کے الفاظ میں تجنیس زائد ہے ۔

غزل نمبر ۳۱

در وصل دل آزاری اغیار ندانم
دانند که من دیده ز دیدار ندانم

میں عالم وصل میں ایسا کھو جاتا ہوں کہ مجھے احساس ہی نہیں ہوتا اس سے اغیار کی دل آزادی ہوگی ۔ سب جانتے ہیں کہ میں انکھوں میں اور جلوۂ دوست میں کوئی فرق نہیں سمجھتا ۔

عاشق وصل کی سرشاری میں اتنا مستغرق (فنا فی النظارہ) ہو جاتا ہے کہ اس کی محویت اسے فرصت نہیں دیتی کہ رقیبوں کی دل آزاری تو درکنار اپنے آن کا احساس بھی ہو ۔

طعنم نسزد ، مرگ ز هجران نشناسم
اشکم نگزد ، خویشتن از یار ندانم

(مجھے فراق زدہ ہونے کا طعنہ نہ دو) میں طعنے کا سزاوار نہیں کیونکہ میں فراق اور موت میں فرق نہیں سمجھتا ، وصل میں مجھے رشک نہیں ستاتا کیونکہ میں اپنے میں اور محبوب میں امتیاز نہیں کرتا ۔

یعنی وصال میں مجھے کوئی جذبۂ رشک نہیں ستاتا کہ محبوب کا

دھیان رقیب کی طرف نہ ہو ۔

پرسد سبب بے خودی از مہر ومن از بیم
در عذر بخوں غلطم و گفتار ندانم

محبوب از راہ کرم میری بے خودی کا سبب پوچھتا ہے اور میں خوف کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں سکتا اور معذرت کے طور پر خوں میں غلطاں ہو جاتا ہوں اور زباں پر کوئی بات نہیں لاتا ۔

محبوب کے آنے سے عاشق پر بے خودی طاری ہو جاتی ہے اور محبوب محبت سے اُس بے خودی کی وجہ پوچھتا ہے تو عاشق میں یارائے گفتار نہیں ۔ اس پرسش احوال کی مدت ہی کتنی ہے اس لیے معذرت کرتا ہے اور وہ بھی جنبش لب سے نہیں بلکہ بے تابی سے یعنی تڑپ کر اور خون میں لوٹ لوٹ کر ۔

بوسم بخیالش لب وچون تازہ کند جور
از سادگی اش بے سبب آزار ندانم

''از سادگیش'' میں ش کا مفہوم ''کو'' کاہے یعنی ش مفعولی ہے اور اس کا مطلب ہے ''سادگی سے اُس کو'' ۔

میں خیال ہی خیال میں اُس کے لبوں کو چومتا ہوں اور جب (بلا وجہ) وہ کوئی تازہ ستم ڈھاتا ہے تو میں سادگی سے اُسے بے سبب آزار دینے والا خیال نہیں کرتا ۔

یعنی میری سادگی کا یہ عالم ہے کہ خیال میں بھی محبوب کے لبوں کو بوسہ دینا ایک طرح کی گستاخی سمجھتا ہوں ۔ اس لیے میں اُس جور و ستم کا مستحق ہوں ۔

اس شعر میں معاملہ بندی اور نازک خیالی کا پہلو بہت نمایاں ہے ۔

هر خوں که فشاند مژه در دل فتدم باز
خود را به غم دوست زیاں کار ندانم

میں غم دوست میں اپنے کو زیاں کار (نقصان اُٹھانے والا) نہیں سمجھتا اس لیے کہ میری پلکیں جو خون ٹپکاتی ہیں وہ پھر میرے دل میں آ گرتا ہے ۔

ایک طوفان اشک کے بعد دوسرا سیلاب اشک اُبھرتا ہے ، یوں محسوس ہوتا ہے کہ جو آنسو ہم نے بہائے تھے وہ ہم نے سمیٹ کر دل میں ڈال لیے ہیں ۔

آویزش جعد از تہِ چادر بُردم دل
آشفتگیِ طُرّه بدستار ندانم

میں دستار میں طرہ پریشاں کو نہیں جانتا ۔ میرا دل تو محبوبہ کی چٹیا نے (جعد) چھین لیا ہے جو نقاب (برقعے) میں ہے ۔

بوے جگرم میدہد از خون سر هر خار
شد پائے که در راه وے افگار ندانم

ہر کانٹے سے جو خون لگا ہوا ہے اس سے میرے جگر کی بو آ رہی ہے ۔ اُس کی راہ میں کس کا پاؤں زخمی ہوا ہے یہ مجھے معلوم نہیں ۔

زخم جگرم بخیه و مرہم نه پسندم
موج گہرم ، جنبش و رفتار ندانم

میں زخم جگر ہوں ، بخیہ اور مرہم کو پسند نہیں کرتا ، میں آب گوہر کی موج ہوں ، حرکت و رفتار کو نہیں جانتا ۔ یعنی ''جس طرح زخم جگر تک بخیہ و مرہم کی رسائی نہیں اور آب گہر کی موج میں جنبش رفتار نہیں ، ایسا ہی میرا حال ہے کسی کو میرے درد کی خبر نہیں ، نہ ہی میرے کمال کی اطلاع ہے ۔'' (حالی)

نقد خردم سکۂ سلطان نپذیرم
جنس ہنرم گرمی بازار ندانم

میں عقل و خرد کا سرمایہ ہوں ، سکۂ سلطان کو قبول نہیں کرتا ، میں جنس ہنر ہوں مجھے گرمی بازار کی حاجت نہیں ۔

عقل و خرد کے سرمائے کو دولت سے خریدا نہیں جا سکتا اور جنس کی قدر شناسی نہیں ہوتی ۔ جنس ، ہنر ، نقد ، سکہ ، گرمی بازار سب الفاظ باہم ایک موضوع سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اس میں صنعت مراعاۃ النظیر ہے ۔

غالب نبود کوتہی از دوست بہانا
ز آں ساں دہدم کام که بسیار ندانم

لغت : ''کام'' = خواہش ، حاجت ۔

''ز آں ساں دہدم کام= میری اس طرح حاجت روائی کرتا ہے ۔
غالب ! دوست سے کسی بارے میں کوتاہی نہیں ہوتی ۔

وہ میری اس طرح حاجت روائی کرتا ہے کہ مجھے یقیناً یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ مجھے اتنا زیادہ دیا ہے ۔

غزل نمبر ۳۲

در ہر انجام محبت طرح آغاز افگنم
مہر بردارم ازو تاہم بر او باز افگنم

میں ہر انجام محبت پر (ایک نئے) آغاز محبت کی بنیاد رکھتا ہوں ۔ میں اُس سے محبت منقطع کرتا ہوں تا کہ پھر ایک بار اسی سے محبت کر سکوں ۔

در ہوائے قتل سر بر آستانش می نہم
تا بلوح مدعا نقش خدا ساز افگنم

لغت : ''ہوائے قتل'' = قتل ہونے کی خواہش ۔

''نقش خدا ساز'' = وہ چیز جو لوح محفوظ پر نقش ہو چکی ہے ۔ مقدر ۔

میرے نصیبے میں یہ بات مقدر ہو چکی ہے کہ محبوب کے ہاتھوں میرا خون بہے ۔ چنانچہ منشائے خداوندی کو پورا کرنے کے لیے میں آستانۂ محبوب پر سر جھکاتا ہوں ۔

لاف پرکاری است صبر روستائی شیوه را
خواهمش کاندر سواد اعظم ناز افگنم

لغت : ''پرکاری'' = ہشیاری - ''روستائی شیوہ'' = گنواروں کا سا طور طریقہ رکھنے والا -

''سواد اعظم'' = بڑا شہر - جس طرح غالب امنگوں اور آرزوؤں کے ہجوم کی وجہ سے دل کو ''یک شہر آرزو'' کہتا ہے اسی طرح ناز وادا اور کرشمہ و غمزۂ دوست کو ''سواد اعظم دوست'' کہا ہے - ہجوم ناز پہ صبر ایک گنوار ہے اسے ہشیاری کا دعویٰ ہے (اور یہ عاشقی کے منافی ہے) - میں چاہتا ہوں اسے محبوب کے ہجوم ناز میں لا کر رکھ دوں تاکہ اس کی ہوشمندی کے سارے دعوے باطل ہو جائیں اور پھر آداب عاشقی سے آگہی بھی حاصل ہو :

دلے کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ است
ز عشق تابہ صبوری ہزار فرسنگ است (سعدی)

صعوۂ من ہرزہ پرواز است، بوکز فرط مہر
بے خبر در آشیان چنگل باز افگنم

لغت : ''صعوہ'' = ممولا - - - - ''بو'' = بود کا مخفف -

میرا ممولا سا دل یونہی بے ہودہ اڑتا رہتا ہے - ہو سکتا ہے میں بڑے پیارے سے اسے کسی دن عالم بے خبری میں باز کے پنجے میں ڈال دوں -

بے زبانم کردہ ذوق التفات تازۂ
لاجرم شغل وکالت را بہ غماز افگنم

جب تک محبوب کا التفات نہ تھا دل میں طرح طرح کی باتیں لیے بیٹھے تھے - جب دوست نے نظر التفات سے دیکھا تو سب شکوے خاموش رہ گئے -

اب یہ کام ہم نے اپنے حریف کے سپرد کر دیا ہے -

مردم از افسردگی ہنگام آں آمد کہ باز
رستخیزے در دل از خوں کردہ بگداز افگنم

میں افسردگی سے مرا جا رہا ہوں اب پھر وہ وقت آ گیا ہے کہ خون سے دل میں قیامت بپا کرکے اسے پگھلا دوں (تا کہ یہ افسردگی کا عالم دور ہو جائے) -

حرارت عشق کے بغیر زندگی بے کیف ہوتی - ہے شاعر چاہتا ہے کہ یہ گرمی عشق پھر پیدا ہو جائے یہ شعر مرزا غالب کی اس مسلسل غزل کو یاد دلاتا ہے جس کا یہ مطلع ہے:

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوش قدح بزم چراغاں کیے ہوئے

ہر قدر کز حسرت آبم در دہن گردد ہمے
ہم ز استغنا بروے بخت ناساز افگنم

حسرت و ارمان کے باعث جو پانی میرے منہ میں آتا ہے

وہ بھی میں اپنی شان بے نیازی کو قائم رکھتے ہوئے اپنے بخت ناساز پر ڈال دیتا ہوں ۔

ہم زبانم باظہوری مطلعے کو تا زشوق
با جرس در نالہ آوازے بر آواز افگنم

''سبک ہندی'' جو نظیری ، عرفی اور ظہوری کی کوششوں سے وجود میں آیا ، غالب اس سے بہت متاثر ہوا تھا ۔ چنانچہ ظہوری کے فیض کا اکثر اعتراف کرتا ہے ۔ وہ ظہوری کو شعرا ادب کے کاروان کا قافلہ سالار سمجھتا ہے جرس کارواں اُس کا نغمہ ہے چنانچہ کہتا ہے :

میں ظہوری کا ہم زبان ہوں (یہ غزل ظہوری کی زمین کہی ہے) ۔ چاہتا ہوں کہ ظہوری کی غزل کے مطلع پر میں بھی غزل کہوں اور اُس کی ہمنوائی کا شرف حاصل کروں ۔

گویا وہ اس ذوق و شوق میں ظہوری کے کاروان کے جرس کی آواز پر آواز پیدا کر رہا ہے ۔

نامہ بر گُم شد، در آتش نامہ را باز افگنم
چون کبوتر نیست طاؤسے بہ پرواز افگنم

کبوتروں کے ذریعے خط بھیجے جاتے تھے ۔

خط کو نذر آتش کرنے کو پرواز طاؤس (مور) سے تشبیہ دی ہے ۔

نامہ بر نہیں ملتا ، میں خط کو آگ میں ڈال رہا ہوں ۔ چونکہ کبوتر نہیں اس لیے طاؤس ہی کو اڑا رہا ہوں ۔

از نمک جاں در تن طرز نکویاں کردہ ام
زیں سپس در مغز دعوی شور اعجاز افگنم

لغت : ''طرز نکویاں'' = خوش کلام شعرا کا اسلوب بیان ۔

میں نے خوش گو شعرا کے اسلوب بیان میں اپنے کلام کی نمکینی سے نئی روح پھونک دی ہے میرے اشعار معجزہ ہیں ، میں ان کے ذریعے دعوائے شاعری میں ہنگامہ پیدا کر دوں گا ۔

رنجہ دارد صورت اندیشہ یاراں مرا
مفت من کائینۂ خود را ز پرواز افگنم

ترک صحبت کردم و در بند تکمیل خودم
نغمہ ام جاں گشت خواہم در تن ساز افگنم

میں نے یاران طریقت کی صحبت چھوڑ دی ہے اب میں اپنی تکمیل کی فکر میں ہوں ۔ میرے نغمے سرتاپا روح بن گئے ہیں میں چاہتا ہوں انہیں ساز کے جسم میں ڈال دوں تاکہ ان نغموں کو سن کر سب مستفید ہوں ۔

تا زدود اهل نظر چشمے توانند آب داد
رخنہ در دیوار آتش خانۂ راز افگنم

میں آتش خانۂ راز کی دیوار میں شگاف کر رہا ہوں تاکہ اس میں سے جو دھواں باہر آئے اہل نظر اس سے اپنی آنکھوں کو روشن کر لیں ۔

شاعر اپنے دل و دماغ کو آتش خانۂ راز کہتا ہے جس میں ایسے افکار پوشیدہ ہیں جنھیں فلسفۂ حیات کہا جا سکتا ہے۔

بگسلم بند و دہم اوراق دیوان را بباد
خیل طوطی اندریں گلشن به پرواز افگنم

لغت : ''بباد دادن'' = نذر ہوا کرنا۔ (برباد کرنا)۔

میں اپنے دیوان کا شیرازہ توڑ کر اوراق دیوان کو ہوا کی نذر کرتا ہوں۔ طوطیوں کے لشکر کو اس باغ میں اڑاتا ہوں۔

گویا اوراق شعر، خوشنوا پرندوں کی طرح ہوا میں پرواز کریں گے کیونکہ ان اوراق میں نغمات شعر ہیں۔

غالب از آب و هوائے ہند بسمل گشت نطق
خیز تا خود را باصفاهان و شیراز افگنم

غالب! ہند کی آب و ہوا (فضا) میں رہ کر قوت گویائی بسمل ہوئی جاتی ہے اٹھ کہ اصفاہان اور شیراز کا رخ کریں۔

یہاں تو بلند شعر گوئی کی داد تو اہل اصفاہان و شیراز ہی دے سکتے ہیں۔

ردیف ن

غزل نمبر ۱

اے ز ساز زنجیرم در جنوں نوا گرکن
بند گر بدیں ذوق است پارۂ گراں ترکن

(یہ ساری کی ساری غزل خدائے تعالیٰ کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہے اور اس میں مرزا غالب نے اپنے دکھوں کا اظہار بڑی بے باکی سے کیا ہے۔ لیکن اس بے باکی اور بظاہر گستاخی کی تہ میں انتہائی عجز و انکسار اور غایت درجہ خلوص اور پیار پایا جاتا ہے۔)

اس شعر میں کن کا لفظ جو فعل امر ہے ردیف کے طور پر آیا ہے لیکن پہلے مصرعے میں وہ فعل امر کے معنی نہیں دیتا بلکہ وہ «نواگر کن» کے مرکب کا ایک جز ہے۔

نواگر کے معنی فریادی یا فریاد کرنے والا۔ «نواگر کن» اسم فاعل ترکیبی ہے اور فاعلی معنی دے رہا ہے۔ یعنی فریادی بنانے والا۔ مراد خدائے پاک سے ہے جس نے شاعر کو جنون شوق عطا کر کے فریاد پر آمادہ کر رکھا ہے۔

قاعدہ ہے کہ دیوانے کو عالم دیوانگی میں زنجیریں پہنا دی جاتی ہیں، ان زنجیروں کی جھنکار سے جو آواز ابھرتی ہے اسے شاعر نے ''نوا'' سے تعبیر کیا ہے اور یہ لفظ فریاد اور نغمہ دونوں کا مفہوم دیتا ہے شاعر نے اس اعتبار سے زنجیر کو ایک ساز تصور کر کے ساز زنجیر کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

کہتا ہے اے کہ تو نے مجھے جنون شوق عطا کیا ہے اور زنجیروں سے نغمے ابھر رہے ہیں اور ان نغموں میں خاص کیف ہے

اگر یہ زنجیر (بند) اتنی ہی پر ذوق ہے تو اس زنجیر میں تھوڑا سا اور اضافہ کر دے -

گویا زنجیر میں چند حلقے اور بڑھ جائیں گے تو وہ بھاری بھی ہو جائے گی اور جنون شوق کی شدت کو روکنے میں مدد دے گی اور اس سے دیوانگی کا جوش اور اُبھرے گا اور اس سے مزید کیفیت انگیز نغمے اُبھریں گے -

شاعر کے شعر کیا ہیں نغمات عشق ہیں -

اس شعر میں گراں کا لفظ بڑا ذومعنی واقع ہوا ہے جو اہل ذوق سے پوشیدہ نہیں -

فیض عیش نوروزی جاودانہ خوش باشد
روز من ز تاریکی باشبم برابر کن

لغت : ''نوروز'' = ایرانیوں کے یہاں نوروز سال کا پہلا دن ہوتا ہے جس کے لیے وہ جشن نوروز بھی مناتے ہیں - شعر میں ''عیشِ نوروزی'' ''خوشی کا دن'' کے مفہوم میں آیا ہے - شاعر غمگین ہے اور غم کے باعث اس کا دن بھی رات کی طرح تاریک ہے لیکن اس میں اُسے راحت ملتی ہے کہتا ہے -

عیش نوروزی ہمیشہ جاری رہے تو اچھا لگتا ہے ، اے خدا میرے دن کو (میری) رات کا ہمسر بنا دے یعنی وہ سیاہی میں رات کی طرح ہو جائے تو مزہ ہے -

ز آنچہ دل ز ہم پا شد لب چہ طرف بر بندد
یا مجال گفتن دہ یا نہ گفتہ باور کن

جو کچھ میرے دل سے اُبھرتا ہے (ز ہم پا شد) لب اس سے

کیسے نمٹ سکتا ہے یعنی اُس سے کیسے عہدہ برآ ہو سکتا ہے؟۔
اے خدایا تو بات کہنے کی مجال عطا کر یا جو کچھ میں نہیں
کہتا اُس کا بن کہے ہی اعتبار کر لے ۔

انسان اگر اپنا دکھ بیان نہ کر سکے تو کیا ہے ۔ خدا تو دلوں
کے راز جانتا ہے اُسے خود فریاد رسی کرنی چاہیے ۔

در رسائی سعیم عقد ها پیاپے زن
در روانی کارم فتنه ها شناور کن

رسائی سعی سے کوشش کی پہنچ مراد ہے کہ کوشش کہاں
تک کامیاب ہوتی ہے ۔ کہتا ہے کہ میری کوشش کی راہ میں رکاوٹیں
ڈالتا چلا جا ، یعنی مسلسل اُلجھنیں پیدا کر اور میرے کاموں
کی روانی میں وہ زور پیدا کر کہ اس میں فتنے تیرنے لگیں ۔

اے که از تو می آید خس شرر فشان کردن
زخم را ز خونابش بخیه را پر آذر کن

لغت : ''آذر'' = آگ ۔

تو تو ایک تنکے کو بھی شرر فشانی عطا کرتا ہے ۔ میرے
زخموں سے جو خون برستا ہے اُسے اتنا آتشیں بنا دے کہ اُس سے
میرے زخم کی بخیے جل جائیں ۔

یعنی زخموں کے اندمال اور اُن کے اچھے ہونے کی کوئی
صورت باقی نہ رہے ۔

خوے سر کشم دادی عجز رشک نپسندم
سینهٔ من از گرمی تابهٔ سمندر کن

لغت : ''تابہ'' = توا ۔

تو نے مجھے خوے سرکش دی ہے میں کسی طرح کے رشک کی عاجزانہ حالت کو گوارا نہیں کر سکتا میرے سینے کو اتنا گرما دے کہ وہ سمندر کے لیے تپتا ہوا توا بن جائے۔

کہتا ہے کہ سمندر آگ میں رہتا ہے اور نہیں جلتا ، میں بھی غم کی آگ میں زندگی بسر کر رہا ہوں لیکن میں اس رشک کو گوارا نہیں کر سکتا۔ میرے سینے میں وہ شعلے بھڑکا کہ اس سے سمندر بھی جل جائے۔

''کُن'' بپارسی گفتی ساز مدعا کردم
ہم بخویش در تازی گفتہ را مکرر کن

لغت: ''کن'' فارسی مصدر کردن سے فعل امر ہے یعنی ''کر'' اور عربی کی حالت میں مصدر ''کون'' سے بھی فعل امر ہے جس کا مطلب ہے ''ہو جا''۔

تو نے فارسی زبان میں ''کر'' کا لفظ ارشاد فرمایا میں نے ساز مدعا یعنی خواہشوں کا ساز و سامان فراہم کر لیا (اور دل میں آرزوؤں کا طوفان بپا کر لیا ان آرزوؤں کو پورا کرنے کی کوئی صورت ہونی چاہیے) اب تو خود ہی عربی (تازی) میں ''کن'' یعنی ہو جا کا لفظ کہہ دے تا کہ ہماری یہ خواہشات پوری ہو سکیں۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات کی نعمتوں سے تو نوازا لیکن انسانی خواہشات اتنی زیادہ ہیں کہ ان کے پورا ہونے کا امکان نہیں سوائے اس کے کہ قدرت خود ہی ان سے تمتع حاصل کرنے کا سامان بھی پیدا کرے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان و لیکن پھر بھی کم نکلے

زین درونه کاوی ها گوهرم بکف نامد
خدمتے معین شد ، آجرتے مقرر کن

لغت : ''درونہ کاوی'' = سینہ کاوی ، ایک فنکار شاعر کی ذہنی کاوش ۔

کہتا ہے کہ میں نے دل و دماغ کو بہت کریدا لیکن اس کاوش سے مجھے کوئی موتی ہاتھ نہ لگا ۔

تو نے ایک خدمت تو مجھے سونپ دی (معین کر دی) اب اس خدمت کی کوئی آجرت بھی مقرر کر دے ۔

از درون روانم را در سپاس خویش آور
وز برون زبانم را شکوہ سنج اختر کن

(اے خدا یہ توفیق عطا فرما کہ) میری روح اندر سے تیری سپاس گزار ہو اور زبان ظاہرا ، (تیرا شکوہ نہیں) بلکہ بد بخت ستاروں کا ۔

یعنی میرا دل تیرا شکر گزار ہے اگر زبان پر کوئی حرف شکایت آتا بھی ہے تو اس میں تجھ سے گلہ نہیں ہوتا بلکہ اپنے منحوس ستارۂ قسمت کا ۔

بخشش خدا وندی گر فرا خور ظرف است
ہم بہ ہوش بیشی دہ ، ہم بہ مے تونگر کن

لغت : ''فرا خور ظرف'' = ظرف اور حوصلے کے مناسب ۔
''تونگر'' ۔ مالا مال ۔

اگر تیری بخشش (خدائی بخشش) انسان کے ظرف کے مطابق ہے تو میرے ہوش میں اضافہ بھی کرتا چلا جا اور ساتھ ہی شراب سے زیادہ نوازنے کا سامان بھی مہیا کر۔

یعنی شراب سے مالا مال کر دے لیکن ایسی صورت ہو کہ خم پہ خم بھی پیوں تو نشہ نہ ہونے پائے اور ہوش برقرار رہے۔

بہر خویشتن غالب هستئ تراشید است
قهرمان وحدت را درمیانه داور کن

لغت: ''قہرمان'' = غالب اور قاہر حاکم و فرماں روا ۔۔۔۔
''داور'' = منصف ، عادل ۔

غالب نے اپنے لیے ایک وجود تراش لیا ہے ۔ اپنی شان توحید کے جلال کو اس بارے میں منصف بنا لے (کہ غالب کا یہ دعویٰ کس حد تک صحیح ہے)۔

غزل نمبر ۲

مولانا حالی ''یادگار غالب'' میں لکھتے ہیں:

''ذیل کی غزل نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے مکان پر جو مشاعرہ ہوتا تھا ، اس میں پڑھی گئی تھی ۔ چونکہ دلی کے تمام نامور شعرا کا جو وہاں فارسی غزلیں لکھ کر لے جاتے تھے ، مرزا نے اس غزل میں ذکر کیا ہے اور غزل بھی نہایت فصیح ہے اس لیے بطور یادگار ساری غزل یہاں نقل کی جاتی ہے ۔''

ها پری شیوہ غزالاں و ز مردم رم شاں
دل مردم بخم طرۂ خم در خم شاں

لغت : "ہا" = کلمۂ تحسین ہے ۔ یعنی زہے ، کیا خوب!

کیا کہنے ان پری شیوہ غزالوں کے اور لوگوں سے ان کے اس فرار کے ۔ لوگوں کے دل ان کی خم در خم زلفوں میں اٹکے ہوئے ہیں ۔ (اور وہ بے نیازانہ آن سے دور رہتے ہیں) ۔

کافران اند جہاں جوے کہ ہرگز نبود
طرۂ حور دل آویز تر از پرچم شاں

یہ وہ محبوبان جہاں جو ہیں کہ جن کے گیسو حوروں کی زلفوں سے کہیں زیادہ دل آویز ہیں ۔

آشکارا کش و بد نام و نکو نامی جو
آہ ازیں طائفہ و انکس کہ بوَد محرم شاں

یہ لوگوں کو علانیہ ہلاک کر رہے ہیں ، اور اس سلسلے میں بد نام ہیں اور پھر بھی اپنی نیک نامی چاہتے ہیں ۔ توبہ کیا ظالم ہیں یہ لوگ اور کیا مظلوم ہیں وہ جن کا ان سے واسطہ پڑا ہے ۔

رشک بر تشنۂ تنہا روِ وادی دارم
نہ بر آسودہ دلانِ حرم و زمزم شاں

لغت : "آسودہ دلان حرم" = حرم میں آسودگی اور آرام سے رہنے والے جہاں انھیں آب زمزم نصیب ہوتا ہے ۔ کہتا ہے مجھے

حرم کے آسودہ دلوں اور اُن کے آب زمزم پہ رشک نہیں آتا بلکہ اُس پر رشک آتا ہے جو وادی میں تنہا اور پیاسا چلا جا رہا ہے -

بگذر از خستہ دلانے کہ ندانی ، ہشدار
خستگانند کہ دانی و نداری غم شان

''یعنی اُن مصیبت زدوں کو جانے دے جن کو تو نہیں جانتا مگر خبردار رہ کہ بہت سے ایسے آفت زدہ ہیں جن کو تو جانتا ہے مگر اُن کا کچھ غم تجھ کو نہیں'' (حالی)

داغ خوں گرمی ایں چارہ گرانم ، دانی
آتش است آگر پنبہ وگر مرہم شان

لغت : ''خوں گرمی'' = محبت کی گرم جوشی -

ان چارہ گروں کی محبت اور ہمدردی کی گرمی نے مجھے جلا دیا ہے - تو جانتا ہے کہ یہ میرے زخموں پر مرہم لگائیں یا روئی رکھیں ، دونوں آگ ہیں آگ -

یعنی ان چارہ گروں کی چارہ سازی بھی آگ کا کام دیتی ہے -

اے کہ راندی سخن از نکتہ سرایان عجم
چہ بما منت بسیار نہی از کم شان

لغت : ''نکتہ سرایان عجم'' = ایران کے نکتہ گو شاعر -

اے کہ تونے ایرانی شعرا کی بات کی ہے ، تو (اس بات سے)

آن معدودے چند (کم) شخصیتوں سے ہم پر زیادہ احسان دھرنے کی کیا کوشش کر رہا ہے ۔ یعنی چیدہ چیدہ ہستیوں کا تذکرہ کر کے آن کی عظمت کو زیادہ اجاگر کیا جا رہا ہے گویا ہمارے دیس میں ایسی ہستیوں کی تعداد کم ہے ۔

ہند را خوش نفسانند سخنور کہ بوَد
باد در خلوت شاں مشکفشاں از دم شاں

مومن و نیّر و صہبائی و علوی وانگاہ
حسرتی اشرف و آرزدہ بوَد اعظمِ شاں

ہند میں ایسے ایسے خوشگو (خوش نفس) شعرا ہیں کہ آن کے معطر سانس سے ہوا آن کی خلوت کو مشکفشاں کر دیتی ہے ۔ آن میں مومن ہیں ، نیّر ، صہبائی اور علوی ہیں اور پھر انہی میں حسرتی اور آزردہ بلند مرتبہ اعلی پایہ شاعر بھی ہیں ۔

مولانا حالی اس جگہ ان باکمال ہستیوں کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

مومن یعنی حکیم مومن خاں جن کا دیوان آردو اور فارسی دونوں زبانوں میں موجود ہیں ۔ نیّر یعنی نواب ضیاءالدین احمد خاں رئیس لوہار و جن کا کلام دونوں زبانوں میں بقدر معتدبہ موجود ہے مگر کوئی دیوان مرتب نہیں ہوا ۔ صہبائی مولانا امام بخش صہبائی جن کی نظم و نثر فارسی اور دیگر رسائل اور شروح تین جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں ۔ علوی مولانا عبداللہ خاں علوی آستاد مولانا صہبائی جن کی نظم و نثر فارسی چھپ چکی ہے اور عربی میں

بھی اُن کے قصائد موجود ہیں ۔ حسرتی ، نواب مصطفیٰ خاں رئیس جہانگیر آباد ، جن کے دیوان اُردو و فارسی دونوں زبانوں میں چھپ چکے ہیں اور اس کے سوا ''سفر نامہ حج'' تذکرۂ گلشن بے خار'' اور رقعات فارسی بھی اُن کی تصانیف سے شائع ہو چکی ہیں ۔ آزردہ مفتی محمد صدرالدین خاں آزردہ جن کا کلام اُردو ، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں موجود تھا مگر افسوس اُس میں سے بہت کچھ ضائع ہو گیا ہے لیکن بعض مذہبی رسالے جو اُن سے یادگار ہیں شائع ہو چکے ہیں ۔

غالبِ سوختہ جاں گرچہ نیرزد بشمار
ہست در بزم سخن ہمنفس و ہمدم شاں

اگرچہ غالب سوختہ جاں کسی شمار کے قابل نہیں تاہم بزم شعر میں ان بزرگوں کا ہمنفس اور ہمدم ہے ۔

غزل نمبر ۳

جنونِ مستم بہ فصلِ نو بہارم می تواں کشتن
صراحی بر کف و گل در کنارم می تواں کشتن

میں مست جنوں ہوں ، مجھے موسم بہار میں مارا جا سکتا ہے اس عالم میں کہ صراحی ہتھیلی پر ہو اور پھول میرے آغوش میں ہوں ۔

فصل گل آنے پر جنوں زور پکڑتا ہے کہتا ہے کہ اگر بہار

اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ آئے اور مے کی فراوانی ہو اور محبوب آغوش میں ہو تو میں اپنی جان قربان کر دوں ۔

گرفتم کے بشرع ناز زارم می تواں کشتن
به فتوائے دل امیدوارم می تواں کشتن

لغت : ''گرفتم'' محاورہ آیا ہے ، یعنی میں نے مان لیا ، تسلیم کر لیا ۔

میں نے مان لیا کہ مجھے ناز حسن کی شرع کی رو سے کب قتل کیا جا سکتا ہے ۔ وہ یہ کہ (اس قتل کا) فتویٰ میرے دل امیدوار سے لیا جائے ۔

یعنی ناز حسن پر جان قربان کرنے کا جواز یہ ہے کہ میرا اپنا دل اس کی امید لگائے بیٹھا ہے ۔

بجرم این که در مستی بپایاں بردہ‌ام عمرے
بکوئے مے فروشاں در خمارم می تواں کشتن

اس پاداش (جرم) میں کہ میں نے ساری زندگی مستی ہی میں گزاری ہے مجھے مے فروشوں کے کوچے میں خمار کی حالت میں مار دیا جائے ۔

ایک ایسے مے خوار کے لیے جو عمر بھر نشے کا عادی رہا ہو ، خمار کی حالت موت ہی ہوتی ہے اور اس کی سزا بھی یہی ہے ۔

به هجران زیستن کفر است خونم را دیت نبود
چراغ صبحگاهم ، آشکارم می توان کشتن

لغت : ''چراغ کشتن'' = چراغ بجھانا ۔

فراق میں جینا کفر ہے ، اور میرے قتل کا خوں بہا کچھ نہیں ۔ میں چراغ صبح گاہی ہوں مجھے (چھپ کر نہیں) علی الاعلان مارا جا سکتا ہے ۔

صبح کے وقت شمع کو بجھا دیا جاتا ہے ، بجھنا گویا اُس کی موت ہے اور اس موت کے لیے شمع کو کوئی خونبہا نہیں ملتا اسی طرح فراق زدہ عاشق اگر مار دیا جائے تو اُس کا خونبہا کچھ نہیں ہوگا ، کیونکہ اس کی زندگی موت کے مترادف ہے ۔

تغافل ہاے یارم زندہ دارد ورنہ در بزمش
به جرم گریۂ بے اختیارم می توان کشتن

لغت : ''تغافل'' = بناوٹی غفلت ۔

محبوب عاشق کی حالت سے غافل نہیں ، صرف ظاہر کرتا ہے کہ غافل ہے اور عاشق اس انداز تغافل سے واقف ہے ۔

اسی لیے عاشق محبوب کی بے نیازی کے باوجود زندہ ہے ، ورنہ بزم محبوب میں بے اختیار رونے کی سزا یہ ہے کہ عاشق کو قتل کر دیا جائے ۔

جفا برچوں منے کم کن.که گر کشتن ہوس باشد
بذوق مژدۂ بوس و کنارم می توان کشتن

لغت : فارسی میں ''کم کن'' کے معنے ''مکن'' یعنی نہ کر

ہے -

میرے جیسے پر جفا نہ کر کیونکہ اس جفا سے مقصود مجھے مار ڈالنا ہے تو مجھے بوس و کنار کی خوشخبری دے کہ اس کی لذت سے بھی مارا جا سکتا ہے -

بیا برخاک من گر خود گل افشانی روا نبود
بباد دامنے شمع مزارم می توان کشتن

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ اگر میری قبر پہ تجھے پھول چڑھانا روا معلوم نہیں دیتا تو اپنے دامن کو ایک بار جھاڑ کر اس کی ہوا سے میری شمع مزار ہی بجھا دے -

معشوق تربت عاشق پر اگر پھول نہیں چڑھاتا تو ایسے بد نصیب عاشق کے مزار پر اگر شمع بھی نہ جلے تو مناسب ہے -

منت معذور دارم لیکن اے نا مہربان آخر
بدیں جان و دل امیدوارم می کشتن

لغت : ''منت معذور دارم'' = من ترا معذور دارم یعنی میں تجھے معذور سمجھتا ہوں -

کہتا ہے میں تجھے معذور جانتا ہوں لیکن اے نامہربان آخر مجھے امیدوار جان اور دل کی بنا پر ہی قتل کیا جا سکتا ہے -

یعنی میں قتل ہونے کی امیدیں باندھے بیٹھا ہوں اسی بہانے مار ڈال -

بخون من اگر ننگ است دست و خنجر آلودن
نوید وعدۂ کز انتظارم می تواں کشتن

معشوق سے کہتا ہے کہ اگر تجھے میرے خون سے اپنے ہاتھوں اور خنجر کو آلودہ کرنا گوارا نہیں (اور اسے اپنے لیے باعث ننگ خیال کرتا ہے) تو قتل کے وعدے کی کوئی خوشخبری ہی سنا دے کہ میں اس خوشخبری ہی سے جان دے سکتا ہوں۔

خدایا از عزیزان منت شیون که بر تابد
جدا از خان و ماں دور از دیارم می تواں کشتن

اے خدا (میرے مرنے پر) میرے عزیزوں کے نالہ و فریاد کی کون تاب لا سکے گا؟ بہتر ہے کہ مجھے گھر بار سے الگ اور وطن سے دور ہی موت آ جائے۔

غالب نے اردو کے ایک شعر میں اسی احساس کو یوں بیان کیا ہے:

مارا دیار غیر میں مجھ کو وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

پس از مردن اگر بهر من آسائش گماں داری
سرت گردم به تصدیع خمارم می تواں کشتن

اگر میرے مرنے کے بعد تجھے یہ گماں ہو کہ میں آسائش میں ہوں گا تو مجھے خمار سے کی حالت میں مار کہ اس سے مجھے کوئی آرام نصیب نہیں ہوگا بلکہ میں ایک پیہم دکھ میں مبتلا ہو

جاؤں گا ۔
گویا شراب نہ ملنے (یعنی خمار) کی حالت میں مرنا اک عذاب ابدی ہے ۔

گرفتم یار باشد بے نیاز از کشتنم غالب
بدرد بے نیازی ھاے یارم می توان کشتن

غالب! میں نے مانا کہ میرا یار مجھے مار ڈالنے سے بے نیاز ہے اس کی انہی بے نیازیوں کے دکھ کے ہاتھوں ہی مارا جا سکتا ہوں ۔

غزل نمبر ۴

زہے باغ و بہار جان فشانان
غمت چشم و چراغ راز دانان

جاں فشانوں یعنی جان نثار عاشقوں کے لیے تیرا حسن (وجود) باغ و بہار ہے اور تیرا غم راز دانوں کا چشم و چراغ ہے یعنی عاشق تیرے غم کو عزیز سمجھتے ہیں اور راز کی طرح دل میں چھپائے رکھتے ہیں ۔

بصورت اوستاد دلفریباں
بمعنی قبلۂ نامہربانان

تیری صورت (یعنی ظاہری حسن) بڑے بڑے دلفریبوں کی

اُستاد ہے اور باطن میں تو نامہربانوں کا قبلہ و کعبہ ہے ۔ صورت کی دلفریبی ظاہر ہوتی ہے اور نامہربانی ایک پوشیدہ شے ہے جو نظر نہیں آتی ۔

کہتا ہے کہ تیرے حسن کی دلفریبی کا کوئی جواب نہیں اور بڑے بڑے ستم شعار تجھے اپنا قبلہ و کعبہ مانتے ہیں ۔

چمن کوئے ترا از رہ نشیناں
ختن موئے ترا از باد خواناں

دونوں مصرعوں میں ''ترا'' کا را اضافی ہے ۔ نثر یوں ہے کہ چمن از رہ نشینان کوئی تست و ختن از باد خوانان موے تست ۔ باد خوان ، خوشامد گو ، ثنا خواں ۔

چمن تیرے کوچے کے رہ نشینوں میں سے ہے اور ختن تیری زلفوں کا ثنا خواں ہے ۔

بلایت چہرہ با مشکینہ مویاں
ادایت چیرہ بر نازک میاناں

تیری بلائے حسن مشکبو زلفوں والوں کو ماند کرتی ہے اور تیری ادا نازک کمر والوں پر غالب ہے ۔

غمت را بختیاں زنّار بنداں
گلت را عندلیباں بید خواناں

بختیاں تیرے غم کی زنار بند ہیں اور بلبلیں تیرے گل حسن

کے سامنے وید خوانی کرتی ہیں ۔

وصالت جاں توانا ساز پیراں
خیالت خاطر آشوب جواناں

تیرا وصال بوڑھوں کی جان کو توانائی بخشتا ہے اور تیرا خیال جوانوں کے دل کو پریشان کر دیتا ہے ۔

دل دانش فریبت را بگردن
وبال رونق جادو بیاناں

تیرے دانش فریب دل کی گردن پر بڑے بڑے جادو بیانوں کی رونق کو تباہ کرنے کا سامان فراہم ہے ۔

یعنی تیرے دل میں ایسے ایسے دانش فریب خیالات ابھرتے ہیں کہ بڑے بڑے جادو بیان لوگ ہار مان لیتے ہیں ۔

غمِ دوزخ نہیبت را بدامن
گدازِ زہرۂ آتش زباناں

لغت : ''غم دوزخ نہیب'' = وہ غم جسے دیکھ کر دوزخ بھی خوف کھائے ۔

تیرے دوزخ نہیب غم کی گرمی سے آتش زبانوں کا زہرہ (پتا) گداز ہو کر پڑا ہے ۔

یعنی تیرے غم سے بڑے بڑے آتش زبان بھی خوف زدہ ہو جاتے ہیں ۔

میانت پائے لغزِ موشگافاں
دہانت چشم بند نکتہ داناں

تیری کمر کو دیکھ کر بڑے بڑے موشگاف لغزش کھا جاتے ہیں اور تیرے دہن کے سامنے نکتہ وروں کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں -

دل از داغت بساطِ گلفروشاں
تن از زحمت ردائے باغباناں

عاشقوں کے دل تیرے داغ محبت سے یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے گلفروشوں نے پھولوں کی بساط بچھائی ہو - اور عاشقوں کے جسم زخموں سے باغبانوں کی چادر معلوم ہوتے ہیں -

سگ کوئی ترا در کاسہ لیسی
لب پُر دعویِ شیریں دہاناں

ترے کوچے کے کتے کے لب ، کاسہ لیسی کرتے کرتے اتنے شیریں ہو جاتے ہیں کہ وہ شیریں دہن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے -

سر راہ ترا در خاک روبی
نسیم پرچم گیتی ستاناں

لغت : ''گیتی ستاں'' = جہاں کے فاتح - فرماں روا -

بڑے بڑے فرماں رواؤں کے پرچم ہلتے ہیں اور اُن کے ہلنے سے

جو ہوا چلتی ہے وہ تیری راہ کے گرد و غبار کو اڑا کر راستے کو صاف کرتی ہے۔

به پشتی بانی لطف تو امید
قوی همچو نهاد سخت جانان

تیرے لطف و عنایت کی مدد سے انسانی امیدیں، سخت جانوں کی طرح قوی ہو جاتی ہیں۔

ببالا دستی عفو تو عصیان
زبوں همچوں نشست ناتوانان

تیری عفو اور خطا بخشی اتنی زبردست ہے کہ اس کے آگے گناہ یوں زار زبون نظر آتا ہے جیسے کوئی ناتواں ضعف سے عاجز آ کر بیٹھ رہا ہو۔

ز ناحق کشتگاں راضی بجانست
که غالب هم یکے باشد ز آناں

ناحق جاں دینے والوں سے تو اس لیے دل و جاں سے راضی ہے کہ غالب بھی انہی میں سے ایک ہے۔

غزل نمبر ۵

طاق شد طاقت ز عشقت بر کراں خواہم شدن
مہرباں شو ورنہ بر خود مہرباں خواہم شدن

طاقت جواب دے گئی ہے میں (تنگ آ کر) عشق سے

کنارہ کشی کر لوں گا ۔

مجھ پر مہربان ہو جا ورنہ میں اپنے پہ مہربان ہو جاؤں گا ۔

گویا عشق کی آفتوں سے کنارہ کش ہونا اپنے پہ مہربان ہونا ہے اگر معشوق عاشق پہ رحم نہیں کرتا تو عاشق کو خود اپنے پہ رحم کھانا چاہیے ۔

خار و خس ہرگہ در آتش سوخت، آتش می شود
مُردم از ذوق لبت چنداں کہ جاں خواہم شدن

تنکے جب آگ میں جل جاتے ہیں تو خود آگ بن جاتے ہیں ۔ میں تیرے ذوق لب میں اتنا بے جاں ہو گیا ہوں کہ سراپا جان بن جاؤں گا ۔

در تب اند از تاب رشک طاقت نظارہ ام
خوش بیا کامشب بہشت دشمناں خواہم شدن

میرے رقیب، تیرے حسن کے نظارے کی تاب لانے پر رشک کی آگ سے جل رہے ہیں ۔ تو خوشی سے آ کہ (آج رات میں تیرے جلووں سے جل جاؤں گا اور) اپنے دشمنوں کے لیے بہشت بن جاؤں گا ۔

یعنی میرا جلنا اُن کی خوشی کا سامان فراہم کرے گا ۔

محو گشتم از تغافل برنتابم التفات
گر بچشمم جادهی خواب گراں خواہم شدن

میں ترے انداز تغافل میں اس قدر محو ہوں کہ تیری توجہ اور

التفات کی تاب نہیں لا سکتا ، اب اگر تو مجھے اپنی آنکھوں میں بھی جگہ دے گا تو وہاں بھی مجھ پر گہری نیند کی کیفیت طاری ہو جائے گی ۔ یعنی اس حالت التفات میں بھی میری محویت کا وہی عالم ہوگا جو بے التفاتی کے وقت تھا ۔

آہم از شرم وفا و از خودم پا درگل است
تا نہ پنداری کہ از کویت رواں خواہم شدن

لغت : ''پا در گل'' = پھنسا ہوا ، مجبور ۔

میں اپنی وفاداری پر شرمسار ہوں اور شرم سے پانی پانی ہو گیا ہوں اور خود ہی اس دلدل میں پھنس کر رہ گیا ہوں ۔ کہیں یہ خیال نہ کرنا کہ اگر تو مجھے اپنے کوچے سے نکالے گا تو میں روانہ ہو جاؤں گا ۔

عاشق کی وفاداری کوئی فخر کی بات نہیں ، اس لیے کہ وفا ایک عالم مجبوری ہے ۔ عاشق قید وفا سے نکلنا بھی چاہے تو نہیں نکل سکتا ۔ غالب نے اس خیال کو بڑے خوبصورت اسلوب بیان سے ادا کیا ہے ۔ اُن کا اُردو کا یہ شعر دیکھیے :

مجبوری و دعوائے گرفتاری الفت
دست تہ سنگ آمدہ پیماں وفا ہے

کہتا ہے کہ ہے تو مجبوری کی حالت اور دعوی اس بات کا ہے کہ دیکھو میں کتنا گرفتار الفت ہوں یہ وفا کا عہد و پیمان اور اس عہد و پیمان کی استواری تو محض مجبوری ہے ۔ ایک ہاتھ جو بھاری پتھر کے نیچے دبا ہوا ہے ، نکالنا بھی چاہیں تو نہیں نکل سکتا ۔

یہ شعر غالب کے تصور عشق کو بطریق احسن بیان کرتا ہے ۔

پیش خود بسیارم و بسیار مشتاقِ توام
تا کجا صرف گداز امتحان خواہم شدن

میں خود بھی بھاری بھر کم ہوں اور اسی قدر تیرا مشتاق بھی ہوں ۔ (اس شوق کی گرمی سے گداز ہوا جا رہا ہوں اور اس امتحان عشق میں پورا اترنے کے لیے ختم بھی نہیں ہونا چاہتا) نہ جانے میں کب تک اس گداز امتحان میں صرف ہوتا چلا جاؤں گا ۔

گرم باد از نغمہ بزمِ دعوتِ بالِ ہما
سازِ آواز شکست استخوان خواہم شدن

لغت : ''بال ہما'' ہما کے پروں کا سایہ مبارک خیال کیا جاتا ہے ۔ یہ بھی مشہور ہے کہ ہما ہڈیاں کھاتا ہے ۔

شاعر کہتا ہے کہ عشق میں میری ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں اور ان ہڈیوں کی شکست سے جو آواز بلند ہو رہی ہے وہ ایک ساز کی آواز بن گئی ہے ۔ اللہ کرے میرے ان نغموں سے بزم ہما کے ساز و سامان مہیا ہو جائیں ۔

ہما کا استعارہ محبوب کے لیے ہے ۔

باہوس خویش است حسن و از وفا بیگانہ است
مہر کم کن ور نہ برخود بدگمان خواہم شدن

حسن وفا سے بیگانہ ہوتا ہے اور ہوس کا عزیز ۔ یہ محبت کا

شیوہ چھوڑ دے ورنہ مجھے اپنے پہ بد گمانی ہوگی - حسن ہوس پیشہ لوگوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور سچے وفا دار عاشقوں سے پہلو تہی کرتا ہے کہتا ہے کہ تو محبت پہ آمادہ ہو جائے اور مجھ سے مہربانی سے پیش آنے لگے تو مجھے اپنے بارے میں شک ہونے لگے کہ کہیں میں ہوس کار تو نہیں -

بسکه فکر معنی نازک ہمی کاہد مرا
شاہد اندیشه را موے میاں خواہم شدن

لغت : ''شاہد اندیشه'' = یعنی شاہد فکر - شاعر نے اپنے شاعرانہ فکر کو محبوب تصور کیا ہے -

میں معنی نازک کے فکر میں محو ہوں اور یہ فکر مجھے دبلا کرتا چلا جاتا ہے - اگر یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو میں اپنے شاہد فکر کا موے میاں بن کر رہ جاؤں گا - (شعرا معشوق کی نازک کمر کو بال سے تشبیہ دیتے ہیں) -

لذت زخمم چوں خوں غالب در اعضامی دود
رنج اگر اینست راحت را ضماں خواہم شدن

غالب لذت زخم خون کی طرح میرے اعضا میں دوڑتی پھرتی ہے - اگر دکھ اسی شے کا نام ہے تو راحت کا میں ضامن ہوں - یعنی غم سے بڑھ کے کونسی خوشی ہو سکتی ہے -

غزل نمبر ۶

دل زان مژۂ تیز بیک بار کشیدن
دامن بدرشتی بود از خار کشیدن

لغت : ''درشتی'' = سختی ۔

محبوب کی تیز تیز مژگاں سے ایک دم نظر پھیر لینا ایسا ہی ہے جیسے کانٹوں میں الجھے دامن کو کانٹوں سے زور باہر نکال لینا ۔ (یہ عمل مشکل ہے اور اگر زور سے دامن کو کانٹوں سے نکالنے کی کوشش کی جائے تو دامن کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہے) ۔

دارم سر ایں رشتہ بدانساں کہ ز دیرم
تا کعبہ تواں برد بزنار کشیدن

میں نے اس رشتۂ کفر (دھاگا) کو اس طرح سے تھاما ہوا ہے کہ زنار کشی میں دیر سے کعبے تک مجھے لے جایا جا سکتا ہے ۔

اس زنار کا سلسلہ بڑھ کر ہی کعبے تک پہنچتا ہے ۔ کفر و ایمان کے درمیان وہ فاصلہ نہیں جو سمجھا جاتا ہے :

میان کعبۂ و بت خانہ عرصۂ یک گام
میان شیخ و برہمن ہزارہا فرسنگ (تاثیر)

در خلد ز شادی چہ رود بر سرم آیا
چوں کم نشود بادہ ز بسیار کشیدن

کہا جاتا ہے کہ جنت میں جو شراب (طہور) ہوگی وہ پینے سے کم نہیں ہوگی ۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ۔ سوچتا ہوں کہ خلد میں

خوشی سے مجھ پر کیا کیفیت طاری ہوئی، کیوں کہ وہاں شراب پینے سے کم نہیں ہو سکے گی۔

حق گویم و ناداں بزبانم دہد آزار
یا رب چه شد آں فتوئ بر دار کشیدن

میں حق بات کہتا ہوں اور نادان میری زبان کو سزاوار ٹھہرا کر اسے آزار پہنچاتے ہیں۔ اے خدا! (حق گوئی پر) دار پر چڑھانے کے فتوے کو کیا ہوا۔ (منصور کو انا الحق کہنے پر سولی پر چڑھایا گیا)۔

گنجینۂ حسن است طلسمی که کس ازوے
چوں عقده نیارد گہر از تار کشیدن

گنجینہ حسن ایک طلسم ہے کہ اسے کھول کر دیکھا نہیں جا سکتا کہ وہ کیا ہے، جس طرح الجھے ہوئے دھاگے میں سے (عقدہ) موتی تاروں سے الگ نہیں کیے جا سکتے۔

ز آسائش دل گرچه مرادے دگرم نیست
بارے نفَسے چند به هنجار کشیدن

دل کی آسائش سے میری مراد اور کچھ بھی نہیں۔ ہاں صرف اتنا تو ہو کہ انسان چند سانس (جو زندگی کے ہیں) وہ طریقے سے لے سکے۔

از بس که دل آویز آبود جادۂ راہش
زحمت دہدم پاے ز رفتار کشیدن

''پائے از رفتار کشیدن'' = رک جانا ، ٹھہر جانا ۔ چلتے چلتے قدم آٹھانے سے گریز کرنا ۔

چونکہ اس کی راہ کا راستہ بڑا دل آویز ہے مجھے وہاں رکتے ہوئے زحمت ہوتی ہے ۔ (جی نہیں چاہتا کہیں ٹھہر جاؤں) ۔

از مطلع تابندہ ہم پارۂ لعلے
در رشتہ دم گوہر شہوار کشیدن

دھاگے میں موتی پروتے پروتے ایک چمکتا ہوا مطلع جو لعل کے ٹکڑے کی طرح ہے اس دھاگے میں پرو رہا ہوں ۔ شاعر اپنے شعروں کے موتی پرو رہا تھا اب وہ ایک تازہ مطلع کہہ کر ان موتیوں میں ایک لعل کا اضافہ کر رہا ہے ۔

دریاب که با ایں ہمہ آزار کشیدن
لب می گزم از کار بہ زنہار کشیدن

لغت : ''از کار بہ زنہار کشیدن'' = کسی کام سے تنگ آ کر پناہ مانگنا ۔ ۔ ۔ ''لب می گزم'' = میں دانتوں سے لبوں کو کاٹتا ہوں ۔ یعنی مجھے انتہائی دکھ ہوتا ہے ۔

''دریاب'' = مداوا کر ۔

کچھ تو مداوا کر! تیرے اتنے ستم آٹھانے کے باوجود مجھے پناہ مانگتے ہوئے بھی دکھ ہوتا ہے ۔

جاں دادم و داغم کہ پس از من ز کہ خواہی
خجلت ز گرانجانیِ اغیار کشیدن

لغت : ''گراں جاں'' = سخت جاں ، گراں کے لفظ کا ایک معنوی پہلو یہ بھی ہے کہ گراں جاں وہ شخص ہے جو اپنی جان کو گراں سمجھتا ہو اور آسانی سے جان نہ دے ۔

عاشق کو یہ دیکھ کر کہ رقیب گراں جاں ہے ، ندامت ہوتی تھی ۔ چنانچہ وہ کہتا ہے ۔

میں نے تو جان دے دی لیکن مجھے اس بات کا رشک آ رہا کہ میرے بعد اب وہ کون ہوگا جو رقیبوں کی گرانجانی کو دیکھ کر شرمندہ ہوا کرے گا ۔

مشتاقِ قبولم من و دل تاب نیارد
آرے زلبِ نازکِ دلدار کشیدن

من کافر زنہاریِ شاہم ، بمن ارزد
مے در رمضاں بر سر بازار کشیدن

لغت : ''زنہاری'' میں ''ی'' مفعولی ہے ۔ پناہ یافتہ ۔

میں بادشاہ کا وہ کافر ہوں جسے اس کی پناہ حاصل ہے اس لیے مجھے زیب دیتا ہے کہ رمضان کے مہینے میں شراب پیوں اور برسر بازار پیوں ۔

فرجامِ سخن گوئی غالب بتو گویم
خون جگر است از رگ گفتار کشیدن

لغت: ''فرجام'' = انجام، اچھا نتیجہ یا صلہ۔

میں تجھے بتاؤں کہ غالب کی سخن گوئی کا صلہ کیا ہے، اپنی رگ گفتار سے اپنا خون جگر پینا۔

غزل نمبر ۷

رشک سخنم چیست، نہ شہد ہوس است ایں
تلخانۂ سر جوش گداز نفس است ایں

میری شاعری پر رشک کیسا۔ یہ کوئی ایسی شے نہیں ہے جس کے لالچ کرنے سے انسان کو (شہد کی مٹھاس) نصیب ہو۔ یہ تو شاعر کے گداز نفس کی تلخیاں ہیں۔

یعنی شعر کہنا کوئی آسان کام نہیں اس میں تو شاعر کا سانس پگھل جاتا ہے۔ گویا شعر کہنا خون کے تلخ آنسو پینا ہے۔

اے نالہ جگر در شکنِ دام میفشاں
سرمایۂ آرائشِ چاک قفس است ایں

لغت: ''جگر افشاندن'' = جگر نثار کرنا، جگر کا خون بہانا۔
''شکن دام'' = حلقہ ہائے دام ۔۔۔ ''چاک قفس'' = قفس کی سلاخوں کے درمیان شگاف:

جال (دام) اسیری کی ابتدا ہے۔ اصل مقام اسیری تو قفس ہے۔ مرغ اسیر! اگر تو دام ہی پر اپنی فریادیں نچھاور کر دے گا تو قفس کے لیے کیا رہ جائے گا چنانچہ کہتا ہے۔

اے نالہ! اپنے جگر کے خون کو دام پر ہی نہ بہادے یہ خون جگر تو گوشہ ہائے قفس کی آرائش کا سرمایہ ہے اس کو وہاں مصرف میں لائیں گے۔

یہ شعر غالب کے خوبصورت شعروں میں سے ہے۔

مستم ، بکنارم خز و تن زن کہ دریں وقت
ہرگز نشناسم کہ چہ بود و چہ کس است ایں

لغت: ''خز'' = ریشم۔

میں مست ہوں اور میرے آغوش میں ریشم ہے۔ خاموش ہوں اس وقت میں بالکل نہیں پہچانتا کہ یہاں کیا تھا اور یہ کون ہے۔

واعظ سخن از توبہ مگو، ایں کہ پس از مے
دست و دہنے آب کشیدیم بس است ایں

واعظ! توبہ کی بات نہ کر۔ یہ جو شراب پینے کے بعد ہم نے پانی سے منہ ہاتھ دھو لیے ہیں اتنا ہی کافی ہے۔ مستقل توبہ کیسی۔

تقویٰ اثری چند بعمر دگرستش
نازم مے بے غش چہ بلا زودرس است ایں

تقویٰ (کیا ہے)، اس کے کچھ اثرات دوسری زندگی سے وابستہ ہیں۔ میں تو مے ناب پر نازاں ہوں کہ کتنی زودرس شے ہے۔ یعنی فوراً دستیاب ہوتی ہے اور یہیں ہوتی ہے۔

شراب کے لیے بلا زودرس کا لفظ بڑا موزوں ہے۔

با غیر نشائی و بما نیز یبرزی
لیک آں گل و خار آمد نسریں وخس است ایں

نہ تو رقیب کے شایاں ہے اور نہ ہی ہم تیرے سزاوار ہیں۔ لیکن یہ ہے کہ تیرا اور رقیب کا ساتھ گل و خار کا سا ہے اور ہمارا نسریں و خس کا۔

رقیب کو خار کہا اور اپنے کو خس۔

لب بر لب دلبر نہم و جاں بسپارم
ترکیب یکے کردن صد ملتمس است ایں

محبوب کے لبوں پر لب رکھوں اور جان دے دوں۔ ہزار التماس کا ایک التماس یہی ہے۔

شوریست ز خواباندنِ جمازہ بمنزل
امّا نہ بد سازی بانگ جرس است ایں

داغ دل غالبِ بدوا چارہ پذیر است
ایں را چہ کنم چارہ کہ مشکیں نفس است ایں

غالب کے داغ دل کا دوا سے علاج ہو سکتا ہے لیکن اس بات کا کیا علاج کہ اس کا داغ مشکیں نفس ہے۔

غزل نمبر ۸

بسکه لبریز است ز اندوهِ تو سرتا پاے من
ناله می روید چو خار ماهی از اعضاے من

چونکہ میرا وجود سر تا پا تیرے غم سے لبریز ہے مچھلی کے کانٹے کی طرح فریاد میرے اعضا ہی سے (آگتی) پیدا ہوتی ہے۔

مستِ دردم، ساز و برگ انتعاشم ناله است
بے شکستن بر نیاید باده از میناے من

میں درد سے مدہوش اور مست رہتا ہوں۔ مجھے ہوش میں لانے کا ساز و سامان میرے نالے ہیں۔ مری صراحی سے شراب، بغیر صراحی ٹوٹنے کے باہر نہیں آتی۔

میں درد عشق سے مست ہوں ہاں دل ٹوٹنے لگتا ہے تو ذرا ہوش میں آتا ہوں۔ گویا میرا نالہ میرے ہوش کی نشانی ہے۔

فصلے از باب شکست رنگ انشا کرده ام
میتوان راز درونم خواند از سیماے من

لغت: ''شکست رنگ'' رنگ کا اڑنا، ایک رنگ آنا ایک رنگ جانا۔

میں نے شکست رنگ کے باب کی ایک فصل (چہرے پر) تحریر کی ہے۔ میری پیشانی سے میرے راز پنہاں کو پڑھا جا سکتا ہے۔

یعنی میرے چہرے کے رنگ کے اڑنے سے میرے قلب کے حال پنہاں کا پتا چلتا ہے۔

رفتم از کارو ہماں در فکر صحرا گردی ام
جوہر آئینہٴ زانوست خار پاے من

لغت : ''صحرا گردی'' = صحرا نوردی ۔ ۔ ۔ ۔ ''آئینہٴ زانو'' = بالعموم آئینہ زانو پر رکھ دیکھا جاتا ہے ۔ جب آدمی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو تو اس کا سر زانو پر دھرا ہوتا ہے ۔ اس لیے آئینہٴ زانو سے مراد گہری سوچ یا فکر ہے ۔ ''جوہر آئینہ'' سے مقصود آئینے کی چمک ہے ۔ میں بے بس ہو کر رہ گیا ہوں لیکن صحرا نوردی کا شوق اور خیال اسی طرح دل میں سمایا ہوا ہے ۔ گویا وہ کانٹا جو صحرا نوردی کے وقت میرے پاؤں میں رہ گیا تھا اب میرے آئینہ زانو کا جوہر ہے یعنی یہ کانٹا مجھے پیہم صحرا نوردی کی لذت کا یاحساس دلا رہا ہے اور مجھے پھر اُس پر اُکسا رہا ہے ۔

دانمش در انتظار غیر و نالم زار زار
واے من گر رفتہ باشد خوابش از غوغاے من

میں جانتا ہوں کہ مرا محبوب رقیب کے انتظار میں ہے اور میں اس احساس سے زار زار فریاد کر رہا ہوں ۔ حیف ہے مجھ پر اگر میری فریاد سے مرے محبوب کی نیند جاتی رہی ہو ۔

یعنی محبوب سویا ہی رہتا تو اچھا تھا ۔ جاگے گا تو پھر رقیب کے انتظار میں محو ہو جائے گا جسے عاشق برداشت نہیں کر سکتا ۔

بسکه هامون از تب و تابم سراسر آتش است
بر هوا چون دود لرزد سایه در صحرای من

میرے شوق کی بے تابیوں کی گرمی سے جنگل سراسر آگ بن گیا ہے ۔ میرے صحرا میں سائے دھوئیں کی طرح ہوا کے اوپر لرز رہے ہیں یعنی سائے حرارت سے تڑپ کر اوپر کو جا رہے ہیں کہ بچ جائیں ۔

زلف می آراید و از ناز یادم می کند
در خم آں طره خالی دیده باشد جائے من

وہ اپنی زلفیں سنوار رہا ہے اور بڑے ناز سے مجھے یاد کر رہا ہے ۔ یاد آنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی زلفوں کے پیچ و خم میں میری خالی جگہ دیکھی ہوگی ۔

خاطر منت پذیر و خوئے نازک دادۂ
گر بہ بخشی شرمسارم ، ور نہ بخشی وائے من

تو نے مجھے احسان شناس دل دیا ہے اور ساتھ طبع نازک عطا کی ہے ۔ اگر تو مجھے بخش دے (میرے گناہ معاف کر دے) تو میں شرمسار ہوتا ہوں اور اگر معاف نہ کرے تو صد حیف یعنی نازک مزاج ہونے کی وجہ سے دکھ ہوگا اور پھر گناہوں کے باعث و سزا ملے گی اس کے صدمے کون سہہ سکے گا ۔

مدتے ضبط شرر کردم بپاس غم ولے
خون چکیدن دارد اکنوں از رگ خارائے من

لغت : ''خارا'' = سخت پتھر ۔

میں نے ایک طویل عرصے تک اپنی شرر بار آہوں اور فریاادوں کو ضبط سے روکے رکھا لیکن اب تو میرے سخت پتھر کی رگوں سے بھی خون ٹپکنے کو ہے ۔ یہاں ''رگ خارا'' سے مراد آس کا اپنا قوی دل ہے ۔

در هجوم ظلمت از بس خویش را گم می کند
قطره در دریاست گوئی سایه در شب هائے من

میری راتوں میں سائے کی وہی حالت ہے جو قطرے کی سمندر میں ہوتی ہے کیونکہ وہ تاریکیوں کے ہجوم میں کھو جاتا ہے ۔

رات کی تاریکی اس قدر زیادہ ہے کہ سایہ دکھائی نہیں دیتا ۔ گویا وہ تاریکی خود سایہ بنی ہوئی ہے ۔

حسن لفظ و معنیم غالب گواه ناطق است
بر عیار کامل نفس من و آبائے من

لغت : ''گواہ ناطق'' = بولتا ہوا گواہ جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا ۔۔۔۔ ''عیار کامل'' = نہایت صحیح گھسوٹی ۔۔۔۔ ''آبا'' = اب کی جمع ، اجداد ، بزرگ ۔

اے غالب میرے کلام کے الفاظ اور آن کے معانی کا حسن خود گواہی دے رہا ہے کہ میرے اور میرے آبا و اجداد کی شخصیت کتنی عالی ہے ۔

غزل نمبر ۹

خوش بود فارغ ز بندِ کفر و ایماں زیستن
حیف کافر مردن و آوخ مسلماں زیستن

لغت: ''حیف'' اور ''آوخ'' = دونوں کلمات تاسف ہیں بمعنی افسوس۔

کفر و ایمان کے خرخشوں سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کرنا کس قدر پر لطف ہے۔ کافر رہ کر مرنا اور مسلمان ہو کر جینا دونوں پر افسوس۔

حقیقت کی تلاش کرتے کرتے انسان کفر و ایمان کی کشمکش میں اُلجھ کر اپنی زندگی ویران کر لیتا ہے۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جو ان جھگڑوں سے بالا تر رہتا ہے۔

شیوۂ رندان بے پروا خرام از من مپرس
ایں قدر دانم کہ دشوار است آساں زیستن

لغت: ''بے پروا خرام'' = زندگی کی راہ کو بے پروا انداز میں طے کرنے والے۔

زندگی کی کٹھن راہوں سے بے نیاز گزرنا بڑا دشوار ہے۔ رندان بے پروا گزرتے تو ہیں لیکن اس میں بڑے صدمے اُٹھانے پڑتے ہیں۔ چنانچہ کہتا ہے۔

مجھ سے یہ مت پوچھ کہ رندان بے پروا کا طریق کیا ہے؟ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ بے نیازانہ زندگی بسر کرنا کتنا دشوار کام ہے۔

برد گوے خرّمی از ہر دو عالم ہر که یافت
در بیاباں مردن و در قصر و ایوان زیستن

لغت: ''گوے بردن'' = لغوی طور پر چوگان بازی میں حریفوں سے گیند چھین کر نکل جانا۔ کامیاب ہونا۔ ''گوے خرمی بردن'' = راحت حاصل کرنے میں کامیاب ہونا۔

بظاہر بیابان میں (بے سر و سامان) رہنا اور ذہنی طور پر یہ محسوس کرنا کہ گویا قصر شاہی میں جی رہا ہوں، یہ مقام جس کو بھی نصیب ہوا سمجھ لو کہ اسے دونوں جہان کی خوشیاں مل گئیں۔

راحت جاوید ترک اختلاط مردم است
چوں خضر باید ز چشم خلق پنہاں زیستن

دنیا کے لوگوں سے ترک اختلاط کر لینے ہی میں ہمیشہ رہنے والی راحت میسر آتی ہے۔ خضر کی طرح چشم خلق سے چھپ کر زندگی بسر کرنی چاہیے۔

خضر جو نظر نہیں آتے اور دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہیں دیکھیے کتنے مزے سے جی رہے ہیں۔

تا چه راز اندر ته این پرده پنہاں کرده اند
مرگ مکتوبی بود کو راست عنوان زیستن

لغت: ''مکتوب'' = تحریر، خط۔۔۔۔ ''عنوان'' = مضمون کی سرخی، خط کا آغاز یا پتا۔

نہ جانے اس پردے کی تہ میں کیا راز پوشیدہ ہے کہ موت ایک ایسی تحریر ہے جس کا عنوان زندگی رکھا گیا ہے ۔ یعنی یہ زندگی کیا ہے ؟ دکھوں کا مقام ہے ۔ موت آتی ہے تو انسان آزاد ہو جاتا ہے اور یہ سرخروئی ہی زندگی ہے ۔

روز وصل یار جاں دہ ورنہ عمرے بعد ازیں
ہمچو ما از زیستن خواہی پشیماں زیستن

وصال یار نصیب ہو تو اسی دن خوشی میں اپنی جان نثار کر دے ورنہ بعد میں عمر بھر ہماری طرح ، زندگی بسر کرنے پرپشیماں ہوتا رہے گا ۔ بڑا خوبصورت شعر ہے ۔ اس کی مزید تشریح کرنا گویا اس کے احساسی کیفیت کو زائل کرنا ہے ۔

با رقیباں ہم فنیم امّا بدعوی گاہِ شوق
مردن است از ما و زیں ُمشتے گرانجان زیستن

لغت : ''ُمشتے'' = مٹھی بھر ، گنتی کے چند لوگ ، (حقارت کے انداز میں کہا ہے) ۔

ہم اور ہمارے رقیب دونوں ہم فن اور ہم پیشہ ہیں یعنی دونوں عشق کرتے ہیں لیکن دعویٰ عشق کے اظہار کے موقع پر ، جان فدا کر دینا (مردن) ہمارا کام ہے اور یوں سخت جاں رہ کر جینا ان چند گنتی کے لوگوں کا شیوہ ۔

عشق کا دعویٰ تو بہت لوگ کرتے ہیں لیکن اس میں پورا اترنا

چند جواں ہمت لوگوں ہی کا کام ہے۔

بر نوید مقدمت صد بار جاں باید فشاند
بر امید وعدہ ات زنہار نتواں زیستن

لغت: ''نوید مقدم'' = آمد آمد کی خوشخبری ۔ ۔ ۔ ۔ ''زنہار'' = ہرگز ۔

تیرے آنے کی خوشخبری پر تو جان قربان کی جا سکتی ہے لیکن تیرے وعدے (کے پورا ہونے) کی امید پر ہرگز جی نہیں سکتے:

تیرے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

دیدہ گر روشن سواد ظلمت و نور است، چیست
فارغ از اھریمن و غافل زیزداں زیستن

لغت: ''اہریمن'' = اہرمن کی دوسری صورت ہے یعنی شیطان ۔ ۔ ۔ ۔ ''یزدان'' = خدا ۔

زردشتیوں کے یہاں اہرمن ، بدی اور یزدان نیکی کی علامت ہے ، یعنی شیطان اور خدا ۔ وہ اسی سے ظلمت و نور کا تصور لیتے ہیں ۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:

اگر آنکھ ظلمت و نور کا امتیاز کر سکتی ہے تو پھر شیطان کی طرف سے لوگ اتنے بے پروا اور خدا سے اتنے غافل کیوں زندگی بسر کرتے ہیں ۔

ابتذالے دارد این مضمون توارد عیب نیست
نگزرد در خاطر نازک خیالاں زیستن

لغت: ''ابتذال'' = کسی شے کا عام یا پامال ہونا ۔ ۔ ۔ ۔
''توارد'' = کسی دوسرے شاعر کے خیال کا کسی شاعر کے یہاں آ جانا ۔ یہ مضمون (جو دوسرے مصرعے میں بیان ہوا ہے) پامال سا ہے اس لیے اگر اس میں تکرار ہو جائے (توارد) تو عیب کی بات نہیں ۔ یعنی نازک خیالوں کے دل میں زندہ رہنے کا خیال ہی نہیں آتا ۔

غالب از ہندوستان بگریز ، فرصت مفت تست
در نجف مردن خوش است و در صفاہاں زیستن

لغت: ''فرصت مفت تست'' = یہ الفاظ محاورۃً آتے ہیں ۔ اس وقت تجھے موقع نصیب ہوا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ نجف اور صفاہاں دو مشہور مقامات (شہر) ہیں ۔

غالب! اس وقت اتفاق سے تجھے موقع ملا ہے ہندوستان سے بھاگ جا ۔ صفاہاں میں زندگی بسر کرنا اور نجف میں مرنا بہت اچھا (مبارک) ہے ۔

غزل نمبر ۱۲

چیست به لب خنده از عتاب شکستن
رونق پروین ز آفتاب شکستن

لغت: ''پروین'' = چھوٹے چھوٹے سے ستاروں کا جھرمٹ۔

یہ کیا کہ غصے میں آکر، لبوں کی ہنسی کو ضائع کر دیا۔
یہ ایسا ہی ہے جیسے آفتاب کے ساتھ رونق پروین (چمک) کو زائل کر دیا جائے۔

گر نه ورق راست ز انتخاب شکستن
چیست برخ طرف آن نقاب شکستن

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کتاب پڑھتے پڑھتے کوئی صفحہ دلچسپ نظر آئے تو اُس کے ایک سرے کو دہرا کر دیا جاتا ہے۔ یہ گویا اُس صفحے کے انتخاب کی نشانی ہوتی ہے۔ معشوق نے چہرے سے نقاب کو ذرا سا سرکا کر (گویا اُس میں شکن ڈال دیا ہے) جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا چہرہ انتخابی صفحہ بن کر سامنے آیا ہے۔ چنانچہ محبوب سے کہتا ہے:

اگر ورق کو انتخاب کرتے وقت اس میں شکن ڈالنا مقصود نہیں ہوتا تو پھر یہ تو نے جو چہرے پر نقاب میں شکن ڈال رکھی ہے اسے ہٹا لو اور چہرے کو پورا سامنے رہنے دو جو مقصود نظر ہے۔

غازہ بر آں روے تابناک فزودن
رونق بازار آفتاب شکستن

شانہ بر آں طرہ سیاہ کشیدن
قیمت کالاے مشکناب شکستن

یہ دونوں شعر ایک طرح قطعہ بند ہیں اور ان کا تعلق گزشتہ شعر سے بھی ہے ۔ ان شعروں کا موضوع مرزا غالب کا مرغوب موضوع ہے ، اور وہ موضوع ، اُس کا تصور حسن ہے ۔ اس کے نزدیک ''حسن'' کو کسی خارجی یا بناوٹی آرائش کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ وہ ان سے بے نیاز ہوتا ہے اور اگر ایسا کیا جائے تو حسن کی شان استغنا میں فرق آ جاتا ہے ۔ وہ کہتا ہے :

پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن
دست مرہون حنا ، رخسار رہن غازہ تھا

(یعنی محبوب کے حنائی ہاتھ ، حنا کے مرہون منت ہوئے اور رخساروں کو غازے کا ممنون ہونا پڑا جس سے اس کی شان بے نیازی میں فرق آ گیا) ۔

اُس روے روشن پر غازہ کا اضافہ کرنا ایسا ہے جیسے آفتاب کی رونق بازار کو مات کرنا اور اس سیہ زلف کی شانہ کشی کرنا گویا مشک ناب کی قیمت کو گھٹانا ہے ۔

جوشش سر مستی ام ز برق پسندد
نیشتر اندر رگ سحاب شکستن

میرے جوش مستی کا تقاضا ہے کہ برق بادل کی رگوں

میں نشتر چبو دے (تاکہ بارش ہو اور مستی کی کیفیت میں اضافہ ہو) ۔

نیک بود گر بحکم حوصله باشد
جام بپاے خم شراب شکستن

اچھا ہو اگر حوصلہ کے تقاضے کے مطابق جام شراب کو پاے خم پر ہی توڑ دیا جائے ۔ ظرف سے نوشی تو یہ ہے کہ پیالے سے نہیں بلکہ خم سے منہ لگا کر شراب پی جائے ۔ اور پیالہ توڑ دیا جائے ۔

شغل ندارد فراق ساقی و مطرب
جز قدح و بربط و رباب شکستن

لغت : ''بربط اور رباب'' دونوں سازوں کے نام ہیں ۔

ساقی اور مطرب کی غیر حاضری (فراق) میں اور کیا کام ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ جام ، بربط اور رباب توڑ دیے جائیں کیونکہ ساقی اور مطرب کے بغیر وہ بے کار ہیں ۔

قحط مے است امشب از کجا که نخواہم
شیشهٔ خالی برختِ خواب شکستن

لغت : ''رختِ خواب'' = بستر ۔

آج رات شراب کی سخت کمی ہے پھر کس لیے میں نہیں چاہتا کہ خالی صراحی کو بستر پر مار کر توڑ ڈالوں (یعنی توڑ دینی چاہیے) ۔

تیغ تو نازد بسر فشانی عاشق
موج ہمی بالد از حباب شکستن

لغت : ''حباب شکستن'' = بلبلوں کا ٹوٹنا ۔ ۔ ۔ ۔ بلبلے ٹوٹتے ہیں تو اُن کے ٹوٹنے سے لہریں اُبھرتی ہیں ۔ گویا وہ پھولتی ہیں جس کے لیے شاعر نے ''ہمی بالد'' کے الفاظ کہے ہیں ۔

تیری تلوار عاشق کی سر فشانی پر ناز کرتی ہے ۔ گویا لہر حبابوں کے ٹوٹنے پر خوشی سے پھولی نہیں سماتی ۔

چیست دمِ وصل جاں ز ذوق سپردن
تشنہ لبے را سبو در آب شکستن

وصل کے وقت ، عاشق کا وصل کی خوشی میں ہی جان دینا ایسا ہے جیسے ایک پیاسے کے پیالے کو (پانی سے بھرتے وقت) پانی ہی میں توڑ دیا جائے ۔

اوپر کے دونوں شعروں میں استعاروں کی جدت بڑی کیفیت پیدا کر رہی ہے اور ان میں محاکاتی جذبات نگاری کا سماں ہے ۔

از گل روے تو باغ باغ شگفتن
وزخمِ موے تو فتحیاب شکستن

طرہ میارا برغم خواہش غالب
چیست دلش را ز پیچ و تاب شکستن

اپنی زلفوں کو غالب کی خواہش کے خلاف آراستہ نہ کر ۔

اس کے دل کو یوں پیچ و تاب سے توڑنے سے کیا ہے ؟

غزل نمبر ۱۳

خیرہ کند مرد را مہرِ درم داشتن
حیف ز ہمچو خودے چشم کرم داشتن

لغت : ''درم'' = ایک سکہ ۔ یہاں مراد زر و دولت ۔ ۔ ۔
چشم داشتن ۔ امید رکھنا ۔

انسان کو دولت کی محبت پریشان کرتی ہے ۔ اپنی جیسے انسان سے بخشش کی امید کرنا افسوسناک بات ہے ۔

وائے ز دل مردگی خوے بد انگیختن
آہ ز افسردگی روے دژم داشتن

افسوس اس حالت پر کہ مردہ دلی کے عالم میں انسان بد مزاج ہو جائے اور افسردگی میں چہرہ اترا ہو بنا لے ۔

راز بر انداختن از روش ساختن
دیدہ و دل باختن ، پشت و شکم داشتن

لغت : ''راز بر انداختن'' = راز کو فاش کر دینا ۔ ۔ ۔ ۔
''روش ساختن'' = بناوٹی انداز ظاہر کرنا ۔ ظاہرا بناوٹ اور تصنع ۔
''پشت و شکم داشتن'' محاورہ ہے ، حوصلہ اور جرأت کا

اظہار کرنا۔

بناوٹ کے انداز میں آکر اصل راز کو فاش کر دینا ، محبت میں دیدہ و دل کو ہار بیٹھنا اور پھر ظاہر کرنا کہ ہم میں ہمت اور حوصلہ ہے کچھ بھی نہیں ہوا۔

یعنی محبت میں بناوٹ کرنے سے راز فاش ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

جوہر ایمان ز دل پاک فرا روفتن
گردی از آں در خیال بہر قسم داشتن

لغت: "فرا روفتن" = در اصل فرا رفتن ہے یعنی صاف کر دینا ، بالکل خالی کر دینا۔

دل سے ایمان کا جوہر یکسر نکال دینا اور پھر اس ایمان کی تھوڑی جھلک خیال میں محض ایمان کی قسم کھانے کے لیے رکھنا۔

تازگی شوق چیست رنگ طرب ریختن
چہرہ ز خونناب چشم رشک ارم داشتن

شوق کی تازگی کیا ہے: طرب و نشاط کا رنگ جمانا ، خونیں آنسوؤں سے اپنے چہرے کو رشک ارم (خلد) بنا لینا۔

باہمہ اشکستگی دم ز درستی زدن
باہمہ دلخستگی تاب ستم داشتن

لغت: "اشکستگی" = در اصل شکستگی ہے۔ شروع کا الف

زائد ہے ۔

''دم زدن'' = دعوی کردن ۔ ''دم ز درستی زدن'' = درست اور ٹھیک ہونے کا دعوی کرنا (پچھلے شعر کے ساتھ پیوستہ ہے) ۔

باوجود اس کے کہ انسان بالکل شکستگی کی حالت میں ہو، درستی کا دعوی کرنا اور انتہائی دلخستگی کے باوجود جور و ستم سہنے کی تاب و تواں رکھنا ۔

یہی گویا نازگی شوق کی علامت ہے ۔

(پھر قطعہ بند ہے) ۔

در خم دام بلا بال فشاں زیستن
با سر زلف دوتا عربدہ ہم داشتن

لغت: ''بال فشاں'' = پر پھڑ پھڑانے کی حالت جب پرندہ اُڑنے کو ہو ۔

دام بلا میں اسیر ہو کر بھی اُس سے آزاد، پرواز کرنے کی حالت میں زندگی گزارنا اور دوسری طرف کسی کی زلف دوتا کے ساتھ اُلجھتے بھی رہنا ۔

دل چو بجوش آیدے عذر بلا خواستن
جاں چو بیا سایدے شکوہ ز غم داشتن

(پھر قطعہ بند ہے) ۔

دل جب جوش میں آئے تو مصائب سے دو چار ہونے کی خواہش کرتا ہے ۔ جب جاں آسودہ ہو تو غم سے شکوہ کرنا کہ وہ اپنا اثر کیوں نہیں دکھاتا کہ دل و جاں کی آسودگی تو انسان کو

افسردہ کر دیتی ہے - اور اس سے تازگی شوق جاتی رہتی ہے جس کا ذکر شاعر نے پانچویں شعر میں کیا ہے -

بہر فریب از ریا دام تواضع مچیں
دل نرباید ہمے تیغ ز خم داشتن

لغت: ''ریا'' = منافقت - - - - ''تواضع'' انکسار جس میں آدمی جھکتا ہے - تلوار میں خم ہوتا ہے لیکن وہ تواضع کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے شاعر تلوار کے جھکنے کو منافقت اور ریا سے منسوب کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے:

دوسروں کو فریب دینے کے لیے منافقت کا جال مت بچھا - تلوار میں خم (خمیدگی، جھکاؤ) کا ہونا دوسروں کی دلجوئی کے لیے نہیں -

نقش پے رفتگان جادہ بود در جہاں
ہر کہ رود بایدش پاس قدم داشتن

گزرنے والوں کا نقش قدم، اس دنیا میں (بعد میں آنے والوں کے لیے) ایک راستہ بن جاتا ہے - اس لیے زندگی کی راہ میں چلنے والے کو چاہیے کہ وہ سوچ کر قدم اٹھائے اور قدم کا پاس کرے -

انسان زندگی میں جو قدم اٹھاتا ہے وہ فقط اس کی زندگی ہی تک محدود نہیں بلکہ اس کے اعمال کا اثر آئندہ نسلوں پر بھی پڑتا ہے اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ جو کام کرے سوچ سمجھ کر کرے - بعض مشرقی فلاسفہ کا تو یہ بھی خیال ہے کہ انسان کا

ہر سانس اس فضا میں آئندہ آنے والوں کے لیے ایک اثر چھوڑ جاتا ہے۔

با نگہِ خویشتن چہرہ نیارست شد
عشوہ دہد گرحیاست زائنہ رم داشتن

لغت: ''چہرہ شدن با چیزے'' = یعنی کسی چیز کے مقابل ہونا۔

''با نگہِ خویشتن چہرہ شدن نیارست'' = اپنی نگاہ کے بھی مقابل نہیں ہو سکتا۔

''رم داشتن'' = بھاگنا ـــ گریز کرنا ـــ ''از آئینہ رم داشتن'' = آئینے سے گریز کرنا۔

وہ (حسن) آئینے میں اپنی نگاہ کے مقابل ہونے کی بھی تاب نہیں لا سکتا۔ اگر وہ حیا کے باعث آئینے سے پہلو تہی بھی کرے تو وہ بھی ایک عشوہ و ناز کا انداز ہوتا ہے۔

اشک چناں بے اثر، نالہ چناں نارسا
دیدہ و دل را سزد ماتم ہم داشتن

لغت: ''ماتم ہم داشتن'' = ایک دوسرے کا ماتم کرنا یعنی دیدہ، دل کا اور دل، دیدہ کا ماتم کرے۔

آنسو اس قدر بے اثر واقع ہوئے ہیں اور نالہ اتنا نارسا ہے کہ آنکھوں اور دل کو ایک دوسرے کا ماتم کرنا چاہیے۔ آنکھوں کی اشکباری بے کار ہے اور دل کا آہ و فغاں کرنا بے سود۔

خجلت کردار زشت گشته بعاصی بهشت
باج ز کوثر گرفت جبهه ز نم داشتن

''کردار زشت'' = عمل بد - - - - ''عاصی'' = گنہگار - - - -
''باج گرفتن'' = خراج وصول کرنا - (یہاں خراج تحسین مراد ہے)
گنہگار کی اپنے اعمال زشت پر شرمندگی اس کے لیے بہشت بن گئی -
اس کی پیشانی (جبہہ) کا پسینہ کوثر کے پانی سے خراج طلب
کرتا ہے -

گریه‌ام از بیکسی است بو که دریں پیچ و تاب
تن به روانی دہد نامه ز نم داشتن

غالبِ آواره نیست گرچه به بخشش سزا
خوش بود از چوں توئے چشم کرم داشتن

غالب آوارہ اگرچہ تیری بخشش کے قابل نہیں ہے لیکن
تیرے جیسے سے کرم کی امید رکھنا اچھی بات ہے -

غزل نمبر ۱۲

چه غم ار به جد گرفتی ز من احتراز کردن
نتواں گرفت از من بگزشته ناز کردن

لغت : ''جد'' = کوشش - - - - ''بجد'' = کوشش سے ،

جان بوجھ کر، ارادۃً ۔ ۔ ۔ ۔ ''گزشتہ'' = جو کچھ گزر چکا ہے ۔
اگر تو نے ارادۃً مجھ سے پہلو تہی کر لی ہے تو کوئی غم نہیں ۔
محبت کے ایام گزشتہ پر مجھے ناز ہے وہ تو تم مجھ سے نہیں چھین سکتے ،
یعنی محبت کی یادیں تو ہمیشہ تازہ رہیں گے ۔

نگہت بمو شگافی ز فریب رم نخوردن
نفسم بدام بافی ز سخن دراز کردن

تو و در کنار شوقم ، گرہ از جبین کشودن
من و بر رخ دو عالم در دل فراز کردن

لغت : ''موشگافی'' = نکتہ آفرینیاں ۔ مراد نگاہوں کے لطیف
اور باریک اشارے ۔ ۔ ۔ ۔ ''دام بافی'' = جال بننا ۔

''در فراز کردن'' = در فراز کردن کے دونوں مفہوم ہوتے ہیں
دروازہ بند کرنا اور دروازہ کھولنا ۔ یہاں پہلے مفہوم میں
آیا ہے ۔

''رم خوردن'' = بھاگ جانا ، ڈر کر بھاگ جانا ۔ سہمے
ہوئے ہونا ۔

یہ فریب دینے کے لیے کہ وہ سہمی ہوئی نہیں ہیں تیری نگاہیں
طرح طرح کی موشگافیاں کرتی تھی اور میرا سانس یونہی باتوں کو
طول دینے کے لیے طرح طرح کے جال بچھاتا تھا ۔

یعنی تیری نظروں میں ناز آفرینیوں کا انداز ہوتا تھا اور میں
باتوں سے تیرے دل کو لبھاتا تھا ۔

تو میرے آغوش شوق میں ہوتا اور اپنی جبین سے ہر طرح کے شکن ہٹاتا جاتا (تیرے چہرے پر شگفتگی طاری ہوتی) اور میں (اپنی اس خوش بختی پر فخر کرتا ہوا) دونوں جہاں کے دروازے بند کر دیتا (یعنی دو عالم سے بے نیاز ہو جاتا تھا) ۔

مژہ را ز خونفشانی بدل است ہمزبانی
کہ شمارِدم بدامن ستمِ گداز کردن

خون کے آنسو بہانے میں مژگان (جو خون سے تر ہیں) اور میرا دل دونوں ہمزبان ہیں کہ وہ محبت میں اس طرح گداز ہونے کے ستم کا اندازہ دامن پہ پڑے ہوئے خون کے قطروں سے کر سکیں ۔

یعنی میرے دل کے گداز ہونے سے جو کچھ مجھ پر گزرتی ہے اس کا اندازہ میرا دل کر سکتا ہے یا میری مژگاں جن سے قطرہ قطرہ خون کے آنسو بہ رہے ہیں ۔

بہ نوردِ پاسِ رازت خجل از غبارِ خویشم
کہ ز پردہ ریخت بیروں غمِ نالہ ساز کردن

ز غمِ تو باد شرمم کہ چہ مایہ شوخ چشمی است
ز شکستِ رنگ بر رخ درِ خلد باز کردن

میں ترے غم سے شرمسار ہوں کہ یہ میری بڑی شوخ چشمی ہے کہ میرا رنگ اڑنے سے میرے چہرے پر خلد کا دروازہ سا کھلا ہوا ہے ۔

غم سے میرا چہرہ اُترا ہوا ہونا چاہیے لیکن رنگ اُڑنے سے
چہرے پر طرح طرح کی رنگینیاں آ رہی ہیں -

نفسم گداخت شوقت ستم است گر تو دانی
کہ ز تاب نالہ خوں شد، نہ ز پاس راز کردن

عاشق نے راز محبت کا پاس کرتے ہوئے ضبط کیا ہے کہ کہیں
فاش نہ ہو جائے اور اس ضبط کے باعث اُس کا سانس تک گداز
ہو کر رہ گیا ہے - اب یہ بڑا ستم ہوگا اگر معشوق یہ سمجھ لے
کہ فریاد کی وجہ یہ ہوا ہے نہ کہ پاس راز کی وجہ سے -

بفشار رشک بزمت بچناں گداخت گلشن
کہ میانۂ گل و مل رسد امتیاز کردن

لغت : ''گل و مل'' = پھول اور شراب - - - - ''امتیاز کردن''
فرق کرنا - - - - ''فشار'' = گھٹن -

تیری بزم کے رشک میں گلشن پہ اتنی گھٹن طاری ہوئی اور اس
گھٹن کا اتنا گداز ہوا ہے کہ اب گل و مل میں فرق کرنا مشکل ہو گیا
ہے - (گل بھی گداز ہو کر شراب کی طرح ہو گیا ہے) -

رخ گل ز غازہ کاری بہ نگاہ بندد آئین
نرسد بہ خس شکایت زچمن طراز کردن

لغت : ''بندد آئین'' = آئین آراستہ کرتا ہے -

''چمن طراز'' = چمن سجانے یا آراستہ کرنے والا - چمن کی نقش کاری کرنے والا - باغبان -

پھول کا چہرہ اپنی غازہ کاریوں کے ذریعے دیکھنے والے کی آرائش کرتا ہے - خس (تنکے) کو زیب نہیں دیتا کہ وہ چمن طراز (باغبان) کی شکایت کرے -

پھولوں کے سرخ چہرے دیکھنے والوں کو متاثر کرتے ہیں ورنہ خس میں بھی اپنا حسن ہے اگرچہ دیکھنے والوں کو وہ نظر نہیں آتا - اس میں نظروں کا قصور ہے اس باغبان ازلی کا نہیں ہے - اُس نے تو ہر چیز کو حسین بنایا ہے اور اپنی نقش کاریوں سے سجایا ہے -

یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا
یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

ہمہ تن ز شوق چشمم کہ چو دل فشاندہ گردد
بسرشک مایہ بخشم ز جگر گداز کردن

شوق محبت میں ہمہ تن چشم بن گیا ہوں کہ جب دل (کا خون) ٹپک چکتا ہے تو میں اپنے جگر کو گداز کر کے آنسوؤں کو سرمایہ بہم پہنچاتا ہوں -

یعنی میری آنکھوں کی خونفشانی جاری رہتی ہے - دل کا خون ختم ہوتا ہے تو جگر خون آنسو بن کر بہنے لگتا ہے -

ھلہ تازہ گشتہ غالب روش نظیری از تو
سزد اینچنیں غزل را بسفینہ ناز کردن

غالب! کیا کہنے تو نے نظیری کے اسلوب نگرش کو تازہ

کر دیا ہے ۔ ایسی غزل کو تو بیاض پر ناز کرنا چاہیے ۔ مرزا غالب کو نظیری کا اسلوب بہت پسند تھا ۔ یہ غزل نظیری کی مشہور غزل کے تتبع میں لکھی گئی ہے ۔ ہر چند کہ مرزا غالب نے اس میں بڑا روز کلام دکھایا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ نظیری کی غزل کو نہیں پہنچ سکا ۔

نظیری کا مطلع ہے ۔

چہ خوش است از دو یک دل سرحرف باز کردن
سخن گزشتہ گفتن گلہ را دراز کردن

غزل نمبر ۳۰

چوں شمع رود شب ہمہ شب دود ز سر ماں
زیں گونہ کرا روز بسر رفت مگر ماں

شمع کی طرح راتوں کو ہمارے سر پر دھوئیں لہراتے ہیں ، کبھی کسی شخص کے دن یوں نہیں گزرے ہوں گے جیسے ہمارے ۔

آذر بپرستیم و رخ از شعلہ نتابیم
اے خواندہ بسوئے خود ازیں راہگزر ماں

ہم آگ کی پرستش کرتے ہیں اور شعلوں سے منہ نہیں پھیرتے ۔ تو نے ہمیں اپنی طرف بلایا ہے اور اسی راہ گزر سے آنے کی دعوت دی ہے ۔

حق تعالیٰ تک پہنچنے کی کئی ایک راہیں ہیں ایک رہ یہ بھی

ہے جس کی طرف شاعر اشارہ کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ رہ حق تعالیٰ ہی نے ہمارے لیے متعین کی ہے ہم بے بس ہیں۔

در عشق تو ضرب المثلِ راهروانیم
بگزار بره خفته و از بیشه مبرمان

تیرے عشق میں ہم، رہروؤں کے لیے ضرب المثل بن چکے ہیں۔ ہمیں اس رہ ہی میں سویا رہنے دے اور جنگل سے باہر نہ لے جا۔

از بے خردی کوئے ترا خلد شمردیم
جوں است که در کوے تو ره نیست دگرمان

ہم نے نادانی سے تیرے کوچے کو خلد کہہ دیا، کیا بات ہے کہ ہمیں دوبارہ تیرے کوچے میں آنے کا موقع نہیں ملتا۔ (خلد تو ایسی جگہ ہے جہاں کوئی ایک دفعہ جائے تو ہمیشہ وہیں رہتا ہے)۔

مستیم، بیا تن زن و لب بر لب ما نه
حاشا که بود تفرقهٔ لب ز شکر مان

ہم مست ہیں، خاموش رہ اور اپنے لب ہمارے لبوں پر رکھ دے۔ ہم لبوں میں اور شکر میں بالکل فرق نہیں کر سکتے۔

طول شب هجراں بود اندر حق ما خاص
از همنفساں کس نشناسد به سحر مان

ہماری شب فراق کی درازی کچھ اور ہی طرح کی ہے کہ ہمارے

ہم نفسوں میں سے کوئی صبح کو ہمیں نہیں پہچانتا ۔

بے وجہِ مے آشفتہ و خواریم بدا ما
در میکدہ از ما نستانند اگر ماں

لغت: ''بدا ما'' = ہماری زبونی حال پر افسوس ۔

افسوس ہمارے حال بد پر کہ ہم بغیر شراب پیے ہی پریشان اور خوار ہیں مگر میکدے میں کوئی ہمیں اپنے آپ سے بے خبر نہیں کرتا ۔

از ارزش ما بےہنراں ماندہ شگفتے
در بند غم انداختہ گردوں بہ ہنر ماں

لغت: ''ارزش'' = قدر و اہمیت ۔ ۔ ۔ ''شگفتے ماندہ'' = حیرت میں ہیں ۔

بے ہنروں کو ہماری قدر و اہمیت کے متعلق تعجب ہے ۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ آسماں نے ہمیں ہمارے ہنر کی بدولت غم کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے ۔

دوسرے لفظوں میں غم ہی سے ہمارا ہنر ابھرا ہے اور یہی عظمت کی نشانی ہے جس سے بے ہنر لوگ ناواقف ہیں ۔

چوں تازگیِ حوصلۂ خویش نداند
داند کہ بود نالہ بامیدِ اثرماں

ہمارے محبوب کو یہ احساس نہیں کہ اس میں ہماری فریادیں

سننے کا کس قدر حوصلہ ہے ۔ وہ یہی سمجھتا ہے کہ ہم فریاد اس لیے کر رہے ہیں کہ ہمیں اپنی فریاد کی اثر انگیزی کی اُمید ہے ۔

غالب چہ زیاں ، نالہ اگر گرم روی کرد
سوزے بدل اندر نہ و داغے بجگر ماں

غالب! اگر نالہ و فریاد میں گرم روی آ گئی ہے تو کیا ہوا ۔ اُس کی کچھ گرمی ہمارے دل میں اور کچھ جلن ہمارے جگر میں ڈال دے ۔

غزل نمبر ۱۴

خجل ز راستیِ خویش می تواں کردن
ستم بجانِ کج اندیش می تواں کردن

راستی یا راست بازی اور کج اندیشی دو متضاد لفظ ہیں ۔ راست باز درست سوچنے والا اور کج اندیش بری سوچ والا ۔

ہم اپنی راست بازی سے اپنے کج اندیش حریف کو شرمندہ کر سکتے ہیں ۔ اُس کے دل کو دکھ کا احساس یونہی دلایا جا سکتا ہے تا کہ اُسے معلوم ہو کہ وہ غلط کر رہا ہے - - - -

چو مزد سعی دہم ، مژدۂ سکوں خواہد
ز بوسہ پا بدرت ریش می تواں کردن

لغت : "مزد" = مزدوری ، صلہ - - - - "مزد سعی" = محنت

کا صلہ ۔ ۔ ۔ ۔ مژدۂ سکون خواہد کا فاعل ''پا'' ہے ۔

عاشق ، معشوق کے دروازے تک جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ جن پاؤں سے چل کر آیا ہے انھیں اس محنت کا صلہ دے ۔ پاؤں صلے میں چاہتے ہیں کہ انھیں آئندہ سکون ملنے کی خوشخبری دی جائے ، یعنی انھیں چلنے کی صعوبت برداشت نہ کرنی پڑے ۔ چنانچہ عاشق کہتا ہے کہ پاؤں کے بوسے لے لے کر انھیں زخمی کر دیا جائے تاکہ وہ آئندہ وہاں سے ہل کر نہ جا سکیں اور انھیں سکون حاصل ہو ۔ ۔ ۔ ۔ مقصد یہ ہے کہ معشوق کے دروازے پر پہنچ کر عاشق وہاں سے لوٹنا نہیں چاہتا ۔

دگر بہ پیش وے اے گل چہ ہدیہ خواہی بُرد
مگر بہ گدیہ کفے پیش می تواں کردن

اے پھول اس کے آگے تو کیا تحفہ لے جا سکتا ہے ۔ یہی ہے کہ گداگری کے لیے اس آگے ہاتھ پھیلایا جائے ۔ گویا پھول تو محبوب کے لیے کیا تحفہ ہے یہی ہے کہ وہ پھول اس کے سامنے یوں نظر آئے گا کہ جیسے کسی نے گداگری کے لیے ہاتھ پھیلایا ہو ۔ (جیسے پھول محبوب سے حسن کی بھیک مانگ رہا ہے) ۔

تو جمع باش کہ ما را دریں پریشانی
شکایتے است کہ با خویش می تواں کردن

لغت : ''تو جمع باش'' = محاورۃ آیا ہے ۔ تو مطمئن رہ ۔ تو خاطر جمع رکھ ۔

تو مطمئن رہ ، ہمیں اس عالم پریشانی میں ایک ایسی شکایت

کرنی ہے جو خود اپنے آپ سے کی جا سکتی ہے کسی اور سے نہیں
کی جا سکتی ۔

سر از حجاب تعین اگر برون آید
چه جلوه ها که به هر کیش می توان کردن

لغت : ''کیش'' = دین ، مذہب ۔ ۔ ۔ ۔ تعین ۔ حد بندی کرنا ۔
یہ عقیدہ کہ حق یا خدا ایک ہی مذہب کی راہ چلنے سے مل سکتا
ہے ۔ کہتا ہے :

اگر انسان ، ان نفسیات کے حجاب سے باہر آ جائے تو
کیسے کیسے جلوے (جلوہ ہائے حق) ہیں جو ہر مذہب میں نظر
آئیں گے ۔

بهر که نوبتِ ساغر نمی رسد ساقی
خراب گردش چشمیش می توان کردن

اے ساقی ! اگر کسی شخص کے پاس دور جام نہیں آ سکتا تو
ایسے میخوار کو محبوب کی مست آنکھوں کی گردش سے مدہوش
کیا جا سکتا ہے ۔

خرامِ نازِ تو با صحن گلستان دارد
رعایتی که بدرویش می توان کردن

صحن باغ میں تیرے ناز سے خراماں آنے کا انداز کچھ
ایسا احساس پیدا کرتا ہے جیسے کسی درویش سے رعایت کی جا رہی

ہو - محبوب کا صحن باغ میں جانا گویا صحن باغ پر احسان کرنا ہے .

اگر بقدر وفا می کنی جفا حیف است
بمرگ من که ازیں بیش می تواں کردن

اگر تو ہماری وفا کے مطابق ہم پر جفا کرتا ہے تو افسوس ہے - میری موت کی قسم کہ جفا اس زیادہ بھی کی جا سکتی ہے -

کسے بجو که مر آو را دریں سفر غالب
گواہ بیکسی خویش می تواں کردن

غالب کسی ایسے شخص کو تلاش کر جو اس سفر میں (ہمارے ہمراہ رہ کر) ہماری بے کسی کی گواہی دے سکے -

غزل نمبر ۱۵

حیف است قتلگه ز گلستاں شناختن
شاخ از خدنگ و غنچه ز پیکاں شناختن

باغ اور قتل گاہ میں فرق کرنا ، شاخ کو تیر سے اور کلی کو پیکاں (نوک تیر) سے الگ سمجھنا بڑے افسوس کی بات ہے - شاعر کہتا ہے مجھے تو باغ کا باغ ہی قتل گاہ معلوم ہوتا ہے -

لب دوختم ز شکوہ ز خود فارغم شمرد
نشناخت قدر پرسش پنہاں شناختن

میں نے شکوہ کرنا چھوڑا تو اُس نے سمجھا کہ میں اب چین سے ہوں ۔ ناداں پرسش پنہاں کی قدر نہ پہچان سکا ۔ ضروری نہیں کہ فریاد کرنے والا دکھ میں ہو ۔ خاموشی میں دکھ پنہاں ہوتا ہے ۔ اگر ہمارے لب خاموش ہیں تو چپکے سے ہمارا حال پنہاں پوچھنے میں کیا ہرج تھا ۔ پرسش پنہاں میں بڑا لطف ہوتا ہے ، اس بات کو وہ نہ سمجھ سکا ۔

از شیوہ ہائے خاطر مشکل پسند کیست
کشتن بجرم و درد ز درماں شاختن

یہ کس مشکل پسند طبیعت کا انداز خاص ہے کہ کسی کو مجرم ٹھہرا کر مار دینا اور پھر درد کو درماں سے الگ سمجھنا ، یعنی عاشق کا درد ہی اُس کا علاج تھا ۔ معشوق نے اُسے درد محبت رکھنے کے عوض میں مارا اور پھر یہ خیال کیا کہ مر جانے سے وہ دور ہو جائے ۔ یعنی چارۂ درد بھی کیا تو عجیب انداز سے ۔ یہ اُس کی مشکل پسندی کی علامت ہے ۔

از پیکرت بساط صفائے خیال یافت
وصل تو از فراق تو نتواں شناختن

اب تیرے جسم کی موجودگی نے ہمارے بساط بزم کو تخیل کی سی جلا بخش دی ہے اب ہر گوشۂ بساط میں تیری غیر حاضری

سے تیری موجودگی کا احساس ہونے لگا ہے ۔ اب فراق اور وصل کا امتیاز ہی اٹھ گیا ہے ۔

نازم دماغ ناز ، ندانی ز سادگی است
کشتن بہ ظلم و کشتۂ احسان شناختن

لغت: ''دماغ'' کا ایک مفہوم کیفیت ہوتا ہے ۔

کسی کو ظلم سے مار دینا اور پھر اسے کشتۂ احسان سمجھ لینا (یعنی یہ سمجھ لینا کہ میں نے اسے مار کر اس پر احسان کیا ہے) یہ ناز حسن کی سادگی کی وجہ سے ہے اور میں تیری اس ادا پر ناز کرتا ہوں ۔

یاد آیدم بوصل تو در صحن گلستان
آں جلوۂ گل آتش سوزاں شناختن

مجھے وہ کیفیت یاد ہے جب تیرے ہوتے ہوئے صحن باغ میں گلوں کا جلوہ آتش سوزاں معلوم ہوتا تھا ۔

خاکے بروے نامہ فشاندیم ، مفت تست
ناخواندہ صفحہ ، حال ز عنوان شناختن

ہم نے خط لکھ کر اس پر مٹی ڈال دی ہے ۔ اب تمہیں سہولت ہے کہ خط کا کوئی صفحہ پڑھے بغیر ہی عنوان سے ہمارے حال کا اندازہ کر لو ۔

مائیم و ذوق سجدہ چہ مسجد چہ بتکدہ
در عشق نیست کفر ز ایماں شناختن

ہمیں سجدے سے لذت اندوزی مقصود ہے، مسجد ہویا بتکدہ - کیونکہ عشق میں کفر و ایماں میں امتیاز نہیں کیا جاتا -

مینا شکستہ و مے گلفام ریختہ
محروم ہنوز در گل و ریحاں شناختن

صراحی ٹوٹ کر رہ گئی اور شراب بہ گئی اور میں ابھی تک گل و ریحاں میں فرق کرنے میں محو ہوں - جب طبیعت میں وہ کیفیت نہیں تو پھر پھولوں سے کیا سرور حاصل ہوگا -

لخت دلم بدامن و چاک غمم بجیب
اینک سزائے جیب ز داماں شناختن

دل کے ٹکڑے (آنکھوں سے بہ بہ کر) دامن پر پڑے ہیں اور غم کے چاک گریباں میں ہیں - جیب و داماں میں امتیاز کرنے کی یہی سزا ہوتی ہے -

بگداخت بسکہ از اثر تاب روئے تو
مہر از شفق بکوئے تو نتواں شناختن

تیرے روئے درخشاں کی چمک اور تاب سے سورج گداز ہو گیا - اب تیرے کوچے میں سورج اور شفق میں فرق نہیں کیا جا سکتا -

یعنی سورج گداز ہو کر شفق کی سرخی میں تبدیل ہو گیا ہے۔

غالب بقدر حوصله باشد کلامِ مرد
باید ز حرف نبضِ حریفاں شناختن

غالب مرد کا کلام اس کے حوصلے کے مطابق ہوتا ہے۔ نبض حریفاں کو اُن کی باتوں ہی سے ٹٹولا جا سکتا ہے۔

غزل نمبر ۱۶

بخونم دست و تیغ آلود جاناں
بد آموزاں وکیلِ بے زباناں

لغت: ''بد آموزاں'' = برا سبق پڑھانے والے۔ یہاں قاتل (معشوق) کے دست و تیغ مراد ہیں جو عاشق کے خون سے آلودہ ہیں۔

''بے زباناں'' سے مقصود عاشق ہیں جو جور و ستم سہتے جاتے ہیں اور چپ رہتے ہیں۔

ہمارے معشوق نے اپنے ہاتھ اور تلوار ہمارے خون سے آلودہ کر لیے۔ یہ بد آموز (یعنی دست و تیغ) نے ہی ہم بے زبانوں کی وکالت کی ہے۔ یعنی ہمیں مار کر درد و غم سے نجات دلائی ہے حالانکہ انھوں ہی نے معشوق کو خوں ریزی پر آمادہ بھی کیا تھا۔

چگویم در سپاس بیکسی ها
زهی نا مهربانان ، مهربانان

میں اپنی بیکسیوں کے شکرانے میں کیا کہوں ، یہی نا مہربان ہمارے مہربان ہیں ۔

یعنی ہماری بیکسیاں ہی ہماری دمساز بھی ہیں ۔

گر از خود خوش ترے سنجیدہ باشند
نوازش ہا ست با ایں بدگمانان

لغت : ''بد گمانان'' = معشوق لوگ ۔

اگر یہ بد گمان لوگ (جو کسی کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے) کسی کو اپنے سے زیادہ اچھا سمجھتے ہیں تو یہ اُن کی بڑی نوازش ہے ۔

فغانا میگساران دجلہ نوشان
دریغا ساقیاں اندازہ دانان

بد نصیبی ان میگساروں کی جو دریا نوش ہیں (دجلہ نوش) اور افسوس ان ساقیوں پر جو اندازہ دان ہیں یعنی اندازے سے پلاتے ہیں ۔

ساقی پیمانوں کے مطابق شراب دیتے ہیں ، میخوار کا ظرف نہیں پہچانتے ۔

بہار آید بہ حیرت گاہ نازش
ز بوئے گل نفس بر رہ فشاناں

دمِ مردن برشکم تنگ گیرد
فراخی ہائے عیشِ سخت جاناں

لغت: "بر شکم تنگ گیرد" = مجھے رشک کے جذبے سے بھینچ لیتی ہیں۔ اس کا فاعل دوسرا مصرعہ ہے۔

"فراخی ہائے عیش سخت جاناں" = سخت جان لوگوں کی زندگی کی خوشیوں کی وسعتیں۔

مرتے وقت مجھے عیش و نشاط کی فراخیوں میں دل کھول کر زندگی بسر کرنے والے لوگوں پر سخت رشک آتا ہے۔

گلے بر گوشۂ دستار داری
خوشا بخت بلند باغباناں

آج کل لوگ پھول کوٹ پر لگا لیتے ہیں۔ پرانے زمانے میں جب کلاہ اور دستار پہننے کا رواج تھا تو آرائش کے لیے گوشۂ کلاہ یا دستار پر پھول یا موتی ٹانک لیتے تھے۔

تو نے پھول اپنی دستار پر ٹانک لیا ہے۔ کیا خوش بخت ہیں وہ باغبان جنھوں نے یہ پھول اُگایا تھا۔ وہ پھول کہاں آ کے پہنچا ہے۔ ورنہ پھول تو اکثر شاخ ہی پر کھل کر مرجھا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کے یہ شعر دیکھیے :

تیرے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں
گوہر کو عقد گردن خوباں میں دیکھنا
کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

طالب آملی نے اس موضوع پر کیا خوبصورت شعر کہا :

ز غارت چمنت بر بہار منت ہا ست
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

یعنی ترا پھول توڑ کر چمن کو لوٹنا بہار پر بہت احسان کرنا ہے کیونکہ پھول شاخ سے زیادہ تیرے ہاتھ میں خوبصورت معلوم ہوتا ہے ۔

غمت خونخوار و دلہا بے بضاعت
دریغا آبروے میزبانان

تیرا غم ، خوں کا پیاسا ہے اور دل بے چارے بے سرمایہ ہیں (ان میں اتنا خون کہاں) افسوس میزبانوں کی آبرو لٹ گئی ۔ (میزبان سے مراد دل ہے) ۔

گزشت از دل ولے نگزشت از دل
خدنگِ غمزۂ زوریں کمانان

لغت : ''خدنگ'' = تیر ---- ''زوریں کمانان'' = جن کی کمانوں میں بڑا زور ہے ۔
''خدنگ غمزہ'' = نظروں کا تیر ۔ تیر ادا ۔

پر زور کمان رکھنے والے معشوق کی نظروں کا تیر تو دل کو چیر کر نکل گیا لیکن اس کی کسک دل سے نہ نکل سکی۔

نوائے شوق خواہ از بے نوایاں
نشانِ دوست جوُ از بے نشاناں

لغت: "بے نوایاں" نوا کا لفظ فارسی میں آواز (جیسے ہمنوا میں) اور ساز و سامان (جیسے بے نوا) دونوں کے لیے آتا ہے یعنی بے نوا سے مراد بے آواز، خاموش لوگ مراد ہیں اور نوائے شوق کے الفاظ کی رعایت سے یہی مفہوم بھی ہے۔ عشق و محبت کے ترانے بے نوا لوگ ہی جانتے ہیں انہی سے یہ میز طلب کر۔ دوست کا نشان بھی انہی بے نشان لوگوں سے ملے گا۔ (جو دنیا میں کوئی مقام یا نشان نہیں رکھتے۔

بہ رغمم تا فرود آرد بمن سر
بخواری بنگرم در ناتواناں

معشوق ناتوانوں کو بڑی حقارت سے دیکھتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں بھی ناتوانوں کو حقیر نظروں سے دیکھتا ہوں اس زعم میں کہ شاید وہ مجھے بھی اسی طرح دیکھ لے۔

سبک برخیز زیں ہنگامہ غالب
چہ آویزی بدیں مشتے گراناں

لغت: "گراناں" = گراں سر لوگ۔ مغرور۔
"سبک" = ہلکا اور جلدی دونوں معنی رکھتا ہے۔ "سبک

بر خیز'' ان سے اپنا دامن جھٹک کر جلدی سے اٹھ بیٹھ۔ ''ہنگامہ'' = یہ ہنگامہ زار دنیا۔ جہاں اونچ نیچ کے بڑے مخمصے ہیں۔

غالب اس ہنگامہ زار دنیا سے بے نیازانہ الگ ہو جا ان چند مٹھی بھر سرگوانوں سے کیا الجھ رہا ہے مشتے میں ''یا'' تحقیری ہے۔

غزل نمبر ۱۷

تا ز دیوانم کہ سرمست سخن خواہد شدن
ایں مے از قحط خریداری کہن خواہد شدن

لغت: ''تا'' = کلمۂ تنبہ ہے۔ اور استفہام میں آکر نفی کا مفہوم دیتا ہے اور کلام میں زور پیدا کرتا ہے۔ یہاں پہلے مصرعے میں ''کہ'' استفہامیہ ہے یعنی کون۔ وہ استفہام انکاری ہے۔

''تاز دیوانم کہ سر مستِ سخن خواہد شدن'' کے مصرعے کا مفہوم یہ ہے:

توبہ کرو میرے دیوان سے کون لذت سخن اٹھائے گا یعنی کوئی نہیں اٹھائے گا۔ یہ شراب خریداروں کے قحط کے باعث پرانی ہو جائے گی۔

کوکبم را در عدم اوج قبولی بودہ است
شہرتِ شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن

میرے ستارۂ بخت کو عدم میں اوج قبول حاصل تھا۔ میری

شاعری کی شہرت بھی اس دنیا میں میرے بعد ہی ہوگی یعنی جب میں مر جاؤں اور عدم میں چلا جاؤں گا ۔

ہم سوادِ صفحہ ، مشکِ سودہ خواہد بیختن
ہم دواتم نافِ آہوے ختن خواہد شدن

لغت : ''سواد صفحہ'' = صفحے کی سیاہی ، تحریر - - - - مشک سودہ = پسی ہوئی مشک ، سفوف مشک ۔ ''آہوے ختن'' = ختن کے ہرن جو اپنے مشک نافوں کی وجہ سے معروف ہیں ۔

میری دوات آہوے ختن کی ناف بن جائے گی اور میرے سیاہ حرف یعنی تحریر سے مشک چھن کر گرے گی ۔

یعنی اشعار کی شہرت بوئے مشک کی طرح پھیلے گی ۔

مطرب از شعرم بہر بزمے کہ خواہد زد نوا
چاکہا ایثار جیب پیرہن خواھد شدن

جس بزم میں بھی مطرب میرے اشعار گئے گا ، سننے والوں کے پیرہن کے گریباں چاک کی نذر ہو جائیں گے یعنی چاک چاک ہو جائیں گے ۔

حرف حرفم در مذاق فتنہ جا خواہد گرفت
دستگاہ نازِ شیخ و برہمن خواہد شدن

میرے کلام کا ایک ایک حرف (مختلف) مذاق سخن رکھنے والوں کے لیے ہنگامہ بن جائے گا اور شیخ و برہمن دونوں کے لیے

سرمایۂ ناز ہوگا ۔ (سبھی اُس پر ناز کریں گے) ۔

ہے! چہ می گویم اگر این است وضع روزگار
دفترِ اشعار بابِ سوختن خواہد شدن

ہیں ! یہ میں کیا کر رہا ہوں ۔ اگر زمانے کی حالت یہی ہے تو اشعار کا یہ دفتر تو جلانے کے قابل ہوگا ۔ یعنی اگر اہل سخن کی بے اعتنائی اور بے ذوق کا یہی عالم رہا تو یہ کلام تو ایک جلا ہوا سرمایہ سمجھنا چاہیے ۔

آنکہ صور نالہ از شور نفس موزوں دمید
کاش دیدے کاین نشید شوق فن خواہد شدن

لغت : نشید" = نغمہ ۔

وہ شخص جس کے شور انگیز سانس سے فریادیں بھی موزوں بن کر باہر آتی تھیں ، کاش وہ دیکھتا کہ یہ نغمۂ شوق کیسے صنعت گری بن جائے گا ۔

غالب نے یہ لفظ فن کے آج کے مفہوم میں استعمال نہیں کیا ۔ اس کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شاعری ایک صنعت گری کی صورت اختیار کر لے گی ۔ اور وہ خود جس کی شاعری قلب کے نازک احساسات اور شدید جذبات کی شاعری تھی ، اس تنزل کو کیسے محسوس کرے گا ۔

کاش سنجیدے کہ بہر قتل معنی یک قلم
جلوۂ کلک و رقم دار و رسن خواہد شدن

کاش اُسے یہ اندازہ ہوتا کہ معانی کو یکسر ختم (قتل) کرنے

لیے قلم اور تحریر ، دار و رسن کی حیثیت اختیار کر لیں گے - یعنی شاعری فکر و معانی سے نکل کر لفاظی پر آ جائے گی اور وہ لفظ آرائیاں ، ہنگامہ آرائیاں بن جائیں گی -

چشم کور آئینۂ دعوی بکف خواہد گرفت
دست شل مشاطۂ زلف سخن خواہد شدن

اندھی آنکھیں (کور ذوق لوگ) دعوائے سخن کا آئینہ لے کے اٹھیں گے اور بے جان (شل) ہاتھ عروس سخن کی زلفوں کو سنوارنے (مشاطہ گری کرنے) لگیں گے -

شاہد مضمون که اینک شہری جان و دل است
روستا آوارۂ کام و دھن خواہد شدن

وہ شاہد مضمون کہ اب جان و دل کا باسی ہے (جس کی جگہ دل میں ہے) ایک گنوار کی طرح ، حلق و دہن میں آوارہ گھومے گا -

وہ شعری افکار و جذبات جو اب دل و جان کی گہرائیوں سے ابھرتے ہیں ، ادنی لوگوں کی زبان و حلق تک محدود ہوں گے - صرف لفظی باتیں ہوں گی -

زاغ راغ اندر ھوائے نغمه بال و پر زنان
ہمنوائے پردہ سنجان چمن خواہد شدن

جنگلی کوا نغمہ سرائی کے شوق میں بال و پر ہلاتے ہوئے

چمن زار کے نغمہ خوانوں (پردہ سنجاں) کا ہمنوا بن جائے گا۔

شاد باش اے دل دریں محفل کہ ہر جا نغمہ ایست
شیونِ رنجِ فراقِ جان و تن خواہد شدن

اے دل اس محفل میں خوشی منا لے کہ جہاں کہیں نغمہ ہے
وہ فراق جسم و جاں کا نوحہ بن جائے گا۔

ہم فروغ شمع ہستی تیرگی خواہد گزید
ہم بساطِ بزمِ مستی پر شکن خواہد شدن

شمع ہستی کی روشنی تاریکی میں تبدیل ہو جائے گی اور
بزم مستی کی بساط میں شکن پڑ جائیں گے۔

از تب و تاب فنا یکبارہ چوں مشت سپند
ہر یکے گرم وداع خویشتن خواہد شدن

فنا کی تڑپ میں ، سپند کے دانوں کی طرح ہر ایک اپنے آپ کو
وداع کر رہا ہوگا۔

حسن را از جلوۂ نازش نفس خواہد گداخت
نغمہ را از پردۂ سازش کفن خواہد شدن

حسن کا سانس اپنے ہی جلوۂ ناز کو دیکھ کر گداز ہو جائے گا
اور نغمہ اپنے ہی ساز کے سروں سے کفن پوش ہوگا۔

دھر بے پروا عیار شیوہ ھا خواہد گرفت
داوری خوں در نہاد ما و من خواہد شدن

زندگی کے طور طریقوں کو پرکھنے کا کام اس بے پروا زمانے کے ہاتھ میں ہوگا اور انصاف، ما و من کے جھگڑوں میں خون ہو کر رہ جائے گا۔

پردہ ھا از روے کار ہمدگر خواہد فتاد
خلوت گبر و مسلماں انجمن خواہد شدن

انسانوں کے باہمی کاموں سے پردہ اٹھ جائے گا، گبر و مسلمان کی (الگ الگ) خلوت گاہ، ایک متفقہ انجمن کی صورت اختیار کر لے گی۔ یعنی ہر طرح کے لطیف امتیازات مٹ جائیں گے۔ ہر شے کا معیار گر جائے گا۔

ہم بفرقش خاک حرمان ابد خواہند ریخت
مرگ عام ایں بیستوں را کوہکن خواہد شدن

اور اس کے سر پر بھی ابدی مایوسی کی خاک ڈال دی جائے گی۔ اس بیستون کے لیے مرگ عام کوہکن بن جائے گی۔

گرد پندار وجود از راهگزر خواہد نشست
بحر توحید عیانی موجزن خواہد شدن

در ته هر حرف غالب چیده ام میخانهٔ
تا ز دیوانم که سر مست سخن خواہد شدن
غالب میں نے ہر حرف کی تہ میں ایک میخانہ رکھ دیا ہے
دیکھیے اب میرے دیوان سے کون سرشار ہوتا ہے ؟

غزل نمبر ۱۸

سرشک افشانی چشم ترش بیں
شه خوباں و گنج گوهرش بیں
اس کے چشم تر کی اشک فشانی دیکھو ۔ اس شاہ خوبان اور
اس کے موتیوں کے خزانوں کو دیکھو (موتیوں کا خزانہ اس کے
آنسو ہیں) ۔

ادائے دلستانی رفته از یاد
هوائے جانفشانی در سرش بیں
(معشوق خود کسی اور پر عاشق ہو گیا ہے یہ ساری غزل
اُسی کی طرف اشارہ کرتی ہے) ۔

اُسے اپنی دلستانی کی ادائیں بھول گئی ہے اب تو اس کے سر
میں عاشقانہ جانفشانیوں کے جذبے پر نظر کر۔

بدشت آوردہ رُو سیل است گوئی
روا رو در گدایان درش بیں

گویا ایک سیلاب ہے جس نے بیاباں کا رخ کیا ہے ، اُس کے
کوچے کے گداؤں میں کیا روا روی آ گئی ہے -

صفاے تن فزوں تر کردہ رسوا
دل از اندیشه لرزاں در برش بیں

اس کے صفاے بدن نے اُس کو اور بھی رسوا کر دیا ہے ،
اُس کا دل اندیشۂ رسوائی سے اس کے سینے میں لرزتا ہوا نظر
آ رہا ہے -

بجا ماندہ عتاب و غمزہ و ناز
متاعِ ناروا ے کشورش بیں

اس کا معشوقانہ عتاب ، اُس کی ادائیں ، اس کا ناز و ادا دھرے
کا دھرا رہ گیا ہے - اُن کی حیثیت اُس کی سرکار میں اب ایسے
مال و متاع کی ہے جس کا رواج نہیں رہا -

رقیب از کوچہ گردی آبرو یافت
بکوے دوست دشمن رہبرش بیں

رقیب کی آبرو کوچہ گردی سے بڑھ گئی ہے کیونکہ وہی (ہمارا

دشمن) اُسے اُس کے دوست کی طرف رہبری کرتا ہے۔

زمن آئین غمخواری پسندید
بشبہا جاے من بر بسترش بیں

اُسے میرا انداز غمخواری پسند آیا ہے چنانچہ راتوں کو مجھے اُس کے بستر پر دیکھو۔

گزشت آں کز غمِ ما بے خبر بود
بخویش از خویش بے پروا ترش بیں

وہ وقت گزر گیا جب وہ ہم سے بے خبر ہوتا تھا اب وہ اپنے سے بھی اس سے زیادہ بے گانہ ہے اور بے خبر ہے۔

مہ نو کردہ کاہش پیکرش را
بچشم کم ہماں مہ پیکرش بیں

کاہش غم نے اس کے پیکر (جسم) کو ماہ نو بنا دیا ہے اور اس میں بھی وہ مہ پیکر دکھائی دیتا ہے۔

چکد در سجدہ خون ازچشم مستش
گدازش ہاے نفس کافرش بیں

سجدے کرتے وقت اُس کی مست آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ دیکھو یہ آنسو اُس کے کافرانہ نفس کا گداز ہیں۔

گر از غم بر لبش جا کرد غم نیست
ز جاں تن زن لب جاں پرورش بیں

اگر غم سے اُس کی جاں اس کے لب پر آ گئی ہے تو غم نہیں ۔
جاں کا ذکر نہ کر اُس کے جاں پرور لبوں کو دیکھ (کہ وہ اب
دوسروں کے لیے جاں پرور ہیں) ۔

خداو ندش بخون ما مگیراد
به بے تابی نگه بر خنجرش بیں

بے تابی کے عالم میں اُس کی نظر اپنے خنجر پر پڑ رہی ہے ۔
دعا ہے اللہ اُسے ہمارا خون بہانے کے جرم میں نہ پکڑے ۔

برسم چاره جوئی پیش غالب
شکایت سنج چرخ و اخترش بیں

اُسے دیکھ کہ اب وہ غالب کے روبرو بیٹھا ہوا چارہ جوئی کے
انداز میں ، آسماں اور ستاروں کی کج رفتاری کا شکوہ کر رہا ہے ۔

ردیف و

غزل نمبر ۱

حق که حق است سمیعے است ، فلانی بشنو
بشنو گر تو خداوند جہانی بشنو

لغت : ''فلانی'' = اے کہ تو فلاں ہے ، معشوق کا نام لیے بغیر اس سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے :

اے فلاں سن ، حق (خدا) جو بر حق ہے وہ سمیع ہے ۔ سن لے اگر تو خداوند جہاں ہے ، سن لے ۔

یعنی اللہ تعالیٰ سمیع ہے وہ لوگوں کی پکار کو سنتا ہے اور تو اگر اپنے کو خداوند جہاں کہتا ہے تو سن ۔

لن ترانی بجواب ارنی چند و چرا
من نہ آنیم بشناس و تو نہ آنی بشنو

لغت : ''ارنی'' = اپنا آپ مجھے دکھا ۔۔۔ ''لن ترانی'' = تو مجھے (ہرگز) نہیں دیکھ سکے گا ۔ یہ وہ قرآنی الفاظ ہیں جو حضرت موسیٰ اور خدائے پاک کے درمیان گفتگو میں آئے ۔

(اس شعر کا اور بعد کے اشعار کا خطاب محبوب ہی سے ہے) ۔

ارنی کے سوال پر یہ لن ترانی کے الفاظ میں جواب ، کب تک اور کیوں ہے ؟ سن لے نہ تو میں وہ (موسیٰ) ہوں اور نہ تو وہ (خدا) ہے ۔

سوے خود خوان و بخلوت گہ خاصم جادہ
آنچہ دانی بشمار آنچہ ندانی بشنو

اپنے یہاں مجھے بلا لے اور اپنی خاص خلوت گاہ میں مجھے جگہ دے (بٹھا لے) - جو کچھ میرے حال کا تجھے علم ہے اُس کا اندازہ کر لے (لفظی طور پر اس کا شمار کر لے) اور جو تو نہیں جانتا اس کے بارے میں مجھ سے سن لے -

پردۂ چند بہ آہنگ نکیسا بسرائے
غزلے چند بہ ہنجار فغانی بشنو

لغت : ''پردہ'' = سُر - - - ''آہنگ'' = لے - - - ''نکیسا'' قدیم ایران کے ایک مشہور موسیقار کا نام ہے اور ایک سُر کا بھی - ''فغانی'' ایک مشہور فارسی شاعر، جو ایک خاص اسلوب سخن کے لیے معروف ہے اور جو یہاں کے غزل گو شعرا میں بہت مقبول ہوا - - - - ''ہنجار'' = اسلوب -

آ اور نکیسا کے انداز میں چند نغمے گا - اور چند غزلیں اسلوب فغانی میں ہم سے سن -

لختے آئینہ برابر نہ صورت بنگر
پارۂ گوش بمن دار و معانی بشنو

لغت : ''صورت'' اور ''معانی'' دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں - ظاہری حالت اور باطنی حالت - عرض اور جوہر، جسم اور روح، لفظ اور معنی وغیرہ وغیرہ -

تھوڑی دیر کے لیے آئینہ اپنے سامنے رکھ اور صورت دیکھ ،
تھوڑی دیر کے لیے میری طرف توجہ کر اور لطیف اور گہری
باتیں سن ۔

هر چه سنجم بتو ز اندیشه پیری بپذیر
هر چه گویم بتو از عیش جوانی بشنو

جو کچھ میں تجھے بڑھاپے کے بھرپور تجربے کی بنا پر سمجھاؤں
وہ قبول کر لے اور کچھ جوانی کی طرب انگیز انداز میں کہوں
وہ سن لے ۔

داستان من و بیداری شبهاے فراق
تا نه خسپی و بپاسم ننشانی بشنو

چاره جو نیستم و نیز فضولی نکنم
من و اندوه تو ، چندانکه توانی بشنو

میں چارہ جوئی کرنے والا نہیں اور اس سلسلے میں فضول ضد
بھی نہیں کرتا ۔ میں نے تری محبت میں جتنے غم و الم اٹھائے ہیں
جہاں تک تو سن سکے سن لے ۔

زینکه دیدی به جحیمم، طلب رحم خطاست
سخنے چند ز غم هاے نهانم بشنو

لغت : ''جحیم'' = دوزخ ۔

تو نے یہ تو دیکھا ہی ہے کہ میں دوزخ میں پڑا ہوں۔ اس کے لیے میں تجھ سے رحم طلب نہیں کرتا۔ میرے غم ہائے پنہاں (اندرونی دکھ) کے بارے میں چند باتیں سن لے۔

نامه در نیمهٔ ره بود که غالب جان داد
ورق از هم در و این مژده زبانی بشنو

ابھی خط راہ ہی میں تھا کہ غالب نے جان دے دی۔ اب خط کو پھاڑ ڈال اور یہ (اُس کے مرنے کی) خوشخبری زبانی سن لے۔

غزل نمبر ۲

عرض خود بِرد که رسوائی ما خیزد ازو
فتنه خوے است ندانم چه بلا خیزد ازو

تا ازیں بے ادبی قہر تو افزوں گردد
گله سازے است که آهنگ خیزد ازو

شاعر نے ''گلہ'' کو بے ادبی سے تعبیر کیا ہے کہتا ہے:
گلہ ایک ایسا ساز ہے کہ اُس سے دعا کی لے اُبھرتی ہے تا کہ اس قسم کی بے ادبی کرنے سے تیرا جور و ستم زیادہ ہو جائے۔
عاشق اس لیے گلے شکوے نہیں کرتا کہ معشوق جور و ستم چھوڑ دے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ گلہ کرنے سے معشوق میں قہر

کا جذبہ بھڑک اٹھے اور وہ زیادہ جور و ستم کرے۔ اسی لیے اس نے کہا ہے کہ ہمارے گلے میں دعا کا ایک پہلو بھی ہے اور وہ دعا پوری ہوگی۔

نم اشکے چو بخاکم بفشانی از مہر
خاک بالد بخود و مہر گیا خیزد ازو

لغت: ''نم اشک'' = آنسوؤں کا پانی۔

جب تو میری قبر پر محبت کے آنسو بہاتا ہے تو میری قبر کی مٹی اپنی خوش قسمتی پہ پھولتی ہے تو اس کے مہر گیا پیدا ہوتی ہے۔

پیش ما دوزخ جاوید بہشت است بہشت
باد آباد دیارے کہ وفا خیزد ازو

ہمارے لیے دوزخ جاوید ہی بہشت ہے۔ اللہ کرے آباد رہے وہ سرزمین جہاں سے وفا آگتی ہے۔

بینوایان تو درد سرِ دعوی ندہند
بشکند ساز وفائے کہ صدا خیزد ازو

تیرے بے نوا تو محبت میں کسی طرح کے ادعا کا اظہار نہیں کرتے۔ اللہ کرے وہ ساز وفا ٹوٹ جائے جس سے کوئی ایسی آواز ابھرتی ہو۔

دل بیاراں چه ره آوردِ سفر عرض کند
مگر آہے که ز جور رفقا خیزد ازو

لغت : ''ره آورد'' = وہ تحفہ جو کوئی شخص دوستوں کے لیے
سفر سے واپسی پر لے جاتا ہے -

ہمارا دل دوستوں کے لیے کونسا تحفہ پیش کر سکتا ہے
سوائے اُس آہ کے جو رفیقان سفر کے جور و ستم کو یاد کر کے
اُبھرتی ہے -

بجہد زیر سر انگشت تو نبضم که مرا
نیست دردے که تمنائے دوا خیزد ازو

تیری انگلی کے نیچے میری نبض کی حرکت اس بات کا پتا
دیتی کہ مجھے کوئی ایسا دکھ نہیں ہے کہ جس سے دوا کی کوئی
خواہش ہو -

بمشام که رسد نکہتِ زلفِ سیہے
که ہمه بیخودیِ بادِ صبا خیزد ازو

اس زلف سیہ کی خوشبو کونسے خوش نصیب کے دماغ میں
پہنچ رہی ہے کہ اس خوشبو میں باد صبا کی سی بے خودی
طاری ہے -

بوسہ بعد از طلبِ بوسہ نہ بخشد لذت
چون جوابے کہ باندازِ حیا خیزد ازو

ایسے بوسے میں جو طلب کرنے پر ملے ، لذت نہیں ہوتی ہے
اس جواب کی طرح جس میں انداز حیا پایا جائے ۔

محو افسون گر نازیم کہ او را باما
دور باشے است کہ آہنگ بیا خیزد ازو

لغت : ''افسون گر ناز'' = محبوب جس کے ناز میں سحر آفرینی ہو - - - ''دور باش'' دور رہو ، نفی کا کلمہ ، رد کرنے کا طریقہ - - - ''بیا'' دور باش کی ضد ، آنے کی دعوت ۔

ہم اُس نازنین کی سحر انگیزیوں میں محو ہیں جس کی دور باش کی آواز میں دعوت کا شائبہ ہوتا ہے ۔

دیگر امروز بما بر سرجنگ آمدہ است
بہ ادائے کہ ہمہ صلح و صفا خیزد ازو

آج وہ پھر ہم سے بر سر پیکار ہے اس ادا سے کہ اُس کا انداز جنگ ہمہ تن صلح و صفائی ہے ۔

بلبلِ گلشن عشق آمدہ غالب ز ازل
حیف گر زمزمۂ مدح و ثنا خیزد ازو

غالب ازل سے باغ عشق میں بلبل کی طرح محبت کے ترانے

گاتا رہا ہے - افسوس ہوگا اگر وہ یہ نغمے چھوڑ کر مدح و ثنا کے بھجن گانے لگے -

''زمزمہ'' اصل میں اس دھیمے سروں میں گائے جانے والے بھجن کو کہتے ہیں جو زردتشتی اپنے معبدوں میں ہلکی آواز میں گاتے تھے - بعد میں نغمے کا مترادف ہو گیا - زیر بحث شعر میں مدح سرائی کو غالب نے بھجن اسی لیے کہا ہے کہ اس میں اصلی معنوی پہلو بھی ہے اور ہلکی سی طنز بھی -

غزل نمبر ۳

گوئی بمن کسے کہ ز دشمن رسیدہ کو
آن پیر زال سست پے قد خمیدہ کو

تو کہتا ہے کہ رقیب کی طرف سے کون میرے پاس آیا؟ سنو! بوڑھی عورت، سست رفتار، قد جھکا ہوا، وہ کون تھی؟ (کوئی کٹنی جو در پردہ پیغام رسانی کا کام سرانجام دیتی ہے) -

یادت نہ کرد خصم بعنوان بلفظ دوست
آن نامۂ نخواندہ ز صد جا دیدہ کو

تجھے ہمارے رقیب (خصم) نے خطاب میں دوست کے لفظ سے بھی یاد نہیں کیا، وہ نہ پڑھا ہوا اور سو جگہ سے پھٹا ہوا خط کہاں ہے؟

رعنا دلت بدختر ہمسایه بند نیست
آں مه رخِ بگوشۂ ایوان خزیده کو

تیرا دل ہمسائے کی لڑکی سے وابستہ نہیں ہے تو وہ مہ رخ تیرے محل کے ایک گوشے میں چھپی بیٹھی ہے کون ہے ؟

دوشینه گل به بستر و بالیں نداشتی
آں برگ گل که در تن نازک خلیده کو

کل رات تیرے بستر اور بالیں پر کوئی پھول نہیں تھا تو پھر وہ پھول کی پتی جو تیرے تن نازک میں چبھی کیا تھی ؟

کس داوری نبرده ز جورت بدادگاه
آں بے گنه که شاه زبانش بریده کو

کسی نے تیرے جور و ستم کے خلاف بارگاہ عدل میں دعویٰ نہیں کیا ۔ وہ بے گنہ جس کی زبان بادشاہ کے حکم سے کاٹ دی گئی ، کون تھا ۔

گوئی به شحنه گوے که کس را نکشته ایم
آں نعش نیم سوخته ز آتش کشیده کو

تو کہتا ہے کہ کوتوال سے کہہ دو کہ ہم نے کسی کو نہیں مارا ، تو پھر وہ آگ سے نیم جلی ہوئی نعش کس کی ہے ؟

گوئی خمش شوی چو زکویم بدر روی
آں دل که جز به ناله به هیچ آرمیده کو

تو کہتا ہے کہ ”جب تو ہمارے کوچے سے جائے تو بالکل خاموشی سے جانا لیکن وہ دل کہ سوئے نالہ تسکین نہیں پاتا کہاں سے لاؤں۔

گوئی دمے ز گریه خونیں بما بر آر
آں مایه خوں که سردهیم از دل بدیده کو

تو کہتا ہے کہ تھوڑی دیر (لمحہ بھر کے لیے) خوں کے آنسو ہمارے سامنے بہا۔ اور وہ جو دل کا اتنا خوں آنکھوں سے بہاتے رہتے ہیں، اس کا کیا ہوگا (وہ کہاں گیا)۔

بشنو که غالب از تو رمیده بکعبه رفت
گفتی شگفتئے که بود ناشنیده کو

سن کہ غالب تجھ سے بھاگ کر کعبے کو گیا اور تو نے کہا یہ عجیب بات ہمارے سننے میں نہیں آئی یہ کیسے اور کب واقع ہوئی۔

غزل نمبر ۴

بالم بخویش بسکه به بندِ کمند تو
مردم گماں کنند که تنگم به بند تو

چونکہ میں تیری کمند عشق میں رہ کر خوشی سے پھولا نہیں سماتا لوگ خیال کرتے ہیں کہ میں اس تیری قید و بند میں تنگ ہوں (تنگ کا ایک پہلو یہ ہے کہ میں آزردہ ہوں) ۔

آزادی ام نخواهی و ترسم کزیں نشاط
بالم بخود چنانکه نگنجم به بند تو

تو مجھے اس بند محبت سے آزاد کرنا نہیں چاہتا اور میں ڈرتا ہوں کہ اس خوشی میں اتنا پھولنے نہ لگ جاؤں کہ تیرے بند محبت میں سما ہی نہ سکوں ۔

تز خویش نا سپاسی و تز سایه در هراس
گوئی رسیده ام بدل درد مند تو

رنجِ قضاست همت آسان گدازِ ما
قهرِ خداست خاطر مشکل پسندِ تو

ہماری ہمت جو ہر کام کو آسان سمجھ لیتی ہے اور اس سے گھبراتی نہیں ، قضا کے لیے دکھ کا باعث بنی ہے (کہ اس شخص

سے کیسے نبٹا جائے) اور تیری مشکل پسند طبیعت قہر خدا ہے ۔

از ما چه دیدهٔ که بما از گدازِ دل
همچو شکر در آب بود نوشخندِ تو

تو نے ہم میں کیا دیکھا ہے کہ ہمارے گداز دل کے باعث تیری میٹھی ہنسی بھی ایسی ہوتی ہے جیسے پانی میں شکر ۔ (یعنی ہمارا دل گداز ہو گیا ہے اور اس میں تمہاری ہنسی بھی آ کر ختم ہو جاتی ہے) ۔

اے مرگ مرحبا که چه مایه دلبری
چشم بد از تو دُور نکویان سپند تو

اے مرگ مرحبا ! تو کتنی محبوب شے ہے ! اللہ کرے تجھے نظر بد نہ لگے ، بڑی بڑی حسین ہستیاں تجھ پر جان دیتی ہیں (یعنی ہرسل کی طرح جل کر تجھے نظر بد سے بچاتی ہیں) ۔

اے کعبه چوں من از دل یار افتاده است
ایں بت که اوفتاده ز طاقِ بلند تو

اے کعبہ ! یہ بت بھی میری طرح یار کے دل سے گرا ہوا ہے ، یہ بت جو طاق بلند سے گرا ہوا ہے ۔

در رهگذر به پرسش ما گر کشیٓ چه باک
آخر شراب نیست عنانِ سمندِ تو

لغت : ''شراب کشیدن'' اور ''عنان کشیدن'' میں کشیدن

کا لفظ محاورۃ آیا ہے ۔ شراب کشیدن ، شراب پینا ہے (شراب کشی) اور عناں کشیدن کا مفہوم باگ کو کھینچنا ، اس شعر میں شاعر نے کشیدن کی رعایت کو ملحوظ رکھا ہے ۔۔۔۔ اگر تو ہمارے پرسش حال کے لیے سر بازار گھوڑے کی لگام کو روک لے تو کوئی ڈر کی بات نہیں آخر یہ جام کشی تو نہیں ہے کہ سرانجام نہ ہو سکے ۔

آن کز تو دل ربوده ندانم که بوده است
یا رب که دور باش ز جانش گزند تو

لغت: ''یا رب'' میں ہر چند کہ یا خطاب کا ہے لیکن فارسی میں یا رب کا ایک اور مفہوم بھی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ''اللہ کرے'' یہاں اسی مفہوم میں آیا ہے ۔

میں نہیں جانتا کہ وہ (خوش نصیب) شخص کون ہے جس نے تیرا دل موہ لیا ہے ۔ اللہ کرے کہ اس کی جان کو تیری طرف سے کوئی گزند نہ پہنچے ۔ (یا رب اللہ تعالیٰ سے خطاب بھی ہو سکتا ۔

هرگونه رنج کز تو در اندیشه داشتم
هم با تو در مباحثه گفتم به پند تو

ہر وہ دکھ جو میرے خیال میں تیری طرف سے تھا وہ میں نے تجھ سے باتوں باتوں میں نصیحت کے پیرائے کہہ دیا ۔

غالب سپاس گوے که ما از زبانِ دوست
می بشنونم شکوۂ بخت نژندِ تو

لغت : ''بخت نژند'' = ٹیڑھا نصیبہ ۔ بد قسمتی ۔ بد حالی ۔

اے غالب! شکر کر کہ ہم نے تیرے دوست کی زبان سے تیری بد نصیبی کی شکایت سنی ہے ۔

یعنی تیرے دوست کو بھی تیری بد حالی کا احساس ہے اور یہ خوشی کی بات ہے ، بلکہ خوش قسمتی ہے ۔

غزل نمبر ۵

گستاخ گشتہ ایم غرور جمال کو
پیچیدہ ایم سر ز وفا ، گو شمال کو

ہم گستاخ ہو گئے ہیں ، غرور حسن کہاں ہے (غرور حسن کو کیا ہوا) کہ وہ یہ برداشت (گوارا) کر رہا ہے ۔ ہم نے وفا سے منہ موڑ لیا ہے ، اس کی سزا کہاں ہے؛ ہمیں سزا کیوں نہیں دی جاتی ۔

تا کے فریبِ حلم ، خدا را ، خدا نہٗ
آن خوئے خشمگیں و ادائے ملال کو

لغت : ''حلم'' = بردباری ،۔۔۔۔ ''خدا را'' = میں را کا حرف واسطہ کا مفہوم دیتا ہے یعنی تجھے خدا کا واسطہ ۔

''ملال'' = تنگ آ جانا ، اُکتا جانا ۔ اُکتاہٹ ۔
خدا کو حلیم کہا جاتا ہے اور حلم رب کی ایک صفت ہے ۔
معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے :
خدا کے واسطے یہ بتاؤ کہ تم کب تک ہمیں اپنی بردبادی کا فریب دو گے ، تم خدا تو نہیں ہو ۔ تمہاری وہ غضب ناک ہونے کی خو اور جلد اُکتا جانے کی ادا کو کیا ہوا ؟

بر گشته ام ز مهر و نمی گیری ام به قهر
دارم دو صد جواب ولی یک سوال کو

میں نے محبت سے روگردانی کی ہے اور تو سختی سے اس بات پر گرفت نہیں کرتا ۔ میرے پاس (اس بات کے) دو سو جواب موجود ہیں لیکن ان جوابوں کے لیے کوئی ایک سوال (پوچھ گچھ) تو تیری طرف سے ہو ۔

یا می گسست صحبت یا می فزود ربط
لیکن مرا ملال و ترا انفعال کو

یا تو (ہمارا) ملاپ ہی ختم ہو گیا ہے یا پھر باہمی ارتباط بڑھ گیا ہے ۔ لیکن اس کا مجھے ملال کیوں نہیں اور تجھے شرمساری کیوں نہیں ۔

خواهی که بر فروزی و سوزی در نگ چیست
خواهم که تیز سوئے تو بینم ، مجال کو

تو چاہتا ہے کہ تیرا حسن بھڑک اٹھے اور مجھے جلا دے ،

تو پھر دیر کیسی؟ میں چاہتا ہوں کہ جی بھر کے تجھے دیکھوں (تیز نگاہی سے نظریں جما کر) لیکن اس کی مجال مجھ میں کہاں؟

گر گفته ایم کشتن و بستن بما مخند
ما را تدار کے بسزا در خیال کو

اگر ہم نے اپنے باندھنے اور قتل کرنے کو کہا ہے تو ہم پر مت ہنس، ہم میں مناسب تدارک کرنے کا خیال ہی کہاں آ سکتا ہے۔

داغم ز رشکِ شوکتِ صنعاں ولے چه سود
آن دستگاہِ طاقتِ ہفتاد سال کو

من بوسه جوو تو به سخن دارم نگاه
لب تشنه با گہر چه شکیبد زلال کو

میں بوسے کا طلبگار ہوں اور تو نے مجھے باتوں میں لگا رکھا ہے۔ ایک پیاسے کو آب گہر سے کیا تسکین ہو سکتی ہے۔ زلال کہاں ہے؟

شاعر نے محبوب کی آب دندان کو گہر سے تشبیہ دی ہے اور بوسے کو زلال (آب شیریں) کہا ہے۔

دل فتنه جو و فرصت تکمیل عشق نیست
ہنگامه سازیِ ہوس زود بال کو

دل محبت میں ہنگامے اور فتنے بپا ہونے کا متمنی ہے مگر عشق

کی تکمیل کے لیے اتنی فرصت نہیں ہے۔ ہوس زود بال (جو فی الفور پرواز کر جاتی ہے) کی ہنگامہ سازیاں کہاں ہیں جن سے کام جلدی میں ہو سکتا ہے۔

لب تا جگر ز تشنگیم سوخت در تموز
صاف شراب غورہ و جام سفال کو

لغت: ''غورہ'' = ''انگور'' وہ انگور جو پہلے پہل پک کر تیار ہوتا ہے۔

گرمی سین میں لب سے لے کر جگر تک جل اٹھا ہوں۔ انگور کی صاف شراب اور جام سفال کہاں ہیں (کہ پیاس بجھاؤں) اور اس گرمی کو دور کروں۔

در بادۂ طہور غم محتسب کجا
در عیشِ خلد آفتِ بیم زوال کو

شراب طہور میں محتسب کا ڈر کہاں۔ جنت کی عیش گاہ میں زوال کا خوف کہاں؟

غالب بشعر کم ز ظہوری نیم ولے
عادل شہِ سخن رسِ دریا نوال کو

لغت: ''ظہوری'' = عادل شاہ دکنی کے دربار سے وابستہ تھا اور مرزا غالب اس کی نظم و نثر کا مداح تھا۔

''دریا نوال'' = سمندر کی سخاوت والا۔ ''سخن رس'' = سخن فہم و سخن شناس اور شعر و ادب کی داد دینے والا۔

اے غالب میں شاعری میں ظہوری سے کم نہیں ہوں لیکن عادل شاہ جیسا سخن شناس اور مربی شعر و ادب (آج) کہاں ہے؟

غزل نمبر ۹

دولت بغلط نبود، از سعی پشیماں شو
کافر نتوانی شد، ناچار مسلماں شو

خوش بختی یونہی نصیب نہیں ہوتی، اس کے حصول کے لیے اپنی و سعی کوشش پر پشیماں ہو۔

اگر تو کافر نہیں ہو سکتا تو ناچار مسلمان ہی ہو جا۔

مسلمانی تو سلامتی کی رہ ہے ہر شخص اس پر آسانی سے چل سکتا ہے، کافر ہونا کٹھن کام ہے ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

از هرزه رواں گشتن قلزم نتواں گشتن
جوئی به خیاباں رو، سیلی به بیاباں شو

یونہی بیہودہ راہروی سے قلزم نہیں بن سکتے۔ اگر تو ندی ہے تو خیاباں میں جا اور اگر تو سیلاب ہے تو بیاباں کا رخ کر۔

ہر قطرہ اپنے ظرف کے مطابق کسی منزل پہ پہنچتا ہے۔ چھوٹی سی جوئے آب کے لیے گلستان ہی موزوں ہے اور سیلاب کے لیے بیاباں کی وسعتیں موجود ہیں۔

ہم خانہ بہ ساماں بہ ، ہم جلوہ فراواں بہ
در کعبہ اقامت کن ، در بتکدہ مہماں شو

اپنی اقامت تو کعبے میں رکھ لیکن مہمان بت خانے کا بن کیونکہ بت خانے میں ساز و سامان بھی ہے اور جلوؤں کی فراوانی بھی ہے ۔ بت خانے میں تو کوئی صورت بھی ہے اور کعبے میں تو اللہ ہی اللہ ہے ۔

آوازۂ معنی را بر ساز دبستاں زن
ہنگامۂ صورت را بازیچۂ طفلاں شو

لغت : ''آوازہ'' = نعرہ ، نغمۂ بلند آہنگ ۔
''معنی'' = باطنی حقیقت ۔

حق سرائی کے نغمے کو ساز دبستاں پر گا اور محض صورت آرائی کا ہنگامہ ہو تو اس کے لیے بازیچۂ اطفال (بچوں کا کھیل) بن جا ۔

معنے کا اظہار یا حق سرائی کا مقام اور ہے ۔ محض ظاہرا صورت آرائی تو بچوں کا کھیل ہے ۔

افسانۂ شادی را یکسر خط بطلاں کش
غمنامۂ ماتم را آرائش عنواں شو

لغت : ''خط بطلاں'' = کسی حرف یا بات کو غلط قرار دینے کے لیے اس پر جو لکیر کھینچی جائے وہ خط بطلان ہے ۔

خوشیوں کے افسانے کو یکسر غلط قرار دے اور ماتم کی الم ناک داستانوں کو عنوان کی آرائش بنا لے۔

گر چرخ فلک گردی، سر بر خطِ فرمان نہ
ور گوے زمیں باشی وقفِ خمِ چوگاں شو

لغت: "سر بر خط فرماں نہ" = فرماں کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔

"خم چوگاں" = چوگاں کے بلے کا خم جو بلے کے آخیر میں ہوتا ہے جس سے گیند کو کھینچ کر لے جاتے ہیں۔

"چرخ فلک گرد" = فضا میں گھومنے والا "چرخ"۔۔۔۔ "گوے زمین" = کرۂ زمین (زمیں گیند کی طرح گول ہے)۔

گوے زمیں میں اضافت تشبیہی ہے۔ یعنی زمین جو گیند کی طرح ہے۔

اگر تو گردش کرنے والا سیارہ ہے تو قدرت کے فرماں پر سر تسلیم خم کر دے اور اگر تو گوئے زمیں ہے، اپنے آپ کو خم چوگاں کے لیے وقف کر دے۔

یعنی ہر حال میں سر تا پا تسلیم و رضا بن جا۔

آوردہ غمِ مشقم در بندگیِ ایزد
اے داغ بدل در رو، و ز جبہہ نمایاں شو

غم عشق بالآخر مجھے اطاعت ایزدی تک لے آیا۔ اے داغِ غم عشق اب دل میں دب جا اور پھر (ابھر کر) پیشانی پر ظاہر ہو (داغ پیشانی بن جا)۔

گویا داغِ پیشانی نشانِ اطاعت خداوندی ہوگا (سجدے کا نشان) ۔

در بند شکیبائی مُردم ز جگر خائی
اےحوصلہ تنگی کن ، اے غصہ فراوان شو

صبر و شکیب کی پابندی میں رہ کر میں اپنا جگر چاٹ چاٹ کر مر گیا ۔ اے مرے حوصلے ذرا تنگی دکھا اور اے غم ذرا زیادہ ہو جا ۔

دکھ میں صبر کرنا حوصلے کی بات ہے ، حوصلہ کم ہوگا تو انسان ضبط کی کوفت سے بچ جاتا ہے اور اگر غم ہی بڑھ جائے تو پھر صبر و تحمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

سرمایہ کرامت کن و آنگاہ بغارت بر
بر خرمنِ ما برقے بر مزرعہ باران شو

پہلے کوئی سرمایہ عطا کر اور پھر اُسے لوٹ لے ۔ کھیت پہ باران بن کر برس اور ہمارے خرمن پر برق بن کے گر (اور اُسے برباد کر دے) ۔

جاں دادبہ‌غم غالب ، خوشنودیِ روحش را
در بزم عزا مے کش ، در نوحہ غزل‌خواں شو

غالب نے غم میں جان دے دی ، اب اُس کی روح کی خوشنودی کی خاطر بزم ماتم میں شراب پی اور نوحہ کی جگہ غزلخوانی کر ۔

ردیف ہ

غزل نمبر ۱

میرود خندہ بسامان بہاران زدۂ
خون گل ریختہ و مے بگلستاں زدۂ

اس نے باغ میں شراب پی اور (اپنے درخشاں چہرے سے) پھولوں کا خون بہایا اور اب سامان بہاراں پر خندہ زن ہو کر جا رہا ہے ۔
یعنی اس کے دمکتے ہوئے چہرے سے باغ کے پھول ماند پڑ گئے اور یہی سامان بہار تھا ۔ اس سامان بہار کو اس نے اپنے حسن سے لوٹ لیا اور اب طنز کی ہنسی ہنس کر جا رہا ہے ۔

شور سودائے تو نازم کہ بہ گل می بخشد
چاکے از پردۂ دل سر بگریباں زدۂ

تیری محبت کی شور انگیزیوں کے قرباں کہ اس نے پھول کو چاک دامانی عطا کی ہے اور سر بگریباں ہونا سکھا دیا ہے (پھول کی پتیاں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دامن چاک چاک ہو گیا اور شاخ گل کو خمیدہ دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے غمزدہ ہے اور سر در گریباں پڑا ہے) ۔

آہ از بزم وصال تو کہ ہر سو دارد
نشتر از ریزۂ مینا بہ رگِ جاں زدۂ

توبہ یہ تری بزم وصال! اس میں ہر طرف لوگ ریزۂ مینا کا

نشتر رگ جاں پہ کھائے پڑے ہیں ۔

شور اشکے بفشار بُن مژگاں دارم
طعنہ بر بے سر و سامانیِ طوفاں زدۂ

میری ہر بن مژہ کے اندر آنسو کا ایک (ایسا) شور تلاطم بپا ہے جو طوفان کی بے سر و سامانی پر طعنہ زن ہوتا ہے ۔
یعنی ہر قطرۂ اشک طوفاں سے کہیں بڑھ کر ہے ۔

اندریں تیرہ شب از پردہ بروں تاختہ است
مے روشن بطرب گاہِ حریفاں زدۂ

لغت: ''مے زدہ'' = شراب پی کر ۔ مست ہو کر ۔
اس سیہ رات میں وہ ہمارے حریفوں کی عیش گہ میں مے درخشاں کے جام اڑا کر ، پردے سے باہر آیا ہے ۔

فرصتم باد کہ مرہم نہ زخم جگر است
خندہ بر بے اثری ہائے نمکداں زدۂ

کہتے ہیں کہ زخم پر نمک چھڑکنے سے درد بڑھ جاتا ہے ۔ اسی لیے ''زخم پر نمک چھڑکنا'' محاورہ ہے ۔ ایذا رسانی کے لیے نمکداں کی بے اثری پر ہنسی میرے زخم پر مرہم کا کام دے رہی ہے ۔ (اللہ کرے یہ بے اثری جاری رہے) ۔

خوش بسر می دود از ضربت آہم ہر سو
چرخ، سرگشتہ تر از گوے بچوگاں زدۂ

لغت: ''گوے بچوگاں زدۂ'' = وہ گیند جس نے چوگاں کی ضرب کھائی ہو (زور سے گردش کرنے والی گیند)۔

میری آہوں کی ضرب سے گوے چوگاں سے کہیں زیادہ آسماں سر پٹ دوڑ رہا ہے۔

گردش آسمانی کو اپنی آہوں کے اثر سے منسوب کیا ہے۔

خوش نوا بلبل پروانہ نژادے دارم
شعلہ در خویش ز گلبانگ پریشاں زدۂ

لغت: ''پروانہ نژاد'' = پروانے کے خاندان سے۔

میرے پاس ایک پروانہ نژاد بلبل ہے جو اپنی ہی فریاد پریشان سے اپنے آپ پر شعلہ فشانی کر کے اپنے آپ کو جلا لیتی ہے۔

یہ بلبل پروانہ نژاد خود شاعر کا دل ہے یا خود شاعر ہی ہے۔

آہ از آں نالہ کہ تا شب اثرے باز نداد
بہ ہم آہنگی مرغانِ سحر خواں زدۂ

حیف اس نالے پر جو ہم نے مرغان سحر سے ہم آہنگ ہو کر کیا تھا، اور اس کا اثر رات تک نہ گیا۔

چمن از حسرتیانِ اثر جلوۂ تست
گل شبنم زدہ باشد لب دنداں زدۂ

لغت : ''حسرتیاں'' = حسرتی کی جمع ، (حسرتی میں ''ی'' فاعلی ہے) ۔ حسرت کرنے والے ۔

''گل شبنم زدہ'' = پھول جس پر شبنم پڑی ہو ۔ ۔ ۔ ۔ لب دنداں زدہ = وہ لب جنھیں دانتوں میں کاٹا گیا ہو ۔

حسرت کے عالم میں انسان اپنے دانتوں سے اپنے لبوں کو چباتا یا کاٹتا ہے ۔

باغ کو تیرے حسن کے جلوں کی اثر انگیزی کی حسرت ہے ۔ یہ شبنم آلودہ پھول حسرت میں کاٹے ہوں لبوں کی طرح ہیں ۔

خاک در چشم ہوس ریز ،چہ جوئی از دہر
بارگاہے بفراز سر کیواں زدۂ

تیری بارگاہ تو کیواں (ستارہ) کی بلندیوں کے اوپر ہے تو اس دنیا سے کیا طلب کر رہا ہے ۔ اپنی اس ہوس کی آنکھوں میں خاک ڈال ۔

انسان کا مقام تو فلک پر ہے ۔ اس دنیا کی ہوس اس کے شایان شان نہیں ۔

بہ نگر موج غبارے و ز غالب بگزر
اینک آندم ز ہوا داریِ خوباں زدۂ

غالب کی ہستی کا ذکر چھوڑ ، ایک موج غبار کے سوا کیا

ہے اور یہ موج غبار بھی وہ ایک سانس ہے جو اس نے زندگی میں مہ جبینوں کی دلداریوں میں کھینچا تھا ۔

غزل نمبر ۲

بتے دارم از اہل دل رم گرفته
بشوخی دل از خویشتن ہم گرفته

میرا ایک معشوق ہے جو اہل دل سے بھاگتا ہے ۔ اس کی شوخی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے سے بھی دل گرفتہ ہے (یعنی اپنے سے کنارہ کش ہے) ۔

ز سفاک گفتن جو گل بر شگفته
دریں شیوہ خود را مسلم گرفته

اسے سفاک کہو تو پھول کی طرح شگفتہ ہو جاتا ہے اور اس انداز خو میں وہ مسلم ہے ۔

رگِ غمزہ از نیشِ مژگاں کشودہ
سرِ فتنه در زلفِ پر خم گرفته

اس نے اپنی مژگاں کے نشتر سے غمزے کی رگوں کو چیرا ہے اور فتنہ انگیزیاں زلف پر خم سے سیکھی ہیں ۔

برخسارہ عرض گلستان ربودہ
بہ ہنگامہ عرض جہنم گرفتہ

اس نے اپنے رخساروں سے گلستاں کی آبرو چھین لی ہے اور ہنگامہ آرائیوں میں جہنم کو گھیر لیا ہے۔

فسون خواندہ و کار عیسی نمودہ
پری بودہ و خاتم از جم گرفتہ

افسون خوانی کی ہے اور اعجاز مسیحائی دکھایا ہے۔ پری ہے اور حضرت سلیمان سے انگوٹھی چھین لی ہے۔ حضرت سلیمان کی انگوٹھی دیو نے چرائی تھی۔

ز ناز و ادا تن بہ معجز ندادہ
بشرم و حیا رخ ز محرم گرفتہ

وہ اپنے ناز و ادا کے معجزوں اور شعبدوں کی نمائش کی طرف مائل نہیں۔

اور شرم و حیا کا یہ عالم ہے کہ محرم سے منہ چھپاتا ہے۔

دمش رخنہ در زہد یوسف فگندہ
غمش گندم از دست آدم گرفتہ

اس کا سانس زہد یوسف میں بھی رخنہ پیدا کرتا ہے۔ اس کا غم دست آدم سے گندم چھین لیتا ہے۔

گہے طعنہ بر لحنِ مطرب سرودہ
گہے خردہ بر نطقِ ہمدم گرفتہ

لغت : ''طعنہ سرودن'' = طعنہ زنی کرنا ، سرودن اچھے انداز اور لحن کے اعتبار سے کہا ہے ۔
خردہ گرفتن'' = غلطی نکالنا ۔ نکتہ چینی کرنا ۔
کبھی وہ مطرب کے لحن (آواز) پر طعنہ زنی کرتا ہے اور اپنے ہمدم کی باتوں پہ نکتہ چینی کرتا ہے ۔

بہ بیداد صد کشتہ برہم نہادہ
ببازیچہ صد گونہ ماتم گرفتہ

جور و ستم میں سو انسانوں کو مار کر دکھ دیتا ہے اور پھر تفریح کے انداز میں کئی طرح کے ماتم کرتا ہے ۔

برویش ز گرمی نگہ تاب خوردہ
بکویش برفتن صبا دم گرفتہ

اس کے چہرے پر نگاہیں گرمی سے پیچ و تاب کھاتی ہیں اور اس کے کوچے میں چلتے چلتے صبا کا سانس اکھڑ جاتا ہے ۔

نیارد ز من ہیچگہ یاد ہرگز
مگر خوئے خاقانِ اعظم گرفتہ

وہ مجھے کبھی بھی یاد نہیں کرتا ، شاید اس میں خاقان اعظم کی خو آ گئی ہے ۔

ظفر کز دم آوست در نکته سنجی
که غالب بآوازه عالم گرفته

یعنی ظفر (بادشاہ) جس کے دم قدم کی برکت سے غالب کی نکتہ آفرینیوں (شاعرانہ) کی شہرت سارے عالم میں پھیل گئی ہے۔

غزل نمبر ۳

گاہے بچشمِ دشمن و گاہے در آئنہ
پرُکار عیب جوئے خویشم ہم آئنہ

لغت: ''پرکار'' = چالاک، پر فن ---- ''عیب جو'' = عیب ڈھونڈنے والا --- ''ہر آئنہ'' = ہر صورت میں، لازمی طور پر۔

میں کبھی دشمن کی آنکھ میں اور کبھی آئینے میں اپنے نقائص (کمزوریاں، عیب) دیکھتا ہوں۔ لیکن جیسا بھی ہو، میں لازماً آپ اپنا ایک بڑا چالاک عیب جو ہوں۔

حیرت نصیب دیدہ ز بے تابیِ دل است
سیماب را حقے است ہمانا بر آئنہ

آئینے کے پیچھے پارے کی تہ چڑھی ہوتی ہے اور پارہ بے تاب ہوتا ہے --- حیرت کے عالم میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں، اسی وجہ سے لوگ آئینے کو حیرت زدہ باندھتے ہیں۔ شاعر نے اپنے

دل بے تاب کو سیماب کہا ہے اور اپنی حیرت زدہ آنکھوں کو آئینے سے تشبیہ دی ہے ۔ شاعر اپنی حیرت زدہ آنکھوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ہماری آنکھوں کی حیرت ہمارے دل کی بے تابی کے باعث ہے ۔ تقیناً سیماب کا آئینے پر ایک حق ہے ۔

تا خود دلِ کہ جلوہ گہ روے یار شد
خنجر بخویش می کشد از جوہر آئنہ

آئینے کی چمک کو (جوہر) جوہر خنجر (چمک) یعنی خنجر کہا ہے ۔ کہتا ہے:

آخر کس کا دل جلوہ گہ یار بن گیا ہے کہ آئنہ اپنے جوہر کا خنجر اپنے سینے میں گھونپ رہا ہے ۔

یعنی آئنہ تو عکس یار (جلوہ یار) کی تاب نہیں لا سکتا ۔ وہ تو اپنے جوہر کا خنجر اپنے سینے میں گھونپ لیتا ہے تو پھر کس کا دل اس کے چہرے کی جلوہ گاہ بن گیا ہے ۔

باشد کہ خاکساریِ ما بر دہد فروغ
گوئی سپردہ ایم بہ روشنگر آئنہ

(ہم نے خاکساری اختیار کی ہے) شاید اس خاکساری سے ہماری چمک ابھر آئے ۔ گویا ہم نے آئینہ ، آئینہ صیقل کرنے والے (روشن گر) کے سپرد کیا ہے ۔

روشن گر آئینے کو خاک یا خاکستر سے چمکاے ہیں ۔

محو خودی و داد رقیباں نمی دہی
اے بر رُخت ز چشم تو حیران تر آئینہ

تو اپنے آپ میں محو ہے اور رقیبوں کی کوئی داد نہیں ۔ دیکھ کہ تیرے چہرے کے روبرو ، آئینہ تیری آنکھوں سے زیادہ حیران ہے ۔

معشوق اپنا عکس آئینے میں دیکھ کر حیران ہے اور اُسی میں کھو گیا ہے ۔ اُدھر آئینہ ہے جو اُسی حیرت سے اُس کو دیکھ رہا ہے لیکن معشوق کو اس کی خبر نہیں ۔

شاعر نے آئینے کو اپنا رقیب کہا ہے کیونکہ وہ روے یار کے جلووں سے فیض یاب ہوتا رہتا ہے ۔

دورت ربودہ ناز بخود ہم نمی رسی
تا چند در ہوائے تو ریزد پر آئنہ

ناز تجھے اپنے سے اتنا دور لے گیا ہے کہ تیری اپنے تک بھی رسائی نہیں ۔ آئینہ کب تیری ہوا (تمنا) میں پرواز کرتا اپنے پر جھاڑتا رہے گا ۔

(ہوا کے ایک معنی خواہش اور تمنا کے بھی ہوتے ہیں) ۔

دردا کہ دیدہ را نم اشکے نماندہ است
کاندر وداعِ دل زند آبے بر آئنہ

پرانی رسم تھی کہ جب کسی کو وداع کرتے تھے تو شگون نیک کے لیے آئینے پر پانی گراتے تھے ۔

افسوس کہ آنکھ میں ایک قطرۂ اشک بھی باقی نہیں رہا کہ دل کو وداع کرتے وقت آئینے پر گرایا جا سکے۔

در ہر نظر برنگ دگر جلوہ می کنی
حسنت طلسم و فتنہ و افسون گر آئنہ

ہر نظر میں تیرے حسن کا جلوہ کچھ اور ہے۔ تیرا حسن فتنوں کا ایک طلسم ہے اور آئینہ اس طلسم یا افسوں کو پیدا کرنے والا ہے۔

ہر یک گدائے بوسہ و نظارۂ کسے است
از جم پیالہ بین و ز اسکندر آئنہ

ہر ایک کسی کے بوسے اور نظارے کا بھکاری ہے۔ دیکھ لو جمشید کے پاس پیالہ ہے (جام جم) اور سکندر کے پاس آئینہ۔ (کہا جاتا ہے کہ آئینہ پہلے پہل سکندر کے حکم سے بنایا گیا تھا)۔

آہن چہ دادِ غمزۂ سحرِ آفریں دہد
غالب بجز دلش نبود در خور آئنہ

لغت: "در خور" = مناسب۔ قافیے میں عموماً "خ" مفتوح آتا ہے۔ خود اور خوش کے الفاظ بھی ایسے ہی ہیں۔ در خور کے معنی ہیں موزوں مناسب شروع میں آئینہ لوہے (فولاد) کا بنا ہوا ہوتا تھا۔ اسی لیے برسات میں اس میں زنگ لگ جاتا تھا اور اُسے صیقل کرتے تھے۔ آئینے کے زنگ آلود ہونے، اور اس کے صیقل کرانے کے اشارے کثرت سے ہماری شاعری میں موجود ہیں۔

جیسے اس شعر میں :

لوہا (یعنی لوہے کا آئینہ) اس کے غمزۂ سحر آفریں کی کیا داد دے گا اے غالب ، دل کے سوا اُس کے لائق کوئی اور آئینہ نہیں ہو سکتا

غزل نمبر ۴

شاہا بہ بزم جشن چو شاہاں شراب خواہ
زر بے حساب بخش و قدح بے حساب خواہ

اے بادشاہ! بزم جشن میں ، بادشاہ کی شان کے مطابق شراب موجود ہونی چاہیے - دولت بے حساب لٹانے کا حکم دو اور لا تعداد جام شراب مہیا کرنے کا فرمان دو -

بزمت بہشت و بادہ حلال است در بہشت
گر باز پرس رو دہد از من جواب خواہ

تیری بزم بہشت ہے اور بہشت میں شراب حلال ہے - اگر کوئی باز پرس ہو تو جواب دہی کے لیے مجھے حکم کیجیے -

تو پادشاہ عہدی و بخت تو نوجوان
برخور ز عمر و باج نشاط از شباب خواہ

تو پادشاہ وقت ہے اور بخت جوان کا مالک - زندگی

سے لذت اندوز ہو اور جوانی سے عیش و نشاط حاصل کر
(باج مانگ) ۔

در روزہائے فرخ و شب ہائے دلفروز
صہبا بروز ابر و شب ماہتاب خواہ

ان مبارک دنوں اور چمکتی ہوئی راتوں کو (گزارنے کے لیے)
ابر کے دن اور چاندنی رات میں شراب کا دور چلنا چاہیے ۔

در خور نباشد ارمئے گلگوں بہ ہیچ رُو
شربت بجام لعل ز قند و گلاب خواہ

اور اگر کسی طرح سے بھی شراب سرخ مناسب نہیں ہے تو
قند و گلاب کا شربت جام لعلیں میں لانے کا حکم دے ۔ (شراب
نہیں تو وہی سہی) ۔

خونِ حسود در دم شادی شراب گیر
چوں بادہ ایں بود ، دل دشمن کباب خواہ

لغت : ''حسود'' = حاسد ۔ یہ صیغۂ مبالغہ ہے بہت حسد
کرنے والا جیسے ظلوم اور جہول ، بہت ظالم اور بہت جاہل ۔
''شراب گیر'' = شراب سمجھ (یعنی شراب سمجھ کے پی) اور
اسی طرح ''دل دشمن کباب خواہ'' = دشمن کے دل ہی کو کباب
بنا لے ۔

خوشی کی تقریب میں حاسد کا خون شراب سمجھ کر پی اور
دشمن کے دل کو کباب بنا کر کھا ۔

گل بوے و شعر گوے و گہر پاش و شادباش
مستی ز بانگِ بربط و چنگ و رباب خواہ

لغت: ''بوئیدن'' مصدر سے بوے فعل امر ہے۔ پھولوں کو سونگھ۔

پھولوں کو سونگھ، شعر خوانی کر، موتی لٹا اور خوشیوں سے کھیل۔ محفل میں کیفیت پیدا کرنے کے لیے، بربط، چنگ اور رباب کے سازوں کے مست کر دینے والے نغمے سن۔

خونِ سیاہِ نافۂ آہو چہ بو دہد
از حلقہ ہاے زلفِ بتاں مشک ناب خواہ

نافۂ آہو کا خون (مشک) کیا خوشبو دے گا۔ حسینوں کی پر پیچ زلفوں سے مشک ناب حاصل کر۔

خواہش ازیں گروہ پری چہرہ ننگ نیست
ازچشم غمزہ، و ز شکنِ طرہ تاب خواہ

ان پر چہرہ لوگوں سے کسی شے کی خواہش کرنا شرم کی بات نہیں۔ ان کی حسین آنکھوں سے غمزے اور ان کی زلفوں سے پیچ و خم طلب کر۔

از رازہا حکایت ذوقِ نگاہ گو
از کارہا کشایش بند نقاب خواہ

راز و نیاز کی باتیں کرنی ہوں تو حسینوں کی دلکش نظروں کی

داستان بیان کر اور اگر مشغلوں کا سلسلہ ہو تو سب سے بہتر مشغلہ کسی حسینہ کی نقاب کشائی ہے۔

هر چند خواستن نه سزاوار شان تست
قوت ز طالع و نظر از آفتاب خواه

لغت: ''طالع'' = نصیبہ۔۔۔۔ یہ علم ہئیت کی ایک اصطلاح بھی ہے۔

اگرچہ طلب کرنا تیرے شایان شان نہیں ہے۔ تو بخت سے قوت اور آفتاب سے نظر طلب کر۔

در تنگنائے غنچه کشایش ز باد جو
در جوئبار باغ روانی ز آب خواه

غنچے (کلی) کے سلسلے میں باد صبا کا تذکرہ کر اور جوئبار باغ میں آب رواں کی باتیں کر۔

در برگ و ساز گوئے نشاط از بہار بر
دربذل و جودُ بیعتِ خویش از سحاب خواه

عیش و نشاط کے ساز و سامان کی فراہمی میں بہار پر سبقت لے جا۔ اور سخاوت اور بخشش میں اتنا آگے نکل جا کہ بادل تیری بیعت کرے۔

از شمعِ طور خلوتِ خود را چراغ نہ
از زلفِ حور خیمۂ خود را طناب خواہ

شمع طور کو اپنی خلوت گاہ کا چراغ بنا لے - اور زلف حور سے اپنے خیمے کی طنابوں کا کام لے -

از آسمان نشیمن خود را بساط ساز
از ماہِ نو جنیبت خود را رکاب خواہ

آسمان کو اپنے محل کا فرش بنا لے اور ماہ نو کو اپنے (گھوڑے کے) ساز کی رکاب -

در حقِ خود دعاے مرا مستجاب داں
دربارۂ من از کفِ خود فتح باب خواہ

لغت : ''فتح باب'' = لفظی معنی ہیں دروازے کا کھلنا - - - کشایش ، حل مشکلات -

اپنے بارے میں یہ سمجھ لے کہ میں جو دعا (صدق دل سے) مانگ رہا وہ قبول ہوں گی -

اور میرے بارے ، اپنے ہاتھوں سے میری مشکلات کو حل کر -

غالب قصیدہ را بشمار غزل در آر
و ز شہ بریں غزل رقم انتخاب خواہ

اے غالب ! اس قصیدۂ شاہ کو غزل میں شمار کر اور بادشاہ سے اس غزل کو انتخاب (پسند) کرنے کی آرزو کر -

غزل نمبر ۵

دارم دلے ز غصہ گرانبار بودۂ
بر خویشتن ز آبلہ چیزے فزودۂ

لغت: ''غصہ'' = انتہائی غم و اندوہ۔

قدرت نے مجھے وہ دل دیا ہے جو غم و اندوہ کے بوجھ سے اس قدر لدا ہوا ہے کہ ایک چھالے (آبلہ) کے پڑ جانے کو بھی اضافہ سمجھتا ہے۔

دل ز آں بلا کزو نفسے برقِ خرمنے
بخت آنچناں کزو اثر مرگ دودۂ

دل وہ بلا کہ اس سے جو سانس ابھرتا ہے ایسی برق ہے جو خرمن ہستی کو جلا دے۔ اور نصیب ایسا (ہوا) کہ موت اس کے مقابل دھوئیں کا سیہ غبار دکھائی دے۔

از بہرخویش ننگم و دارم ز بخت چشم
خود را در آب و آئنہ رخ نا نمودہ

اپنے لیے باعث ننگ ہوں، اور نصیب سے امیدیں لگائے بیٹھا ہوں۔ اپنا منہ پانی اور آئینے میں دیکھا نہیں۔

گمنام و زہد کیشم و خواہم بمن رسد
در رخت خواب شاہ بمستی غنودۂ

گمنام ہوں اور زہد پیشہ ہو اور چاہتا ہوں کہ میرے بستر

میں شاہ مستی کے عالم میں اونگھتا آ جائے۔

خواہم ز خواب بر رخِ لیلیٰ کشائمش
چشمے نگہ بہ پردۂ محمل نسودۂ

چاہتا ہوں کہ جب خواب سے بیدار ہوں تو میری آنکھ لیلیٰ کے چہرے پہ پڑے ۔ ۔ ۔ وہ آنکھ جس کی نگہ کبھی پردۂ محمل سے بھی نہیں چھوئی۔

خواہم شود بہ شکوہ و پیغارہ رام من
در گونہ گوں ادا بہ زباں ہا ستودۂ

میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے شکووں اور طعنوں سے مطیع ہو جائے ۔ ۔ ۔ وہ جس کی ستائش میں بے شمار زبانیں، طرح طرح کے انداز میں، زور بیان دکھاتی ہیں۔

یعنی وہ لوگوں کی مدح و ستائش کو خاطر میں نہیں لاتا، میرے شکووں کو کیسے برداشت کرے گا۔

با دین و دانشے چو منے تا چہا کند
سجادہ و عمامہ ز صنعاں ربودۂ

جس نے پیر صنعاں (جنید) سے سجادہ و عمامہ چھینا ہو وہ میرے جیسے کے دین و دانش کو کیا کرے گا۔

با دوستاں مباحثہ دارم ز سادگی
در باب آشنائیِ نا آزمودۂ

میں یونہی سادگی میں اپنے دوستوں سے ایسی دوستی پہ بحث کرتا رہتا ہوں جسے میں نے آزمایا بھی نہیں ۔

خجلت نگر کہ در حسناتم نیافتند
جز روزۂ درست بصہبا کشودۂ

لغت : ''حسنات'' = اعمال حسنہ ۔ نیکیاں ۔

کتنی شرمندگی کی بات ہے کہ میری نیکیوں میں اس کے سوا کچھ نہ ملا کہ میں نے ایک ٹھیک روزہ رکھ کر اسے شراب سے کھولا تھا ۔

در بزم غالب آئے و بشعر و سخن گرائے
خواہی کہ بشنوی سخنِ نا شنودۂ

اگر تو چاہتا ہے کہ نہ سنی ہوئی باتیں سنے تو بزم غالب میں آ اور شعر و سخن کی طرف مائل ہو ۔

غزل نمبر ۶

چوں زبانہا لال وجاں ہا پُر ز غوغا کردۂ
بایدت از خویش پرسید آنچہ باما کردۂ

مرزا غالب کی یہ غزل بھی اُن چند مخصوص غزلوں میں سے ہے جس میں وہ خدا سے مخاطب ہوتا ہے حسب معمول یہ غزل بھی ندرت فکر اور جدت بیان اور شوخیٔ کلام کے اعتبار سے بڑی بلند ہے۔

"زبان لال" = زبان گنگ۔ گونگی زبان۔

تو نے ہماری جانوں میں بے تابیوں کے ہنگامے بھر دیے اور زبانوں پہ مہر سکوت لگا دی (اب ہم سے پوچھتا ہے کہ ہم پہ کیا گزری) تجھے خود اپنے سے پوچھنا چاہیے کہ تو نے ہمارے ساتھ کیا (ظلم) کیا ہے۔

گرنۂ مشتاقِ عرضِ دستگاہِ حسنِ خویش
جاں فدایت! دیدہ را بہر چہ بینا کردۂ

اگر تو اپنی شان حسن (دستگاہ حسن) کی نمائش کا مشتاق نہیں تو قربان جاؤں (تجھ پہ جاں قربان) ہماری ان آنکھوں کو کس لیے بینا کر دیا ہے (آنکھوں کو بینائی کیوں عطا کی ہے)۔

ھفت دوزخ در نہاد شرمساری مضمر است
انتقام است ایں کہ با مجرم مدارا کردۂ

لغت: "ہفت دوزخ" = دوزخ کے سات طبقات کی طرف

اشارہ ہے ۔

''مدارا کرنا'' = کسی کے ساتھ رعایت کرنا یا نرمی سے پیش آنا ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ گناہ معاف کر دینے والا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ مجرم سے مراد گنہگار ہے ۔

تو نے گناہگار کو اُس کے گنہ معاف کر کے اُس پر جو کرم کیا ہے وہ مہربانی نہیں بلکہ انتقام ہے جو تو اُس سے لے رہا ہے ۔ یہ اس لیے کہ گنہگار کو یہ بات بے حد شرمسار کر رہی ہے کہ وہ اپنے اعمال صالحہ کی وجہ سے نہیں بلکہ محض ترے رحم کی وجہ سے بچ گیا ہے اور وہ اپنی شرمساری کی وجہ سے گویا سات دوزخوں کی آگ میں جل رہا ہے جو اس شرمندگی میں پوشیدہ ہیں ۔

(اس سے تو یہی بہتر تھا گنہگار کو معاف کرنے کی بجائے دوزخ میں ڈال دیا جاتا) ۔

عفو الٰہی پر بڑے پیار سے لطیف طنز کی ہے ۔

صد کشاد آں را کہ ہم امروز رخ بنمودۂ
مژدہ باد آنرا کہ محوِ ذوق فردا کردۂ

لغت: ''کشاد'' = کشادن سے اسم ۔ کھلنا ، بخت کی کشادگی ۔

خوش نصیب ہے وہ ہستی جسے آج ہی تو نے اپنے دیدار سے فیضیاب کیا اور خوشخبری ہے اس کے لیے جسے تو نے کل دیدار دکھانے کا وعدہ کیا ہے ، اور وہ اس وعدہ فردا کی لذت میں محو ہے ۔

پہلے مصرعے میں شاعر نے ''ہم'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے

معنی ''بھی'' ہے۔ ہم نے اس کا مفہوم محاورۃً ہی کا لیا ہے۔ لیکن یہاں اس کے، لغوی معنی بھی لیے جا سکتے ہیں، یعنی آخرت میں تو دیدار ہونا ہی ہے لیکن تو نے آج بھی جلوہ دکھا دیا۔

خو برویاں چوں مذاق خوئے ترکاں داشتند
آفرینش را بر ایشاں خوانِ یغما کردۂ

حسینوں میں چونکہ ترکوں کی سی خو تھی (خوئے ستم) تو اس کائنات کو اُن کے لیے خوان یغما (لوٹ کا سامان) بنا دیا ہے۔

خستگاں را دل بہ پرسش ہائے پنہاں بردۂ
با درستاں گر نوازش ہائے پیدا کردۂ

لغت: ''درستاں'' = درست کار لوگ۔ راست باز۔ خوش حال لوگ جو خستگاں کی ضد ہے۔

اگر تو نے خوش حال لوگوں پر علانیہ مہربانیاں نثار کی ہیں کی ہیں تو اُدھر خستہ حال انسانوں کے دلوں کو اپنی پوشیدہ پرسشوں سے بھی نوازا ہے۔

چشمۂ نوش است از زہرِ عتابت کامِ جاں
تلخیِ مے در مذاقِ ما گوارا کردۂ

شراب نوشی ممنوع ہے اس لیے میخواروں پر عتاب الٰہی نازل ہونا چاہیے تھا لیکن جو لوگ تلخیِ مے کو گوارا کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تو نے اپنے عتاب کو لطف میں بدل دیا چنانچہ تیرے عتاب کی تلخی کا زہر ہمارے کام جاں (حلق) میں چشمۂ شیریں بن گیا ہے۔

ذرۂ را روشناس صد بیابان گفتۂ
قطرۂ را آشنائے ہفت دریا کردۂ

لغت: "ہفت دریا" = ہفت قلزم، سات سمندر۔

تو نے ذرے میں سو بیابان کی وسعتیں بھر دی ہیں اور قطرے کو سات سمندروں کی فراخیوں سے آشنا کر دیا ہے۔

ذرہ اور قطرہ کے الفاظ انسانی ہستی کے لیے آئے ہیں۔

دجلہ می جوشد، ہمانا دیدہ ھا جویائے تست
شعلہ می بالد، مگر در سینہ جاھا کردۂ

ہماری آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر (دجلہ) جوش مار رہا ہے یقیناً آنکھیں تجھے ڈھونڈ رہی ہیں۔

سینوں میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں شاید تو ان میں سمایا ہوا ہے۔

جلوہ و نظارہ پنداری کہ ازیک گوہر است
خویش را در پردۂ خلقے تماشا کردۂ

لغت: "تماشا کردن" = نظارہ کرنا۔ دیکھنا۔

تو جلوے اور نظارے کو ایک سلسلے کی دو کڑیاں سمجھتا ہے۔ اسی لیے تو کائنات (خلق) کے پردے میں آکر خود ہی اپنے آپ کو نظارہ بھی کر رہا ہے۔

چارہ در سنگ و گیاہ و رنج با جاندار بود
پیش از آن کایں در رسد آں را مہیا کردہٗ

رنج = بیماری ، تکلیف ۔

فلسفہ اور سائنس متفق ہیں کہ جانوروں کی تخلیق بعد میں اور جماد اور نباتات کی پہلے ہوئی ۔

اب چونکہ بیماری اور تکلیف صرف جانوروں اور انسانوں ہی کو آتی ہے لیکن اس کی دوا جماد اور نباتات میں ہوتی ہے اس لیے خدا کی مہربانی ہے کہ اس نے بیماری سے پہلے اس کی دوا مہیا کر دی ۔

دیدہ می گرید ، زباں می نالد و دل می تپد
عقد ہا از کارِ غالب سربسر وا کردہٗ

آنکھیں رو رہی ہیں ، زباں فریاد کر رہی ہے اور دل تڑپ رہا ہے ۔ تو نے غالب کی زندگی کی تمام مشکلات کی گرہ کشائی کر دی ہے ۔ نوازش !

غزل نمبر ۷

در زمہریر سینۂ آسودگاں نہٗ
اے دل بدیں کہ غمزدۂ شادماں نہٗ

لغت : ''زمہریر'' = فضا کا طبقہ جہاں سخت سردی ہوتی ہے ۔

''آسودگاں'' = آسودہ حال لوگ ۔

اے دل اگر تو آسودہ حال لوگوں کے سینے کا زمہریر نہیں تو اس لیے کہ تو غمزدہ ہے ، شادماں نہیں ۔ گویا آسودہ حال لوگوں کے سینے میں دل نہیں بلکہ زمہریر ہوتا ہے ۔

اے دیدہ اشک ریختن آئین تازہ نیست
خود را ز ما مگیر اگر خون فشان نۂ

اے آنکھ! آنسو بہانا کوئی نئی بات نہیں ۔ اگر تو خون نہ بہائے تو اپنے کو ہم میں سے نہ سمجھ ۔

بلبل بگوشۂ قفس از خستگی منال
چوں من بہ بند خار و خسِ آشیاں نۂ

اے بلبل قفس کی خستہ حال زندگی پر فریاد نہ کر ، تو کوئی آشیانے کے تنکوں کی قید و بند میں جکڑی ہوئی نہیں ہے ۔

قفس کے اسیر سے آشیاں کا اسیر زیادہ خستہ حال ہوتا ہے ۔ یاس یگانہ نے کیا خوب کہا ہے :

خدا جانے اجل کو پہلے کس پر رحم آئے گا
گرفتار قفس پر یا گرفتار نشیمن پر

گوئی یکے است پیش تو بود و بنودِ من
با من نشستۂ و ز من سرگراں نۂ

تو میرے پاس بیٹھا ہے اور مجھ سے سرگراں (بگڑا ہوا) نہیں ہے گویا تیرے نزدیک میرا ہونا نہ ہونا برابر ہے ۔

داغم ز ناکسی کہ بہ تمہید آشتی
رنجیدۂ ز غیر و بمن مہرباں نۂ

مجھے اپنی ناکسی سے دکھ ہوتا ہے کہ تو آغاز محبت میں

رقیب (غیر) سے تو بگڑا ہے لیکن مجھ پر مہربان بھی نہیں ہوا
یعنی کیا میں اس قابل بھی نہیں کہ مجھ پہ مہربان ہونا تو درکنار
بگڑ ہی جاتا ۔

آخر نبودہ ایم ز اول خدا پرست
با ما ز سادگی است اگر بدگماں نۂ

آخر ہم شروع سے ہی خدا پرست تھے ۔ اگر تو ہم سے بدگماں
نہیں ہے تو یہ محض سادگی ہے ۔

با خویش در شمارِ جفا ، ہمدم منی
با غیر در حساب وفا ہمزباں نۂ

اپنی جفاؤں کو شمار کرنے میں تو میرا ہمدم ہے اور وفا
کرنے کے سلسلے میں رقیب کا ہمزباں نہیں ہے یعنی معشوق جفا
کرنے میں تو عاشق کی خواہشات کا خیال کرتا ہے اور وفاؤں کے
معاملے میں رقیب کی توقعات سے بھی آگے نکل جاتا ہے ۔

دانستهٔ که عاشق زارم گدا نیم
دانم که شاہدی ، شه گیتی ستاں نهٔ

تو جانتا ہے کہ میں عاشق زار ہوں گدا نہیں ہوں اور میں بھی
جانتا ہوں کہ تو معشوق ہے ، کوئی فاتح بادشاہ نہیں ہے ۔

نازم تلون تو بہ بختِ خود و رقیب
با آو چنین نبودی و با ما چناں نہٴ

جہاں تک میرے اور رقیب کے بخت کا معاملہ ہے مجھے تیری تلون مزاجی پر ناز ہے ---- رقیب کے ساتھ تو کبھی ایسا نہیں تھا جو اب ہے اور ہمارے ساتھ تو ویسا نہیں ہے جو کبھی تھا ۔

بادیدہ چیست کار تو لخت جگر نہٴ
در دل چرا ست جائے تو سوز نہاں نہٴ

تو لخت جگر نہیں ہے تو پھر ہماری آنکھوں سے تیرا کیا سروکار ہے ؟ تو سوز نہاں نہیں ہے پھر تیری جگہ ہمارے دل میں کیوں ہے ؟ (آنکھوں سے جگر کا خون بہتا ہے اس لیے جگر کا تعلق آنکھوں سے ہوتا ہے) ۔

محبوب عاشق کے دل میں سمایا ہوا ہے اور آنکھوں میں اس کی تصویر ہے ۔

غالب ز بودتست کہ تنگ است بر تودہر
بر خویشتن ببال اگر درمیاں نہٴ

لغت : ''بود'' = ہستی ---- ، خودی ، احساس وجود ۔

غالب تیرے احساس وجود ہی کا نتیجہ ہے کہ دنیا تجھ پر تنگ ہے ۔ اگر تری ہستی درمیان میں نہ ہو تو جتنا چاہے اپنے میں پھیلتا جا ۔

انسان اپنی ہستی (انا) ہی سے یہاں الجھن میں ہے۔ اگر انا جاتی رہے تو پھر ساری کائنات اس میں سما جائے گی۔

غزل نمبر ۸

مر ز فنا فراغ را مژدۂ برگ وساز دہ
سایہ بہ مہر وا گذار، قطرہ بہ بحر باز دہ

اس کائنات فنا آمادہ کو ساز و سامان مہیا ہونے کی خوشخبری سنا ، سائے کو سورج کے حوالے کر اور قطرے کو سمندر کی طرف لوٹا دے۔

طرۂ حبیب را ز چاک شانۂ التفات کش
عارض خویش را ز اشک غازۂ امتیاز دہ

گریبان کی زلفوں کو چاک کے شانے سے آراستہ کر اور اپنے عارض کو غازۂ اشک سے نمایاں کر۔ یعنی گریبان کا چاک چاک ہونا ہی اس کی آرائش ہے اور رخسار کی غازۂ اشک ہی سے زینت ہوتی ہے۔

داغ بسینہ زیور است دل بجفا حوالہ کن
مے ز شرر گران تر است سنگ بہ شیشہ ساز دہ

لغت : ''سنگ'' = پتھر - - - - پتھر سے چنگاریاں بھی نکلتی ہیں اور پتھر سے شیشہ بھی بنتا ہے - شیشہ فارسی میں صراحی کے معنی بھی دیتا ہے جیسے (شیشۂ مے) -

دل پہ محبت کا داغ سینے کی آرائش ہے ، دل کو جفا کے صد مے اٹھانے دے - شراب چنگاریوں (شرر) سے زیادہ قیمتی شے ہے - پتھر کو شیشہ ساز کے سپرد کر دے کہ وہ اس سے صراحی مے بنائے (اور وہ شراب کے کام آ سکے) -

از نم دیدہ ، دیدہ را رونق جوئبار بخش
و ز تف نالہ ، نالہ را چاشنیِ گداز دہ

لغت : نم دیدہ = اشک چشم - - - - جوئبار = ندی ، ندی کا کنارہ ، دریا -

آنسوؤں سے آنکھوں کو دریا کی روانی عطا کر اور فریاد کی حدت سے فریاد کو گداز کر دے -

یعنی آنسوؤں کی شان یہی ہے کہ دریا دریا بہیں اور فریاد کی گرمی کا تقاضا یہ ہے کہ خود فریاد اس گرمی سے گداز ہو جائے -

شرم کن آخر اے حیا اینہمہ گیرو دار چیست
خاطر غمزہ باز جو ، رخصتِ ترکتاز دہ

لغت : ''گیرو دار'' = پکڑ دھکڑ - گرفت ، سخت پابندی -

"خاطر غمزہ باز جو" = اداؤں کی پھر سے دلداری کر ۔۔۔۔
"ترکتاز" = تاخت و تاراج ۔ حملہ آوری ۔
حیا سے حسن کی ادائیں دب کر رہ جاتی ہیں ، حیا کو خطاب کر کے کہتا ہے : اے حیا تجھے شرم آنی چاہیے ۔
آخر گرفت کی کوئی حد ہوتی ہے ۔ حسن کی اداؤں کو آزاد چھوڑ دے تا کہ وہ عاشق کے دل کو بے باکی سے جور و ستم کا شکار بنا لیں ۔

اے گل تر برنگ و بو اینہمہ نازش از چہ رو
منّتِ ابر یک طرف ، مزد چمن طراز دہ

لغت : "چمن طراز" = چمن کی آرائش کرنے والا ، باغبان ۔
اے گل تازہ! رنگ و بو پر اتنا ناز کیسا ؟ بادل کا احسان تو الگ رہا کچھ چمن کی آرائش کرنے والے کا بھی حق (مزد) پہچاننا چاہیے (جس نے تجھے یہ نمو عطا کیا ہے) ۔

یا بہ بساطِ دلبری عام مکن ادائے لطف
یا ز نگاہِ خشمگیں مژدۂ امتیاز دہ

یا تو اپنی ادائے حسن کو اتنا عام نہ کر کہ ہر شخص (کس و ناکس) اُس سے لطف اندوز ہو یا پھر ایک نگاہ خشمگیں بھی ڈال تا کہ جس پر وہ پڑے اُس میں کوئی امتیازی شان پیدا ہو جائے ۔

گویا معشوق کا خشم آلودہ نظروں سے کسی کو دیکھنا اُس کا خاص امتیاز ہے ۔ اس شعر میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی

ہے خشمگیں نگاہوں میں خاص لطف کا پہلو بھی ہوتا ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا ۔

اے تو کہ غنچۂ ترا بحث شگفتن از بر است
سروِ کرشمہ بار را درسِ خرامِ ناز دہ

لغت : ''غنچہ'' = دہن تنگ محبوب اور ''سرو کرشمہ بار'' = اس ناز بھرا قد ۔

تیرے غنچہ دہن کو شگفتہ ہونے کی ساری دقیق ادائیں ازبر ہیں ۔ ذرا اپنے نازنیں سرو کو خرام کرنا بھی سکھا دے ۔

گر بہ غمے کہ خوردہ ام رخصتِ اشک و آہ نیست
ہم بہ دلے کہ بردہ ای طاقتِ ضبط راز دہ

تیری محبت میں جو غم کھائے ہیں اگر اُن کے اظہار کے لیے آنسو بہانے اور آہیں بھرنے کی اجازت نہیں تو یہ دل جو تو نے موہ لیا ہے (ہم سے چھین لیا ہے) اس کو ضبط راز کی ہمت بھی عطا کر ۔

اے کہ بحکمِ ناکسی تیرہ ز عیش غالبی
خیزو ز راہ داوری بال ہما بہ گاز دہ

لغت : ''گاز'' = قینچی - - - - ''بہ گاز دہ'' = (قینچی کے حوالے کر) یعنی کاٹ دے ۔

''بال ہما'' = ہما کے پر (جن کا سایہ مبارک سمجھا جاتا ہے) ۔

''نا کسی'' = نا اہلی - - - - ''راہ داوری'' = انصاف کی رو سے -

''تیرہ ز عیش غالبی'' = از عیش غالب تیرہ ہستی ، یعنی غالب کی خوشی سے تو کبیدہ خاطر ہے -

اگر تو اپنی نا اہلی کے باعث غالب کی خوشیوں سے ناخوش ہے تو آٹھ اور انصاف کی رو سے ہما کے پروں کو کاٹ دے (کیونکہ غالب کی خوش نصیبی ہما کی بدولت ہے یعنی اللہ کی دین ہے) -

غزل نمبر ۹

کیستم دست مشاطگیِ جاں زدۂ
گوہر آمائے نفسِ از دل دنداں زدۂ

لغت : ''مشاطگی'' = مشاطہ گری ، آرائش - - - - ''دل دنداں زدہ'' = دانتوں سے چبایا ہوا دل - دکھی دل -

میں کون ہوں ، اپنی روح کی مشاطہ گری میں مصروف ہوں ، اور اس مشاطہ گری میں دکھ میں دانتوں سے چبائے ہوئے دل (کے موتی) کو سانس کے تار میں پرونے والا ہوں -

یعنی دل کا خون پی پی کر تعمیر جاں کر رہا ہوں - زندگی سنوار رہا ہوں -

پاس رسوائیِ معشوق ہمیں است اگر
وائے ناکامی دستِ بگریباں زدۂ

اگر معشوق کی رسوائی کا پاس کرنے کا انداز یہی ہے (کہ ضبط سے کام لیا جائے) تو یہ ہاتھ جو گریباں دری میں مصروف رہے اُن کی ناکامی پر افسوس ۔

شوق را عربدہ باحسن خود آرا باقی است
من و صد پارہ دلے بر صفِ مژگاں زدہ

عشق سے حسن خود آرا کی جنگ ابھی باقی ہے ۔ میں ہوں او میرے دل کے سینکڑوں ٹکڑے میری مژگاں پر پڑے ہوئے ہیں ۔
یعنی ہمارے دل کا خون مژگاں پر آ کر رکا ہوا ہے اور اشک خوں ابھی اور بہانے ہیں ۔ گویا حسن سے نبرد آزمائی چلی جا رہی ہے ۔

دل صد چاک نگہدار بجائش بفرست
شانۂ در خم آں زلف پریشاں زدۂ

تو نے اُن پر پیچ و خم زلفوں کی شانہ کشی تو کی ہے اب اپنے دل صد چاک کو ذرا سنبھال کے رکھ اور اُسے اپنے مناسب مقام پر پہنچا دے یعنی محبوب کی زلفوں میں ۔

بو کہ در خواب خود آئی و سحر برخیزی
ساغر از بادۂ نظارۂ پنہاں زدۂ

لغت: ''بو کہ'' = بود کہ کا مخفف ہے۔ کاش ایسا ہو۔

کاش ایسا ہو کہ تو اپنے آپ کو خواب میں دیکھے اور صبح کو اٹھے تو اسی نظارۂ پنہاں کی شراب کی مستی سے سرشار ہو کر اٹھے۔ نظارۂ پنہاں سے مراد اس کے اپنے ہی حسن کا نظارہ جو اس نے خواب میں کیا ہے۔

بہر سرگرمیِ ما خانہ خراباں باید
حسنے از تاب خود آتش بشبستان زدۂ

ہم خانہ بربادوں کی زندگی میں سرگرمی پیدا کرنے کے لیے ایک ایسے حسن کی ضرورت ہے جس نے اپنے چہرے کی تب و تاب سے اپنے شبستان کو آگ لگا رکھی ہو۔

فارغ از کشمکشِ عشوہ جنونے دارم
پشت پاے بسرِ کوہ و بیاباں زدۂ

لغت: ''پشت پا زدن'' = ٹھکرانا - - - - ''عشوہ'' = عشوۂ حسن۔

میں عشوۂ حسن کی کشمکش سے فارغ اور بے نیاز ہوں، میرا جنون اس حسن کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔

مرا جنون وہ ہے جس نے کوہ و بیاباں کو ٹھکرا دیا ہے۔ یعنی میرا جنوں کوہ پیمائی اور صحرا نوردی تک محدود نہیں۔

حسن درجلوہ گری ھا نکشد منتِ غیر
ہر گل از خویشتن است آتشِ داماں زدۂ

لغت : ''آتش داماں زدۂ'' = وہ آگ جسے دامن نے ہوا
دی ہو ۔

حسن اپنی جلوہ طرازیوں میں کسی غیر کا احسان نہیں اٹھاتا ۔
پھول کیا ہے اپنے ہی دامن کی بھڑکاتی ہوئی آگ ہے پھول کا
سرخ رنگ گویا آگ ہے اور اس کی پتیاں دامن ہیں جو اس آگ
کو بھڑکاتی ہیں ۔

تا چہا مژدۂ خوں گرمی قاتل دارد
ناوکِ در رہِ دل قطرہ ز پیکاں زدۂ

لغت : ''قطرہ زدن'' = تیز تیز چلنا ، سرپٹ دوڑنا ۔

وہ تیر جو دل کی طرف تیزی سے آ رہا ہے ، قاتل کی آمادگی
قتل اور اس کے جوش کی خوشخبری کا نشان ہے یعنی تیر کی
تیزی قاتل کے جوش قتل کا نشان ہے ۔

خواستم شکوۂ بیداد تو انشا کردن
قلم از جوشِ رقم شد خسِ طوفاں زدۂ

لغت : ''خس طوفاں زدۂ'' = وہ تنکا جو طوفان کی زد میں
آیا ہوا ہو ۔

میں نے چاہا کہ تیرے جور و ستم کی شکایات لکھوں ۔ میرا
قلم جوش تحریر میں طوفان زدہ تنکا بن کر رہ گیا ۔

وائے بر من کہ رقیب از تو بمن بنماید
نامۂ وا شدۂ ، مہر بعنوان زدۂ

(حیف) کہ رقیب تیری طرف سے اُس کے نام آیا ہوا خط دکھاتا ہے جو کھلا ہوا ہے اور اس پر تیری مہر بھی لگی ہوئی ہے -

ہدیہ آوردۂ از بزم حریفاں ما را
رخِ خوے کردہ ز شرم و لب دنداں زدۂ

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے -

تو ہمارے حریفوں کی بزم سے آ رہا ہے اور ہمارے لیے یہ تحفہ لے کر آ رہا ہے کہ چہرہ شرم کے پسینے سے تر ہے اور لب ، دانتوں سے کاٹے ہوئے ہیں - (تیری یہ حالت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ رقیبوں کی محفل میں تجھ پہ کیا گزری) -

برد در انجمنِ شعلہ رخانم غالب
ذوقِ پروانۂ بر روے چراغاں زدۂ

غالب میں شعلہ رخ حسینوں کی محفل میں گیا اور ایک ایسے پروانے کی طرح گیا جو چراغاں پر گرنے کے لیے جا رہا ہو - گویا ہر حسینہ ایک چراغ ہے -

غزل نمبر ۱۰

بر دست و پائے بند گرانے نہادۂ
نازم بہ بندگی کہ نشانے نہادۂ

ہاتھ پاؤں پر تو نے بھاری زنجیریں ڈال دی ہیں ۔ میں اس بندگی میں ہونے پر ناز کرتا ہوں کہ اس سے ایک امتیاز تو حاصل ہوا ۔

ایمن نیم ز مرگ اگر رستہ ام ز بند
دلدوز ناوکے بہ کمانے نہادۂ

اگر میں تیری قید سے آزاد بھی ہوا ہوں تو موت سے محفوظ نہیں ہوں ۔ تو نے اپنی کمان میں ایک تیز تیر رکھا ہوا ہے (جس سے کوئی بچ کے نہیں جا سکتا) ۔

گوھر ز بحر خیزد و معنی ز فکرِ ژرف
بر ما خراجِ طبع روانے نہادۂ

سمندر سے موتی اُبھرتے ہیں اور گہری فکر سے لطیف نکتے ظہور میں آتے ہیں ۔ طبع رواں عطا کر کے ہم پر تو نے اس کے خراج کا بوجھ (ذمہ داری) ڈال رکھا ہے ۔

تا در امید عمر بہ پندار بگزرد
از لطف در حیات نشانے نہادۂ

تو نے زندگی میں ایک لطف کا پہلو بھی رکھا ہے تاکہ عمر

اسی کی امید کے خیال میں بسر ہو جائے۔

تا خستۂ بلا نہ بوَد بے گریز گاہ
در مرگ احتمالِ امانے نہادۂ

لغت: ''گریز گاہ'' = خطرے سے بھاگ کر نکل جانے کا راستہ۔

''احتمال امان'' = پناہ کا احتمال۔۔۔۔ ''خستۂ بلا'' = مصیبتوں کا مارا ہوا۔

انسان اس زندگی میں مصیبتوں میں گھرا ہوا ہے لیکن ان مصائب سے بچنے کی ایک صورت موت ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ مر جائیں گے تو دکھوں سے نجات مل جائے گی۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:

اس خیال سے کہ مصیبتوں کے مارے ہوئے انسان کے لیے بچ کر بھاگ جانے کی کوئی راہ مل جائے تو نے موت میں امن اور چین کا ایک احتمال سا پیدا کر رکھا ہے۔ یعنی وہ یقینی نہیں البتہ ایک دلاسا ضرور ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے (ذوق)

راز است گر دلے بجفائے شکستۂ
داد است گر سرے بسنانے نہادۂ

اگر تو نے کسی دل کو جفا سے توڑ کر رکھ دیا ہے تو

معلوم نہیں کیوں (یہ ایک راز ہے) ۔

اور اگر تو نے کسی سر کو نیزے پہ چڑھایا ہے تو کیا انصاف ہے (اسے انصاف کہا جاتا ہے) ۔

دوزخ بداغ سینہ گدازے نہفتۂ
قلزم بچشم اشک نشانے نہادۂ

سینے کو گداز کر دینے والے داغ میں تو نے دوزخ چھپا رکھے ہیں ۔

اور اشکبار آنکھوں میں سمندر بھر دیے ہیں ۔

وہ جلا دینے والے داغ عطا کیے ہیں کہ دوزخ کیا جلائے گا ۔
اور آنکھوں میں طوفان بھر دیے کہ اشکباری ختم ہی نہ ہو ۔

بر ہر دلے فسونِ نشاطے دمیدۂ
بر ہرتنے سپاس روانے نہادۂ

ہر دل میں خوشی کا ایک سحر پھونک رکھا ہے اور ہر جسم پر روح کا احسان ڈال دیا ہے ۔

ہر دیدہ را درے بخیالے کشودۂ
ہر فرقہ را دلے بہ گمانے نہادۂ

ہر آنکھ کے سامنے تصورات کے دروازے کھول دیے ہیں اور ہر فرقے کے دل میں کوئی نہ کوئی وہم ڈال دیا ہے ۔ (جو اس گمان میں ہے کہ وہی راستی پر ہے) ۔

غالب ز غصه مرُد، ہمانا خبر نداشت
کاندر خرابه گنج نہانے نہادۂ

غالب غم میں مر گیا اور اُسے اس بات کا بالکل علم ہی نہ تھا کہ خرابۂ زندگی (دنیا) میں ایک پوشیدہ خزانہ بھی ہے۔

ردیف ی

غزل نمبر ۱

نفس را بر درِ این خانه صد غوغاست پنداری
دلے دارم که سرکارِ تمناهاست پنداری

لغت: ''پنداری'' کے لفظی معنی ہیں تو خیال کرے؛ گویا؛ معلوم ہوتا ہے۔

''بردر این خانہ'' = اس گھر کے دروازے پر، گھر دل کے لیے آیا ہے جو دوسرے مصرعے میں ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سانس کا کام اس مکان کے دروازے پر فریادیں ہی کرنا ہے۔ میرا دل کیا ہے گویا تمناؤں کا دربار ہے۔

یعنی دل سے تمنائیں اُبھرتی ہیں (جو پوری نہیں ہوتیں) اور سانس فریادیں کر رہا ہے جیسے کسی عدالت کے باہر فریادی پکار رہا ہے۔

حباب از فرق عشاق است و موج از تیغِ خوبانش
شہادت گاہِ ارباب وفا دریاست پنداری

معلوم ہوتا ہے کہ سمندر ارباب وفا کی شہادت گاہ ہے۔ یہ جو سطح آب پر بلبلے ہیں یہ عاشقوں (مقتول) کے سر ہیں اور لہریں، معشوقوں کی تلواریں ہیں (جن سے عاشقوں کو قتل کیا گیا ہے)۔

بگوشم می رسد از دور آوازِ درا امشب
دلے گم گشتۂ دارم که در صحرا است پنداری

آج رات میرے کان میں دور سے آواز درا آ رہی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ میرا گم شدہ دل بیاباں میں ہے۔ جنون شوق کا یہ عالم ہے کہ گھر میں رہ کر خیالات صحرا نوردی میں مصروف ہیں۔

ازو باور ندارد دعویِ ذوق شہادت را
نگاہش با رقیب و خاطرش با ماست پنداری

رقیب ذوق شہادت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن معشوق کو یقین نہیں کہ وہ واقعی عشق میں اس شوق سے جان دے دے گا، چنانچہ اس کی نظریں تو رقیب کی طرف مائل اور دل (در پردہ) ہمارے ساتھ ہے۔

در و دیوار را در زر گرفت آہ شرر بارم
شبِ آتش نوایاں آفتاب انداست پنداری

لغت: ''در زر گرفتن'' = سنہری کر دینا۔۔۔ ''آتش نوا''

آتشیں فریادیں کرنے والا ۔۔۔ ۔ ''آفتاب اندا'' = دھوپ میں لپٹی ہوئی ۔ ''شرر'' آتشیں فریاد اور دھوپ تینوں کا رنگ سنہری ہوتا ہے ۔

میری آہ شرر بار نے در و دیوار کو زریں بنا دیا ہے ، آتش نواؤں کی رات بھی (دن کی طرح) دھوپ کی طرح روشن ہوتی ہے ۔

گر ستیم آں قدر کز خون بیاباں لالہ زارے شد
خزانِ ما بہار دامن صحرا است پنداری

ہم اس قدر روئے کہ ہمارے خون سے بیاباں لالہ زار ہو گیا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری خزاں دامن بیاباں کے لیے بہار ہے (جس نے اسے بہار کا روپ دیا ہے) ۔

جنونِ الفتِ ہمچو خودے دارد ، تماشا کن
شکست صددل از رنگِ رخش پیداست پنداری

وہ اپنے جیسے کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے اور اس پر جنون الفت طاری ہے ۔ دیکھو کہ اس کے اڑے ہوئے رنگ میں سو ٹوٹے ہوئے دل جھلک رہے ہیں ۔

نوید وعدۂ قتلے بگوشم می رسد ، غالب
لبِ لعلش بکام بیدلاں گویاست پنداری

غالب ! میرے کان میں وعدۂ قتل کی خوشخبری کی آواز

گونج رہی ہے ، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کے لب لعلیں عاشقوں (بیدلوں) کی خواہشوں کو پورا کرنے کی باتیں کر رہے ہیں ۔

غزل نمبر ۲

گر نہ نواھا سرود مے ، چہ غمستے
منکہ نیم ، گر نبودمے ، چہ غمستے

اگر میں نغمے نہ گاتا تو کیا تھا ، میرا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے اگر میں نہ ہوتا تو کیا ہوتا ۔

زنگ ز دودن نہ برد ز آئینہ کلفت
گر ہمہ صورت ز دود مے ، چہ غمستے

زنگ اتارنے سے آئینے کی کدورت نہ گئی ۔ اگر میں اس ساری مادی صورت ہی کو آتار دیتا تو کیا تھا ؟ یعنی اچھا ہوتا ۔

جب تک دل کی مادی صورت کی آلائش ہے اس وقت تک یہ صیقل نہیں ہو سکتا ۔

مادیت کا شائبہ تزکیۂ دل نہیں ہونے دیتا ۔

گر غمِ دل بودمے کہ تا دمِ مردن
ہم بخود از خود فزود مے ، چہ غمستے

اگر میں غم دل ہوتا کہ مرتے دم تک آپ ہی اپنے آپ میں

اضافہ کرتا رہتا تو کیا ہرج تھا ۔ (اب غم دل کی شدت کے لیے دوسروں کا دست نگر ہونا پڑتا ہے) ۔

بخت خود اربودمے کہ تا بقیامت
بے خبر از خود غنودمے چہ غمستے

کیا برا تھا اگر میں اپنا نصیب ہوتا (جو سویا ہوا ہے) تا کہ قیامت تک اپنے آپ سے بے خبر سویا رہتا ۔

نے بہ سخن مزُد ، نے ستائش ، اگر من
کشت کدیور درودمے چہ غمستے

شعر و سخن کی نہ کوئی مزدوری نہ داد ، اگر میں (مزارع بن کر) کسی مالک کی فصل ہی کاٹتا تو کیا تھا ۔

نیست مشامے شمیم جو ، اگر من
غالیہ چندیں نسودمے چہ غمستے

لغت : ''شمیم جو'' = خوشبو کا متلاشی ۔ ۔ ۔ ''غالیہ'' = عطر ، بو ۔ ۔ ۔ ''نسود مے'' = نہ پیتا ۔

خوشبو کی تلاش کرنے والا ہی کوئی نہیں ، اگر میں عطر سازی نہ کرتا تو کیا ہرج تھا ۔

چوں درِ دعوی تواں بہ لغو کشودن
من بہ ہنر اگر کشودمے چہ غمستے

لغت : ''درِ دعویٰ کشودن'' = (کسی بات کا) دعویٰ کرنا ۔

جب بیہودہ بات کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے تو اگر میں اپنے فن اور ہنر کا دعویٰ کرتا تو کیا ہرج تھا ۔

چوں دل یاراں تواں بہ ہزل ربودن
من بہ سخن گر ربودمے چہ غمستے

جب دوستوں کا دل ظرافت سے خوش کیا جا سکتا ہے تو میں اگر شعر سے ان کا دل موہ لیتا تو کیا تھا ۔

گر بمثل لال گشمتے کہ سخنہا
گفتمے و خود شنودمے چہ غمستے

اگر میں گونگا مشہور ہو جاتا اور خود باتیں کرتا اور خود ہی انھیں سنتا تو کیا ہرج تھا ۔

گر بہ سخن مست گشتمے کہ بہ مستی
گفتۂ خود را ستودمے چہ غمستے

اگر میں شعر سے اتنا مست ہو جاتا کہ مستی میں اپنے کلام کی خود ہی تعریف کرتا تو کیا تھا ۔

حیف ز عیسیٰ[4] کہ دور رفت ، وگر نہ
معجزۂ دم نمودمے چہ غمتے

افسوس کہ حضرت عیسیٰ[4] بہت دور چلے گئے ورنہ میں بھی اپنے معجز نما سانس کا دعویٰ کرتا تو کیا ہوتا ۔

آہ ز داؤدؑ کاں نماند وگرنہ
نالہ بہ لحن آزمودمے چہ غمستے

افسوس کہ حضرت داؤدؑ نہ رہے ورنہ میں بھی اپنی فریادوں کو خوش الحانی کے انداز لا کر آزمانا تو کیا ہرج تھا ۔

قافیہ غالب چوں نیست پرس ز عرفی
"گر من فرہنگ بودمے چہ غمستے"

غالب! جب (نیا) قافیہ نہیں ملتا تو عرفی سے پوچھ ۔ میں اگر لغات ہوتا تو کیا ہرج ہوتا ۔

غزل نمبر ۳

در بستنِ تمثالِ تو حیرت رقم استے
بینش کہ بہ پرکارکشائی علم استے

لغت : "تمثال" = تصویر ، شبیہ ۔ ۔ ۔ ۔ "در بستن تمثال تو" تیری شبیہ بنانے میں ۔ ۔ ۔ ۔ "حیرت رقم" = حیرت نویس یعنی سرتاپا حیرت بن جانے والی ۔ ۔ ۔ ۔ "پرکارکشائی" ۔ "علم استے" مشہور ہے ۔

انسانی پیشانی جو اشیا کا احاطہ کرنے میں مشہور ہے تیری صورت کا تصور کرتے وقت خود حیرت بن کر رہ جاتی ہے ۔

غم را بہ تنو مندیِ سہراب گرفتم
خود موج مے از دشنۂ رستم چہ کم استے

میں نے غم کو سہراب کی طرح طاقتور سمجھا (لیکن) یہ شراب (موج مے) بھی رستم کے خنجر سے کچھ کم نہیں ہے -

یعنی شراب ہی ایک ایسی شے ہے جو غم کو ختم کر سکتی ہے (اس پر حاوی ہو سکتی ہے) -

بیداد بود یکسرہ ہشتن بکمر بر
زلفے کہ زانبوہیِ دل خم بہ خم استے

اس زلف کو جس کے پیچ و خم میں (عاشوں) کے دلوں کا ہجوم ہے بالکل کھول کر کمر تک لٹکا دینا بڑا ستم ہے - (مراد یہ ہے کہ یہ کمر تک زلف دراز ستم ڈھاتی ہے) -

خرسندیِ دل پردہ کشائے اثرے ہست
شادم کہ مرا اینہمہ شادی بہ غم استے

دل کی خوشی بتاتی ہے کہ دل کا کچھ نہ کچھ اثر ہوا ہے - میں خوش ہوں کہ مجھے اپنے غم میں مسرت حاصل ہوتی ہے - یعنی غمگین ہو کر بھی جو مطمئن ہوں تو اس غم کا ضرور محبوب کے دل پر اثر ہوا ہوگا -

گفتن ز میاں رفته و دانم که ندانی
با من که بمرگم ز تو پرسش ستم استے

کہنے کا تو سلسلہ ہی جاتا رہا اور میں یہ جانتا ہوں کہ تجھے یہ معلوم نہیں کہ اس وقت جب کہ میں عالم نزع میں ہوں تیری طرف سے میری پرسش حال ستم ہے ۔

ایں ابر که شوید رخ گلہاے بہاری
از دامنِ ما پرورش آموزِ نم استے

یہ بادل جو بہار کے پھولوں کے چہروں کو دھوتا ہے ۔ ہمارے ہی دامن سے نمی پہنچانے کا درس لیتا ہے ۔
(عاشق کا دامن آنسوؤں کے طوفان میں ڈوبا ہوا ہے) ۔

در بادیه از ریزیش خونابۂ مژگاں
رُوداد مرا هر رگِ خارے قلم استے

میری مژگاں سے جو خوں ٹپک رہا ہے اس سے بیاباں کا ہر کانٹا ، میری داستان لکھنے کے لیے قلم بن گیا ہے ؛ یعنی ہم رگ خار پر خوں کے آنسو بہا کر گویا اپنی داستان غم لکھتے چلے جا رہے ہیں ۔

زاں ساں که نظر خیره کند برقِ جہاں سوز
با حرف تمنائے تو گفتن دژم استے

جس طرح برق جہاں سوز آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اسی

طرح تمنا کی باتوں کو بیان کرنا انسان کے نطق کو پریشان کر دیتا ہے ۔

در عہد تو ہنگام تماشاے گل از شرم
نظارہ و گل غرقۂ خوناب ہم استے

تیرے دورِ حسن میں پھولوں کا نظارہ کرتے وقت (دیکھتے وقت) نظارہ اور پھول دونوں شرم سے ایک دوسرے کے خون میں ڈوب جاتے ہیں ۔

زیں نقشِ نو آئیں کہ برانگیختہ غالب
کاغذ ہمہ تن وقفِ سپاس قلم استے

غالب نے جو نئے طرز کی شعری نقش گری کی ہے ، کاغذ سراپا قلم کی احسان مندی کا شکریہ ادا کرنے میں محو ہے ۔

غزل نمبر ۴

اے بہ صدمۂ آہے بردلت ز ما بارے
ایں قدر گراں نبوذ نالۂ ز بیمارے

ہماری ایک آہ کے صدمے سے تمہارے دل پر ہماری طرف سے ایک بوجھ محسوس ہوتا ہے ۔ ایک بیمار کی فریاد اتنی تو گراں نہیں گزرنی چاہیے ۔

وہ کہ با چنیں طاقت راہ بر دمِ تیغ است
پائے بر نمی تابد رنجِ کاوشِ خارے

اس کم طاقتی کے ہوتے ہوئے تلوار کی دھار پر سے گزرنا پڑ رہا ہے ، اور یہاں یہ حالت ہے کہ پاؤں ایک کانٹے کی خلش کا دکھ بھی نہیں اٹھا سکتے ۔

در جنوں بمن مانا ست گر ز عجز خوں گردد
نالہ کہ بر خیزد از دلِ گرفتارے

وہ فریاد کہ دلِ گرفتار سے ابھر رہی ہے اس کے ہوتے ہوئے میرے نزدیک جنوں میں ایسے دل کا عجز سے خون ہونا ہی بہتر ہے ۔

مقصود یہ ہے کہ ایسے دل نے جو محبت کا اسیر ہے اگر یونہی فریادیں کرنی ہیں تو جنوں میں ایسا دل خون ہو کر رہ جائے تو کیا فرق پڑے گا ۔

غم چہ در ربود از ما اینک آنچہ بود از ما
سینۂ و اندوہے ، خاطرے و آزارے

غم نے ہم سے کیا چھین لیا ۔ جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ ابھی بدستور ہے ۔ سینہ ہے اور غم ، دل ہے اور دکھ ۔

اے فنا درے بکشا بو کہ در تو بگریزد
ہم ز خلق نومیدے ، ہم ز خویش بیزارے

اے فنا کوئی دروازہ کھول ، ہو سکتا ہے کہ تیری طرف

لپک کر آئے : وہ بھی جو خلق سے نا امید ہے اور وہ بھی جو اپنے سے بیزار ہے ۔

بہرہ از وجود م نیست زیں کشش کشو دم نیست
پا و داغِ رفتارے دست و حسرت کارے

مجھے زندگی (اپنی ہستی) سے کچھ ملا بھی نہیں اور اس کی کشش سے کہیں چھٹکارا بھی نہیں ملتا ۔

پاؤں ہیں تو چلنے سے عاری اور ہاتھ ہیں تو کام کرنے کی حسرت لیے ہوئے :

ع نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے

نازِ کافر و مومن از چہ دستگاہ آخر
سبحۂ و مسواکے ، قشقۂ و زنارے

مومن و کافر آخر کس برتے پہ یا سرمائے (دستگاہ) پہ ناز کرتے ہیں : یہی ہے نا کہ وہاں تسبیح اور مسواک ہے اور یہاں قشقہ (ماتھے کا ٹیکا) اور زنار ہے ۔

بر جنوں صلائے زن عقل را قفائے زن
دادۂ ز نامردی سر بہ بند دستارے

جنوں کو دعوت دے اور عقل کو تھپڑ دے ۔ تو نے کم ہمتی (نامردی) سے سر پر دستار فضیلت باندھ رکھی ہے ۔

شوخیِ شمیمش بیں، جنبش نسیمش بیں
غنچہ راست آہنگے، سرو راست رفتارے

اُس کی خوشبو کی شوخی دیکھو اور اس کی نسیم کا خرام دیکھو۔ کلی سے نغمہ اُبھر رہا ہے اور سرو میں رفتار آ گئی ہے۔ (کلی یوں منہ کھولے ہے جیسے گانے لگی ہو)۔

کاش کان بتِ کاشی در پذیردم غالب
"بندۂ توام" گویم، گویدم ز ناز "آرے"

غالب! کاش وہ کاشی کی نازنین مجھے قبول کر لے۔ میں اُسے کہوں کہ تمہارا بندہ ہوں وہ کہے کہ ہاں۔

غزل نمبر ۵

بدیں خوبی خرد گوید کہ کام دل مخواہ ازوے
نکو روی و نکوکار و نکو نام است آہ ازوے

وہ حسین ہے (نکو رو) نیکو کار ہے، نیک نام ہے اور ان اوصاف کے ہوتے عقل کہتی ہے کہ اُس سے کسی تمتع کی خواہش نہ کر، افسوس ہے۔

نگارم سادہ و من رند رنگ آمیز رسوایم
چہ نقشِ مدعا بندم بدیں روے سیاہ ازوے

لغت: "رنگ آمیز" شاعر نے محبوب کے لیے سادہ کا لفظ

اور اپنے لیے رنگ آمیز کا لفظ استعمال کیا ہے جو سادہ کا الٹ ہے - پرکار ، ایسا آدمی جس نے اپنے آپ کو بڑی رنگ آمیزیوں سے سنوارا ہو -

میرا محبوب بڑا سادہ ہے اور میں ایک پرکار ، ہوشیار رسوائے زمانہ رند ہوں - (اندریں حالات) میں اس اپنی رو سیاہی کے ہوتے ہوئے اُس سے کسی مطالبہ کی کیسے جرأت کر سکتا ہوں -

بموج ناله می روبم غبار از دامن زینش
کمیں ها دیده ام غافل نیم در صیدگاه ازوے

میں نے بڑی کمیں گاہیں دیکھی ہیں ، میں اس شکار گاہ میں اس سے غافل نہیں ہوں - میں اپنی فریاد ہی سے اس کے گھوڑے کی زین سے گرد جھاڑ رہا ہوں -

جنونِ رشک را نازم که چوں قاصد رواں گردد
دوم بے خویش و گیرم نامه اندر نیمه راه ازوے

مجھے اپنے جنون رشک پر ناز ہے کہ جب خط قاصد کے سپرد کرتا ہوں اور وہ روانہ ہو جاتا ہے تو میں بے خود (بے خویش) ہو کر بھاگتا ہوں اور آدھے راستے میں سے خط واپس لے لیتا ہوں -

چه سنجم داوری با سامری سرمایه محبوبے
که باشد چو دلِ داور زبانِ داد خواه ازوے

لغت : ''سامری سرمایہ'' = سامری وہ سحر کار تھا جس نے حضرت موسیٰ کی غیر حاضری میں ایک گوسالہ بنا کر بنی اسرائیل کو

گمراہ کیا تھا ۔

''سامری سرمایہ'' سے مقصود سامری پیشہ ہے ۔ سحر کار ۔

اُس سحر کار محبوب کے ہوتے ہوئے کسی انصاف کی کیا توقع ہو سکتی ہے کہ انصاف کرنے والے کا دل بھی زبان بن کر خود اُس سے داد خواہی کرنے لگے ۔

ز ہم دوریم با اینہایہ نسبت ، نامرادی بیں
شب تاریک از ما باشد و روے چو ماہ ازوے

بد قسمتی دیکھو کہ اتنے قرب کے باوجود ہم ایک دوسرے سے دور ہیں ، اُس کا چہرہ چاند کی طرح ہے اور ہماری رات سیاہ ہے

شکستن را خدایا ہم بدیں اندازہ قسمت کن
دلی از ما وعہد و طُرّہ و طرفِ کلاہ ازوے

لغت : شکستن'' فارسی مصدر ہے اس کے لغوی معنی توڑنا ہے ۔ محاورۃً دل شکستن ، عہد شکستن ، طرہ شکستن اور طرف کلاہ شکستن اور بہت سے مفہوم پیدا ہوتے ہیں ۔ ان میں سے بعض تو اُردو میں بعینہ مروج ہیں مثلاً ''دل شکستن'' دل ٹوٹنا ، ''عہد شکستن'' وعدہ توڑنا ۔ لیکن طُرہ شکستن کا مطلب زلفوں کا بل کھانا اور طرف کلاہ شکستن کا مفہوم ٹوپی ٹیڑھا رکھنا ہے (جو زیبائش کا انداز ہے) کہتا ہے :

اے خدا اس شکستن کو بھی اس طریقے سے تقسیم کر کہ ادھر ہمارا دل ہو اور اُدھر عہد ، طرہ اور طرف کلاہ ہو ۔ یعنی شکست

کا بہت سا حصہ معشوق کا ہے اسی اندازے سے ہمارے دل کو شکست ملنی چاہیے - اس سے زیادہ اسے کیوں توڑا جائے ۔

اس میں مزہ یہ ہے کہ جب معشوق عہد شکن ہو ، طرہ شکن ہو اور کلاہ شکن ہو تو عاشق کا دل تو اسی اندازے سے زیادہ ٹوٹے گا ۔

بتاں را جلوۂ نازش بوجد آرد شگرفے بیں
برہمن باشد اما دیر گردد خانقاہ ازوے

میرے محبوب کا جلوۂ ناز دوسرے حسینوں (بتوں) کو وجد میں لاتا ہے کہ ہے تو وہ کافر (برہمن) لیکن اس کی وجہ سے بت خانہ (دیر) خانقاہ بن جاتا ہے - یعنی دوسرے معشوق (بت) اس طرح وجد کرتے ہیں جس طرح خانقاہ میں لوگ یاد خدا میں وجد کرتے ہیں ۔

شدم غرقِ شط نظارہ و با غیر در تابم
کہ دانم می تراود دعویِ ذوق نگاہ ازوے

میں تو نظارے ہی میں غرق ہو گیا لیکن رقیب (غیر) کے بارے میں پیچ و تاب میں ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ اس کی آنکھوں سے ذوق نظر کا دعویٰ ٹپک رہا ہے ۔

یعنی میں تو ابتدائے نظارہ ہی میں کھو گیا اور رقیب ذوق نظارہ کی کیسے تاب لا سکا جس کا پتا اس کی آنکھیں دے رہی ہیں ۔

نگاهش شرمگیں باشد چوں مژگاں سرکش است آرے
فرو ماند سپه دارے که بر گردد سپاه ازوے

جب اس کی مژگاں سرکش ہوں تو اس کی نگہ شرمگیں ہوتی ہے ، ٹھیک ہے ، جب فوج باغی ہو جائے (روگردانی کرے) تو سردار لشکر (سپہ دار) عاجز ہو جاتا ہے -

به غالب آشتی کردیم دیگر داوری نبود
گزاف دائمی از ما ، شراب گاه گاه ازوے

ہم نے غالب سے صلح کر لی اب انصاف نہیں ہوگا کہ وہ (بے چارہ) تو کبھی کبھی شراب پئے اور ہماری طرف سے بیہودہ باتوں کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے -

---

غزل نمبر ۹

نخواہم از صفِ حوراں ز صد ہزار یکے
مرا بس است ز خوبانِ روزگار یکے

مجھے حوروں کے زمرے سے لاکھ میں سے ایک بھی درکار نہیں - میرے لیے اس دنیا کے نازنینوں میں سے ایک ہی کافی ہے -

سراغ وحدتِ ذاتش تواں ز کثرت جست
کہ سائر است در اعدادِ بے شمار یکے

اُس کی ذات (ذات خدا) کی وحدت کا سراغ کثرت ہی میں تلاش کیا جا سکتا ہے کیونکہ ایک کا ہندسہ باقی تمام عددوں میں موجود (سائر) ہوتا ہے۔

سائر کے لفظی معنی ہیں ''رواں دواں''

کسے کہ مدّعیِ سستیِ اساسِ وفاست
نشاں دہد ز بنا ہائے استوار یکے

لغت: ''سستی اساس وفا'' = وفا کی بنیاد کی کمزوری۔ ''سست'' = کمزور اور اس کی ضد استوار (مضبوط) ہے۔ جو شخص وفا کی کمزور بنیاد کا دعویٰ کرتا ہے وہ استوار بنیادوں میں سے ایک ہی نشاندہی کرتا ہے۔

یعنی جو شخص وفا کو بے بنیاد خیال کرتا ہے اور اس بات کا دعویٰ دار بھی ہے۔ اس کا تحکم سے یہ کہنا کم از کم یہ پتا تو دیتا ہے کہ وہ ایک مستحکم بنیاد کا قائل ہے اور وہ بے وفائی ہے جس پر وہ مضبوطی سے قائم ہے۔

چگویم از دل و جانے کہ در بساط من است
ستم رسیدہ یکے، نا امیدوار یکے

یہی دل و جاں میری بساط ہیں اور ان کے بارے میں (بھی) کیا کہوں، ایک ستم رسیدہ ہے، ایک نا اُمیدوار۔ قدرت کی

طرف یہ ملے بھی تو کیا ملے ۔

دو برقِ فتنہ نہفتند در کفِ خاکے
بلائے جبر یکے ، رنجِ اختیار یکے

اس مشت خاک (انسان) میں دو برق بلا نہاں رکھی ہیں : ایک بلائے جبر اور دوسرے بلائے اختیار ۔

یعنی انسان جبرو اختیار کے درمیان گھرا ہوا ہے ۔

دلا منال کہ گویند در صفِ عشاق
ستوہ آمدہ از جور خوئے یار یکے

اے دل فریاد نہ کر کیونکہ عاشقوں میں اس بات کا چرچا ہوگا کہ فلاں (ایک) خوئے یار کے ظلم سے تنگ آ گیا ہے ۔ (اور یہ بات عاشق کے شایان شان نہیں ہے) ۔

ز نالہ ام بدلت می رسد ہزار آسیب
نشد کہ سنگِ تو بیروں دہد شرار یکے

میری فریادوں سے تیرے دل کو کتنے دھچکے لگے لیکن کبھی ایسا نہ ہوا کہ اس تیرے پتھر (پتھر جیسے دل) سے ایک چنگاری بھی ابھرتی ۔ (یعنی تیرے دل پر میری فریادوں کا کوئی اثر نہ ہوا) ۔

مرو ز آئنه خانه که خوش تماشاے است
یکے تو محو خودی و چو تو هزار یکے

لغت: ''آئینہ خانہ'' = ایک ایسا کمرہ جس کے چاروں دیواروں پر چھوٹے چھوٹے آئینے ہوں - اُن آئینوں میں ہزار عکس بیک وقت نظر آتے ہیں -

آئینہ خانے سے باہر نہ جا کیونکہ یہ عجیب منظر ہے - ایک طرف تو محو خودی ہے (اپنے آپ میں محو) اور ایک طرف تمہارے جیسے ہزاروں نظر آ رہے ہیں - (یعنی تو اپنے میں کھو گیا ہے لیکن تیرے ہزاروں عکس تو ہماری نظر کے سامنے ہیں) -

زہے نگاہِ سبک سیر و شرم دور اندیش
یکے بلدزدی دل رفت و پردہ دار یکے

لغت: ''سبک سیر'' = تیز چلنے والی - تیز -

اس نگاہ تیز اور اس شرم دور اندیش کے کیا کہنے! ایک (نگاہ) دل کو چرانے نکلتی ہے اور دوسری (شرم) اس چوری کی پردہ داری کر رہی ہے - یعنی نگاہوں کی دلاویز اداؤں کو تو دل نے چھین لیا ہے لیکن معشوق کی شرم و حیا کچھ اس انداز کی ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے دل چرا لیا ہے -

شاعر نے شرم کے لیے دور اندیش کا لفظ استعمال کیا ہے جو بے حد بلیغ ہے -

قماش هستی من یکسر است آتش
مرا چو شعله بود پشت و روے کار یکے

لغت: ''قماش'' کے معنی سامان کے بھی ہیں ، لباس کے

بھی اور طور طریقے کے بھی ۔ یہاں یہ لفظ بے حد پر معنی واقع ہوا ہے ۔

میرا سارا ساز و سامان ہستی آگ ہی آگ ہے ۔ شعلے کی طرح میرا سارا وجود (آگے پیچھے) ایک ہی ہے ۔

چہ شد کہ ریخت زباں رنگ صد ہزار سخن
بخوں سرشتہ نوائے ز دل بر آر یکے

ہماری زبان نے رنگا رنگ انداز سخن کے جوہر دکھائے ۔ کبھی تو بھی تو دل سے ایک ایسی آواز نکال جو خوں میں ڈوبی ہوئی ہو (یعنی درد بھری) ۔

دم از ریاستِ دہلی نمی زنم غالب
منم ز خاک نشینانِ آں دیار یکے

غالب میں دہلی کے رؤسا میں سے ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا ۔ میں تو اس دیار کے خاک نشینوں میں سے ایک ہوں ۔

غزل نمبر ۷

اندوہِ پر افشانی از چہرہ عیانستے
خون نا شدہ رنگ اکنوں از دیدہ روانستے

لغت : ''پر افشانی'' = پر پھڑ پھڑانا ، اڑنے کی تیاری کی

حالت میں ہونا - پرواز -

ہمارے چہرے سے یہ بات عیاں ہے کہ ہم پرواز کرنے والے ہیں - ہمارا رنگ ، خون ہونے سے پہلے ہی آنکھوں سے بہ رہا ہے -

غم راست بدلسوزی سعیِ ادب آموزی
انداختگانش را اندازه نشان استے

لغت : ''انداختگاں'' = انداختہ کی جمع غم میں گھرے ہوئے -

غم دل کے جلانے کے ساتھ ساتھ ادب آموزی بھی کرتا ہے - اس کے (معشوق) غم میں گرائے ہوؤں کو یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اس حد تک جانا ہے -

صد رہ ہوس خود را با وصلِ تو سنجیدم
یک مرحله تن وانگه صد قافله جانستے

میں نے ہوس کے انداز میں سو مرتبہ تیرے وصال کو بھانپا ہے - ایک مرحلہ جسم ہے اور سو مرحلے روح - یعنی وصال محبوب ، ہوس کے لیے تو جسمانی لذت کا ایک مرحلہ ہے اور عشق کے لیے ابدی روحانی لذتوں کا سرچشمہ -

ذوق دلِ خود کامش دریاب ز فرجامش
ہر حلقۂ گلدامش چشمے نگرانستے

لغت : ''خود کام'' = اپنی ہی خواہشوں میں کھویا ہوا - - - ''فر جام'' = انجام ، مقصود ، منتہا -

اس کے خود غرض دل کا ذوق اس کے منتہائے مقصد سے معلوم ہو جاتا ہے ۔ اس کے گلپوش جال کا ہر حلقہ ایک چشم نگراں کی طرح ہے یعنی بڑی بے تابی سے شکار کے پھنسنے کا انتظار کر رہا ہے ۔

یاد کر وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید میں اک دیدۂ بے خواب تھا　　غالب

رو تن به خرابی ده، تا کار روان گردد
طوفان زده زورق را هر موج عنانستے

جا ، جسم کو بربادی کے سپرد کر دے تا کہ کام رواں ہو جائے ۔ طوفان زدہ کشتی کے لیے ہر لہر عنان ہے ۔

چشمے که بما دارد هم رو بقضا دارد
خود نیز رخ خود را از حیرتیان استے

لغت : ''حیرتیاں'' = حیرتی کی جمع ہے ۔ حیرت زدہ ، حیران ۔
محبوب کی جو آنکھ ہماری طرف لگی ہوئی ہے وہی پیچھے کی طرف بھی دیکھ رہی ہے ۔ وہ اپنے چہرے کے حسن سے حیرت زدہ ہونے والوں میں سے ایک ہے ۔

گویا وہ خود مڑ کر اپنے کو بھی دیکھتا جا رہا ہے ۔
کہنا یہ ہے کہ حسن بظاہر عاشق کی طرف متوجہ نظر آتا ہے لیکن در اصل وہ اپنے میں محو ہوتا ہے ۔

جان باغ و بهار ، امّا در پیشِ تو خاکستے
تن مشتِ غبار ، امّا در کوئے تو جانستے

جاں باغ و بہار شے ہے لیکن تیرے روبرو اس کی حثییت خاک

کی ہے : تن مشتِ غبار ہے لیکن تیرے کوچے میں سرتاپا جاں بن جاتا ہے ۔

راز تو شہیداں را در سینہ نمی گنجد
ہر سبزہ دریں مشہد مانا بزباں استے

لغت : ''مشہد'' = شہادت گاہ ۔

تیرے شہیدوں کے سینے میں تیرا راز نہیں چھپ سکتا ۔ اس شہادت گاہ کا ہر خوشۂ گیاہ ایک زباں کی طرح ہے ۔ (جو راز کہہ رہا ہے) ۔

ساقی بہ زر افشانی ، دانم ز کریمانی
پیمانہ گراں تردہ ، گر بادہ گرانستے

میں جانتا ہوں :

ساقی ! تو دولت لٹانے میں بڑے سخیوں میں سے ہے ۔ اگر شراب گراں ہے تو پیمانہ اس سے بھی زیادہ بڑا ہونا چاہیے (''گراں'' کے دو معنے لیے گئے ۔ بادہ کے ساتھ گراں کا مفہوم مہنگی ہے اور پیمانہ کے ساتھ بڑا ۔

فیض ازلی نبودَ مخصوص گروہے را
حرفے است کہ مے خوردن آئینِ مغانستے

فیض ازلی کسی ایک جماعت کا حصۂ خاص نہیں ہوتا ۔ یہ چیز محض ایک افسانہ ہے کہ شراب نوشی زر تشتوں (مغاں) کا شیوہ ہے (شراب اور لوگ بھی پی سکتے ہیں) ۔

ہم جلوۂ دیدارش در دیدہ نگاھستے
ہم لذت آزارش در سینہ روانستے

اُس کا جلوۂ دیدار آنکھوں کے لیے نگاہ ہے ؛ اس کی لذت ستم ، جسم میں روح کی طرح ہے ۔

غالب سر خم بکشا ، پیمانہ بمے در زن
آخر نہ شب ماہست ، گیرم رمضانستے

غالب ، خم کو کھول اور جام مے پی ، مان لیا کہ رمضان ہے لیکن آخر چاندنی رات بھی تو ہے ۔

غزل نمبر ۸

تابم ز دل برد کافر ادائے
بالا بلندے کوتہ قبائے

ایک کافر ادا ، بلند قامت اور کوتاہ قبا معشوق میرے دل کو بے تاب کر گیا ۔

از خوئے ناخوش دوزخ نہیبے
و ز روئے دلکش مینو لقائے

اُس کی تند مزاجی دیکھو تو دوزخ سے زیادہ (پر خوف)

بھڑکنے والا ؛
اور چہرے کی زیبائی دیکھو تو جنت ۔

در دیر گیری غافل نوازے
در زود میری عاشق ستائے

لغت : ''دیر گیری'' = کسی کی دیر میں گرفت یا پرس کرنا ،
یہ صفت اللہ کی بھی ہے گنہگاروں کو دیر میں سزا دیتا ہے ۔
''زود میری'' = جلدی میں مرنا ، آسانی سے جان دے دینا ۔
دیر گیری میں وہ غافلوں کو نوازنے والا ہے اور ''زود میری''
میں عاشق تعریف کرنے والا ۔

زردشت کیشے ، آتش پرستے
برسم گزارے ، زمزم سرائے

لغت : ''برسم'' = زر دشتیوں کے مذہب کے مطابق عبادت ۔
''زمزم'' = زمزمہ کا مخفف ، وہ بھجن جو زرتشتی لوگ ہلکے
سروں میں اپنی عبادت گاہ میں گاتے تھے ۔
زرتشت کی پوجا کرنے والا ، آگ کی پرستش کرنے والا ۔
برسم گزار اور زمزمہ سرا ۔

چوں مرگِ ناگہ بسیار تلخے
چوں جان شیریں اندک وفائے

مرگ ناگہاں کی طرح بہت تلخ اور جان شیریں کی طرح تھوڑی
وفا کرنے والا ۔

در کام بخشی ممسک امیرے
در داستانی مبرم گدائے

خواہش پورا کرنے میں ایک بخیل کنجوس امیر جیسا اور دلستانی میں اصرار کرنے والا ضدی گدا (کہ دل لے کر ہی جائے) ۔

گستاخ سازے، پوزش پسندے
طاقت گدازے صبر آزمائے

عاشقوں کو گستاخ بنا دینے والا اور پھر ساتھ ہی (وہ معذرت کریں تو) معذرت قبول کرنے والا ۔ طاقت گداز اور صبر آزما ۔

در کینہ ورزی تفسیدہ دشتے
در مہربانی بستاں سرائے

کینہ ورزی میں ایک تپتا ہوا صحرا اور مہربانی میں ایک مہکتا ہوا باغ ۔

از زلف پر خم مشکیں نقابے
از تابشِ تن زریں ردائے

لغت: ''ردا'' = چادر۔۔۔۔۔ ''زریں ردا'' سنہری چادر پہننے والا ۔

''مشکیں نقاب'' = سیاہ نقاب اوڑھے ہوئے ۔

پر خم زلفوں کا مشکیں نقاب اوڑھے ہوئے اور چمکتے ہوئے بدن کی درخشندگی کی سنہری چادر لیے ہوں ۔

یعنی اس کے بدن کی چمک ایسی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ سنہری چادر اوڑھے ہوئے ہے۔

در عرض دعوئے لیلی نکوہے
بر رغم غالب مجنوں ستائے

اپنے دعوائے حسن کے وقت لیلیٰ کے نقص نکالنے والا اور غالب کی مخالفت میں مجنوں کی تعریف کرنے والا۔

غزل نمبر ۹

بدل ز عربدہ جائے کہ داشتی داری
شمار عہد وفائے کہ داشتی داری

آج بھی تیرے دل میں وہی جذبۂ مخاصمت کارفرما ہے جو پہلے تھا اور اب بھی تو اپنے ستم سے با وفائی کرتا چلا جا رہا ہے۔

ہے آج بھی ترا شوق جفا وہی کہ جو تھا
ستم سے ہے ترا عہد وفا وہی کہ جو تھا (تبسم)

بہ لب چہ خیزد از انگیز وعدہ ھائے وفا
بدل نشستِ جفائے کہ داشتی داری

اگر تیرے لبوں پہ وفا کے وعدے ابھر کر آتے ہیں تو کیا ہوا، تیرے دل میں تو وہی جفا کا جذبہ کارفرما ہے۔

توکے ز جور پشیماں شدی ، چه میگوئی
دروغِ راست نمائے که داشتی داری

تو جور و ستم سے کب پشیمان ہوا ؟ یہ تو کیا کہہ رہا ہے ؟
تیرے جھوٹ بولنے کا انداز جو بظاہر سچ معلوم ہوتا ہے اب
بھی وہی ہے -

یہ کیا کہا کہ جفاؤں پہ تو پشیماں ہے
دروغ راست نما ہے ترا وہی کہ جو تھا (تبسم)

بسینه چوں دل و در دل چو جاں خزیدی و باز
نگاه مہر فزائے که داشتی داری

تو سینے میں دل کی طرح اور دل میں جاں کی طرح سما گیا ہے
اور پھر بھی تیری نگاہیں بدستور محبت کے جذبات کو اکسا رہی
ہیں جیسے پہلے تھیں -

عتاب و مہر تو از ہم شناختن نتواں
خرد فریب ادائے که داشتی داری

تیرے عتاب اور مہربانی میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا - تری
خرد فریب اداؤں کا وہی عالم ہے جو پہلے تھا -

کرم نما ہے ستم اور ستم نما ہے کرم
ہر ایک میں ہے فریب وفا وہی کہ جو تھا (تبسم)

خراب بادۂ دو شینۂ ، سرت گردم
ادائے لغزش پائے کہ داشتی داری

ابھی بادۂ دوشیں (رات کی) کا نشہ موجود ہے ۔ ترے قرباں ، ترے پاؤں کے لڑکھڑانے کی ادا وہی ہے جو (رات) تھی ۔

ہے اب بھی لغزش پا میں ادا وہی کہ جو تھی
ہے نشہ بادۂ دو شینہ کا وہی کہ جو تھا (تبسم)

بہ کردگار نگردیدی و ہماں بفسوس
حدیثِ روز جزائے کہ داشتی داری

لغت : ''فسوس'' = فریب وریا ۔

خالق کائنات کی طرف تو رجوع نہیں کیا اور روز جزا کا تذکرہ اسی ریا کے انداز میں ابھی تک جاری ہے ۔

کرشمہ باز نہالے کہ بودۂ ہستی
بسر ز فتنہ ہوائے کہ داشتی داری

تو ایک کرشمہ باز تھا اور اب بھی وہی ہے ۔ تیرے سر میں وہی فتنہ انگیزیاں اب بھی سمائی ہوئی ہیں جو پہلے تھیں ۔

ہنوز ناز بے غمزہ گم نداند کرد
ادائے پردہ کشائے کہ داشتی داری

ابھی تیرا ناز حسن ، غمزے اور عشوے کی راہ نہیں بھول سکتا ، تیری ادائیں یہ راز کشائی پہلے بھی کرتی تھیں اور اب بھی ۔

جهانیان ز تو بر گشته اند گر غالب
ترا چه باک خدائے که داشتی داری

غالب! اگر دنیا والے تجھ سے برگشتہ ہیں تو تجھے کیا ڈر ہے۔
ترا خدا جو پہلے تھا وہ اب بھی ہے۔

غزل نمبر ۱۰

اگر به شرع سخن درمیاں بگردانی
ز سوے کعبه رخ کارواں بگردانی

لغت: "شرع" کے لغوی معنے طریق یا راستے کے ہیں۔
راہ حقیقت۔

اگر تو راہ حقیقت (شرع) کی باتیں درمیان میں لے آئے (یعنی اُن کا تذکرہ چھیڑدے) تو کعبے کو جاتے ہوئے قافلے کا رخ مڑ جائے۔ (یعنی کعبے کو جاتے ہوئے لوگ اُدھر سے لوٹ آئیں)۔

لوگ کعبے کو خانۂ خدا سمجھتے ہیں حالانکہ بقول مرزا غالب:

ع قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

به نیم ناز که طرح جهان نو فگنی
زمین بگستری و آسماں بگردانی

لغت: "طرح افگندن" = بنیاد رکھنا۔

اپنے حسن کے نیم ناز سے ایک نئے جہان کی بنیاد ڈالتا ہے،

زمین کا فرش بچھاتا اور آسمان کو گردش میں لاتا ہے۔

بیک کرشمہ کہ بر گلبن خزان ریزی
بہار را بدر بوستان بگردانی

اگر تیرے کرشمے کی ایک جھلک خزاں زدہ پھول کی کیاری پر پڑ جائے تو بہار لوٹ کر پھر گلستان کے دروازے پر آ جائے۔

بخاطرے کہ در آئی بجلوہ آرائی
بلاے ظلمتِ مرگ از روان بگردانی

تو جس دل میں جلوہ آرا ہو جائے روح (جاں) کو موت کی کلفت سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ (روح زندہ جاوید ہو جاتی ہے)۔

بہ گلشنے کہ خرامی ببادہ آشامی
قدح ز جوش گل و ارغوان بگردانی

تو جس باغ میں خراماں آئے، بادہ آشامی کے لیے گل و ارغواں کے پھول جام بن کر گردش کرنے لگتے ہیں (باغ میں مستی کا سماں پیدا ہو جاتا ہے)۔

بکوئے غیر روی، چوں مرا بہ رہ نگری
بجبہہ چین فگنی و عنان بگردانی

تو رقیب کی طرف جاتا ہے اور راستے میں جب تیری نظر مجھ پر پڑتی ہے تو تو پیشانی پہ بل ڈال لیتا ہے اور سواری کی لگام پھیر لیتا ہے (دوسری طرف چل پڑتا ہے)۔

وفا ستائے شوی چوں مرا بیاد آری
بخویش طعنہ زنی و زبان بگردانی

جب میں تجھے یاد آؤں تو وفا کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتا ہے اور پھر خود ہی اپنے کو کوستا ہے (طعنہ زنی) اور زبان پھیر لیتا ہے (یعنی باتوں کا انداز بدل لیتا ہے) ۔

بہ بیم خوے خودم در عدم بخوابانی
بذوق روے خودم در جہاں بگردانی

اپنی خوئے تند سے عاشقوں کو گویا عدم کی نیند سلا دیتا ہے اور اپنے حسن کی جلوہ آرائی کی لذت سے انھیں اس جہان میں گھماتا پھرتا ہے ۔

بہ بذلہ خاطر اسلامیاں بیازاری
بجلوہ قبلۂ زردشتیاں بگردانی

اپنی ظرافت سے اسلامیوں کے دلوں کو ستاتا ہے اور جلوۂ آتشیں سے آتش پرستوں کے قبلے کو بدل دیتا ہے ۔ (یعنی وہ تیرے آتشیں جلووں ہی کو اپنا قبلہ سمجھ کر ، آگ کی پرشش چھوڑ دیتے ہیں ۔

اجازتے کہ کنم نالہ تا کجا غالب
ز لب بسینۂ تنگم فغاں بگردانی

اجازت ہے کہ میں فریاد کروں ۔ غالب تو کب تک میری لب تک آئی ہوئی فریاد مرے سینۂ تنگ میں لوٹاتا رہے گا ۔ (یعنی میں کب تک ضبط فغاں کرتا رہوں گا) ۔

غزل نمبر ۱۱

اے موج گل نوید تماشاے کیستی
انگارۂ مثال سراپاے کیستی

لغت: ''موج گل'' = رنگ گل، سرخ پھول کی رنگیں لہر --- ''تماشا'' = جلوہ، نظارہ۔

اے رنگیں پھول تو کس کے نظارۂ حسن کی خوشخبری دے رہا ہے۔ کس کے آتشیں سراپا (جسم) سے ابھرا ہوا ایک انگارہ ہے۔

پھول کو دیکھ کر محبوب کی صورت آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

بیہودہ نیست سعی صبا در دیار ما
اے بوے گل پیام تمناے کیستی

ہمارے دیار میں صبا کا چلنا (سعی) بے کار نہیں ہے۔ اے بوے گل تو کس کا پیام تمنا لے کے آئی ہے۔

خوں گشتم از تو باغ و بہار کہ بودۂ
کشتی مرا بغمزہ، مسیحاے کیستی

میرا دل رشک سے خون ہو کر رہ گیا۔ تیرا حسن کس کی نظروں کے لیے باغ و بہار ہے، مجھے تو تو نے اداؤں سے مار ڈالا، تو کس (خوش نصیب) کے لیے مسیحا ہے۔

یادش بخیر، تا چه قدر سبز بودۂ
اے طرف جوئبار چمن ، جاے کیستی

اے باغ کے آب رواں کے کنارے تو کس کا مقام سیر گاہ ہے کہ تو اتنا سر سبز ہے - اللہ اُسے خوش رکھے!

از خاک غرقۂ کف خونے دمیدۂ
اے داغ لالہ نقش سویداے کیستی

لغت: ''سویدا'' = دل پر سیاہ تل ، - - - - شاعر نے لالے کے سرخ پھول کو خون سے بھری ہوئی کٹوری اور اس کے داغ کو سویدا کہا ہے -

تو خاک سے ، (مٹھی بھر) خوں میں ڈوبا ہوا ، پھوٹ کر باہر آیا ہے ، اے داغ لالہ تو کس کے دل کا نقش سویدا ہے -

نشنیدہ لذت تو فرو می رود بدل
اے حرف محو لعل شکر خاے کیستی

تو کس کے لبوں کی داستاں ہے کہ تجھے سنے بغیر ہی تیری لذت دل میں بیٹھتی جا رہی ہے -

با نوبہار ایں ہمہ سامان ناز نیست
فہرست کارخانۂ یغماے کیستی

بہار میں تو اتنا سامان ناز نہیں ہوتا ، یہ کس کے حسن کی لوٹ کا سامان ہے -

در شوخیٔ تو چاشنیِ پر فشانی است
بے پردہ صید دام تپشہاے کیستی

تیری شوخی میں بے تابی کی ایک جھلک پائی جاتی ہے،
تو کس کی تپش کے جال کا شکار بے پردہ ہے ۔

از ہیچ نقش غیر نکوئی ندیدۂ
اے دیدہ محو چہرۂ زیباے کیستی

اے آنکھ تو کس چہرۂ زیبا میں محو ہو گئی ہے کہ اب کسی
نقش میں سواے خوبصورتی کے اور کچھ نظر نہیں آتا (اب جس شے
کو دیکھیں حسین معلوم ہوتی ہے) ۔

با ہیچ کافر اینہمہ سختی نمی رود
اے شب بمرگ من کہ تو فرداے کیستی

کسی کافر پر اتنی سختی روا نہیں رکھی جاتی ، اے رات تجھے
میری موت کی قسم! بتا کہ تو کس کی ''فردا'' (کل) ہے ۔ فردا کا لفظ
یہاں بڑا ذو معنی واقع ہے ۔ فردا سے مراد ''کل'' بھی ہے اور فرداے
قیامت بھی ہے ۔

''کل'' اس لیے کہ رات گزرنے میں نہیں آتی اور فرداے
قیامت اس لیے کہ یہ رات ، قیامت کی رات ہے کہ اس میں اتنا
دکھ ہو رہا ہے گویا عذاب کی رات ہے ۔

غالب نوائے کلک تو دل می برد ز دست
تا پردہ سنج شیوۂ انشائے کیستی

لغت: ''تا'' کا مفہوم یہاں بڑا انوکھا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ اردو میں نہیں ہو سکتا ۔ ۔ ۔ ۔ ''پردہ سنج'' = نغمہ سنج ۔

غالب تیرے قلم کی آواز دل کو موہ رہی ہے آخر تو کس کے اسلوب بیان کی نغمہ سرائی کر رہا ہے ۔

غزل نمبر ۱۲

کافرم گر از تو باور باشدم غمخوارے
آز مند التفاتم کردہ ذوق خوارے

لغت: ''آز'' = لالچ ۔ ''آزمند'' = لالچی ۔

اگر مجھے تیری طرف کسی طرح کی غمخواری کا یقین ہو تو میں کافر، مجھے تو میرے ذوق رسوائی نے تیرے التفات کا آرزو مند (طامع) بنا رکھا ہے ۔

یعنی چاہتا ہوں کہ عشق میں پڑ کر رسوا ہو جاؤں، تجھ سے توجہ چاہتا ہوں، کسی غمخواری کی توقع نہیں ۔

از کنار دجلہ آتشخانہ چنداں دور نیست
کشتی ما بر شکستن زد، درُستاں یارے

لغت: ''بر شکستن زد'' = ٹکرا کر ٹوٹ گئی ۔ ۔ ۔ ۔

''درستاں'' وہ لوگ مراد ہیں جن کی کشتی سلامت اور درست ہے -

دریا (دجلہ) کے کنارے سے آتش خانہ اتنا دور نہیں ہے - ہماری کشتی ٹکرا کر ٹوٹ چکی ہے سلامت کشتی والو اسے اٹھا کر آتش خانے لے جاؤ کہ جلانے کے کام ہی آ جائے -

شادباش اے غم ز بیم مرگم ایمن ساختی
گشت صرف زندگانی بود اگر دشوارے

اے غم تو خوش رہ کہ تو نے ہمیں موت کے خوف سے نجات دلا دی - اگر کوئی دشواری تھی تو وہ زندہ رہنے کی کوشش میں صرف ہو گئی -

زندگی کیا تھی گویا موت ہی تھی اب کونسی موت آئے گی جس کا ڈر کریں -

رشک نبود گر خدنگت جانب دشمن گرفت
در دم ساطور پنہان است زخم کارے

اگر تیرا تیر دشمن کی طرف گیا تو کوئی رشک کی بات نہیں - تیرے خنجر کی دھار میں زخم کاری پنہاں ہے - (یعنی تیر کو اگر کوئی زخم لگانا تھا اور وہ رقیب کے نصیب ہوا تو فکر نہیں تیرا خنجر اس سے بڑھ کے زخم لگا سکتا ہے -)

برق از قہرت کباب بے محابا سوزے
مرگ از لطفت ہلاک دردمند آزارے

تیرے قہر سے برق میں بے محابا جل جانے کا ذوق پیدا ہو گیا

ہے اور تیرے لطف سے موت ، درد مند آرزو ہو گئی ہے ۔

معشوق کا قہر عاشقوں کو بے محابا جلا دیتا ہے برق اس قہر پر رشک کرتی ہے اور معشوق کا لطف بجائے اس کے کہ درد مندوں کے درد کا مداوا کرے انھیں دکھ پہنچاتا ہے ۔ موت اس کی اس شان پر فریفتہ ہے ۔

با خرد گفتم چہ باشد مرگ بعد از زندگی
گفت ہے خواب گرانے بعد از بیدارے

میں نے عقل سے پوچھا زندگی کے بعد موت کیا ہے ؟ جواب ملا ، بیداری کے بعد ایک بھاری نیند ۔

اے دل از مطلب گزشتم دستگاہت را چہ شد
شیونے ، شورے ، فغانے ، اضطرابے ، زارے

اے دل تکلف بر طرف ، آخر تیرے اتنے سرمائے کو کیا ہو گیا ۔

کوئی شیون ، کوئی شور ، کوئی فریاد ، کوئی اضطراب ، کوئی گریہ و زاری کچھ تو کر ۔

دارد اندازِ تسلسل در ضمیرم شوق دوست
ہمچو رقص نالہ در کام و لب زنہارے

میرے دل (ضمیر) میں دوست کے شوق کا وہی عالم ہے جو پناہ چاہنے والے (زنہاری) انسان کے لب و دہن میں فریاد کا ہوتا ہے ۔ اس میں ویسا ہی انداز تسلسل ہے ۔ یعنی سہما ہوا اور

دبا ہوا بھی ہے اور اس کا کھل کے اظہار نہیں ہو سکتا ہے اور
مسلسل چلا جا رہا ہے ۔

دل نفس دزدید و خوں گردید بخت چشم بیں
کس بہ لعل و دُر تونگر کردہ دُر افشارے
دل نے سانس روک لیا اور خوں ہو گیا ، آنکھوں کا
نصیب دیکھو ۔

زلّہ بردار ظہوری باش غالب بحث چیست
در سخن درویشئے باید نہ دکّاں دارے
غالب ، بحث کیسی (یہ باتیں چھوڑ) ظہوری کا خوشہ بردار
ہو جا ۔ شاعری میں درویشی کام آتی ہے نہ کہ دکان داری ۔

غزل نمبر ۱۳

رفت آنکہ کسب بوئے تو از باد کردمے
گل دیدمے و روئے ترا یاد کردمے
وہ دن گئے جب میں ہوا میں تیری معطر خوشبو سونگھ لیتا
تھا ۔ پھول کو دیکھتا تھا تو تیرا چہرہ یاد آ جاتا تھا ۔

رفت آنکہ گر براہ تو جاں دادمے ز ذوق
از موج گرد رہ نفس ایجاد کردمے
وہ دن گئے کہ اگر میں تیری راہ میں جاں دیتا تو اس ذوق

جاں سپاری میں راہ کے ابھرتے ہوئے غبار سے زندگی کا تازہ سانس ایجاد کر لیتا (یعنی ایک تازہ زندگی حاصل کر لیتا) ۔

رفت آنکہ گر لبت نہ بہ نفریں نواختے
رنجیدمے و عربدہ بنیاد کردمے

وہ وقت گیا کہ اگر تیرے لب کسی بات پہ ملامت کر کے مجھے نہ نوازتے تو میں خفا ہو جاتا اور جھگڑے کی صورت پیدا کر لیتا (تا کہ تری تلخ باتوں سے لذت اندوز ہوں) ۔

رفت آنکہ قیس را بسترگی ستودمے
در چابکی ستائش فرہاد کردمے

وہ دن گئے کہ قیس کی عظمت کے گن گایا کرتا اور فرہاد کی عاشقانہ کارگزاریوں کی تعریف کیا کرتا تھا ۔

رفت آنکہ جانبِ رخ و قدت گرفتمے
در جلوہ بحث با گل و شمشاد کردمے

وہ دن گئے جب کہ میں ترے رخ و قد کی جانبداری کرتے ہوئے جلوہ گری کے بارے میں گل و شمشاد سے مناظرہ کیا کرتا تھا ۔

رفت آنکہ در ادائے سپاس پیام تو
ہر گونہ مرغِ صد قفس آزاد کردمے

وہ دن گئے جب میں تیرا کوئی پیام آتا تو میں اس کے شکرانے

میں سینکڑوں اسیر پرندوں کو آزاد کر دیتا ۔

اکنون خود از وفاے تو آزار می کشم
رفت آنکہ از جفائے تو فریاد کرد مے

وہ دن گئے جب میں تری جفا کے ہاتھوں فریاد کیا کرتا تھا
اب تو تری وفا سے بھی مجھے دکھ کا احساس ہوتا ہے ۔

بندم منہ ز طُرّہ کہ تابم نماندہ است
رفت آنکہ خویش را ببلا شاد کردمے

اب مجھے اپنی زلفوں میں اسیر کرنے کی کوشش نہ کر کیونکہ مجھ میں اس کی تاب نہیں رہی ؛ وہ دن گئے جب میں اپنے کو ایسی مصیبتوں میں ڈال کر خوش ہوا کرتا تھا ۔

آخر بدادگاہ دگر اوفتاد کار
رفت آنکہ از تو شکوۂ بیداد کردمے

اب تو ایک اور ہی بارگاہ انصاف سے واسطہ پڑ رہا ہے ۔ وہ دن گئے جب تجھ سے تیرے جور و ستم کی شکایت کیا کرتا تھا ۔

غالب ہواے کعبہ بسر جا گرفتہ است
رفت آنکہ عزم خلّخ و نوشاد کردمے

غالب ! اب کعبے جانے کی خواہش سر میں سما گئی ہے ۔
وہ دن گئے جب خلخ اور نوشاد جانے کا ارادہ کیا کرتا تھا ۔ (خلّخ اور نوشاد ایران کے دو مشہور مقامات ہیں) ۔

غزل نمبر ۱۴

مژدهٔ خُرّمی و بے خللی را مانی
ابدی جنت و فیض ازلی را مانی

لغت : ''مانی'' = تو مانند ہے ۔ تو ملتا جلتا ہے ۔

تو ایک ایسا مژده شادمانی ہے جو بے خلل ہے ۔ تو ایک ابدی جنت ہے ، سرتاپا فیض ازل (کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی) جو ہمیشہ جاری رہتا ہے اور کہیں ختم نہیں ہوتا ۔

بسکہ ہمواره دل‌آویزی و شیریں حرکات
سایهٔ طوبیٰ و جوے عسلی را مانی

لغت : ''طوبیٰ'' = جنت میں ایک درخت ، ''جوے عسلی'' شہد کی نہر (جنت میں) ۔

''شیریں حرکات'' = اسم فاعل ترکیبی ہے یعنی شیریں حرکات والا ۔

تو ہمیشہ دل آویز اور تیری حرکات شیریں ہیں ۔ تو اس سایہ'' طوبیٰ کی مانند ہے جو جنت میں شہد کی نہر میں پڑ رہا ہو ۔

معشوق کے حسن کی دل آویزی اور اس کی حرکات شیریں کو سایهٔ طوبیٰ سے تشبیہ دی ہے جو نہر میں پڑ رہا ہے اور ہل رہا ہے اور چونکہ وہ نہر شہد کی نہر ہے اس لیے وہ سایہ شیریں بھی ہے ۔ یہ تشبیہ متحرک ہے اور بے حد دل آویز ہے اور نادر ہے ۔

جلوه فرمائی و جاوید نمانی بہ کسے
سیمیائی و بہشت عملی را مانی

''سیمیا'' = جادو ، طلسم ایک علم ہے جس سے فرضی اشیا

نظر کے سامنے آ جاتی ہے لیکن اُن کا خارجی وجود کوئی نہیں ہوتا۔
تو اپنا جلوہ دکھاتا ہے اور ہمیشہ کسی کے پاس نہیں رہتا، تو ایک سیمیا، ایک بہشت عملی کی طرح ہے۔

به ستم معنی پیچیدۂ نازک باشی
اے که در لطف رقم ہاے جلی را مانی

لغت: ''جلی'' نمایاں، رقم ہاے جلی، جلی تحریر، موٹے اور نمایاں حرفوں میں لکھی ہوئی تحریر۔

تیرا ستم، پیچیدہ نازک معنی کی طرح ہے کہ سرسری طور پر نظر نہیں آتا، اور تیرا لطف و کرم جلی حروف کی طرح واضح ہے۔

به توانائی کوشش نتوان یافت ترا
سر خوشی ہاے قبول ازلی را مانی

کوشش کے بل پر تجھے حاصل نہیں کیا جا سکتا، تیرا حصول، قبول ایزدی کی سر خوشی کی طرح ہے (یعنی اللہ کی دین ہے جسے مل جائے مل جائے)۔

جز بچشم و دلِ والا گہراں جا نہ کنی
جلوۂ نقش کف پاے علیؓ را مانی

لغت: ''والا گہر'' = بلند پایہ لوگ۔

عظیم انسانوں کے چشم و دل کے بغیر تو کہیں نہیں سماتا۔ تو حضرت علیؓ کے نقش کف پا کے جلوے کے طرح ہے کہ وہ بھی ہر

جگہ نہیں ہوتا۔

بدل ہر کہ بچشم تو در آید ناگاہ
داری آں مایہ تصرّف کہ ولی را مانی

جو شخص یونہی اچانک بھی تری نظر کے سامنے آ جائے اس پہ تیری شخصیت کا اتنا اثر ہوتا ہے جیسے ولی اللہ کا۔

ای کہ در طالع ما نقش تو ہرگز نہ نشست
زہرۂ حُوتی و شمسِ حملی را مانی

اندریں شیوۂ گفتار کہ داری غالب
گر ترقی نکنم شیخ علی را مانی

یہاں شیخ علی سے شیخ علی حزیں مراد ہے جن کے کلام کے مرزا صاحب بہت معترف تھے۔

غالب! یہ شیوۂ گفتار، (اسلوب بیان) جو تجھے حاصل ہے اگر میں تیرا پایہ اور بلند نہ کروں یعنی تکلف نہ کروں تو تو شیخ علی کی طرح ہے۔

غزل نمبر ۱۴

اے کہ گفتم ندھی دادِ دل، آرے ندھی
تا چوں من دل بہ مغاں شیوہ نگارے ندھی

میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ تو اس وقت تک کسی کے با وفا دل کی داد نہیں دے سکے گا جب تک میری طرح کسی زردشتی ادا معشوں کو اپنا دل نہیں دیتا ۔

چشمہ نوش ہمانا نتراود ز دلے
کش نگیری و در اندیشہ فشارے ندھی

کسی دل سے اس وقت تک چشمہ شیریں نہیں ٹپک سکتا جب تک تو اس دل کو لے کر اپنے ذہن میں اسے بھینچ نہ لے ۔

ماہ و خورشید دریں دائرہ بےکار نیند
تو کہ باشی کہ بخود زحمت کارے ندھی

اس فضائے کائنات میں چاند سورج بھی بے کار نہیں ہیں ۔ تو کون ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو کسی کام کی زحمت نہیں دیتا ۔

کائنات کی ہر شے قدرت کے منشا کے مطابق اپنے فرائض پورے کر رہی ہے ۔ انسان کی زندگی کا بھی ایک مقصد ہے جس کی تکمیل کے لیے کوشش کرنا اس کا فرض ہے ۔

مرزا غالب اس کام کی وضاحت آئندہ شعروں میں کرتے ہیں ۔

پائے را خضر قدم سنجی کوئے نشوی
دوش را قدر گراں سنگی بارے ندھی

لغت : ''قدم سنجی'' ''قدم پیمائی'' = راہ چلنا - - - - ''خضر'' کا نام رہنمائی سے وابستہ ہے -

''گراں سنگی'' = وزنی ، بھاری ، - - - - ''قدر'' یہاں قدرت ، طاقت کا مفہوم ہے -

تو اپنے پاؤں کو کسی کوچے کی رہ پیمائی کا خضر نہیں بناتا - اور اپنے کندھوں پر کسی بھاری بوجھ آٹھانے کی ہمت عطا نہیں کرتا - (یعنی جب تک کسی کوچے کی رہ پیمائی نہیں کرتا اور محبت میں کوئی گراں قدر بوجھ نہیں آٹھاتا) -

سر براہ دم شمشیر جوانے نہ نہی
تن بہ بند خم فتراک سوارے ندھی

اپنا سر کسی جواں سال کی تلوار کی دھار پر نہیں رکھ دیتا اور کسی شہسوار کے خم فتراک کا اسیر (شکار) نہیں ہو جاتا -

سینہ را خستہ انداز فغانے نکنی
دیدہ را مالش بیداد غبارے ندھی

لغت : ''مالش'' = مالیدن سے حاصل مصدر ہے - ملنا -

اپنا سینہ انداز فریاد سیکھ سیکھ کر زخمی نہیں کر لیتا اور کسی کے جور محبت کے غبار کو (سرمہ بنا کر) آنکھوں میں ڈال کر آنکھیں نہیں ملتا -

خوں بذوق غم یزداں نشناسے نخوری
دیں بہ مہر حق الفت نگزارے ندھی

لغت: ''یزداں نشناسی'' = خدا کو نہ پہچاننا۔ معرفت الٰہی سے انحراف کرنا۔

''حق الفت نگزار'' = محبت کا حق ادا نہ کرنے والا۔

اپنے دین (و ایمان) کو کسی محبت کا حق نہ پہچاننے والے (بے وفا معشوق) کی نذر نہیں کر دیتا اور حق ناشناسی کے غم میں اپنا خون دل نہیں پیتا۔

یعنی کسی بے وفا کی محبت میں اپنا دیں و ایماں چھوڑ کر کافر عشق نہیں ہو جاتا۔

آخر کار نہ پیداست کہ در تن افسرد
کف خونی کہ بداں زینت دارے ندھی

آخر یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ چلو بھر خون (جو تیرے تن میں ہے) اور جسے تو زینتِ دار نہیں بناتا تیرے تن میں افسردہ ہو کر رہ جائے گا۔

اگر تو اپنی زندگی کسی بڑے مقصد کے لیے دار و رسن کی نذر نہیں کرے گا تو یہ زندگی یونہی بے کار ایک روز ختم ہو جائے گی۔

حیف گر تن بسگان سر کوے نہ رسد
واے گر جاں بسر راھگذارے ندھی

افسوس اگر یہ ترا جسم کسی محبوب کے کوچے کے کتوں

تک نہ پہنچے اور افسوس اگر یہ جاں تو کسی کی راہ گذر کی نذر نہ کر دے ۔

رهزنان اجل از دست تو ناگاه برند
نقد هوشے که بسودائے بہارے ندهی

یہ نقد ہوش ، یہ عقل و خرد کا سرمایہ ، زندگی ، جو آج تو کسی بہار حسن کی جنوں کی نذر نہیں کرتا رہزنان اجل ناگہاں چھین کر لے جائیں گے ۔

بعد کا شعر کا اس قطعہ بند ہے ۔

به خمِ طُرّۂ حوران بہشت آویزند
ناز پرورده دلے را که به یارے ندهی

یہ ناز پروردہ دل جو تو آج کسی محبوب کی نذر نہیں کرتا حوران بہشت کی زلفوں کے خم میں آویزاں کر دیا جائے ۔

گر تنزل نبود ، ابر بہاری غالب
که دُر افشانی و ز افشانده شمارے ندهی

اگر یہ بات تیری شایان شان نہ ہو (تنزل نبود) اے غالب ! تو تو ابر بہار ہے کہ (بے دریغ) موتی لٹاتا ہے اور ان لٹائے ہوئے موتیوں کو شمار بھی نہیں کرتا ۔ (اپنے اشعار پر افکار کی طرف اشارہ ہے) ۔

غزل نمبر ۱۶

ہمنشیں جان من و جان تو ایں انگیز ، ہے
سینۂ از ذوقِ آزار منش لبریز ، ہے

لغت : ''جان من و جان شما'' = مجھے اپنی اور تیری جان کی قسم -

ہے = افسوس -

میرے ہمنشیں ، مجھے تری اور اپنی جان کی قسم! یہ آفت ، توبہ! اس کا سینہ مجھے آزاد دینے کی لذت میں اتنا جوش سے بھرا ہوا ہے ، توبہ توبہ !

غیر دانم لذت ذوق نگہ دانستہ است
کز پے قتلم بدستش داد تیغ تیز ، ہے

جانتا ہوں رقیب ذوق نگاہ کی لذت سے آشنا ہو چکا ہے ، جبھی اس نے میرے قتل کے لیے معشوق کے ہاتھ میں تیز تلوار دے دی ہے - افسوس (کہ میں مر جاؤں اور اس لذت نگہ سے محروم ہو جاؤں) -

می چکد خونم رگ ابر است آں فتراک ، ہائے
می تپد خاکم ، رم باد است آں شب دیز ، ہے

اس کا فتراک (حلقۂ ساز) رگ ابر ہے کہ اس سے میرا خون ٹپک رہا ہے - اس کا گھوڑا (شبدیز) تیز ہوا کا طوفان ہے کہ اس میں میری خاک تڑپ رہی ہے -

بر سر کوئے تو بے خود گشتنم از ضعف نیست
کشتۂ رشکم نیارم دید خود را نیز، ہے

تیرے کوچے میں میرا بے خود ہو جانا ضعف و ناتوائی کی وجہ سے نہیں ہے - افسوس میں رشک کا مارا ہوا ہوں - میں اپنے کو بھی تیرے کوچے میں دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتا (یعنی مجھے اپنے پہ بھی رشک آتا ہے اس لیے میں نے اپنے آپ کو کھو دیا ہے) -

ننگ باشد چشم بر ساطور و خنجر دوختن
غنچہ آسا سینۂ خواہم جراحت خیز، ہے

لغت : ''ساطور'' = خنجر -

خنجر یا سا طور پر آنکھیں لگانا ننگ ہے - میں کلی کی طرح ایک ایسا سینہ چاہتا ہوں جس کے اندر سے زخم خود بخود ابھریں (غنچہ گویا ہمہ زخم ہوتا ہے اور وہ زخم اس کے اپنے لگائے ہوئے ہوتے ہیں - میں بھی خنجر سے نہیں بلکہ اپنے سینے کے جوش زخم خوری سے گھائل ہونا چاہتا ہوں) -

تیشہ را نازم کہ بر فرہاد آساں کرد مرگ
خنجر شیرویہ و جاں دادن پرویز ہے

تیشے کے کیا کہنے کہ اس نے فرہاد کے لیے موت کو آسان بنا دیا - حیف کہ شیرویہ کے خنجر سے پرویز کی موت واقع ہو - خسرو پرویز، فرہاد کو ختم کرنا چاہتا تھا لیکن فرہاد تیشہ مار کر مر گیا اور خسرو کا ممنون نہ ہوا، برعکس اس کے خود شیرویہ کے ہاتھوں جان دی جو بڑی افسوسناک تھی -

غمزہ را ز آں گوشۂ ابرو کشادِ دیگر است
آں خرام توسن و این جنبش مہمیز ، ہے

معشوق کے گوشۂ ابرو سے اس غمزے (آنکھوں کے اشاروں) کو کتنی کشاد حاصل ہوتی ہے (یعنی وہ کیسے کھل کر اپنا اثر دکھاتا ہے ۔ توبہ ایڑی کی چوٹ اور یہ اسب ناز کا خرام) ۔

ابرو گویا مہمیز ہے اور غمزہ اسب ناز ۔

ریزش خشت از در و دیوار برگ راحت است
خاک را کاشانہ ما کردہ بالیں خیز ہے

گھر کے در و دیوار سے اینٹوں کا گرنا سامان راحت ہے ۔ ہمارے گھر نے خاک کو بالیں خیز بنا دیا ہے ۔

گفتم آرے رونق بازار کسری بشکنی
گرم کردی در جہاں ہنگامۂ چنگیز ہے

میں نے اس سے کہا تم نے جہاں میں ہنگامہ چنگیز تو گرم کر دیا ، اب یقیناً نوشیرواں کی بازار کی رونق بھی ختم کرو گے ۔

غالب از خاکِ کدورت خیز ہندم ، دل گرفت
اصفہاں ہے ، یزد ہے ، شیراز ہے ، تبریز ہے

غالب ہند کی کدورت خیز خاک سے میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے ۔ ہائے کہاں ہے اصفہاں ، کہاں ہے یزد ، کہاں ہے شیراز ، اور کہاں ہے تبریز ، ہائے ۔

غزل نمبر ۱۷

خشنود شوی چون دل خوشنود نیابی
ترسم که زیانِ کارِ کسی، سود نیابی

جب تجھے کوئی ایسا دل ملتا ہے جو خوش نہ ہو تو
تو خوش ہوتا ہے - مجھے ڈر ہے کہ تو نے کسی سے نقصان آٹھایا
ہوا ہے - تجھے نفع حاصل نہیں ہو سکتا -

از قافله گرم روانِ تو نباشد
رختے که به سیلش شرر اندود نیابی

جو سامان پانی کی رو میں تجھے شرر آلودہ نظر نہیں آتا وہ
تیرے گرم رفتاری سے چلنے والے قافلے کا نہیں ہوتا -

فرقے است نه اندک ز دلم تا بدل تو
معذوری اگر حرفِ مرا زود نیابی

تیرے دل اور میرے دل کے درمیان فاصلہ کوئی کم نہیں ہے -
اسی لیے اگر تو میری بات جلدی سے نہیں سمجھ سکتا تو تو
معذور ہے -

بر ذوق خداداد، نظر دوختگانیم
در سینهٔ ما زخم نمک سود نیابی

ہم آن لوگوں میں سے ہیں جن کی نظریں ذوق خدا داد پر لگی
ہوئی ہیں، ہمارے سینے میں تمہیں کوئی ایسا زخم نہیں ملے گا جس

پر نمک چھڑکا گیا ہو۔

نمک چھڑکنے سے زخم میں تیزی آتی ہے اور اس سے عاشق صادق کو زیادہ لذت ملتی ہے۔ شاعر کہتا ہے ہمیں ایسی مصنوعی اور خام لذت درکار نہیں، ہمارے زخموں کی لذت خداداد ہے؛ زخم ہی ایسے درد بھرے ہیں۔

در وجد و به هنجار نفس دست فشانیم
در حلقهٔ ما رقص دست و عود نیابی

لغت: "دست فشانیم" = وجد میں جھومنا اور ہاتھ ہلانا، رقص کرنا۔

ہم عالم وجد و کیف میں اپنے سانس کے آنے جانے کے مطابق ہی رقص کرتے ہیں؛ ہماری محفل میں دف و عود کے ساتھ رقص نہیں ہوتا۔ (یعنی ہم رقص کرتے ہیں تو کسی ساز کی ہم آہنگی میں نہیں کرتے)۔ ہمارا سانس خود ہی ساز ہے یہاں کسی دف یا عود کی حاجت نہیں۔

در مشرب ما خواهش فردوس نجوئی
در مجمع ما طالع مسعود نیابی

ہمارے مذہب میں تجھے جنت کی خواہش نہیں ملے گی۔ ہماری محفل میں تجھے مبارک نصیبے کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

در بادهٔ اندیشهٔ ما درد نه بینی
در آتش هنگامهٔ ما دود نیابی

ہمارے افکار کی شراب میں تلچھٹ کا کوئی نشان نہیں۔ ہماری

محفل کے ہنگاموں کی آگ (گرمی) میں کوئی دھواں نہیں - ہر خیال اور جذبہ پاکیزہ ہے -

چوں آخر حسن است بما ساز که دیگر
باہم کشش مانع مقصود نیابی

چونکہ اب ترے حسن کا آخری دور ہے ہم سے موافقت کرے کوئی باہمی کھچاوٹ پیدا نہیں ہوگی جو مقصود کے درمیان حائل ہو -

آں شرم که در پردہ گری بود نداری
آں شوق که در پردہ دری بود نیابی

اب اُدھر تم میں وہ شرم و حجاب بھی نہیں رہا جو عشق کے چھپانے کے لیے ہوتا تھا اور اُدھر وہ شوق جس سے پردہ دری کا خوف ہو، جاتا رہا ہے -

غالب به دکانے که بامید کشودیم
سرمایۂ ما جز ہوس سود نیابی

غالب اس دکان میں جو ہم نے بڑی اُمیدیں لے کر کھولی تھی اب سوائے ہوس سود کے کوئی ہمارا سرمایہ نہیں رہا -

غزل نمبر ۱۸

سرچشمۂ خون‌است ز دل تا به زباں، ہائے
دارم سخنے باتو و گفتن نتواں، ہائے

حیف کہ دل سے لے کے زبان تک ایک چشمۂ خون رواں ہے - تجھ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور کہہ نہیں سکتا - ہائے افسوس -

سیرم نتواں کرد ز دیدار نکویاں
نظارہ بود شبنم و دل ریگ رواں، ہائے

لغت: ''ریگ رواں'' = وہ ریت جو ہر لحظہ حرکت میں ہوتی ہے، یہاں وہاں اور واں سے وہاں اڑ کر چلی جاتی ہے -

مجھے حسینوں کے دیدار سے تسکین نہیں ہوتی - نظارۂ حسن، شبنم ہے اور میرا دل ریگ رواں، (شبنم کے قطرات اس ریگ رواں کو کیسے تر کر سکتے ہیں) -

شاعر نے اپنے دل کی تشنگی شوق کے اعتبار سے آسے ریگ رواں سے تشبیہ دی ہے جو بے حد بلیغ ہے -

ذوقے است دریں مویہ کہ بر نعش من استش
ہا دلشدۂ ہیچ مگوئے ہمہ داں، ہائے

لغت: ''مویہ'' = گریہ و زاری، فریاد، بین -

میرا محبوب ہو میری نعش پہ گریہ و زاری کر رہا ہے آس کی اس فریاد میں ایک خاص انداز کیف ہے کہ ہائے یہ عشق زدہ انسان،

یہ بے زبان ، سب کچھ جانتے ہوئے بھی ناداں ، ہاے ۔

در خلوتِ تابوت نرفت است زیادم
بر تختۂ در دوختہ چشم نگراں ، ھاے
ہائے وہ کواڑ کے پیچھے لگی ہوئی دو غمزدہ آنکھوں کا منظر!
میں اس خلوت تابوت میں آ کر بھی نہیں بھلا سکا ۔

اے فتویِ ناکامیِ مستاں کہ تو باشی
مہتابِ شبِ جمعۂ ماہِ رمضان ، ھاے
ہاے وہاں مستوں کو شراب نوشی سے روکنے کے فتوی کا
کیا حشر ہوگا جہاں تو ماہ رمضان کے شب جمعہ کا چاند بن کر
نمودار ہو ۔

یاد آورِ ناگفتہ شنو ، رفت حوالت
دردے کہ بہ گفتن نہ پذیرفت گراں ، ھاے

از جنت و سرچشمۂ کوثر چہ کشاید
خوں گشتہ دل و دیدۂ خونابہ فشاں ھاے
یہ غم سے خوں ہوا ہوا دل اور یہ اشکبار آنکھیں ، جنت اور
چشمۂ کوثر کی فضا میں کیا شگفتہ ہو سکیں گی ۔

در زمزمه از پرده و هنجار گزشتیم
رامشگری شوق بآهنگ فغاں ، هائے

لغت : ''پردہ'' = سُر ، ---- ''ہنجار'' = آہنگ - ''پردہ و ہنجا'' سُر تال ---- ''رامشگری'' = نغمہ سرائی -

زمزمہء محبت گاتے وقت ہم سر تال سے بے نیاز ہیں ، محبت کی نغمہ سرائی فریاد کی لے ہی میں ہوتی ہے (ہائے اس کیفیت کے کیا کہنے) -

سیماب تنے کز رمِ برق است نہادش
گردیدہ مرا مایہ آرامش جاں ہائے

لغت : ''سیماب تن'' = جس کے بدن میں پارے کی سی بے تابی ہو ---- ''رم برق'' = برق رفتاری ، برق کی سی تیزی - ''نہاد'' طینت ، طبیعت -

ہائے وہ سیماب تن محبوب جس کی فطرت (کے خمیر) ہی میں برق رفتاری ہے میری راحت جاں کا سرمایہ بنا ہوا ہے -

غالب بدل آویز کہ در کارگہِ شوق
نقشے است دریں پردہ بصد پردہ نہاں ، ہائے

لغت : ''کار گہ شوق'' = کارخانہء محبت ---- ''دریں'' = اس 'دل' میں -

غالب ! دل سے لپٹ جا کیونکہ اس کار گہ شوق میں اس دل کے اندر پردہ در پردہ ایک نقش پوشیدہ ہے دل گویا ایک خزانہ ہے

ہے جس کی گہرائیوں میں محبت کے راز چھپے ہوئے ہیں - یہاں ایک نقش سے مقصود وہ نقش ازلی (محبوب حقیقی) ہے جو چھپا بیٹھا ہے -

غزل نمبر ۱۰

زاہد کہ و سجدہ چہ و محراب کجائی
عید است و دمِ صبح مے ناب کجائی

زاہد کون؟ کیسی مسجد؟ محراب کہاں کی، عید کا دن ہے، صبح کا وقت ہے، مئے ناب کہاں ہے؟

دریا ز حباب آبلہ پائے طلب تست
نور نظر اے گوہر نایاب کجائی

تری طلب میں سمندر کے پاؤں میں حبابوں کی چھالے پڑ گئے ہیں - اے مرے نور نظر میرے گوہر نایاب تو کہاں ہے؟
سمندر اور حباب کی رعایت سے محبوب کو گوہر نایاب کہا ہے -

بوے گل و شبنم نسزد کلبہ ما را
صرصر تو کجا رفتی و سیلاب کجائی

ہمارے غم خانے میں بوئے گل اور شبنم نہیں سجتے - صرصر تو کہاں چلی گئی اور سیلاب تو کہاں ہے؟

یعنی اب غم خانے کو طوفان باد اور سیلاب سے برباد ہونا چاہیے ، یہاں پھول اور شبنم کا کیا کام ۔

حشر است و خدا داور و هنگامه بپایان
اے شکوۂ بے مہری احباب کجائی

قیامت بپا ہوئی ، خدا کے عدل و انصاف کا دربار گرم ہوا ، یہ ہنگامہ ختم بھی ہونے والا ہے ۔

ہمیں جو دوستوں کی بے مہری کا شکوہ کرنا تھا وہ کہاں چلا گیا ۔

بڑے اسلوب سے یہ کہا ہے کہ زندگی بھر تو دوستوں کی بے مہری کی شکایت لب پر نہ آ سکی اور آتی بھی کیسے کہ جن سے کہنا تھا انہی کے ہاتھوں ستائے گئے ۔ اب قیامت یہ ہے کہ حشر میں بھی بات زبان پر نہ آ سکی ۔

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

آں شور که گرداب جگر، داشت ندارد
اے لخت دل غرقه بخونناب کجائی

جگر کے بھنور میں جو تلاطم بپا تھا اب ختم ہو گیا ، اے خون میں ڈوبے ہوئے پارہ ہائے دل کہاں ہو ۔

جگر میں جب تک جوش خوں تھا خون کے آنسو بہاتے رہے ۔ اب وہ جوش ختم ہو چکا ہے ۔ اب خون میں غرق شدہ دل افسردہ پڑا ہے اور بس ۔

با گرمی هنگامه خواهش نه شکیبم
آتش به شبستان زدم، اے آب کجائی

خواہشات کے ہجوم کی گرمی سے شکیب حاصل نہ ہوا، خواب گاہ کو آگ لگا دی، اے آب تو کہاں ہے۔ یعنی معشوق کے انتظار میں، خواب گاہ کو آراستہ کئے بیٹھا تھا، گرمی شوق نے آگ بھڑکائی اس آگ میں سارا سامان آرائش بھی جل گیا اب تو تو آ جا۔ محبوب کو آب کہا ہے کہ اسی کہ آنے سے یہ آگ بجھ سکتی ہے۔

ع تمہی نے درد دیا ہے تمہی دوا دینا

چوں نیست نمک سا اشکم، به فغانم
کاے روشنی دیدۂ بے خواب کجائی

آنسوؤں میں اب وہ نمکینی نہیں رہی، فریاد کر کے (پکار کے) کہہ رہا ہوں اے مرے دیدۂ بے خواب کی روشنی تو کہاں ہے؟

غوّاصی اجزاے نفس دیر ندارد
از دل نه دمی، داغ جگر تاب کجائی

سانس (نفس) کے اجزا میں غواصی کرتے دیر نہیں لگتی۔ اے جگر کو روشن کرنے والے داغ تو دل سے ابھر کر نہیں آتا کہاں ہے؟

اجزاے نفس سے مراد خود سانس ہی ہے۔ یعنی سانس کا سلسلہ

زیادہ دیر نہیں چلتا ۔ دل سے داغ کو اُبھر کر باہر آنا چاہیے تھا ۔
اب داغ جگر کو ہی باہر آ کر کچھ اثرانگیزی دکھانی چاہیے ۔

شورے است نوا ریزی تار نفسم را
پیدا نہ اے جنبش مضراب کجائی

میرے سانس کے تاروں میں سے نغمے کا شور اُبھر رہا ہے ۔
اس ساز کو چھیڑ کر نغمے اُبھارنے والی مضراب تو نظر نہیں آتی ،
کہاں ہے ؟

دل سے درد بھری آوازیں اُبھر رہی ہیں ۔ اس ساز کو کس
جنبش مضراب نے چھیڑا ہے ۔ سامنے تو آئے ۔ (محبوب کی طرف
اشارہ ہے) ۔

نظیری کا شعر ۔

تو مپندار کہ ایں قصہ ز خود می گویم
گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

بنمائے بہ گوسالہ پرستاں یدِ بیضا
غالب بسخن صاحب فرتاب کجائی

لغت : ''گوسالہ'' = وہی گوسالۂ سامری ، جو سامری نے
بنی اسرائیل کو گمراہ کرنے کے لیے بنایا تھا ۔ ''ید بیضا'' = حضرت
موسیٰ کا ہاتھ ، جس کے اثر سے گوسالہ کا طلسم دور ہوا ۔

غالب ! تو اپنی سخن پروری میں بہت بلند مرتبہ واقع ہوا

ہے تو کہاں ہے؟ آ اور ان گوسالہ پرستوں کو اپنا ید بیضا (کلام) دکھا۔

غزل نمبر ۲۰

دل کہ از من مرترا فرجام ننگ آرد ہمے
بر سر راہ تو با خویشم بجنگ آرد ہمے

میرا دل جو تیرے لیے انجام کار بدنامی کا باعث بنتا ہے۔ جب میں تیری طرف جاتا ہوں تو یہی (دل) مجھے اپنے آپ سے لڑاتا ہے۔

عاشق کو معلوم ہے کہ محبوب کے گھر کی طرف جانا محبوب کی رسوائی کا باعث ہے لیکن اس کے باوجود وہ اُدھر کا رخ کرتا ہے اور راستے میں اُس کا دل اُسے ملامت کرتا ہے کہ کیوں جا رہا ہے۔

پنجہ نازک ادائش را نگارے دیگر است
خون کند دل را نخست آنگہ بچنگ آرد ہمے

اُس کے نازک ادا پنجے کی سرخی (نگار) آرائش کے لیے نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہی شے ہے۔ وہ پہلے عاشق کے دل کو خون کر دیتا ہے۔ پھر اُسے مٹھی میں لیتا ہے۔ یعنی کسی کے دل کو موہ لینے سے پہلے ہی اُس دل کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔

بوسہ گر خواہی بدیں شنگی بہ پیچد تنگ تنگ
عذر اگر باید بمستی رنگ رنگ آرد ہمے

اگر اُس سے بوسہ طلب کیا جائے تو بے حد پیچ و تاب کھاتا ہے اور اگر مستی میں عذر پیش کرنا پڑے تو طرح طرح سے عذر پیش کرتا ہے -

آنکہ جوید از تو شرم و آنکہ جوید از تو مہر
تقوی از میخانہ و داد از فرنگ آرد ہمے

جو کوئی تجھ سے شرم و حجاب یا کوئی پیار کی توقع رکھتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی میخانے سے تقوی اور فرنگ سے انصاف کی توقع کرتا ہے -

بازوے تیغ آزماے داشتی ، انصاف نیست
کز تو بختم مژدۂ زخم خدنگ آرد ہمے

لغت : ''خدنگ'' = تیر -

تیرا ہاتھ تیغ آزما ہے پھر یہ انصاف کی بات نہیں کہ میرا نصیب تیری طرف سے زخم تیر کھانے کی خوشخبری دے -

جب تلوار کا وار کیا جا سکتا ہے تو پھر تیر چلانے کی کیا ضرورت ہے - تلوار کے زخم میں جو مزہ ہے وہ تیر کے زخم میں نہیں -

وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیے

گر نہ در تنگیٔ دہانِ دوست چشم دشمن است
از چہ رو، بر کامجویاں، کار تنگ آرد ہمے

لغت: ''از چہ رو'' = کس لیے - - - - ''کامجویاں'' = خواہشمند، آرزو مند عاشق

اگر ہمارے دوست کا دہن دشمن کی آنکھ نہیں ہے (کیوں کہ وہ تنگ ہوتی ہے) تو پھر کس لیے وہ عاشقوں کی آرزوئیں پوری کرنے میں تنگی دکھاتا ہے۔

تا در آں گیتی شوم پیش شہیداں شرمسار
رنجد و بیہودہ در قتلم درنگ آرد ہمے

لغت: ''درنگ'' = دیر - - - ''درگ آرد'' = دیر کرتا ہے - - - -

وہ مجھ سے بگڑ جاتا ہے اور مجھے قتل کرنے میں یونہی تاخیر برتتا ہے تاکہ مجھے اُس دنیا (آخرت) میں شہیدان عشق کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔

خواہدم در بند خویش، اما بہ فرجام بلا
حلقہ دام من از کام نہنگ آرد ہمے

لغت: ''کام نہنگ'' = مگرمچھ کا حلق - - - (کام نہنگ میں ہونا انتہائی مصیبت میں ہونا مقصود ہے)۔

وہ چاہتا ہے کہ میں اس کی قید میں رہوں، لیکن آخرکار مصیبت میں وہ مگرمچھ کے حلق کو میرے جال کا حلقہ بنا لیتا ہے۔

یعنی گرفتار محبت ، گرفتار بلا ہو کر رہ جاتا ہے ۔

ہمچناں در بند سامان مرادش سنجمے
گر بجائے شیشہ بخت از دوست سنگ آرد ہمے

لغت : ''سنجمے'' = سنجم ، خیال کروں گا ۔ ۔ ۔ ۔ ''مرادش'' میں ش کا مرجع دوست ہے یعنی مراد دوست ۔

اگر میرا نصیب ، دوست کی طرف سے میرے لیے بجائے شیشے کے پتھر لے آئے تو میں یہ سمجھوں گا کہ یہ بھی میرے دوست کی دلی مراد ہی کے سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔ یعنی دوست کی طرف سے جو بھی میسر آئے غنیمت ہے ۔

ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

چشم خلقے سرمہ جو و روئے غالب درمیاں
در رہش اندیشہ با بادم بجنگ آرد ہمے

ایک دنیا کی آنکھیں سرمے کی تلاش میں لگی ہیں اور درمیان میں غالب کھڑا ہے ۔ اس کی (محبوب کی) راہ میں چلتے چلتے میں تصور ہی میں ہوا سے الجھتا ہوں ۔

یعنی ہوا کے چلنے سے محبوب کی رہ سے جو گرد اڑتی ہے لوگ اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کی خواہش میں ہیں اور غالب کو ہوا پہ غصہ آ رہا ہے کہ یہ خاک کیوں اڑا رہی ہے جو دوسروں تک پہنچ رہی ہے یہ خاک تو میرے چہرے پہ پڑنی چاہیے تھی ۔

غزل نمبر ۲۱

دیدہ ور آنکه تا نہد دل بشمار دلبری
در دل سنگ بنگرد رقصِ بتان آذری

صاحب نظر وہی ہے کہ جب وہ دلبری کا تصور کرنے لگے تو اُسے پتھر کے اندر (دل میں) بتان آدزی رقص کرتے ہوئے دکھائی دیں -

بت ، پتھر تراش کر بنائے جاتے ہیں لیکن ایک صاحب بصیرت کو پتھر کے اندر ہی وہ تراشا ہوا بت نظر آ جاتا ہے اور اس طرح پتھر کا حسن بھی نمایاں ہو جاتا ہے گویا حسن ہر شے میں موجود ہے -

فیضِ نتیجۂ ورع از مے و نغمہ یافتیم
زہرۂ ما بریں افق دادہ فروغ مشتری

لغت : ''زہرہ'' و ''مشتری'' دو سیارے ہیں -

ہمیں شراب اور نغمہ سے وہی فیض حاصل ہوا جو زہد و تقویٰ سے حاصل ہوتا تھا ، اس افق پر ہمارا سیارۂ زہرہ مشتری بن کر چمکا -

تا نبود به لطف و قہر ہیچ بہانہ درمیاں
شکر گرفت نارسا ، شکوہ شمرد سرسری

اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے - اور اس کے لطف و کرم اور اُس کے قہر و عذاب کا کوئی سبب (بہانہ) نہیں - چنانچہ کہتا ہے کہ

وہ (اللہ تعالیٰ) شکر کو نارسا سمجھتا ہے اور شکوے کو بے جا (سرسری) تا کہ اُس کے لطف و قہر کے لیے کوئی بہانہ (وجہ) درمیان میں نہ رہے۔

یہاں سے اشعار کا خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔

اے تو کہ هیچ ذرّہ را جز بہ رہ تو روے نیست
در طلبت تواں گرفت بادیہ را بہ رهبری

اس کائنات کے ذرے ذرے کا رخ سوائے تیرے کسی اور طرف نہیں ہے۔ تیری تلاش و جستجو کے لیے خود بیاباں ہی (ہر ذرے کی) کی رہنمائی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو خطاب کر کے کہتا ہے:

ہر ذرہ تیری تلاش میں سرگرداں ہے اور فطری طور پر تیری طرف مائل ہے۔ وہ اگر چاہے بھی تو گریز نہیں کر سکتا۔ طبعاً اس کا مقصود تیری ذات ہی ہے اور اس کے لیے کسی رہنما کی ضرورت نہیں۔

هرکہ دلست در برش داغ تو رُویدش ز دل
تا چو بہ دیگرے دہد، باز بری بداوری

جس کسی کے سینے میں دل ہے، تیرا داغ محبت اُس دل سے خود بخود اُبھرتا ہے تا کہ وہ اگر کہیں کسی اور کو دل دے بھی دے تو تو اس سے دعویٰ کر کے واپس لے لے۔

انسان اگر کسی وقت گمراہ ہو کر کسی اور طرف نکل بھی جائے تو آخر کار لوٹ کر اُدھر ہی آ جاتا ہے۔

بسکه به فنّ عاشقی غیرتِ غیر جاں گزاست
باتو خوشم که جز تو نیست روی به هر که آوری

فن عاشقی میں رشک غیر جاں کا روگ ہوتا ہے ۔ تیرے بارے میں میں اس لیے مطمئن ہوں کہ تو کسی کی طرف بھی رخ کرے یا مائل ہو تو وہ تیرے سوا اور کوئی نہیں ہوگا ۔

یعنی عشق الٰہی میں کسی غیر کا تصور ہو ہی نہیں سکتا ۔ ہر وجود اُسی کا وجود ہے ۔

پھر رشک کیسا ۔ مسئلہ وحدت الوجود کو بڑے عاشقانہ انداز میں بیان کیا ہے ۔

رشک ملک چه وچرا، چوں بتوره نمی برد
بیهده در هوائے تو می پرد از سبکسری

فرشتے کا رشک کیسا اور کیوں ؟ وہ تو چونکہ تجھ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا بے فائدہ یونہی تیری آرزو میں پر ہلائے پھر رہا ہے ۔

حیف که من بخوں تپم و ز تو سخن رود که تو
اشک بدیده بشمری ، ناله بسینه بنگری

افسوس کہ میں تو یوں خون میں تڑپوں اور تیرے بارے میں مشہور ہو کہ تو آنسوؤں کو آنکھوں ہی میں شمار کر لیتا ہے اور فریادوں کو سینے ہی میں دیکھ لیتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ علیم و بصیر و خبیر ہے ۔ وہ انسانی دلوں کے راز

جانتا ہے ۔ جو آنسو ، قطرہ قطرہ ہو کر آنکھوں سے ابھی نہیں گرے ہوتے انھیں پہلے ہی سے شمار کر لیتا ہے اور جو فریاد ابھی سینے سے لبوں تک نہیں آئی اسے سینے ہی میں دیکھ لیتا ہے ۔ پھر ایک دکھی انسان کا یوں دکھی رہنا کیسا ۔ اور اگر وہ سب دیکھتا اور سنتا ہے تو پھر فریاد کرنے اور آنسو بہانے کی بھی کیا ضرورت ہے ۔

اپنے دکھوں کو مرزا غالب بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے ۔ اس میں شکایت بھی ہے اور لطیف طنز بھی اور اپنی انتہائی بے کسی کا اظہار بھی ۔ اور یہ سب کچھ بڑے احترام کے ساتھ ہے ۔

''از تو سخن رود'' کے محاورے میں جو حسن ہے اور لطیف معنوی پہلو ہے وہ ذوق سلیم رکھنے سے پوشیدہ نہیں ۔

کوثر اگر بمن رسد خاک خورم زبے نمی
طوبیٰ اگر ز من شود ہیمہ کشم زبے بری

اگر کوثر مجھ تک پہنچے تو میں اسے بے نم خاک سمجھ کر پھانک لوں اور اگر طوبیٰ کا درخت میرا ہو جائے میں اسے بے ثمر خیال کر کے اس کا ایندھن بنا لوں ۔

درد ترا بوقت جنگ قاعدۂ تہمتنی
فکر مرا بزیر زنگ آئینہ سکندری

تیرا درد عاشقوں سے بر سر جنگ ہوتے وقت رستم کی سی توانائی رکھتا ہے اور میرا فکر شعری اس کے زنگ تلے آئینہ سکندری کی سی چمک رکھتا ہے ۔

ادھر تیرا درد ہے کہ میرے اندر جم کر بیٹھا ہے اور ادھر میں ہوں کہ میرے شاعرانہ افکار، آئینے کی طرح تابدار ہیں اگرچہ بظاہر زنگ کے تلے دبے ہوئے ہیں۔

بینی ام ازگداز دل در جگر آتشے چوں سیل
غالب اگر دم سخن رہ بہ ضمیر من بری

غالب اگر میری سخن سرائی کے وقت تجھے میرے ضمیر تک رسائی ہو تو تو دیکھے کہ میرے دل نے گداز ہو کر میرے جگر میں کیسے آگ بھڑکائی ہوئی ہے۔

غزل نمبر ۲۲

ز بسکه با تو بهر شیوه آشنا ستمے
به عشق مرکز پرکار فتنه ها ستمے

چونکہ میں تیری ہر ادائے معشوقانہ سے آشنا ہوں اس لیے تیرے عشق میں طرح طرح کے فتنوں کے پرکار کا مرکز بنا ہوا ہوں۔ یعنی طرح طرح کے فتنوں میں گھرا ہوا ہوں۔ گویا ہر ادائے ناز ایک فتنہ ہے کہ جو کوئی اس سے آشنا ہوا ایک مصیبت میں پڑ گیا۔

امیدگاه من و همچو من هزار یکیست
ز رشک در صددِ ترکِ مدعا ستمے

میری اور میرے جیسے ہزاروں کی امید گاہ ایک ہی ہے اور

یہ باعث رشک بات ہے ۔ اس سوچ میں ہوں کہ ترک مدعا کر لوں یعنی جب ہر ایک تجھ سے امیدیں وابستہ کیے بیٹھا ہے اور تو سب کی طرف مائل ہے تو پھر میری کیا تخصیص ، یہ بات باعث رشک ہے ۔ بہتر یہی ہے کہ کوئی خواہش ہی نہ کی جائے ۔

سخن ز دشمن و غم ھاے ناگوارش نیست
ز دوست داغ ستم ھاے ناروا ستمے

دشمن اور اس کے ناگوار دکھوں کی بات نہیں ۔ میں تو دوست کے ناروا ستموں کا مارا ہوا ہوں ۔

دیت مگو ، و ملامت مسنج و فتنہ مگیر
چہ شد کہ ھیچ کسم بندۂ خدا ستمے

لغت : ''دیت'' = صلہ ، خوں بہا ، بدلہ ۔

جور و ستم کے بدلے کی بات نہ کر ، اس برے انداز میں مت سوچ ، ہنگامے پیدا نہ کر ۔ کیا ہوا کہ میں ناچیز ہوں آخر بندۂ خدا ہوں ۔

بسرمہ غوطہ دھیدم کہ در سیہ مستی
ز شرمگیٔ چشمے ، سخن سرا ستمے

سرمے کے بارے میں مشہور ہے کہ کسی کو کھلا دیا جائے تو اس کا گلا خراب ہو جاتا ہے اور آواز بند ہو جاتی ہے ۔ میں بد مستی کے عالم میں کسی کی شرمیلی آنکھوں کے بارے میں باتیں کیے جا رہا ہوں ، مجھے سرمے میں غوطہ دو (کہ میں چپ ہو جاؤں اور

اُس کا راز فاش نہ ہو) ۔

ستم نگر کہ بدیں بختِ تیرۂ کہ مراست
ز بہر فرقِ عدو سایہ ہما ستمے

ستم دیکھو کہ اس سیہ بختی کے باوجود جو میرے حصے میں آئی ہوئی ہے میں عدو کے سر کے لیے سایۂ ہما بنا ہوا ہوں ۔

گویا میں خود بد بخت ہوں لیکن دشمن کے لیے باعث خوش بختی ہوں قدرت کی کتنی بڑی ستم ظریفی ہے ۔

چگونہ تنگ توانم کشیدنت بہ کنار
کہ با تو در گلہ از تنگیِ قباستمے

تجھے میں کس طرح اپنے آغوش میں بھینچ لوں کہ مجھے تری تنگی قبا کی طرف سے گلہ ہے کہ قبا نے تمہیں کس طرح بھینچا ہوا ہے ۔

نکردہ وعدہ کہ بر عاجزاں ببخشاید
امید سنجِ فغاں ھائے نارسا ستمے

کیا اُس نے عاجزوں کو بخشش دینے کا وعدہ نہیں کیا ؟ (اس لیے) اگرچہ میری فریادیں بے اثر (نارسا) معلوم ہوتی ہیں میں اُمید لگائے بیٹھا ہوں ۔

بباده داغ خودی از رواں فرو شستہ
ھلاکِ مشربِ رندان پارسا ستمے

رندان پارسا کے اس مسلک کے قربان جاؤں کہ اُنھوں نے

شراب سے اپنی خودی کا داغ دھو ڈالا ہے۔ (ہر چند کہ رند شراب خوار ہیں لیکن انھوں نے شراب سے اپنی خودی کو مٹا دیا ہے وہ پارسا ہیں اگرچہ ان کا یہ مسلک نرالا ہے)۔

بہرزہ ذوق طلب می فزایدم غالب
کہ باد در کف و آتش بزیرپا ستمے

لغت: "آتش بزیرپا" = (وہ شخص جو آگ پر کھڑا ہو) بیقرار۔

"باد در کف" = (جو ہوا کو مٹھی میں لیے ہو) خالی ہاتھ۔ بے کار سعی و کوشش کرنے والا۔

غالب میرا ذوق طلب بے کار بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ حالت یہ ہے کہ ہاتھ میں ہوا ہے (ہاتھ خالی) اور بیقراری زور پر ہے۔

غزل نمبر ۲۳

دلم در نالہ از پہلوے داغِ سینہ تا بستے
بر آتشپارۂ چسپیدہ لختے از کبا بستے

لغت: "سینہ تاب" = سینے میں آگ بھڑکانے والا۔

میرے پہلو میں ایک داغ ہے جس نے میرے سینے میں آگ بھڑکائی ہوئی ہے اور دل اس داغ کے قرب سے تڑپ رہا ہے اور فریاد کر رہا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ کباب کا ٹکڑا ہے جو انگارے سے چپکا ہوا جل رہا ہے۔

بهارم دیدن و رازم شنیدن بر نمی تابد
نگه تا دیده خون استے و دل تا زهره آ بستے

لغت: ''زہرہ'' = پتّا ۔

میری بہار یہ تاب نہیں لا سکتی کہ کوئی اسے دیکھے اور میرا راز یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی اسے سنے ۔ مری نگاہیں آنکھوں سمیت خون ہو چکی ہیں اور دل پتّے سمیت گداز (آب) ہو چکا ہے ۔

هجوم جلوۀ گل کاروانم را غبار استے
طلوع نشه مے مشرقم را آفتابستے

ہجوم گل مرے کارواں کے راستے کا غبار، اور نشہ مے کی تیزی میرے مشرق سے طلوع ہونے والا آفتاب ہے ۔

فغانم را نوائے صور محشر همعنان استے
بیانم را رواج شور طوفان در رکابستے

میری فریاد میں صور محشر کی آواز سمائی ہوئی ہے اور میرے بیان میں سیلاب کے تلاطم کے شور کا انداز ہے ۔

ز خاکم ناله می روید ز داغم شعله می بالد
رسیدی گرد راهستے، و دیدی اضطرا بستے

خطائے سرزد از بے صبری و شرمنده از نازم
بحسرت مردن استغنائے قاتل را جواب استے

قاتل کی بے نیازی کا جواب یہی ہوتا ہے کہ مرنے والا حسرت

سے جان دے اور قاتل سے التجا نہ کرے۔

چنانچہ کہتا ہے کہ میں بے صبر اور بے تاب ہو گیا اور یہ خطا تھی اب میں ناز حسن سے شرمندہ ہوں کہ ایسا کیوں کیا۔ قاتل کی بے نیازی (استغنا) کا جواب یہی تھا کہ میں حسرت ہی میں جان دے دیتا۔

دلم صبح شب وصل تو بر کاشانہ می لرزد
در و بامم بوجد از ذوق بوے رخت خواب استے

صبح شب وصال میرا دل اپنے مکان کو دیکھ کر لرزتا ہے۔ بستر کی خوشبو کی لذت سے در و بام رقص کر رہے ہیں۔

زہے جان و دلم کز ہفت دوزخ یاد گارستے
خوشا پاتا سرت کز ہشت گلشن انتخاب استے

کیا کہنے میرے جان و دل کے کہ سات دوزخ کی یادگار ہیں اور ترے سرتاپا کے کیا کہیے کہ آٹھوں گلشنوں (جنت) کا انتخاب ہے۔

دلم می جوئی واز رشک می میرم کہ در مستی
چرا ز آں گوشہ ابرو اشارات کامیابستے

تو میرے دل کی تلاش میں ہے اور میں رشک سے مر رہا ہوں کہ اس مستی کے عالم میں بھی تیرا گوشۂ ابرو کا اشارہ کتنا اپ ہے۔

نگاہ یار بد مستی میں بھی ہشیار کیسی ہے

محبت در بلا اندازه می جوید مقابل را
کتان هوش را مر جلوۂ گل ماهتابستے

محبت اپنی مصیبتوں سے اپنے مقابل کو آزماتی ہے (کہ وہ کہاں تک اُن کی تاب لا سکتا ہے) میرے ہوش کے لیے جلوۂ گل (یعنی جلوۂ محبوب) ماہتاب کی طرح ہے۔

کہتے ہیں کہ چاندنی میں کتان کا کپڑا پھٹ جاتا ہے۔

گلویم تشنہ وجان و دلم افسردہ ، ہے ساقی
بدہ نوشینہ دارو ے کہ ھم آتش ہم آبستے

میرا گلا پیاسا ہے اور جان و دل افسردہ ہیں۔ ہاں ساقی کوئی ایسا شیریں دارو لا کہ جو آگ بھی ہو اور پانی بھی کہ دل و جاں میں شگفتگی آئے اور تشنگی بھی بجھ جائے۔

سپاس از جامگی خوارانِ استغنائے ناز ستے
شکایت از دعا گویانِ اندازِ عتاب استے

نگویم ظالمی امّا تو در دل بودۂ و انگہ
دلے دارم کہ ہمچو خانہ ظالم خرا بستے

میں تجھے ظالم نہیں کہتا ، لیکن تو میرے دل میں رہا ہے اور اس کے بعد میرے دل کی یہ حالت ہے کہ وہ خانۂ ظالم کی

طرح خراب (برباد) ہے۔

منال از عمر و ساز عیش کن ، کز باد نوروزی
گلشن جلوۂ رنگینی عہد شباب استے

زندگی سے نالاں نہ ہو ، عیش و نشاط کا سامان کر ، کیونکہ باد نوروز کے چلنے سے باغ میں عہد شباب کی سی رنگینی آ گئی ہے۔

طفیل اوست عالم غالبا دیگر نمیدانم
گر از خاک است آدم ، پاے نام بو تراب رض استے

پہلے مصرعے میں "او" کی ضمیر کا مرجع "بوتراب" ہے جو حضرت علی رض کا لقب ہے۔ تراب خاک کو کہتے اور پاے نام سے مراد نام کا آخری حصہ۔

غالب میں اور کچھ نہیں جانتا اتنا جانتا ہوں کہ یہ عالم اسی کے طفیل ہے۔ اگر آدم خاک سے ہے تو وہ حضرت ابو تراب کے نام کا آخری حصہ یعنی "تراب" ہے۔